

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabelesakina.page.fl

sabelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

آش رنگارش
اہلِ تسلیم کی ایک جماعت

زیرِ نظر
استاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

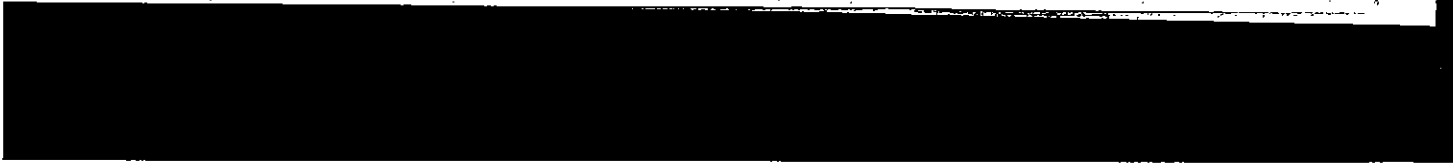
تفسیر نمونہ

جلد ۱۵

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی
حضرت آیت اللہ العظمیٰ الحاج سید علی رضا ایستغاثی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ





پیشکش: حوزہ عالیہ جامعہ المنتظر لاہور
جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب _____ تفسیر نمونہ
جلد _____ ۱۵
زیر نظر _____ آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی
مترجم _____ حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی رح
ناشر _____ مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔ ارگنکارام بلڈنگ
شاہراہ قائد اعظم، لاہور
مطبع _____ معراج دین پرنٹرز، لاہور
تاریخ اشاعت _____ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
ہدیہ _____ 200/-

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر

۲۲۲ الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون: ۱۲۲۲۲۲۳-۱۲۲۲۲۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

عَرَضِ نَاشِر

قارئین محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ -
الحمد للہ! مصباح القرآن ٹرسٹ - کلام حکیم اور عہد حاضر کی بعض عظیم تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے
ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی یہ شہرت حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور
آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر - تفسیر نمونہ - کو فارسی سے اردو زبان
میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسن ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ،
کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونت کی فراخ دلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے
قلیل عرصے میں کم و بیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیس جلدوں میں
شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ شکر اللہ۔

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ
اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علی نقی النقیوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی سات جلدوں پر
مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔ اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے
تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی "پیام قرآن" از آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور "قرآن کا دائمی منشور"
از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے آگے بڑھا رہا ہے۔

تفسیری حواشی پر مشتمل ایک جلدی قرآن پاک عہد حاضر کے مقبول اردو تراجم کے ساتھ زیر طباعت ہیں۔ اس
سلسلے میں روشن فکر اور جدید عالم دین حضرت علامہ ذیشان حیدر جوادی مدظلہ کا ترجمہ "انوار القرآن" حال ہی میں شائع
ہوا ہے۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری اُمتِ مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بیدار و تیار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے،
لہذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی

طلب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔ بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کر رہے ہیں، چنانچہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے موجودہ ستائیس جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ قارئین محترم کے لیے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔

تفسیر نمونہ کی اس ترتیب نو کا ایک عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جلد میں دو دو پاروں کی تفسیر ہو اور یوں اس کی پندرہ جلدیں مکمل ہو جائیں لیکن اس میں یہ یقین رہ جاتا ہے کہ بہت سی قرآنی سورتوں کا کچھ حصہ ایک جلد میں اور بقایا حصہ اس سے اگلی جلد میں چلا جاتا ہے جس سے مطالعے کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ہم نے اپنے قارئین کو اس زحمت سے بچانے کی خاطر اس تفسیر کو سورتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ اس طرح کوئی قرآنی سورت دو حصوں میں تقسیم نہیں ہونے پائی اور ہر جلد کسی نہ کسی سورت کی کامل تفسیر پر ختم ہو گئی۔ اس طرح پوری تفسیر نمونہ پندرہ جلدوں میں آگئی ہے۔

اس جدید اشاعت کے سلسلے میں تفسیر نمونہ جلد ۱۵، آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں سابقہ جلد ۲۶ سورہ تکویر تا سورہ الفجر اور جلد ۲۷ مکمل سورہ البلد تا سورہ والناس شامل ہیں، چنانچہ یہ جلد سورہ تکویر تا سورہ والناس کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

ہم نے زیر نظر کتاب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاہم اس بارے میں آپ کی آراء ہمارے لیے بہترین رہنما ہوا کرتی ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم اپنی مطبوعات کو مزید بہتر بنا کر پیش کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس پیشکش کا بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کا معیار مزید بلند کرنے کے سلسلے میں اپنی قیمتی آراء سے نوازیں گے۔ ہم مفید تنقید اور آراء کے لیے منتظر رہتے ہیں۔

آخر میں ہم لاہور کے ایک مخلص و مخیر مرد مومن الحاج شیخ ظہور علی منگلا سے اظہار تشکر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جن کے تعاون سے تفسیر نمونہ کی یہ جدید اشاعت تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے، ہم دعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ بحق معصومین ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

اِہْدَاء

”مرکز مطالعات اسلامی و نجاتِ نسلِ جوان“

جو

تمام طبقات میں عموماً اور جوانوں میں خصوصاً اسلام کی حیات بخش

تعلیمات پہنچانے کے لیے قائم کیا گیا ہے

اس نغمہ تالیف کو

ان اہل مطالعہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے

جو

قرآن مجید کے متعلق بیشتر بہتر اور عمیق تر معلومات حاصل کرنا

چاہتے ہیں۔

حوزہ علیہ۔ نم



یہ تفسیر

حسب ذیل علماء و مجتہدین کی باہمی کاوش قلم کا نتیجہ ہے

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے محمد رضا آشتیانی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے محمد جعفر امامی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے سید حسن شجاعی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے سید نور اللہ طباطبائی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے محمود عبد اللہی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے محسن قرائتی

○ حجۃ الاسلام دہ سلیمین آقائے محمد محمدی

چند تفسیر

جن سے اس تفسیر میں استفادہ کیا گیا ہے

مشہور مفسر طبری	تالیف	تفسیر مجمع البیان
عظیم و فقید عالم شیخ طوسی	تالیف	تفسیر تفسیر
علامہ طباطبائی	تالیف	تفسیر المیزان
علامہ حسن فیض کاشانی	تالیف	تفسیر صافی
عبد علی بن جمعہ حویزی	تالیف	تفسیر نور الثقلین
سید ہاشم بحرانی	تالیف	تفسیر برہان
علامہ شہاب الدین محمود آلوسی	تالیف	تفسیر روح المعانی
محمد رشید رضا (تقریرات درس تفسیر شیخ محمد عبدہ)	تالیف	تفسیر المنار
سید قطب	تالیف	تفسیر فی ظلال القرآن
محمد بن احمد انصاری قرطبی	تالیف	تفسیر قرطبی
ابو الحسن علی بن متوہ واحدی نیشاپوری	تالیف	اسباب النزول
احمد مصطفیٰ مراغی	تالیف	تفسیر مراغی
فخر الدین رازی	تالیف	تفسیر مفاتیح الغیب
ابوالفتح رازی	تالیف	تفسیر روح البیان

گذشتہ

تفسیر نمونہ (فارسی) ستائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے اردو ترجمے کے متعدد ایڈیشن بھی ستائیس جلدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ محسن ملت حضرت علامہ سیّد صفدر حسین نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ کا اختتامی نوٹ اسی ترتیب کے مطابق جلد کے آخر میں تحریر کیا گیا تھا۔ نئی ترتیب میں بھی اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ خداوند کریم مولانا مرحوم کو جوارِ معصومین میں بلند درجات عطا فرمائے۔

(ادارہ)

اس تفسیر میں مد نظر اہداف

پوری دنیا، جس کی نظریں اسلام کی طرف لگی ہیں، چاہتی ہے کہ اسلام کون سے سرے سے پہچانے۔ یہاں تک کہ خود مسلمان یہی چاہتے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک "ایران کا اسلامی انقلاب" اور "دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی تحریکیں" ہیں۔ جنہوں نے تمام لوگوں کے افکار خصوصاً نوجوان نسل کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ معرفت کا پیاسا بنا دیا ہے۔

ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسلام کی شناخت کے لیے نزدیک ترین راستہ اور مطمئن ترین وسیلہ و ذریعہ عظیم اسلامی کتاب قرآن مجید میں غور و فکر اور اس کا مطالعہ ہے۔

دوسری جانب قرآن مجید جو ایک عظیم اور جامع ترین کتاب ہے، عام کتب کی مانند کسی ایک مسئلہ کی گہرائی پر مشتمل نہیں بلکہ اصطلاح کے مطابق اس میں کئی بطنوں ہیں اور ہر بطن میں دوسرا بطن مضمر ہے۔

بالفاظ دیگر ہر شخص اپنی فکری گہرائی، فہم و آگہی اور لیاقت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے چشمہ علم سے محروم نہیں ہوتا۔

متذکرہ بالا گفتگو کی روشنی میں ایسی تفاسیر کی ضرورت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے جو افکارِ علماء میں موجود رشتوں کو ایک دوسرے سے منسلک کریں اور محققین اسلام کی محنتوں اور حاصل فکر سے استفادہ کر کے لکھی جائیں اور جو مختلف قرآنی اسرار کی گرہیں کھول سکیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسی تفسیر اور کونسا مفسر۔۔۔؟ وہ تفسیر، کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے اسے واضح کرے، نہ کہ جو کچھ مفسر چاہے اور پسند کرے اسے پیش کرے۔ اور وہ مفسر جو اپنے آپ کو قرآن کے سپرد کر دے اور اسی سے درس لے، نہ وہ کہ جو نہ جانتے ہوتے یا جان بوجھ کر اپنے پہلے سے کیے گئے فیصلوں اور نظریات کے مطابق جستجو کرے اور جو قرآن کا طالب علم بننے کی بجائے اس کا استاد بن جائے۔

البتہ عظیم مفسرین اور عالی قدر محققین اسلام نے آغاز اسلام سے آج تک اس سلسلہ میں قابل قدر کوششیں کی ہیں اور زحماتیں اٹھائی ہیں، انہوں نے عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں بہت سی تفسیریں تحریر کی ہیں کہ جن کے پرتو میں اس عظیم اسلامی کتاب کے بعض حیران کن مطالب تک رسائی ہو سکتی ہے (شکر اللہ سعید ہو)۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حق طلب اور حقیقت کے تلاش کرنے والوں کو

نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے تضادات اور عکراؤ کے باعث اور بعض اوقات منافقین و منافقین کے وسوسوں کی وجہ سے، اور کبھی اس عظیم آسمانی کتاب کی تعلیمات کو ضروریات زمانہ پر منطبق کرنے کے حوالے سے کچھ ایسے سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب موجودہ دور کی تفاسیر کو دینا ہوگا۔

دوسری جانب تمام تفاسیر کو عوام الناس کے لیے ناف تاہل ادراک گوناگوں اقوال اور پیچیدہ مباحث کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس وقت ایسی تفاسیر کی ضرورت ہے جن سے خود قرآن کی طرح تمام طبقے استفادہ کر سکیں (اس کی وسعت اور اہمیت میں کمی کیے بغیر)۔

ان امور کے پیش نظر مختلف گروہوں نے ہم سے ایک ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش کی جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔ چونکہ یہ کام خاصا مشکل تھا لہذا میں نے ان تمام فضلاء کو مدعو و تعاون کی دعوت دی جو اس طویل اور نشیب و فراز کے حال سفر میں اچھے ہدم اور سہولت تھے اور ہیں تاکہ مشترکہ سعی سے یہ مشکل حل ہو سکے۔ الحمد للہ! اس کام کے لیے توفیق شامل حال ہوئی اور ایسا ثمر و نتیجہ ملا کہ جس کا ہر طبقہ نے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ اکثر علاقوں کے لوگ مختلف سطحوں پر اس تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کی بارہ جلدیں جو اس وقت تک منظر عام پر آچکی ہیں (اور یہ اس کی تیسری جلد ہے) بار بار پھیں اور تقسیم ہوئیں۔ اس توفیق الہی کا میں از حد شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ بات میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جلد کے مقدمہ میں اپنے قارئین کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراؤں۔

۱۔ بار بار یہ سوال ہوتا ہے کہ مجموعاً یہ تفسیر کتنی جلدوں پر مشتمل ہوگی؟ اس کے جواب میں کہا جا

سکتا ہے کہ ظاہراً بیس جلدوں سے کم اور چوبیس جلدوں سے زیادہ نہ ہوگی۔

۲۔ اکثر یہ شکوہ بھی کیا جاتا ہے کہ تفسیر کی جلدیں تاخیر سے کیوں شائع ہوتی ہیں؟ عرض خدمت

ہے کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ کام جلد از جلد ہو، یہاں تک کہ سفر و حضر میں، بعض اوقات

جلا وطنی کے مقام پر، حتیٰ کہ بستر بیماری پر بھی میں نے یہ کام جاری رکھا ہے۔

چونکہ مباحث کے نظم و نسق اور عمق و گہرائی کو جلد بازی پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس طرح

سے کام کرنا چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ سمٹتا جائے۔ دوسری جانب طباعت و اشاعت

کی مشکلات (خصوصاً جنگ کے زمانے میں) کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جو تاخیر کے اہم عوامل میں

سے ایک ہے۔

۳۔ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ تفسیر مختلف افراد کے قلم سے تحریر ہو رہی ہے تو

۱۔ بعد ازاں تعداد ۲۷ تک چاہیے۔ (مترجم)
۲۔ سابق شاہ ایران معدوم کے دور میں مولف کو جلا وطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ (مترجم)

اس میں ہم آہنگی نہیں ہوگی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ابتدا میں معاملہ اسی طرح تھا۔ لیکن پھر اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ تفسیر میں قلم ہر جگہ میرا ہی ہو اور دوسرے دوست صرف مطالب کی جمع آوری میں مدد کریں۔ ان حضرات میں سے بھی ہر ایک اپنے کام کو پہلے انفرادی طور پر سرانجام دیتے ہیں اور ضروری یادداشتیں جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اجتماعی نشستوں میں ضروری ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تاکہ مختلف مباحث، گوناگون مسائل اور تفسیر کی روانی میں بے ربطی پیدا نہ ہو اور ساری تفسیر ایک ہی طرز و روش پر ہو۔

انشاء اللہ امید ہے اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لیے اس کا نہ صرف عربی بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اور لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔
(یہ تجویز قارئین محترم کی جانب سے بھی آئی ہے)۔

خداوند!؟

ہماری آنکھوں کو بینا، کانوں کو شنوا اور ہماری فکر کو صائب، کار ساز اور ارتقائی فرماتا کہ تیری کتاب کی تعلیمات کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں اور اپنے اور دوسروں کے لیے روشن چراغ فراہم کر سکیں۔

خداوند!؟

جو آگ ہمارے انقلاب کے دشمنوں نے خصوصاً اور دشمنان اسلام نے عموماً ہمارے خلاف لگا رکھی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری توجہ مسلسل ان کی طرف ہٹی ہے، اس امت اسلامی کے مسلسل جہاد اور انتھک سعی و کوششوں کے نتیجہ میں اسے خاموش کر دئے تاکہ ایک ہی جگہ تجھ سے دل لگالیں اور تیرے راستے اور تیرے مستضعف بندگان کی خدمت کے لیے قدم اٹھائیں۔

بار الہا!؟

ہمیں توفیق اور زندگی عطا فرما کہ اس تفسیر کو مکمل کر سکیں۔ اس ناچیز و حقیر خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اور بیجا و مجومہ تیری بارگاہ میں پیش کر سکیں۔

اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

ناصر مکارم شیرازی

حوزہ علمیہ قم - ایران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

قرآن کا پیغام

تفسیر نمونہ موضوعی

(فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب) جب اہم کام سے تو فارغ ہو جائے تو دوسرا اہم کام شروع کر دے اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاے (الم نشرح / ۷، ۸)۔

تفسیر موضوعی کیا ہے اور وہ کون سی شکل کو حل کرتی ہے؟

اس وقت یہ سوال بہت سے لوگوں کی زبان پر ہے کہ تفسیر موضوعی سے کیا مراد ہے اور اس تفسیر کے ذریعہ کون سی شکل کو حل کیا جاسکتا ہے اور کیا عام تفسیر (تفسیر ترتیبی) کے بعد اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے ایسے اہم کام، جو ہمارے پیش نظر ہیں، ان کو نظر انداز کر کے ہم نے اس کام کو منتخب کیا ہے اور تفسیر نمونہ موضوعی پر کام شروع کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ایک بنیادی نکتہ میں تلاش کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن عام کتابوں کی طرز سے مختلف ہے اس لیے کہ عام کتابوں میں (عام اس سے کہ وہ کلاسک ہوں یا اس کے علاوہ ہوں) کتاب کا مؤلف ایک مخصوص موضوع کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ہر پہلو کے لیے ایک باب مقرر کرتا ہے پھر کتاب پر ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر اخذ کیا ہوا ایک نتیجہ کلام بھی تحریر کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک محقق (گیاہ شناسی) پودوں کے علم کو اپنا موضوع بنا کر ایک کتاب تالیف کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس کے ابواب قائم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر شاخیں رکھنے والے درخت، تنے والے درخت، بغیر تنے کے درخت، پھلدار درخت یا بغیر پھل والے درخت، طب میں کام آنے والے پودے یا بطور غذا کام آنے والے درخت، اس کے علاوہ پتوں اور پتھریوں والے پودے اور درخت وغیرہ۔ اس کے بعد مؤلف ہر شعبہ کے لیے ایک باب مقرر کر کے اسے مطالعہ اور تحقیق کا وسیلہ قرار دیتا ہے یہی صورت حال دوسرے موضوعات میں بھی درپیش ہوتی ہے قطع نظر اس سے کہ وہ علم طب ہو یا علم فلسفہ یا علم حقوق وغیرہ۔ اس کے برعکس قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اس طرز پر مرتب نہیں ہوتی بلکہ وہ تیس سال کے عرصہ میں مختلف ضرورتوں اور تقاضوں کے پیش نظر ایک عظیم روحانی، معنوی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی انقلاب کو ساتھ لے کر ایک پیمانہ معاشرہ میں پہلے سے نظر نہ آنے والے مختلف النوع حوادث کی خبر دیتی ہوئی نازل ہوئی ہے۔

شروع میں اسلام کا عملی حملہ اہم ترین مسئلہ یعنی مسئلہ توحید و شرک سے متعلق تھا۔ اس سلسلہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں وہ اسی موضوع کے گرد گھومتیں۔ چونکہ شدائد و مشکلات کے مقابلہ میں قدم جانے کی صلاحیت رکھنا اور باطنی طور پر ذمہ داری کو محسوس کرنا ہر دینی انقلاب کی بنیادی صفت ہوتا ہے اس لیے آخرت کی تعلیم اور روزِ قیامت کی عظیم عدالت پر ایمان لاتے بغیر اس مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ مذکورہ موضوع پر شرک و بت پرستی کی نفعی کے ساتھ ساتھ آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب حکومتِ اسلامی کے قیام کی راہ پیغمبر اسلامؐ نے ہموار کر دی تو اس کے بعد اسلام کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی قوانین یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ اسلام کی تحوین اور اس کی نشوونما کے زمانے میں متعدد جنگیں پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور اس صورتِ حال کے ہر مرحلہ میں ضروری اور مناسب قوانین، دستور اور نتائج بصورتِ آیات نازل ہوئے اور اسلامی انقلاب اپنے معین نظام کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔ اس وجہ سے یہ امر بالکل فطری ہے کہ ایک سورہ کی آیتیں ایک معین موضوع کے بارے میں گفتگو نہیں کرتیں بلکہ اس عظیم آسمانی کتاب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل مختلف مقامات پر مندرج ہیں اور یوں وہ منتشر صورت میں ہیں۔ ایک مثالی کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور تفسیرِ موضوعی کی اہمیت کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم اگر چاہیں کہ جہاد جو ایک اہم اسلامی موضوع ہے، کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور جہاد کے شرائط، اس کے آداب و مقاصد، صلح کے اصول، قیدیوں کے احکام، تادان جنگ، مالِ غنیمت کی کیفیت، جہاد بالفسخ اور باطن کی قیاسی صفات کا مطالعہ کریں تو ہم کو مجموعی طور پر کبھی بھی ان موضوعات سے تعلق رکھنے والی آیتیں قرآن کی کسی ایک سورہ میں نہیں ملیں گی۔ یہ آیتیں سارے قرآن میں بکھری ہوئی ہیں لہذا جہاد کے موضوع کے بارے میں اس کی مختلف جہتوں اور اس کے متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بحث کے لیے ضروری ہے کہ سارے قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور جس آیت کا کسی بھی پہلو سے جہاد کے موضوع سے تعلق ہو اس کو ایسی ہی دوسری متعلقہ آیتوں کے ساتھ ملا کر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور پھر اس کے دقیق مطالعہ سے ہم مسئلہ جہاد کے خطوط کلی کو واضح کریں۔ یہی صورتِ حال عدالتِ اجتماعی، اقتصادِ اسلامی اور اعتقادی مسائل (توحید و معاد وغیرہ) کی بھی ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ عام تفسیر (تفسیر تریبی)، اس پوری اہمیت کے باوجود جو اسے حاصل ہے، ہمیں تفسیرِ موضوعی سے بے نیاز نہیں ہونے دیتی۔ خصوصاً وہ محققین جو چاہتے ہیں کہ مختلف مسائل کو ایک ایسی نظر سے دیکھیں جو ہر رخ کو دیکھنا چاہتی ہے اور وہ ہر سہ کے بارے میں مختلف جہتوں کے حوالہ سے نتہ آنی نظریات کے متلاشی ہوں ان کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ اس احتیاج کے احساس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ہم ان گزشتہ پندرہ سالہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ہم نے تفسیرِ نمونہ کی ۲۷ جلدیں تحریر کرنے سے حاصل کیے ہیں، خدائے عظیمہ برتر کی مدد سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوں اور پروردگار کے لطف و کرم کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ہم عالم اسلام کے لیے کوئی نیا ہدیہ فراہم کر سکیں۔ خدا کی بے پایاں رحمت سے یہ چیز کچھ بعید نہیں ہے۔ واضح ہے کہ گزشتہ دور میں حاصل ہونے والے تجربات جو مسلسل کام کے نتیجے کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوتے اس حقیقت کے لیے بھی اور ان دوستوں کے لیے بھی جو میرے شریک کار رہے ہیں، ایک عظیم اور بیش قیمت سرمایہ ثابت ہوں گے۔ مقام

افسوس ہوگا اگر ان تجربات سے ایک اور اہم کام کی راہ میں استفادہ نہ کیا جائے۔ اس اہم کام سے میری مراد تفسیر موضوعی کی ترتیب ہے۔ آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ روش جو ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے استعمال کی ہے وہ ایک نئی روش ہے اور یہ ہمیں انشاء اللہ اپنے مقصد کے حصول میں نہایت تیزی اور آسانی سے کامیابی سے پہنچا کرے گی۔ ہم نے تفسیر موضوعی کے لیے پیام قرآن کا نام پسند کیا ہے۔ مذکورہ مقصد کی تشریح کا تفسیر موضوعی کی پہلی جلد کے مقدمہ میں آپ انشاء اللہ مطالعہ کر سکیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود وہ تاثر جو پیام قرآن میں ہے اس طرح فراہم ہو کہ عامۃ الناس، خواص اور محققین بھی اس سے استفادہ کر سکیں اور بحیثیت مجموعی قرآن کے چہنہ زلال کے تمام پیاسے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

صاحب نظر افراد کے مشورے اور دوستوں کی دعائے خیر انشاء اللہ ضرور مددگار ثابت ہوگی۔ دینا علیک

توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔

قلم حوضہ علمیہ ناصر مکارم شیرازی

فہرست

۵۳	رسول کی شائستگی کی شہدیں	۳۰	سورہ تکویر
۵۵	آیت ۲۶ تا ۲۹	۳۱	سورہ تکویر کے مضامین
	اے غافلو کہاں جا رہے ہو؟	"	تلاوت کی فضیلت
		۳۲	آیت ۹ تا ۹
۵۸	سورہ انفطار		جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا
۵۹	سورہ انفطار کے مضامین	۳۲	جائے گا۔
"	تلاوت کی فضیلت	۳۸	چند نکات
۶۰	آیت ۵	"	۱۔ لوگوں کا زندہ درگور کرنا
"	جس وقت اس جہان کا نظام زیرِ وزر ہو جائے گا		۲۔ اس جرم کے مختلف اسباب و
۶۳	آیک نکتہ	۳۹	عوامل تھے
"	وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں	۴۰	آیت ۱۰ تا ۱۴
۶۶	آیت ۶ تا ۱۲	"	اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں
۶۷	اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟	۴۲	چند نکات
۷۲	آیک نکتہ	"	۱۔ نظم آیات
"	ثبت اعمال کے مامورین	۴۳	۲۔ کیا نظامِ شمسی ختم ہو جائے گا اور
۷۷	آیت ۱۳ تا ۱۴		ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟
۷۸	جس دن کوئی کسی کا کام انجام نہیں دے گا	۴۵	آیت ۱۵ تا ۲۵
		۴۶	وحی الہی اس پر نازل ہوئی
		۵۳	آیک نکتہ

۱۱۹

ایک نکتہ

مُشْمَنانِ حِقِّ كَا مِذَاقِ اِثْرَانِے كَا بَزْوَلَانِے حَرَبِے

۱۲۱

سُورَةُ الشَّقَاقِ

سُورَةُ الشَّقَاقِ كِے مِضَامِیْنِ اُوْر اِس كِی

۱۲۲

تِلَاوَتِ كِی فَضِیْلَتِ

۱۲۳

آیْتِ ۹ تا ۱

۱۲۴

كَمَالِ مَطْلُوقِ كِی طَرَفِ رِیْجِ اَمِیْرِ سَعِیْ وَ كُوشِشِ

۱۲۹

چَنْد نِكَاتِ

۱۲۹

۱- اِیْكَ اِیْسی حَدِیْثِ حَسْبِیْنِ اِعْجَازِیْے

۱۲۹

۲- دُنِیَا رِیْجِ وَ تَكْلِیْفِ اُوْر دُكْھِ دَرْدِ كَا گُھَرِے

۱۳۰

آیْتِ ۱۰ تا ۱۵

وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال [پُشْتِ كِی طَرَفِ سِے لِیْسِے گِے

۱۳۱

۱۳۵

آیْتِ ۱۶ تا ۲۵

۱۳۶

تَمِ ہِمِیْشِے دُگَرِ گُوْلِ ہُوْتِے رِہْتِے ہُو۔

۱۴۱

ایْكَ نِكَتِے

۱۴۳

سُورَةُ بَرُوجِ

۱۴۴

سُورَةُ بَرُوجِ كِے مِضَامِیْنِ اُوْر فَضِیْلَتِ

۱۴۶

آیْتِ ۱ تا ۹

مُؤْمِنِیْنِ اِنْسَانُوْلِ كُو جِلَا نِے وَ اَلِی بَحْثِیُوْلِ

۱۴۷

كِے سَامِنِے

۱۵۳

چَنْد نِكَاتِ

سُورَةُ مَطْفِیْنِ

۸۲

۸۳

سُورَةُ مَطْفِیْنِ كِے مِضَامِیْنِ كَا دَاثِرِے كَارِ

۸۳

اِس سُورِے كِی تِلَاوَتِ كِی فَضِیْلَتِ

۸۳

آیْتِ ۶ تا ۱

۸۵

كَمْ تُو لِنِے وَ اَلُوْلِ پَرِ وَاثِے ہِے

۸۹

ایْكَ نِكَتِے

۹۲

آیْتِ ۷ تا ۱۰

۹۲

تُو كِیَا جَانِے كَرْ سَجِیْنِ كِیَا ہِے ؟

[جُو قُرْا ئِنِ اِن مَعْنِی كِی تَاثِیْدِ كَرْتِے ہِیْسِے وَہِے]
دَرَجِ ذِیْلِ ہِیْسِے۔

۹۳

۹۷

آیْتِ ۱۱ تا ۱۷

۹۸

گِنَاہِ دَلُوْلِ كَا زَنْگِ ہِے

چَنْد نِكَاتِ

۱۰۱

۱- دَلِ كِے لِیْے گِنَاہِ كِیُوْلِ زَنْگِ ہِے

۱۰۳

۲- رُوْحِ دِجَانِ كِے چِہُو پَرِ عَذَابِ

۱۰۴

آیْتِ ۱۸ تا ۲۸

۱۰۵

عِلِیْبِیْنِ اِبْرَارِ كِے اِنْتِظَارِیْنِ یِے

۱۱۱

چَنْد نِكَاتِ

۱۱۱

۱- اِبْرَارِ اُوْر مُقْرَبِیْنِ كُوْنِ لُوْگِ ہِیْسِے ؟

۱۱۲

۲- جَنَّتِ كِی شُرَاہِیْنِ

۱۱۴

آیْتِ ۲۹ تا ۳۶

[اِس دِنِ وَہِے مُؤْمِنِیْنِ كَا مِذَاقِ اِثْرَانِے تَحْصِے]
لِیْكِنِ اَج۔

۱۱۵

۲۰۰	حَب دینار اس کل خطیۃ کی تحلیل	۵۳	۱- اصحابِ اخدود کون لوگ تھے
	<u>سُورہ غاشیہ</u>	۱۵۷	آیت ۱۰ تا ۱۶
۲۰۳	سُورہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت	۱۵۸	تشدّد کرنے والے عذابِ الہی کے سامنے
۲۰۴	آیت ۷ تا ۷	۱۶۲	آیت ۱۷ تا ۲۲
۲۰۵	بد نصیب تھکے ماندے		تُو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے
۲۰۶	آیت ۸ تا ۱۶	۱۶۶	لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟
۲۰۹	بہشت کی رُوح پرور نعمتوں کے مناظر		<u>سُورہ طارق</u>
۲۱۰	آیت ۱۷ تا ۲۶	۱۶۷	سُورہ طارق کے مضامین اور فضیلت
۲۱۴	اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے	۱۶۸	آیت ۱۰ تا ۱۰
۲۱۵	<u>سُورہ فجر</u>	۱۶۹	اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے
۲۲۱	سُورہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت	۱۷۷	آیت ۱۱ تا ۱۷
۲۲۲	آیت ۵ تا ۵		میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں
۲۲۳	تمہاری صبح کی سفیدی کی قسم	۱۷۷	ملا دیتا ہوں۔
۲۲۹	آیت ۶ تا ۱۴		<u>سُورہ اعلیٰ</u>
۲۳۰	تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے	۱۸۲	سُورہ اعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت
۲۳۶	آیت ۱۵ تا ۲۰	۱۸۳	آیت ۵ تا ۵
	نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غور کرو اور نہ	۱۸۵	خداوندِ عظیم کی تسبیح کر
۲۳۷	سلبِ نعمت پر مایوس ہو	۱۹۱	آیت ۶ تا ۱۳
	<u>سُورہ بلد</u>	۱۹۲	ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے
۲۴۸	سُورہ بلد کی فضیلت اور اس کا مضمون	۱۹۷	آیت ۱۲ تا ۱۶
۲۴۹	آیت ۷ تا ۷		وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
۲۵۱	آیت ۷ تا ۷	۲۰۰	ایک نکتہ

۲۹۴	<u>سُورَةُ اللَّيْلِ</u>	۲۵۲	اس شہر مقدس کی قسم
۲۹۵	سُورَةُ اللَّيْلِ کے مضامین اور اس کی فضیلت	۲۵۸	آیت ۸ تا ۱۰
۲۹۶	آیت ۱۱ تا ۱۱	"	آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت
۲۹۷	سُورَةُ اللَّيْلِ کا شانِ نزول	۲۶۰	چند نکات
۲۹۹	تقویٰ اور خدائی امدادیں	"	۱- آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت
۳۰۳	آیت ۱۲ تا ۲۱	۲۶۳	۲- زبان کی حیرت انگیزیاں
۳۰۴	انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری	"	۳- نجدیں کی طرف ہدایت
۳۰۷	ایک نکتہ	۲۶۵	آیت ۱۱ تا ۲۰
"	۱- سُورَةُ اللَّيْلِ کی شان کے بارے میں	۲۶۶	دشوار گزار گھاٹی
"	ایک بات	۲۶۸	چند قابل توجہ نکات
۳۰۹	۲- انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت		<u>سُورَةُ الشَّمْسِ</u>
	<u>سُورَةُ الضُّحَىٰ</u>	۲۷۳	
۳۱۲	سُورَةُ الضُّحَىٰ کے مضامین اور اس کی فضیلت	۲۷۴	سُورَةُ الشَّمْسِ اور اس کی فضیلت
۳۱۳	آیت ۱ تا ۵	۲۷۵	آیت ۱۰ تا ۱۰
۳۱۵	شانِ نزول	۲۷۶	تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں
"	تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش	۲۸۳	چند نکات
۳۱۶	ہو جائے گا	"	۱- قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ ربط
۳۱۹	ایک نکتہ	"	۲- سورج کا عالمِ حیات میں نقش و اثر
"	انقطاع وحی کا فلسفہ	۲۸۵	آیت ۱۱ تا ۱۵
۳۲۰	آیت ۶ تا ۱۱	۲۸۶	سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام
"	ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو خدا	۲۹۰	چند نکات
۳۲۱	نے تجھے دی ہیں۔	"	۱- قومِ ثمود کی سرگذشت کا خلاصہ
		۲۹۱	۲- اشقی الاولیٰ و اشقی الآخرین
		"	۳- تہذیبِ نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

- ۳۶۳ ۲- ہر حال میں ذکر خدا
 ۳۶۵ آیت ۱۲ تا ۶
 [کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے اعمال]
 ۳۶۶ کو دیکھتا ہے
 ایک نکتہ
 ۳۶۹ عالم ہستی محض خدا میں ہے
 ۳۷۰ آیت ۱۵ تا ۱۹
 ۳۷۱ سجدہ کر اور تقرب حاصل کر
 ۳۷۲ ایک نکتہ
 " سرکشی اور بے نیازی کا احساس

سورہ القدر

- ۳۷۶ سورہ قدر کے مطالب اور اس کی فضیلت
 ۳۷۷ آیت ۵
 ۳۷۹ شب قدر، نزول قرآن کی رات
 ۳۸۰ چند نکات
 ۳۸۳ [۱- شب قدر میں کون سے امور مقدر
 ہوتے ہیں۔
 ۲- شب قدر کون سی رات ہے
 ۳- شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی
 ۴- کیا گزشتہ امتوں میں بھی
 شب قدر تھی۔
 ۵- شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟
 ۶- قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟

- چند نکات
 ۳۲۶ ۱- مصائب و آلام کے درمیان سے
 " مبعوث ہونے والا پیغمبر
 ۳۲۷ ۲- یتیموں پر نوازش و شفقت
 ۳۲۹ ۳- نعمتوں کو بیان کرنا

سورہ الم نشرح

- ۳۳۱ سورہ الم نشرح کے مضامین اور اس کی فضیلت
 ۳۳۲ آیت ۸ تا ۸
 ۳۳۳ ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں
 ۳۳۵ چند نکات
 ۳۳۶

سورہ التین

- ۳۴۲ سورہ التین کے مطالب و فضیلت
 ۳۴۵ آیت ۸ تا ۸
 ۳۴۶ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا
 ۳۴۷

سورہ العلق

- ۳۵۲ سورہ علق کے مطالب اور فضیلت
 ۳۵۵ آیت ۵ تا ۵
 ۳۵۷ شان نزول
 ۳۵۸ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ
 ۳۵۹ چند نکات
 ۳۶۲ ۱- وحی کا آغاز ایک حرکت عملی کے ساتھ ہوا
 "

سُورَةُ الْعَادِيَاتِ

۴۱۷	[سُورَةُ الْعَادِيَاتِ كے مطالب اور اس كى
۴۱۸	فضيلت -
۴۲۰	آيت ۱ تا ۱۱
۴۲۲	شان نزول
۴۲۲	بیدار مجاہدین كى قسم
۴۲۹	چند نكات
	[۱- اس سُورَةُ كى قسموں اور اس كے
"	ہوت كے درمیان ربط
۴۳۰	۲- كيا انسان طبعاً ناشكر اور نجيل ہے
۴۳۱	۳- جہاد كى عظمت

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

۴۳۲	[سُورَةُ الْقَارِعَةِ كے مطالب اور اس كى فضيلت
۴۳۳	آيت ۱ تا ۱۱
۴۳۵	چھیننے والا حادثہ
۴۳۹	ايك نكتہ
"	میزان اعمال كى سنگینی كے اسباب

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

۴۴۲	[سُورَةُ التَّكْوِيْنِ كے مطالب اور اس كى فضيلت
۴۴۳	آيت ۱ تا ۸
۴۴۴	شان نزول

۷- كيا مختلف علاقوں میں ايک ہی
شب قدر ہوتی ہے؟

۳۸۷

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

۳۸۸	[سُورَةُ الْبَيِّنَةِ كے مطالب اور اس كى فضيلت
۳۸۹	آيت ۱ تا ۵
۳۹۱	یہ جاودانی دین ہے
۳۹۲	آيت ۶ تا ۸
۳۹۷	بہترین اور بدترین مخلوق
۳۹۸	چند نكات
۴۰۰	۱- علیؑ اور ان كے شیعہ خیر البریہ ہیں
"	۲- عبادت میں خلوص نیت لازم ہے
۴۰۳	۳- انسان كى عجیب قوس صعودی اور نزولی

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ

۴۰۵	[سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ كے مطالب اور فضيلت
۴۰۶	آيت ۱ تا ۸
۴۰۸	جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا
۴۰۹	چند نكات
۴۱۳	۱- قیامت كے حساب و كتاب میں
"	دقت اور سخت گیری
"	۲- ايک سوال كا جواب
۴۱۵	۳- قرآن كى سب سے زيادہ جامع آیات

‡ ‡ ‡

۴۷۶ - ۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

سُورَةُ الْفِيلِ

- ۴۸۰
 ۴۸۱ سورة الفیل کے مطالب اور فضیلت
 ۴۸۳ آیت اتا ۵
 ۴۸۴ شان نزول
 " اصحابِ فیل کی داستان
 ۴۸۵ ابرہہ سے کہہ دو کہ اُنے میں جلدی نہ کرے
 ۴۹۰ چند نکات

- 1- ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا)
 " ایک مالک ہے)
 ۴۹۱ ۲۔ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا
 ۴۹۲ ۳۔ داستانِ فیل کے اہداف
 " ۴۔ ایک مسلم تاریخی روئیداد

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

- ۴۹۳
 ۴۹۵ سورة قریش کے مطالب اور اس کی فضیلت
 ۴۹۶ آیت اتا ۲
 ۴۹۷ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

سُورَةُ الْمَاعُونِ

- ۵۰۰
 ۵۰۱ سورة ماعون کے مطالب اور فضیلت
 ۵۰۲ آیت اتا ۷
 ۵۰۳ معاد کے انفار کے اثرات بد

۴۴۵ تکاثر و تفاخر کی مصیبت

۴۴۹ چند نکات

- " ۱۔ تفاخر کا سرچشمہ
 ۴۵۱ ۲۔ یقین اور اس کے مراحل
 ۴۵۲ ۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے
 ۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

سُورَةُ وَالْعَصْرِ

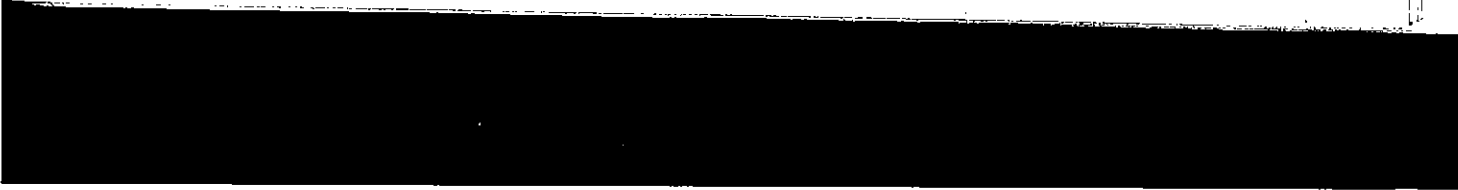
- ۴۵۵
 ۴۵۶ سورة والعصر کے مطالب اور اس کی فضیلت
 ۴۵۷ آیت اتا ۳
 " نجات کی صرف ایک راہ
 ۴۶۱ ایک نکتہ
 " خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام

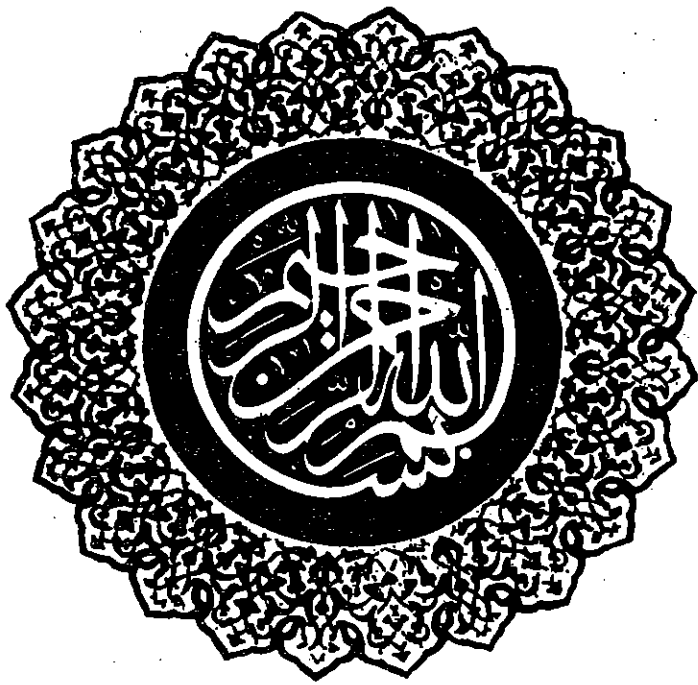
سُورَةُ الْهَمزة

- ۴۶۵
 ۴۶۶ سورة ہمزہ کے مطالب اور فضیلت
 ۴۶۷ آیت اتا ۹
 ۴۶۸ شان نزول
 " عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے
 " [واٹے ہے۔
 ۴۷۵ چند نکات
 " ۱۔ کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا
 " سرچشمہ ہے۔

۵۲۷	۵- آپ نے ایک لمحہ کے لیے بھی [شرک سے مصالحت نہیں کی۔	۵۰۶	چند نکات :
۵۲۸	<u>سورہ والنصر</u>	"	۱- سورہ ماعون کے مباحث کی جمع بندی
۵۲۹	سورہ والنصر کے مطالب اور فضیلت	۵۰۷	۲- نظام روریا ایک بہت بڑی اجتماعی [مصیبت ہے۔
۵۳۱	آیت اتا ۳	۵۰۹	<u>سورہ الکوثر :</u>
"	جب اصلی کامیابی آن پہنچے	۵۱۰	سورہ الکوثر کے مطالب اور فضیلت
۵۳۲	ایک نکتہ	۵۱۲	آیت اتا ۳
"	فتح مکہ، اسلام کی عظیم ترین فتح	"	ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی
۵۳۱	<u>سورہ اللہب</u>	۵۱۵	چند نکات
۵۳۲	سورہ اللہب کے مطالب اور فضیلت	"	۱- حضرت فاطمہؑ اور کوثر
۵۳۳	شان نزول	۵۱۶	۲- اس سورہ کا اعجاز
۵۳۵	آیت اتا ۵	۵۱۷	۳- خدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے
۵۳۶	ابولہب کا ہاتھ کٹ جائے	۵۱۸	<u>سورہ الکافرون</u>
۵۵۰	چند نکات	۵۱۹	سورہ کافرون کے مطالب اور فضیلت
"	۱- قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی	۵۲۱	آیت اتا ۶
"	۲- ایک اور سوال کا جواب	۵۲۲	شان نزول
۵۵۱	۳- بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور [ہوتے ہیں۔	"	۱- بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی۔
۵۵۲	<u>سورہ الاخلاص</u>	۵۲۴	۲- کیا بُت پرست خدا کے مُنکر تھے؟
۵۵۳	سورہ اخلاص کے مطالب و فضیلت	"	۳- یہ تکرار کس لیے ہے
۵۵۶	آیت اتا ۴	۵۲۶	۴- کیا لکم دینکم..... کی آیت کا مفہوم [بُت پرستی کا جواز ہے

۵۷۸	۱۔ شر و فساد کے اہم ترین سرچشمے	۵۵۶	وہ یکتا اور بے مثال ہے
"	۲۔ آیات کا تناسب	۵۶۶	چند نکات
"	۳۔ جادو کی تاثیر	"	۱۔ توحید کے دلائل
۵۷۹	۴۔ حاسدوں کا شر	۵۶۷	۲۔ توحید کی اقسام
	<u>سُورَةُ النَّاسِ</u>	۵۶۸	۳۔ توحید افعالی کی اقسام
۵۸۱		۵۶۸	۴۔ توحید در مالکیت
۵۸۲	سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب و فضیلت	۵۶۹	۵۔ توحید حاکمیت
۵۸۳	آیت ۶ تا ۷	۵۷۰	۶۔ توحید اطاعت
۵۸۵	لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں		<u>سُورَةُ الْفَلَقِ</u>
۵۸۷	چند نکات	۵۷۱	
"	۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں	۵۷۲	سُورَةُ الْفَلَقِ کے مطالب و فضیلت
۵۹۰	تفسیر نمونہ کا اختتام	۵۷۳	آیت ۱ تا ۵
۵۹۱	تمام جلدوں کی اجمالی فہرست	۵۷۵	میں سپیدہ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں
	‡	۵۷۸	چند نکات
	‡		
	‡		





اللهم صل على محمد وآل محمد
وعلى علي بن أبي طالب



تفسیر نمونہ جلد ۱۵

اس میں مندرجہ ذیل سورتیں شامل ہیں
تمام سورتیں پارہ ۳۰ میں ہیں

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۶ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبُرُوجِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۲ آیات ہیں۔

سُورَةُ الطَّارِقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۷ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاَعْلٰی: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۶ آیات ہیں۔

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْفَجْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَلَدِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۰ آیات ہیں۔

سُورَةُ الشَّمْسِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ اللَّيْلِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الضُّحَى: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمُنَشِّحِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ التِّينِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَلَقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۹ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَدْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الزَّلْزَالِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۸ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْعَدِيَّتِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْقَارِعَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔

- سُورَةُ الْعَصْرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْهَمِزَةِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۱۱ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْفِيلِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْقُرَيْشِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْمَاعُونِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۷ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْكُوثرِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْكُفْرُونِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں
- سُورَةُ النَّصْرِ: مدنی سُورت ہے اور اس کی ۳ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْمَسَدِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْاِحْلَاصِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۴ آیات ہیں۔
- سُورَةُ الْفَلَقِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۵ آیات ہیں۔
- سُورَةُ النَّاسِ: مکی سُورت ہے اور اس کی ۶ آیات ہیں۔

سورۃ تکویر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۲۹ آیتیں ہیں

سورۃ تکویر کے مضامین

یہ منجی سورتوں میں سے ہے اور مختلف قرائن اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سورہ اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ کج فہم اور ہٹ دھرم دشمن پیغمبر اسلام پر جنون کی تہمت لگاتے تھے اور یہ صورت حال زیادہ تر پیغمبر اسلام کے قیام مکہ کے زمانے میں تھی، اور ابتدائے تبلیغ میں یہ کیفیت تھی۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ آپ کی باتوں کو سنجیدہ نہ سمجھیں اور ان پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ بہر حال یہ سورہ دو محوروں کے گرد گھومتا ہے۔ پہلا محور اس سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں جو قیامت کی نشانیوں، اس جہان کے آخر میں عظیم تبدیلیوں اور قیامت کے آغاز کو بیان کرتی ہیں۔ دوسرے محور میں قرآن کے لانے والے کی عظمت اور ترانہ کی نفوس انسانی میں تاثیر کی گفتگو ہے۔ اس حصہ میں دل بلا دینے والی اور بیدار کرنے والی قیامتیں ہیں۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی اہمیت اور تلاوت کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں، بجز ان دیگر احادیث کے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ:

من قرأ سورة اذا الشمس كورت اعاده الله تعالى ان يفضحه حين تنشر صحيفته - "جو شخص «اذا الشمس كورت» کو پڑھے تو خدا اسے اس وقت ہر رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ہی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

من احب ان ينظر الى يوم القيامة فليقرأ اذا الشمس كورت - "جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت میں میرا دیدار کرے تو وہ سورہ «اذا الشمس كورت» کی تلاوت کرے۔

یہ حدیث ایک اور طرح سے بھی نقل ہوئی ہے:

من سره ان ينظر الى يوم القيامة (كانه رأى عين) فليقرأ "اذا الشمس كورت" و"اذا السماء انفطرت" و"اذا السماء انشقت" - "جو شخص دوست رکھتا

ہے کہ قیامت میں مجھے دیکھے (گویا آنکھ سے دیکھے) تو وہ سورہ "اذا الشمس کورت" اور "اذا السماء انفطرت" اور "اذا السماء انشقت" کی تلاوت کرے؛ اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کی نشانیاں اس طرح بیان ہوتی ہیں کہ تلاوت کرنے والے کو گویا صیغہ قیامت سے دوچار کر دیتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ پر اس قدر جلد کیوں بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

شیتنی ہود والواقعة والمرسلات وعم یساء لون واذا الشمس کورت۔
 "سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس لیے کہ قرآن کے ہولناک حوادث کی ان میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ ہر بیدار انسان کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔"

امام جعفر صادق سے بھی ایک حدیث مروی ہے کہ جو شخص سورہ "عبس و توئی" اور "اذا الشمس کورت" کو پڑھے تو پروردگار کے لطف و کرم کے زیر سایہ وہ جنت جاوداں میں ہوگا اور خدا کے نزدیک یہ کوئی اہم چیز نہیں ہے کہ وہ ارادہ کرے۔
 جو تعبیریں مندرجہ بالا آیتوں میں آئی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ مراد ایسی تلاوت ہے جو آگاہی اور ایمان کا عمل کا سرچشمہ قرار پائے۔

۱۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۷۰۱۔ اس حدیث کے معنی کا سابقہ حدیث میں بھی احتمال ہے۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵، ص ۵۱۳۔

۳۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵، ص ۵۱۲۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝
- ۲ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝
- ۳ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝
- ۴ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝
- ۵ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝
- ۶ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
- ۷ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوْجَتْ ۝
- ۸ وَاِذَا الْمَوْءِدَةُ سُيْلَتْ ۝
- ۹ بِاَمِّ ذَنْبٍ قَتِلَتْ ۝

ترجمہ اس خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

- ۱ جس وقت سورج کو پیٹا جائے گا۔
- ۲ اور جس وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے۔
- ۳ جس وقت پہاڑ چلنے لگیں گے۔
- ۴ جس وقت زیادہ قیمتی مال فراموش کر دیا جائے گا۔
- ۵ جس وقت وحوش کو جمع کیا جائے گا۔

- ۴ جس وقت دریا جوش مارنے لگیں گے۔
- ۵ جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین قرار دیا جائے گا۔
- ۸ جس وقت زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا۔
- ۹ کہ ان کو کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟

تفسیر

جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا

اس سورہ کے آغاز میں جیسا کہ ہم نے کہا ہے، مختصر، ہیجان انگیز اور دل ہلا دینے والے اشاروں کے ساتھ اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا کے ہولناک حوادث سے ہمارا آنا سامنا ہے۔ یہ حوادث ہمیں عجیب و غریب جانوں کی سیر کراتے ہیں۔ پروردگار عالم ان نشانیوں میں سے آٹھ نشانیوں کو بیان کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے:

”اس وقت جب سورج کا دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا“ (اذا الشمس كورت)۔

”کورت“ ”تکویر“ کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کے لپیٹنے اور جمع کرنے کے معنی میں ہے (مثلاً سر پر عمامہ لپیٹنا) یہ ایسا مفہوم ہے جو لغت و تفسیر کی بہت سی کتب سے معلوم ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے پھینک دینے اور تاریک ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں معانی اسی اصلی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

بہر حال یہاں مراد سورج کی روشنی کا بجھ جانا ہے۔ اس کا تاریک ہونا ہے یعنی اس کے وجود کا ختم ہو جانا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فی الحال سورج ایک گڑھ ہے، حد سے زیادہ گرم اور جلتا ہوا، اس قدر کہ اس کا تمام مواد تہہ بہ تہہ گیس کی شکل میں نکل آیا ہے اور اس کے ارد گرد جلانے والے شعلے موجود ہیں جن کی بلندی لاکھوں میٹر ہے۔ اگر کرہ زمین ان میں سے کسی شعلے کے درمیان الجھ جائے تو ایک ہی لمحے میں خاک ہو کر تھوڑی سی گیس میں تبدیل ہو جائے لیکن اس جہان کے آخر میں قیامت کی ابتدا پر یہ صرارت ختم ہو جائے گی اور شعلے بجھ جائیں گے، اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس کے حجم میں کمی ہو جائے گی۔

تکویر کے یہ معنی ہیں۔ اسی لیے لسان العرب میں آیا ہے:

(کورت الشمس جمع ضوءها و لفت کما تلف العمامه) سورج کی تکویر کے یہ معنی ہیں کہ اس

کی روشنی سمٹ جائے گی اور لپیٹ دی جائے گی جس طرح عمامے کو پھیلتے ہیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی موجودہ علم بھی تائید کرتا ہے۔ سورج کی روشنی آہستہ آہستہ تاریکی کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت ستارے بے نور ہو کر غائب ہو جائیں گے“ (واذا النجوم انكدرت)۔

”انکدرت“، ”انکدار“ کے مادہ سے گزرنے اور پراگندہ ہونے کے معنی میں ہے اور کدورت کی اصل کے پیش نظر تیرگی و تاریکی کے معنی میں ہے۔ زیر بحث آیت میں ان دونوں کا جمع ہونا بھی ممکن ہے اس لیے کہ آغاز قیامت میں ستارے اپنی روشنی کھو بیٹھیں گے، منتشر ہو جائیں گے اور گر پڑیں گے اور عالم بالا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۲ میں آیا ہے:

(واذا الكواكب انتشرت) ”اور جب ستارے گر کر منتشر ہو جائیں گے“ اور جیسا کہ سورہ مسلات

کی آیت ۸ میں آیا ہے (فاذا النجوم طمست)۔ اور جب ستارے مٹ جائیں گے اور تاریک ہو جائیں گے، قیامت کی تیسری نشانی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

”اور جب پہاڑ چلنے لگیں گے“ (واذا الجبال سیوت)۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ

قرآن کی مختلف آیتوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آغاز قیامت میں پہاڑ مختلف مراحل طے کریں گے۔

پہلا مرحلہ یہ کہ وہ چلنے لگیں گے اور آخری مرحلے میں غبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔ (اس سلسلہ میں مزید تشریح اسی جلد میں سورہ نبا کی آیت ۲۵ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”جس وقت نہایت قیمتی اموال فراموشی کے حوالے ہو جائیں گے“ (واذا العشار عطلت)۔

”عشار“ جمع ہے ”عشراء“ کی جو دراصل حاملہ اونٹنی کے معنی میں ہے جس کے حمل کو دس ماہ گزر

چکے ہوں اور وہ بچہ جننے کے قریب ہو یعنی زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ ایک اور اونٹ کو جنم دے گی اور بہت زیادہ دودھ اس کے پستانوں میں ظاہر ہوگا۔

جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عرب میں اس قسم کی اونٹنی بہت قیمتی شمار ہوتی تھی۔

”عطلت“ تعطیل کے مادہ سے سرپرست اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینے کے معنی میں ہے براد یہ

ہے کہ اس دن ہولناکی اس قدر شدید ہوگی کہ ہر انسان اپنے نفیس ترین مال کو فراموش کر دے گا۔

مرحوم طبرسی مجمع البیان میں نقل کرتے ہیں کہ بعض مفسرین نے عشار کو بادل کے معنی میں لیا ہے اور

”عطلت“ بارش کے معطل ہو جانے کے معنی میں ہے یعنی اس دن آسمان پر بادل تو ظاہر ہوں گے لیکن

برسیں گے نہیں۔ (ہو سکتا ہے یہ بادل مختلف گیسوں سے پیدا ہوں یا ایٹمی بادل ہوں یا اگر دو غبار کے

تودے جو پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے سے آغاز قیامت میں ظاہر ہوں گے)۔

لیکن طبرسی مزید کہتے ہیں کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عشار کی تفسیر بادلوں سے کرنا ایسی چیز ہے جو

لغت عرب میں معروف نہیں ہے لیکن اس مطلب کی طرف توجہ سے جو ”طربجی“ نے مجمع البحرین میں نقل

کیا ہے کہ "عشار" اصل میں حاملہ اونٹنیوں کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ہزار ہزار کو کہا گیا ہے۔ ممکن ہے بادلوں پر بھی اس کا اطلاق عام طور پر پانی کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے ہو اگرچہ وہ بادل جو آغاز قیامت میں نمودار ہوں گے بار بردار نہیں ہوں گے (غور کیجئے)۔

بعض مفسرین نے "عشار" کی تفسیر گھروں اور زرعی زمینوں سے کی ہے جو عرصہ محشر میں بیکار ہو جائیں گی اور ساکنوں اور زراعت کرنے والوں سے محروم ہوں گی۔ لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ بعد کی آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

"اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے" (واذا الوحوش حشرت)۔ وہی جانور جو عام حالات میں ایک دوسرے سے دور تھے اور ڈرتے تھے غرضہ قیامت کے ہولناک حوادث کی وحشت کی شدت ایسی ہوگی کہ ان کو ایک دوسرے کے گرد جمع کر دے گی اور وہ ہر چیز کو بھول جائیں گے۔ گویا وہ چاہیں گے کہ اپنے اس اجتماع سے اپنے خوف و وحشت میں کمی کریں۔

دوسرے لفظوں میں جس وقت وہ ہولناک مناظر وحشی جانوروں سے ان کے مخصوص خواص چھین لیں گے تو انسانوں سے کیا سلوک کریں گے۔ لیکن بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت قیامت کی عدالت میں وحشی جانوروں کے جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی اپنے عالم میں اور اپنی آگاہی اور شعور کے حدود میں رہتے ہوئے جوابدہی کے پابند ہیں اور اگر انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم و ستم کیا ہوگا تو وہاں ان سے بدلہ لیا جائے گا۔

اس آیت کی سورہ انعام کی آیت ۳۸ کے ساتھ مشابہت ہے جو یہ کہتی ہے کہ (وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناتہ الا امم امثالکم وما فرطنا فی الکتاب من شیء الا انی ربہم یحشرون) کوئی زمین میں چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے پرواز کرتا ہے موجود نہیں مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کسی چیز کو اس کتاب میں چھوڑا نہیں ہے اس کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف محشور ہو گے۔

(جانوروں کے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے سلسلہ میں تفصیلی بحث سورہ انعام کی اسی آیت کے ذیل میں جلد ۲ ص ۳۶۹ تا ۳۷۲ ہم کر چکے ہیں)۔

جو کچھ یہاں کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ زیر بحث آیات دنیا کے اختتام اور آخرت کے آغاز کی ہولناک نشانیوں کے سلسلہ میں بحث کر رہی ہیں بلکہ پہلی تفسیر مناسب ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

"جس وقت دریاؤں میں آگ لگ جائے گی" (واذا البحار سجرت)۔

"سجرت" "تسجیر" کے مادہ سے جلانے اور آگ کے ہیجان میں آنے کے معنی میں ہے۔ اور

اگر قرآن کی یہ تعبیر گزشتہ زمانے میں مفسرین کے لیے عجیب و غریب تھی تو اس وقت ہمارے لیے باعث تعجب نہیں ہے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ پانی دو عناصر، ہائیڈروجن اور آکسیجن، سے مرکب ہے جو دونوں شدید طور پر قابل اشتعال ہیں۔

بعید نہیں کہ عرصہ قیامت میں دریاؤں اور سمندروں کا پانی اس طرح دباؤ اور فشار میں آجائے کہ ان کا تجزیہ ہو جائے اور یہ آگ پکڑ جائیں۔

بعض نے اس لفظ کی پُر ہونے کے معنی میں تفسیر کی ہے جیسا کہ آگ سے پُر تنور کو مسجّر بھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عرصہ محشر کے زلزلے اور پہاڑوں کا انتشار دریاؤں اور سمندروں کے پُر ہونے کا سبب بنے یا آسمانی پتھروں کے گرنے سے وہ پُر ہو جائیں اور ان کا مطلق پانی خشکیوں کی سطح پر جاری ہو اور ہر چیز کو غرق کر دے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین ہو جائے گا (وإذا النفوس زوجت)۔ صالحین صالحین کے ساتھ اور بدکار بدکار لوگوں کے ساتھ، اصحاب الیمین اصحاب الیمین کے ساتھ اور اصحاب الشمال اصحاب الشمال کے ساتھ، اس دنیا کے برعکس جہاں سب ملے جلے ہیں۔ کہیں مومن کا ہمسایہ مشرک ہے اور کہیں صالح اور نیک کا ہمسایہ غیر صالح ہے۔ لیکن قیامت جو یوم الفصل یعنی جدائی کا دن ہے، اس میں یہ صفیں مکمل طور پر الگ اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرے احتمالات بھی پیش ہوتے ہیں۔ منجملہ ایک یہ ہے کہ ارواح ابدان میں پلٹ آئیں گی یا جنتی نفوس حوروں کے ساتھ اور جہنمی نفوس شیاطین کے پاس ہو جائیں گے۔ یا یہ کہ ہر انسان اپنے دوست اور رفیق کے قریب ہوگا بعد اس کے کہ موت ان کے درمیان جدائی ڈال دے گی یا ہر انسان اپنے اعمال کا قرین ہوگا۔

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ سورہ واقعہ کی آیات ۷ سے ۱۱ تک اس کی گواہ ہیں:

(وکنتم ازواجًا ثلاثہ فاصحاب الیمینۃ ما اصحاب الیمینۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون)

اس دن تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے پہلا گروہ اصحاب یمینہ کا ہے کیا کہنا اصحاب یمینہ کا۔ دوسرا گروہ اصحاب شمال کا ہے وہ کیا ہی منحوس گروہ ہے اور تیسرا گروہ سبقت کرنے والوں کا ہے اور سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔

حقیقت میں یہ آیت ایسی تبدیلیاں جو قیامت کی تمہید ہیں، ان کے ذکر کے بعد اس عظیم دن کے ہر اول دستے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ ایسا دن ہے جس میں ہر شخص اپنے قرین کے ہمراہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد قیامت کے ایک اور حادثہ کو موضوع بناتے ہوئے مزید فرماتا ہے،
 ”جس دن زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا، (واذا الموءودة سئلت) کہ وہ کس جرم میں
 قتل کی گئی ہیں، (بایحی ذنب قتلت)۔“

”موءودة“، ”وآد“ (بروزن رعد) اس لڑکی کے معنی میں ہے جسے زندہ دفن کر دیا گیا ہو بعض مفسرین
 نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی قتل بلوچہ اور سنگینی کے ہیں اور چونکہ ان لڑکیوں کو قبر میں دفن کرتے تھے اور
 ان پر مٹی ڈال دیتے تھے اس لیے یہ تعبیر ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔
 بعض روایات کے نتیجے میں اس آیت کی تفسیر کو وسعت دی گئی ہے یہاں تک کہ ہر قسم کے قطع رحم یا
 مودہ اہل بیت کو قطع کرنا اس میں شامل ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے مروی ہے کہ جس وقت اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو آپ
 نے فرمایا (من قتل فی مودتنا) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔
 ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس بات کی گواہ آیت قرآنی ہے (قل لا اسئلكم علیہ اجرًا
 الا المودة فی القربی) ”کہہ دے میں تبلیغ نبوت کے سلسلہ میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا سوائے
 اپنے اہل بیت کی مودہ کے“ (شوری - ۲۳)۔
 البتہ آیت کا ظاہری مفہوم وہی پہلی تفسیر ہے لیکن اس میں اس قسم کے مفہوم کی صلاحیت ہے۔

چند نکات

۱۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں کے زمانہ جاہلیت کے دردناک ترین اور نہایت وحشیانہ مظاہر میں سے ایک مظہر لڑکی کا زندہ
 درگور کر دینا ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بار بار اشارہ ہوا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ قبیح رسم
 عربوں میں عام نہیں تھی۔ صرف قبیلہ کنذہ یا بعض دوسرے قبائل میں تھی لیکن ظاہر ہے کہ یہ اقدام کچھ عجیب
 نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ قرآن اس بارے میں اتنی تاکید کے ساتھ بار بار گفتگو نہ کرتا۔

بہر حال یہ کام اس قدر وحشت ناک تھا کہ اس کا کبھی کبھی ہونا بھی نہایت قبیح امر ہے مفسرین نے کہا
 ہے کہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں جس وقت عورت کے وضع حمل کا وقت قریب آتا تو زمین میں ایک گڑھا
 کھود دیتے اور اس کے اوپر بیٹھ جاتے اگر نوزائیدہ بچہ لڑکی ہوتا تو اس کو اس گڑھے میں پھینک دیتے

۱۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۲۳۲، حدیث ۷۱۱۔

۲۔ ایضاً ” ” ” ” ” ”

اور اگر لڑکا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اسی لیے ان کے شعراء میں سے ایک شاعر اس سلسلہ میں
فخریہ لب و لہجے میں کہتا ہے :

سمیتھا اذا ولدت تموت والقبر صھر ضامن ذمیت

میں نے اس نوزائیدہ لڑکی کا نام اس کی پیدائش کے وقت تموت رکھا جس کے معنی ہیں
مر جائے گی) اور قبر میرا داماد ہے جس نے اسے اپنی بغل میں لے لیا اور اسے خاموش کر دیا۔

اس جرم کے مختلف اسباب و عوامل تھے

زمانہ جاہلیت میں عورت کا ایک انسان کے لحاظ سے بے قدر و قیمت ہونا اس شدید فقر و فاقہ کی کیفیت
کا نتیجہ تھا جو اس معاشرہ پر مسلط تھا۔ لڑکیاں نہ تو کچھ کما کر دے سکتی تھیں نہ ڈاکہ ڈالنے میں شرکت کر سکتی تھیں۔
ایک سبب اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اس بات کا امکان تھا کہ مختلف جنگوں میں گرفتار ہو کر لڑکیاں قید ہو جائیں
اور ان کی عزت و ناموس دوسروں کے قبضہ میں چلی جاتے جس کے نتیجے میں بے غیرتی کا دھبہ متعلقین کے
دامن پر لگ جاتے۔

یہ چند عوامل لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا سبب بنے۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ
زمانہ موجود میں بھی یہ رسم کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اور کچھ نہیں تو اسقاطِ حمل کی آزادی کی صورت میں
بہت سے متمدن ممالک میں رواج پاتے ہوئے ہے۔ اگر زمانہ جاہلیت کے عرب نوزائیدہ بچیوں کو زندہ
درگور کر دیتے تھے تو ہمارے زمانے کے متمدن انسان انہیں شکمِ مادر میں قتل کر دیتے ہیں اس کی مزید تشریح
جلد ۶ ص ۳۲۶ تا ۳۲۹ پر سورہ نخل کی آیت ۵۹ کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

۲۔ قابل توجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس اقدام کو اس قدر قبیح اور قابل نفرت قرار دیا ہے کہ روزِ قیامت
دوسرے اعمال کی پرکاش سے پہلے اس دادِ خواہی کا تذکرہ کیا ہے یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قانون
اسلام کی رو سے عام انسانوں خصوصاً بے گناہ انسانوں کے خون کی بہت شدید گرفت کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی
پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں عورت کی کتنی قدر و منزلت ہے۔

۳۔ ایک اور نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ قاتلوں سے سوال
کریں گے بلکہ کہتا ہے کہ ان معصوم بچیوں سے سوال ہو گا کہ تمہارا کیا گناہ تھا کہ اس بے رحمانہ طریقہ پر تم کو قتل
کیا گیا۔ گویا قاتل اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان سے ان کے جرم کے بارے میں پرسش بھی کی جائے بلکہ تنہا
ان مقتولین کی گواہی کافی ہے۔

- ۱۰ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝
- ۱۱ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝
- ۱۲ وَإِذَا الْجَبَابِغُ سُعِّرَتْ ۝
- ۱۳ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝
- ۱۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝

ترجمہ

- ۱۰ جس وقت اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے۔
- ۱۱ اور جس وقت آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا۔
- ۱۲ اور جس وقت دوزخ دہک اٹھے گا۔
- ۱۳ اور جس وقت جنت قریب کر دی جائے گی۔
- ۱۴ اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

تفسیر

اس دن معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس جہان کی دیرانی کے موضوع پر آئی تھی زیر بحث آیتوں میں اس کے دوسرے مرحلے یعنی دوسرے عالم کے ظہور اور نامہ اعمال کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے:

”جس روز اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے“ (وإذا الصحف نشرت)۔

”صحف“ صحیفہ کی جمع ہے۔ یہ اس چیز کے معنوں میں ہے جو صفحہ رخ کی طرح وسیع ہو۔ اس کا اطلاق ان تختیوں اور کاغذوں پر بھی ہوا ہے جن پر کچھ مطالب لکھتے ہیں۔ قیامت میں اعمال ناموں کے

کھلنے سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے وہ اعمال انجام دیتے ہیں ان کے سامنے ان کے اعمال ظاہر ہو جائیں گے تاکہ وہ اپنا حساب کتاب دیکھ لیں۔ جیسا کہ سورہ اسرہ کی آیت ۴ میں آیا ہے:

«اقراء کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً» اور ان اعمال ناموں کا دوسروں کے سامنے واضح ہونا بھی نیکو کاروں کے لیے ایک تشویق کا عنوان ہے اور بدکاروں کے لیے سزا درج اور تکلیف ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

«اور جس وقت آسمان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا» (و اذا السماء کشطت)۔
 «کشطت» (بروزن کشف) کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب مفردات میں کہتا ہے، جانور کی کھال اتارنے کے معنی میں ہے اور ابن منظور کے بقول «لسان العرب» میں کسی چیز کے رخ سے پردہ ہٹانے کے معنی میں بھی آیا ہے، لہذا جس وقت بادل ٹھوٹے ٹھوٹے ہو جائیں تو یہ تعبیر استعمال ہوتی ہے۔
 زیر بحث آیت میں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پردے جو اس دنیا میں عالم مادہ اور عالم بالا پر پڑے ہوئے ہیں یعنی لوگ فرشتوں کو یا دوزخ و جنت کو نہیں دیکھ سکتے، وہ ہٹ جائیں گے اور انسان عالم ہستی کے حقائق کو دیکھ سکیں گے۔

جیسا کہ بعد والی آیت میں آئے گا کہ جہنم شعلہ ور ہوگا اور جنت انسانوں کے نزدیک ہو جائے گی۔ جی ہاں قیامت کا دن یوم البروز ہے۔ چیزوں کی ہیئت اس دن آشکار ہو جائے گی اور آسمان کے چہرے سے پردہ ہٹ جائے گا۔

اس تفسیر کے مطابق مندرجہ بالا آیت قیامت کے دوسرے مرحلے کے حوادث یعنی انسانوں کی حیات تازہ کے مراحل کی گفتگو کرتی ہے۔

قبل و بعد کی آیات بھی انہی چیزوں کی حامل ہیں اور یہ جو بہت سے مفسرین نے اس آیت کو آسمانوں کے پیٹے جانے اور قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس عالم کی فنا سے متعلق سمجھا ہے، یہ بہت بعید نظر آتا ہے اور نہ یہ مفہوم قبل و بعد کی آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس لیے بعد والی آیات میں مزید فرماتا ہے:

«اور جس وقت جہنم شعلہ ور ہوگا» (و اذا الجحیم سعرت)۔

(وان جہنم لمحیطۃ بالکافورین)۔ «بے شک دوزخ کافوروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے» (توہم ۹۹)
 کے مطابق جہنم اب بھی موجود ہے لیکن اس دنیا کے عجائبات اس کے مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآنی کے مطابق جنت بھی اس وقت پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ اسی بنا پر بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

«اور جس وقت جنت پرہیزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گا» (و اذا الجنة اذلفت)۔ یہی معنی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں بھی اس فرق کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں متقین کے نام کی تصریح نہیں ہوئی۔

”ازلقت“، ”زلقت“ (بروزن حرف) اور ”زلقتی“ (بروزن کبری) کے مادہ سے نزدیکی کے معنوں میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرب مکانی ہو یا قرب زمانی یا اسباب و مقدمات کے لحاظ سے یا پھر یہ سب امور ہوں یعنی جنت مکان کے لحاظ سے بھی مومنین کے نزدیک ہو جائے گی اور زمانہ ورود کے اعتبار سے بھی اور اس کے اسباب و علل بھی وہاں سہل و آسان ہوں گے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ یہ نہیں فرماتا کہ نیکو کار جنت کے نزدیک ہو جائیں گے بلکہ فرماتا ہے جنت ان کے نزدیک کر دیں گے اور یہ بہت ہی محترم تعبیر ہے جو اس سلسلہ میں ممکن ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے جنت اور جہنم دونوں اس وقت موجود ہیں لیکن اس دن جنت زیادہ نزدیک اور دوزخ ہر زمانہ کی نسبت زیادہ بھڑک رہا ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں جو فی الحقیقت تمام گزشتہ آیتوں کی تکمیل کرتی ہے اور تمام شرطیہ جملوں کی جزا ہے جو گزشتہ بارہ آیتوں میں آئے ہیں، فرماتا ہے:

”اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا کچھ حاضر کیا ہے“ (علمت نفس ما احضرت)۔ اور یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کے تمام اعمال وہاں حاضر ہوں گے اور وہاں انسان کا علم مشاہدہ لیے ہوئے ہوگا۔

یہ حقیقت قرآن کی متعدد آیات میں آتی ہے۔ سورہ کہف کی آیت ۹۴ میں ہم پڑھتے ہیں (ووجدوا ما عملوا حاضراً) ”جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں وہ اسے حاضر پائیں گے“ اور سورہ زلزال کی آخری آیات میں آیا ہے: (فمن يعمل مثقال ذرۃ خیراً یروہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یروہ) جس شخص نے ذرہ برابر نیک عمل کیا ہو گا وہ اسے دیکھے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔

یہ آیت بھی اعمال کی تجسیم کو بیان کرتی ہے اور یہ کہ انسانوں کے اعمال جو اس جہان میں بظاہر نابود ہو جاتے ہیں، وہ حقیقتاً نابود نہیں ہوتے۔ اس دن مناسب شکلوں اور صورتوں میں مجسم ہوں گے اور عرصہ محشر میں حاضر ہوں گے۔

چند نکات انظم آیات

زیر بحث آیتوں میں اور گزشتہ آیتوں میں مسئلہ قیامت کے رابطہ سے بارہ حادثات کی طرف اشارہ ہوا ہے جن میں سے چھ حوادث پہلے مرحلہ یعنی اس جہان کی فنا سے متعلق ہیں اور چھ دوسرے حوادث چھ دوسرے مرحلہ یعنی موت کے بعد کی نئی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلے حصہ میں سورج کے تاریک و سیاہ ہو جانے، ستاروں کے بے نور ہونے، پہاڑوں کے تزلزل اور

حرکت میں آجانے، سمندروں میں آگ لگ جانے، اموال کو بھول جانے، اور جانوروں کے وحشت زدہ ہو جانے کے بارے میں گفتگو ہے۔

دوسرے مرحلہ میں انسانوں کے الگ الگ صفوں میں محسوس ہونے، بے گناہ زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیے جانے، نامہ اعمال کے کھلنے، آسمانوں سے حجابوں کے ہٹ جانے، جہنم کی آگ کے بھڑک اٹھنے، جنت کے نزدیک ہونے اور آخر میں انسان کے اپنے اعمال سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کی بات ہوتی ہے۔

یہ آیات، باوجود اختصار، اس قدر پرمعنی اور دل ہلا دینے والی ہیں کہ ہر انسان کے وجود کو متزلزل کر دیتی ہیں اور اسے غور و فکر پر اس طرح مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اس دنیا کے انجام اور قیامت کی کیفیات کو مختصر عبارتوں میں اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھنے لگتا ہے۔ کس قدر زیبا، خوبصورت اور اثر کرنے والی یہ آیات قرآن میں اور کس قدر پرمعنی اور الہام بخش ان کے نکات ہیں۔

۲۔ کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں گے؟

ہر چیز سے پہلے ہمیں جاننا چاہیے کہ ہمارے نظام شمسی کا یہ حیات بخش مرکز جسے ہم سورج کہتے ہیں آسمان کے باقی ستاروں کی بہ نسبت، اگرچہ یہ متوسط ستارہ ہے لیکن اپنی ذات کی حد تک اور کرہ زمین کی نسبت بہت بڑا ہے۔

ماہرین کی تحقیق اور ان کے مطالعوں کے مطابق اس کا حجم ایک ملین اور تین کروڑ گنا زمین کے مقابلہ میں ہے۔ البتہ یہ چونکہ ہم سے تقریباً ایک سو پچاس ملین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے لہذا وہ موجودہ حجم میں نظر آتا ہے۔

سورج کی عظمت و وسعت کی تصویر کشی کے لیے یہی مقدار کافی ہے کہ اگر چاند اور زمین کو اس فاصلہ کے ساتھ جو اس وقت ان دونوں کے درمیان ہے، سورج کے اندر منتقل کر دیں تو چاند آسانی کے ساتھ زمین کے گرد گردش کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ وہ سورج کی سطح سے خارج ہو۔

سورج کی سطح کی حرارت چھ ہزار سنٹی گریڈ سے زیادہ ہے اور اس کے عمق کی حرارت کئی ملین درجوں سے زیادہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ سورج کے وزن کو ٹھنوں کے حساب سے بیان کریں تو ضروری ہے کہ ہم دو کا عدد لکھیں اور ستائیس صفر اس کے آگے لگائیں یعنی دو ارب ارب ارب ٹن۔

سورج کی سطح سے شعلے بلند ہوتے ہیں جن کا ارتفاع بھی تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار کلومیٹر ہوتا ہے اور کرہ زمین اس کے اندر آسانی سے گم ہو سکتا ہے کیونکہ زمین کا قطر بارہ ہزار کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ باقی رہا سورج کی نورانی روشنی دینے والی طاقت کا سرچشمہ، اس کے برعکس جو بعض ماہرین نے طے کر رکھا ہے

وہ جلنے سے پیدا نہیں ہوتا۔

جارج گاموف اپنی کتاب "سورج کی پیدائش اور اس کی موت" میں لکھتا ہے کہ اگر سورج کا جسم خالص پتھر کے کوئلے سے بنا ہوا ہوتا اور مصر کے پہلے فرعون کے زمانے میں اسے آگ لگائی گئی ہوتی تو ضروری تھا کہ وہ اب تک سب جل چکا ہوتا اور خاک کے سوا کوئی چیز باقی نہ بچی ہوتی اور کسی قسم کا دوسرا جلنے والا مادہ اگر پتھر کے کوئلے کی جگہ ہم فرض کریں تو وہ بھی یہی اشکال رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جلنے کا مفہوم سورج پر صادق نہیں آتا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ ایٹمی تجربوں سے حاصل شدہ طاقت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ طاقت (انرجی) بہت زیادہ اور بڑی ہے اس بنا پر سورج کے ایٹم انرجی کی تبدیلی میں مصروف ہیں جو ماہرین کے حساب کے مطابق ہر سیکنڈ میں چار ٹریلین ٹن کم ہو جاتے ہیں مگر سورج کا حجم اتنا بڑا ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے باوجود اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس کی کیفیت و وضع میں معمولی سا تغیر بھی واقع نہیں ہوتا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ یہی چیز ایک مدت دراز کے بعد سورج کے فنا ہونے کا سبب بنے گی اور آخر کار یہ جرم عظیم لاغر، کمزور، پتلا اور بے نور ہو جائے گا۔ اور یہی چیز ستاروں پر بھی صادق آتی ہے بلکہ اس بنا پر جو کچھ اوپر والی آیات میں سورج کے تاریک ہونے اور ستاروں کے بگھر جانے کے سلسلہ میں آیا ہے وہ ایسی حقیقت ہے جو موجودہ زمانے کے علم کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور قرآن نے اس وقت ان حقائق کو بیان کیا ہے جب نہ صرف جزیرۃ العرب کے ماحول میں بلکہ اس زمانے کی علمی دنیا کی محفلوں میں بھی ان مسائل کی کوئی خبر نہیں تھی۔

- ۱۵ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝
 ۱۶ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝
 ۱۷ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝
 ۱۸ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝
 ۱۹ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
 ۲۰ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝
 ۲۱ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝
 ۲۲ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝
 ۲۳ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝
 ۲۴ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝
 ۲۵ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيبٍ ۝

ترجمہ

- ۱۵ قسم ہے ان ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں۔
 ۱۶ چلتے ہیں اور نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں۔
 ۱۷ اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پشت پھیرے اور آخر کو پہنچ جاتے۔
 ۱۸ اور صبح کی جب وہ تنفس کرے۔
 ۱۹ کہ یہ قرآن باعظمت بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین)۔

- ۲۰ جو صاحبِ قدرت ہے اور صاحبِ عرشِ خدا کے ہاں بلند مقام کا حامل ہے۔
- ۲۱ فرمانروا اور امین ہے۔
- ۲۲ اور تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔
- ۲۳ اُس نے اُس کو (جبرائیل کو) روشن افق میں دیکھا۔
- ۲۴ وہ اس کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا ہے بخیل نہیں ہے۔
- ۲۵ یہ قرآنِ شیطانیِ رجیم کا قول نہیں ہے۔

تفسیر

وحی الہی اس پر نازل ہوئی

پروردگارِ عالم گزشتہ آیتوں کے بعد، جو قیامت و معاد اور اس کے مقدمات اور محشر کے عظیم دن کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، ان آیتوں میں قرآن کی حقانیت اور پیغمبرِ اسلام کی گفتار کے سچ ہونے کی بحث کو پیش کرتا ہے اور معاد کے بارے میں جو کچھ گزشتہ آیات میں آیا، حقیقت میں اس کی تائید کرتا ہے اور آگاہی بخشنے والی قسموں کے ساتھ ان مطالب کی تائید کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”قسم ہے ستاروں کی جو لوٹتے ہیں“ (فلا اقسام بالخنس)۔ چلتے ہیں اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں“ (الجوار الکنس)۔

”خنس“، ”خنس“ کی جمع ہے ”خنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے اصل میں انقباضِ بازگشت اور پینال ہونے کے معنی میں ہے۔ اور شیطان کو اس لیے خناس سمجھتے ہیں کہ وہ خود کو چھپاتے رکھتا ہے اور جس وقت خدا کا نام لیا جاتے تو وہ منقبض ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: (الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس) شیطان ہمیشہ خدا کے بندوں کو وسوسہ میں ڈالتا ہے لیکن جس وقت خدا کو یاد کریں تو پلٹ جاتا ہے۔

۱۔ یہ کہ لا اقسام میں ”لانا فیہ“ یا زائد اور تاکید کے لیے ہے مفسرین نے اس سلسلہ میں کئی بحثیں کی ہیں۔ اور چونکہ سورہ قیامت کی ابتدا میں اسی جلد میں اس عنوان پر ہم بحث کر چکے ہیں لہذا تکرار کی ضرورت نہیں۔

۲۔ لسان العرب مادہ خنس۔

”جوار“، ”جادیہ“ کی جمع ہے جس کے معنی تیز رفتار کے ہیں۔ ”کنس“، ”کنس“ کی جمع ہے۔ ”کنس“ (بروزن شمس) کے مادہ سے چھپ جانے کے معنی ہیں۔ اور کناس (بروزن پلاس) پرندوں کے گھونسلوں ہر نوں اور دوسرے وحشی جانوروں کے چھپنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

یہ کہ ان قسموں سے کیا مراد ہے بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس سے نظام شمسی کے پانچ سیاروں کی طرف اشارہ ہے جو دربین کے بغیر دیکھے جاسکتے ہیں۔ (عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل) اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر ہم پے درپے چند راتوں کو آسمان پر نگاہ لگائے رکھیں تو اس حقیقت کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ آسمان کے ستارے اجتماعی طور پر بتدریج طلوع ہوتے ہیں اور اکٹھے ہی غروب ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فاصلوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مردارید ہیں جو ایک سیاہ پارچہ پر معین و مقرر فاصلوں پر ٹانگے لگے ہیں۔ اس پارچہ کو ایک طرف سے اوپر لے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے نیچے کھینچتے ہیں۔ صرف پانچ ستارے ہیں جو اس قانون کلی سے مستثنیٰ ہیں یعنی دوسرے ستاروں کے درمیان چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ گو یا پانچ مردارید ٹکے ہوتے نہیں ہیں اور اس پارچہ پر آزاد قرار دیئے گئے ہیں اور وہ ٹوٹے پوٹے رہتے ہیں۔

یہ وہی مذکورہ بالا پانچ ستارے ہیں جو نظام شمسی کے خاندان کے ارکان ہیں اور ان کی حرکت قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں محسوس ہوتی ہے ورنہ آسمان کے تمام ستارے ہی اس قسم کی حرکات کے حامل ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہم سے دور ہیں لہذا ہم ان کی حرکات کو محسوس نہیں کرتے۔

پھر اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ علمائے ہیئت نے ان ستاروں کا نام ”نجوم متحیرہ“ رکھا ہے اس لیے کہ ان کی حرکات خط مستقیم پر نہیں ہے اور اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک مدت تک سیر کرتے ہیں پھر حقوڑا سا واپس پلٹ آتے ہیں۔ دوبارہ اپنی سیر شروع کر دیتے ہیں جس کے اسباب کے بارے میں علم ہیئت میں بہت سے مباحث ہیں۔

مندرجہ بالا آیات ہو سکتا ہے کہ اس طرف اشارہ ہوں کہ یہ ستارے حرکت رکھتے ہیں (الجوار) اور اپنی سیر و حرکت میں رجوع و بازگشت رکھتے ہیں (المنس) اور انجام کار سورج کے طلوع کے وقت پہناں ہو جاتے ہیں، ان ہر نوں کی طرح جو راتوں کو بیابانوں میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لیے پھرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقت شکاریوں اور وحشی جانوروں کے خوف سے اپنے کناس اور غار میں مخفی ہو جاتے ہیں (الکنس)

یہ احتمال بھی ہے کہ کنس سے مراد ان کا سورج کی شعاؤں میں پوشیدہ ہونا ہے اس اعتبار سے سورج کے گردش کرتے وقت کبھی اس نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ سورج کے قریب ہو جاتے ہیں اور پھر بالکل نظر نہیں آتے جسے علمائے نجوم احتراق سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو ان ستاروں کی

وضع و کیفیت کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کنس کو ان ستاروں کے آسمان کے برجوں میں قرار پانے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو ہر نول کے اپنے ٹھکانوں میں پنہاں ہونے سے مشابہت رکھتا ہے البتہ یہ معلوم ہے کہ نظام شمسی کے سیارے صرف ان پانچ تک محدود نہیں ہیں اور تین دوسرے سیارے اور انوس، پلوٹون اور نیپٹون بھی موجود ہیں جو صرف ان دور بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں جو ستاروں کو دکھاتی ہیں اور وہ کرۂ ارض کے ساتھ مل کر نظام شمسی کے نو سیاروں کو تشکیل دیتے ہیں (البتہ یہ نو سیارے ایک یا کئی چاند رکھتے ہیں جن کا حساب اس جمع سے الگ ہے)۔

”جواری“ جو جاریہ کی جمع ہے اور جن کے معنی وہ کشتیاں ہیں جو چل رہی ہوں، ایک لطیف تعبیر ہے جو ان ستاروں کی آسمان کے سمندر میں حرکت اور چلنے کو کشتیوں کے سمندروں اور دریاؤں میں چلنے سے تشبیہ دیتی ہے۔

بہر حال قرآن مجید گویا یہ چاہتا ہے کہ ان پر معنی اور ایک قسم کے ابہام کی آمیزش رکھنے والی قسموں کے ساتھ افکار انسانی کو بیدار کرے اور انہیں آسمان کے ستاروں کی عظیم فوج اور دستوں کے درمیان چر ان سیاروں کی مخصوص اور استثنائی وضع و کیفیت ہے، اس کی طرف متوجہ کرے تاکہ ان اجرام فلکی کے بالے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کے بعد دماغ انسانی اس عظیم دست گاہ کو عالم وجود میں لانے والے کی عظمت سے آشنا ہو۔

بعض مفسرین نے مندرجہ بالا آیات کی کچھ اور تفسیریں بھی کی ہیں لیکن چونکہ وہ قابل ملاحظہ نہیں لہذا ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں جو امیر المؤمنین سے منقول ہے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا
رہی خمسة انجم زحل والمشتوی والمریخ والزهرة وعطارد) وہ پانچ ستارے ہیں زحل ہشتری
مریخ زہرہ اور عطارد

پس دوسری مرتبہ قسم کھا کر فرماتا ہے: ”قسم ہے رات کی جب وہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ (والیل اذا عسعس)
”عسعس“، ”عسعسة“ کے مادہ سے اصل میں دقیق اور ہلکی تاریکی کے معنی میں ہے اور چونکہ رات کی ابتدا اور انتہا میں تاریکی زیادہ ہلکی ہوتی ہے لہذا یہ معنی رات کے پشت پھرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور لفظ ”عسعس“ کا اطلاق رات کو گردش کرنے والے ملازمین پر بھی اسی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے اگرچہ یہ لفظ مکمل طور پر دو مختلف معانی رکھتا ہے لیکن یہاں بعد میں آنے

والی آیت کے قرینے کے پیش نظر جو صبح کی بات کرتی ہے مراد رات کا اختتام ہی ہے اور حقیقت میں اس قسم کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر کی آیت ۳۳ میں آئی ہے (واللیل اذا ادبر) اصولی طور پر رات جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے، خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جو جسم و روح کے آرام و سکون کا باعث بھی ہے اور حرارت آفتاب کے اعتدال اور موجودات کی زندگی کے جاری رہنے کا سبب بھی ہے لیکن اختتام شب پر انحصار ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ وہ روشنی اور نور کی طرف رخ کیے ہوئے ہے اور اس سے قطع نظر پروردگار سے مناجات اور عبادت کرنے کے لیے بہترین وقت ہے اور عالم زندگانی کے آغاز و حرکت کا لمحہ ہے۔

آخر کار تیسری اور آخری قسم کی جانب رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:
 ”قسم ہے صبح کی جبکہ وہ سانس لے“ (والصبح اذا تنفس)۔ کیا ہی عمدہ اور جاذب توجہ تعبیر ہے۔ صبح کو زندہ موجود سے تشبیہ دی ہے کہ اس کے تنفس یعنی سانس لینے کی ابتدا طلوع سپیدہ سحری سے ہوتی ہے وہ تمام موجودات میں ریح حیات پھونکتی ہے۔ گویا ایک کالے حبشی لشکر کے ہاتھ اور پاؤں کے نیچے اس کا سانس رک گیا تھا اور نور و روشنی کی پہلی شعاع کے چمکنے سے اس کے چنگل سے آزاد ہو کر تازہ سانس لینے لگی ہے۔

یہ تعبیر اس تعبیر کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر میں رات کی قسم کے بعد آئی ہے جس میں فرماتا ہے:
 (والصبح اذا اسفر) ”قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے چہرہ سے نقاب ہٹاتے“ گویا رات کی تاریکی سیاہ نقاب کے مانند ہے جو صبح کے چہرہ پر پڑی ہے۔ سپیدہ سحر کے وقت نقاب ہٹا کر اپنا نورانی اور حیا افزا چہرہ جو زندگی کی نشانی ہے، ساری دنیا کو دکھاتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کو جس کی خاطر یہ ساری قسمیں کھائی گئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:
 ”یقیناً یہ قرآن صاحب عزت اور عظیم بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین) جسے وہ خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر کی طرف لایا ہے“ (انہ لقول رسول کریم)۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو پیغمبر پر اہتمام لگاتے تھے کہ قرآن انہی کا بنایا ہوا ہے اور اس کو خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں اور بعد والی آیت میں جبرائیل امین جو خدا کے پیکر وحی ہیں ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو درحقیقت ایسے ہیں جو ہر جامع الشرائط بھیجے جانے والے کے لیے لازمی ہیں۔ اس کی پہلی توصیف کریم ہونا ہے جو اس کے وجود کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جی ہاں! وہ خداوند بزرگ کی طرف سے ہے اور قیمتی وجود کا حامل ہے۔

اس کے بعد اس کے دوسرے اوصاف پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ صاحب قدرت ہے

اور عرش والے خدا کی بارگاہ میں بلند مقام کا حامل ہے۔ ”ذی قوۃ عند ذی العرش مکین“ یہ ذی العرش خدا کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ وہ تمام عالم ہستی کا مالک ہے لیکن چونکہ عرش چاہے وہ اس عالم کے معنی میں ہو جو مادراتے طبیعت ہے، یا خدا کے علم مکون کے مقام کے معنی میں ہو بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے لہذا صاحب عرش کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے۔

”ذی قوۃ“ (صاحب قدرت) کی تعبیر جبرائیل کے بارے میں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کے عظیم پیغام کے حصول اور اس کے باریک بینی پر مبنی ابلاغ کے لیے بڑی قدرت و توانائی کی ضرورت ہے اور اصولی طور پر ہر رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رسالت کے حدود میں صاحب قدرت ہو اور بالخصوص ہر قسم کی فریب و تزویر سے مبرا ہو جو ابلاغ کی راہ میں حائل ہو۔

مکین اس شخص کے معنوں میں ہے جو صاحب منزلت و مکانت ہو۔ بنیادی طور پر ضروری ہے کہ رسول کی شخصیت عظیم ہو تاکہ خدا کی رسالت اور نمائندگی کا فریضہ انجام دے سکے اور مقرب بارگاہ الہی ہو۔ اور یہ سزا ہے کہ عند کی تعبیر حضور مکافی کے معنوں میں نہیں ہے، وہ اس لیے کہ خدا کوئی مکان نہیں رکھتا۔ اس سے مراد حضور معنوی ہے۔

چوتھی اور پانچویں توصیف میں کتا ہے ”وہ فرشتوں کا فرمانروا اور مطاع ہے“ (مطاع شواہین) شتو کی تعبیر جو اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتی ہے اس حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ پیک و وحی الہی عالم فرشتگان میں مورد اطاعت ہے اور ان تمام چیزوں سے قطع نظر پیام الہی کے ابلاغ میں انتہائی امین ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جبرائیل امین قرآن کی آیات کے پہنچانے کے سلسلہ میں فرشتوں کے ایک عظیم گروہ کے ہمراہ آتے تھے اور یقیناً ان کے درمیان مطاع تھے یعنی سب فرشتے ان کی اطاعت کرتے تھے اور ایک رسول و سفیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام ہمراہی اس کی اطاعت کرتے ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے موقع پر پیغمبر اکرم نے جبرائیل امین سے فرمایا ما احسن ما اثنی علیک ربک: ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع شم امین فما کانت قوتک؟ ہو ما کانت امانتک؟ تیرے پروردگار نے تیری کیا ہی عمدہ تعریف کی ہے کہ مندرمایا ہے صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش خدا کے ہاں قرب رکھتا ہے اور وہاں فرمانروا ہے اور امین ہے

۱۔ ”مکین“ ”مکانت“ کے مادہ سے مقام و منزلت کے معنوں میں ہے اور جیسا کہ راغب کے مفردات میں کلمات سے اور دو سرفسفر کو سے معلوم ہوتا ہے یہ اصل میں کون کے مادہ سے اسم مکان ہے۔ اس کے بعد کثرت استعمال کی بنا پر اسے مادہ فعل کے برابر قرار دیا گیا ہے اور تمکن اس سے مشتق ہوا ہے تمکن کی طرح جو سکون کے مادہ سے ہے۔

لہذا اپنی قدرت و امانت کا نمونہ پیش کر۔

تو جبرائیلؑ نے جواب میں عرض کیا "میری قدرت کا نمونہ یہ ہے کہ میں قوم لوط کے شہروں کی تباہی پر آمون ہوا ہوں چار شہر تھے اور ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد موجود تھے۔ ان کی اولاد اس کے علاوہ تھی۔ میں نے ان شہروں کو اٹھایا اور میں انہیں آسمان کی طرف لے گیا یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے جانوروں کی آواز سننے لگے۔ پھر انہیں زمین کی طرف لے آیا اور انہیں زیر و زبر کر دیا۔

"باقی رہا میری امانت کا نمونہ تو وہ یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو مجھے دیا گیا ہو اور اس میں میں نے معمولی سا تجاوز بھی کیا ہو"۔

اس کے بعد لوگ وہ ناروا نسبت جو پیغمبر کی طرف دیتے تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

تمہارا صاحب دیوانہ نہیں ہے (وما صاحبکم بمجنون)۔

"صاحب" کی تعبیر جو ہمیشہ ساتھ رہنے والے رفیق، دوست اور ہم نشین کے معنی میں ہے، علاوہ اس کے کہ پیغمبر تمام لوگوں کے ساتھ اخلاق و تواضع سے پیش آتے تھے اور کبھی کسی کے مقابلہ میں برتری کا دعویٰ نہیں رکھتے تھے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے سالہا سال تمہارے درمیان زندگی گزاری ہے اور تمہارے ہم نشین رہے ہیں اور تم نے انہیں عاقل و امین دیکھا ہے اور سمجھا ہے تو اب کس طرح ان کی طرف جنون کی نسبت دیتے ہو ہوائے اس کے کہ وہ بعثت کے ساتھ ایسی تعلیمات اپنے ہمراہ لائے ہیں جو تمہارے تعصبات، ہواد ہوس اور کورانہ تقلید کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

لہذا اس خیال سے کہ تم اپنے آپ کو ان کے قوانین اور احکامات کی اطاعت سے بچائے رکھو، اس قسم کے اہتمام ان پر لگاتے ہو۔ جنون کا الزام ان تمام الزامات میں سے ایک ہے جو، آیات قرآن کے مطابق، خدا کی طرف سے آئے ہوئے پیغمبروں پر ہٹ دھرم دشمنوں کی طرف سے لگائے گئے۔

(كذالك ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحرا او مجنون) بات اس طرح ہے کہ ان سے پہلے کوئی پیغمبر کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا مگر یہ کہ اس نے کہا کہ یہ ساحر اور جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (ذاریات - ۵۲)۔

ان کی منطق میں عاقل وہ شخص تھا جو فاسد ماحول میں گھل مل جائے اور ویسی ہی خواہشات کی پیروی کرے۔ جدھر کی ہوا ہو ادھر کو چلے اور ہر اصلاحی و انقلابی تحریک سے بے تعلق رہے۔ اس معیار اور ضابطے کے مطابق دنیا پرستوں کی تاریک نگاہ میں تمام پیغمبر دیوانے تھے۔

لے مجمع البیان جلد ۱، ص ۲۴۶۔ یہی مضمون تفسیر در المنثور میں بھی زیر بحث آیات کے ذیل میں آیا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کے جبرائیل امین سے ارتباط کی تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: "اس نے یقینی طور پر جبرائیل کا واضح اور آشکار افق میں مشاہدہ کیا ہے" (ولقد راہ بالافق المبین)۔
افق مبین سے مراد وہی افق اعلیٰ اور فرشتوں کو آشکار کرنے والا افق ہے جس میں پیغمبر اکرم نے جبرائیل کا مشاہدہ کیا۔

بعض مفسرین نے سورہ نجم کی آیت ۷ کو جس میں ہے (وہو بالافق الاعلیٰ) اس تفسیر پر مشابہ سمجھا ہے لیکن جیسا کہ سورہ نجم کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت اس سورہ کی باقی آیات کی طرح ایک دوسری حقیقت کو بیان کرتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہوگی۔
بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ پیغمبر نے جبرائیل کا ان کی اصلی شکل و صورت میں دوبار مشاہدہ کیا۔ ایک دفعہ آغازِ بعثت میں کہ جبرائیل آنحضرت کے سامنے افق بالا پر ظاہر ہوئے اور تمام مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا اور دوسری مرتبہ معراج میں کہ پیغمبر نے انہیں اوپر والے آسمان میں اُن کی اصلی شکل میں دیکھا اور مفسرین زیر بحث آیت کو اسی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔
یہ احتمال بھی ہے کہ خدا کی مراد ایسا مشاہدہ ہو جو شہود باطنی کے لحاظ سے ہو۔ مزید وضاحت کے لیے جلد ۲۲ ص ۲۸۶ سے آگے سورہ نجم کی آیت ۵ تا ۱۳ کی طرف رجوع فرمائیے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "پیغمبر اس چیز کے بارے میں جو اس نے بطریق وحی عالم غیب سے حاصل کی ہے بخیل نہیں ہے" (وما هو علی الغیب بضنین)۔ ہر چیز بے کم و کاست بندگانِ خدا کے اختیار میں دے دیتا ہے۔

وہ بہت سے دوسرے لوگوں کے مانند نہیں کہ جب کسی اہم حقیقت پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں تو اس کو چھپانے پر اصرار کرتے ہیں اور اکثر اس کے بیان کرنے پر بخل سے کام لیتے ہیں اور بسا اوقات ان معلومات کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں۔

پیغمبر ایسے نہیں ہیں۔ وہ پورے جو دو سخا کے ساتھ، جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسے تمام ضرورت مندوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ انہیں بھی بتا دیتے ہیں جو بلندی اور قرب کے قائل ہی نہیں ہیں اس امید پر کہ شاید ہدایت حاصل کریں اور راہِ حق کو اختیار کریں۔

"ضنین" "ضنہ" (بروزن متہ) نفیس اور قیمتی اشیاء کے بارے میں بخل کرنے کے معنی میں ہے اور یہ ایک ایسا عیب ہے جو کبھی کسی پیغمبر میں نہیں ہوتا۔ اور اگر دوسرے افراد اپنے علوم کے بارے میں ایسے عیب کا شکار ہیں تو ہوا کریں۔ پیغمبر جس کے علم کا سرچشمہ علم خدا کا بیسکراں سمندر ہے، اس قسم کی باتوں سے مترا ہے۔

پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: "اور وہ شیطانِ رجیم کی کہی ہوئی بات نہیں ہے" (وما هو بقول

شیطان (جیم)۔ یہ آیات قرآنی ہرگز کاہنوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں جو شیاطین سے تعلق کی وجہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر اس حقیقت کی نشانیاں اس کے کلام سے ظاہر ہیں۔
اس لیے کہ کاہنوں کی باتیں جھوٹی ہوتی تھیں۔ ان میں بہت سے شبہات ہوتے تھے اور وہ غلطیوں کی آمیزش سے لوث ہوتی تھیں، اور شیطانی میلانات و خواہشات کے گرد گھومتی تھیں۔ اس چیز کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حقیقت میں ان کی دوسری تہمت کا جواب ہے، مشرکین کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) کاہن ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں انہوں نے شیاطین سے لیا ہے۔ حالانکہ شیطانی باتیں گمراہ کن ہوتی ہیں اور قرآنی آیات سراسر نور ہدایت اور روشنی ہیں اور یہ حقیقت قرآنی آیات کو دیکھتے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔

لفظ "رجیم" اصل میں "رجس" اور "رجام" (بروزن لجام) کے مادہ سے پتھر کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے دور کرنے کے معنی میں آیا ہے اور شیطان رجیم سے مراد یہاں یہی معنی ہیں، یعنی وہ شیطان جو بارگاہِ خداوندی سے نکالا گیا ہے۔

ایک نکتہ رسول کی شائستگی کی شرطیں

پانچ صفتیں جو مندرجہ بالا آیات میں جبرائیل امین کے لیے پیغمبر گرامی اسلام کی طرف خدا کے بھیجے ہوئے قاصد کے عنوان کے ماتحت آئی ہیں ان میں سے دو صفتیں ایسی ہیں جو ہر رسول اور فرستادہ خدا میں سلسلہ مراتب کو نظر میں رکھتے ہوئے پائی جانی ضروری ہیں۔
پہلی صفت کرامت اور عمدہ صفاتِ نفسی کا حامل ہونا ہے جو اس کو رسالت جیسے اہم کام کا اہل بنا دیں۔

دوسری صفت قدرت کا حامل ہونا ہے۔ (ذی قوۃ) تاکہ اپنے اثر رسالت کو لے کر قاطعیت اور توانائی کے ساتھ وہ آگے بڑھے اور ہر قسم کے ضعف اور کمزوری سے دور ہو۔
اس کے بعد اُس ہستی کی بارگاہ میں مقام و منزلت رکھنا جس کی رسالت کو اس نے قبول کیا ہے (مکین) تاکہ پیغامات کو اچھی طرح حاصل کرے اور اگر جواب کی ضرورت ہو تو بغیر کسی خوف و خطر کے اس کا ابلاغ کرے۔

چوتھی صفت یہ کہ اگر امر رسالت اہمیت رکھتا ہو تو اس کے معاون ہونے چاہئیں جو اس کی مدد کریں۔
ایسے معاون جو اطاعت گزار و فرمانبردار ہوں۔ (مطالع)

آخری صفت اس کا امانت دار ہونا ہے تاکہ وہ لوگ جو اس رسول سے پیغام لیں اس پر اعتماد کریں اور اس کی گفتگو بے کم و کاست اُس کا کلام شمار ہو جس کی طرف سے وہ آیا ہے۔

جب یہ پانچ اصول پورے ہوں تو پھر حق رسالت و پیغمبری ادا ہوگا۔ اسی لیے ہم پیغمبر اسلام کے حالات اور آپ کی تاریخ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے بھیجے ہوئے ایلیوں کو بہت زیادہ احتیاط سے ساتھ ان افراد میں سے جو ان صفات کے حامل ہوتے تھے منتخب کرتے تھے، جس کا ایک زندہ نمونہ جناب امیر المومنین حضرت علیؑ کی ذات ہے اور پیغمبر کی طرف سے سورہ برأت کی ابتدائی آیات کی مشرکین مکہ کے سامنے ان خاص حالات میں تبلیغ ہے جس کی تفصیل سورہ برأت میں آچکی ہے۔

حضرت فرماتے ہیں: (رسولکے ترجمان عقلک و کتابک ابلغ ما ینطق عنک) تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور تیرا خط تیری بات کا نہایت پرگو ناطق ہے۔

- ۲۶ قَائِنَ تَذْهَبُونَ ۝
- ۲۷ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝
- ۲۸ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيَهُ ۝
- ۲۹ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

ترجمہ

- ۲۶ پس تم کہاں جا رہے ہو؟
- ۲۷ یہ قرآن عالمین کے لیے صرف نصیحت ہے۔
- ۲۸ ان لوگوں کے لیے جو چاہتے ہیں کہ نصیحت حاصل کریں۔
- ۲۹ اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

تفسیر

اے غافلو! کہاں جا رہے ہو؟

گزشتہ آیات میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے ہویدا ہے کہ یہ شیطانی کلام نہیں ہے بلکہ رحمن کا کلام ہے جو پیکر وحی الہی کے ذریعہ، قدرت و امانت کئی کے ساتھ، اس پیغمبر پر جو انتہائی طور پر اعتدال عقل کا حامل ہے، نازل ہوا ہے۔ ایسا پیغمبر جس نے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور جو کچھ اسے تعلیم دی گئی ہے اس نے اسے بے کم و کاست بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم زیر بحث آیات میں مخالفین کو اس عظیم کلام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے مستحق سرزنش قرار دیتا ہے اور ایک استفہام توجہی کے ساتھ فرماتا ہے :

”ان حالات میں تم کہاں جا رہے ہو“ (قائین تذہبون)۔ کیوں راہ راست کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کرتے ہو اور کیوں اس چراغ فروزاں سے منہ موڑ کر تاریکی کی طرف رواں دواں ہو۔ کیا تم اس سعادت و

سلامتی کے دشمن ہو؟ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے“ (ان هو الا ذکر للعالمین) سب کو نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور چونکہ ہدایت و تربیت کے لیے فاعل کی صرف قابلیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قابل کی قابلیت بھی درکار ہے لہذا بعد میں آنے والی آیت میں مزید فرماتا ہے:

”قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے جو تم میں سے چاہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اختیار کریں“ (لمن شاء منکم ان یستقیم)۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فرماتا ہے کہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نصیحت و بیداری کا سبب ہے اور اس آیت میں صرف ایک گروہ کا ذکر کرتا ہے وہ لوگ جو ہدایت کو قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ فرق اس بنا پر ہے کہ گزشتہ آیت فیضِ الہی کی عمومیت کو بیان کرتی ہے اور یہ آیت اس فیض سے فائدہ اٹھانے کی شرط کو پیش کرتی ہے۔ تمام مواہب اور نعمتیں اسی طرح ہیں کہ اصل فیض عام ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ارادہ کی پختگی سے مشروط ہے۔

اسی معانی کو لیے ہوتے سورہ بقرہ کی آیت ۲ بھی آئی ہے (ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدیٰ للمتقین) اس کتاب میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت ہے۔ بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو بتاتی ہیں کہ خدا نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے اور راہِ حق و باطل کو طے کرنے کا آخری فیصلہ اس کے اختیار میں ہے۔

یستقیم کی تعبیر جاذبِ توجہ اور عمدہ ہے جو بتاتی ہے کہ راہِ اصلی جو انسان کے سامنے قرار پائی ہے وہ راہِ ہدایت و سعادت ہے باقی سب راستے منحرف کر دینے والے ہیں۔

انسان کی تمام اندرونی اور بیرونی توانائیاں مجتمع ہیں کہ اسے راہِ مستقیم پر چلائیں اور اگر افراط و تفریط، شیطانی وسوسے اور گمراہ کرنے والے پروپیگنڈے درمیان میں نہ ہوں تو انسان ندائے فطرت کے ذریعہ اس صراطِ مستقیم پر قدم رکھ سکتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ خطِ مستقیم ہمیشہ مقصد کی نزدیک ترین راہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان کا ارادہ یہ توہم پیدا کرے کہ آدمی اس طرح آزاد ہے کہ اس راستے کو طے کرنے میں الہی توفیق کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا تو بعد میں آنے والی آیت میں، جو اس سورہ کی آخری آیت ہے فرماتا ہے:

”تم ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ عالمین اور تمام جانوں کا پروردگار ارادہ کرے“ (وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین)۔ درحقیقت ان دونوں آیات کا مجموعہ اس دقیق و ظریف مسئلہ امر بین الامرین کو بیان کرتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے ارادہ کی پختگی تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور دوسری طرف کہتا ہے جب تک خدا نہ چاہے تم ارادہ نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر تمہیں مختار و آزاد پیدا کیا گیا ہے تو یہ اختیار و آزادی بھی خدا کی جانب سے

ہے۔ اس نے چاہا ہے کہ تم ایسے رہو۔

انسان اپنے اعمال میں نہ مجبور ہے نہ سرفیصدی آزاد ہے۔ نہ طریقہ جبر صحیح ہے نہ طریقہ تفویض بلکہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ جسم و ہوش، عقل و توانائی، ارادہ کی پختگی کی قوت، وہ سب خدا کی جانب سے ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ اسے ایک طرف تو خالق کا محتاج و نیاز مند بناتی ہے اور دوسری طرف اس کی آزادی اور اختیار کے تقاضے کی بنا پر اسے ذمہ داری سونپتی ہے۔

”رب العالمین“ کی تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ مشیت الہی بھی انسان اور تمام عالمین کی تربیت، تکامل اور ارتقاء کی راہ میں دخل رکھتی ہے۔ وہ کبھی بھی نہیں چاہتا کہ کوئی گمراہ ہو اور گناہ کر کے اس کے جوہر رحمت سے دور ہو۔ وہ اپنے ربوبیت کے تقاضے سے ان تمام لوگوں کی مدد کرتا ہے جو چاہتے ہیں کہ راہ ارتقاء میں قدم رکھیں۔

تعب کی بات یہ ہے کہ مسلک جبر کے طرفدار صرف دوسری آیت سے چٹے ہوتے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تفویض کے طرفدار بھی پہلی آیت سے متوسل ہوں۔ آیات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا جو عام طور پر پہلے سے کیے ہوئے غلط فیصلوں کا معلول ہے، گمراہی کا سبب ہے۔

آیات قرآن کو ایک دوسرے کے ساتھ رکھ کر ان کے مجموعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قابل توجہ یہ امر ہے کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت ”لئن شاء منکم ان یستقیم“ نازل ہوئی تو ابوجہل نے جو عملی طور پر نظریہ تفویض کا حامی تھا، کہا بڑا اچھا ہوا کہ تمام اختیارات ہمیں دے دیئے گئے ہیں۔ یہی موقع تھا کہ دوسری آیت نازل ہوئی ”وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین“ لہ خدا وندا! ہم جانتے ہیں کہ راہ مستقیم کو طے کرنا تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اس راہ کو طے کرنے کی توفیق عطا فرما۔

پروردگارا! ہماری خواہش ہے کہ ہم راہ ہدایت پر چلیں تو بھی ارادہ فرما کہ اس راہ میں ہماری دستگیری فرما۔ بارالہ! محشر کا منظر اور تیری داد گاہ عدل و انصاف بہت ہولناک ہے اور ہمارا نامہ اعمال حسنت سے خالی ہے ہمیں اپنے عضو و فضل کی پناہ میں جگہ دے، نہ کہ میزان عدل و انصاف کے سامنے۔ آمین یا رب العالمین۔

سورہ تکویر کا اختتام

سورۃ
انقطار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۱۹ آیتیں ہیں۔

سورہ انفطار کے مضامین

- یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی سورتوں کی مانند قیامت سے متعلق مسائل کے بارے میں ہے اور اس کی آیتوں میں مجموعی طور پر اس تعلق کے پانچ موضوعات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔
- ۱۔ اشراط الساعۃ یعنی وہ عظیم حوادث جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا پر رونما ہوں گے۔
 - ۲۔ انسان کی توجہ خدا کی نعمتوں کی طرف، جنہوں نے اس کے سارے وجود کو گھیر رکھا ہے، اور اس کے غرور کو توڑنے کی جانب، تاکہ وہ اپنے آپ کو معاد کے لیے تیار کرے۔
 - ۳۔ ان فرشتوں کی طرف اشارہ جو انسانوں کے اعمال کو ثبت کرنے پر مامور ہیں۔
 - ۴۔ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی سرنوشت۔
 - ۵۔ اس عظیم دن کی سختیوں کا ایک گوشہ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ من قرأ ہاتین السورتین اذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقت و جعل ما نصب عینہ فی صلوة الفریضۃ و النافلۃ لم یحجبہ من اللہ حجاب ولم یحجزہ من اللہ حاجز ولم یزل ینظر الی اللہ و ینظر اللہ الیہ حتی یفرغ من حساب الناس، جو شخص ان دو سورتوں سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرے اور دونوں کو نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنا لے تو کوئی اسے خدا سے محجوب نہیں کر سکے گا اور کوئی چیز اس کے اور خدا وند متعال کے درمیان حائل نہیں ہوگی۔

یقیناً سب سے بڑی نعمت بارگاہِ خداوندی میں حضورؐ سے اور بندہ کے اور خدا کے درمیان سے حجابوں کا ہٹ جانا اس کے لیے ہے جو ان دونوں سورتوں کو اپنے دل و جان کی گہرائیوں میں جگہ دے اور اپنی اس بنیاد پر اصلاح کرنے، نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ اِذَا السَّمَاءُ اَنْفَطَرَتْ ۝
- ۲ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۝
- ۳ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝
- ۴ وَاِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝
- ۵ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاٰخَرَتْ ۝

ترجمہ خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

- ۱ جس وقت کرات آسانی پھٹ جائیں گے۔
- ۲ جس وقت ستارے پراگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔
- ۳ اور جس وقت سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔
- ۴ اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی۔ (اور مردے خارج ہوں گے)۔
- ۵ اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے۔

تفسیر

جس وقت اس جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائے گا

ہم پھر اس سورہ کے آغاز میں بعض ایسے وحشت ناک حوادث کا سامنا کر رہے ہیں جو آغاز قیامت میں سارے جہان کو گھیر لیں گے۔ پہلے فرماتا ہے:

”جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے“ (اذا السماء انفطرت)۔ اور جس وقت ستارے

پراگندہ ہو کر گرنے لگیں گے، (واذا الكواكب انتشرت)۔ عالم بالا کا نظام درہم و برہم ہو جائے گا اور ہولناک دھماکے سارے آسمان کے گروں کو گھیر لیں گے تمام منظومے اپنے نظام کھو بیٹھیں گے۔ اور ستارے اپنے مدار سے نکل جائیں گے اور شدید تصادم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ اس جہاں کی عمر ختم ہو جائے گی اور عام چیزیں ویران ہو جائیں گی تاکہ ان کی ویرانی سے آخرت کا جہاں آباد ہو جائے۔

» انفطرت « انفطار کے مادہ سے تشکافہ ہونے کے معنوں میں ہے۔ اس تعبیر کی نظیر بہت سی آیات میں آتی ہے۔ منجملہ دیگر تعبیرات کے سورہ الشفاق کی آیت ۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اذا السماء انشقت) اور سورہ منزل کی آیت ۱۸ میں فرماتا ہے: (السماء منفطر بہ)

» انتشرت « اصل میں مادہ نشر (بروزن نصر) سے پراگندہ کرنے اور ہونے کے معنی میں ہے اور چونکہ ستاروں کا پراگندہ ہونا دگلوبند کی طرح جس کا دھماکہ ٹوٹ جائے، سبب بنتا ہے کہ ہر ایک کسی گوشہ میں جا کرے۔ بعض مفتقرین نے ستاروں کے سقوط اور ان کے گرنے سے تفسیر کی ہے اور یہ پراگندگی کے معنی کا لازمہ ہے۔

» کواکب « کواکب کی جمع عربی زبان میں بہت سے معانی میں آتی ہے۔ دوسرے ستارے بطور غام اور زہرہ ستارہ بطور خاص۔

وہ سفیدی جو آنکھ میں ظاہر ہوتی ہے، بلند گھاس، درخت کا تنگوفہ، فولاد کی چمک، زیادہ خوبصورت نوجوان، تلوار، پانی اور کسی حجیت کا رئیس۔

لیکن ظاہری طور پر اس کے حقیقی معنی وہی درخشاں اور فروزاں ستارہ ہیں۔ باقی معانی مجازی شمار ہوتے ہیں جن میں اصلی معانی کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہ کہ ستاروں کا پراگندہ ہونا اور آسمانی کواکب کا انفجار اور پھٹنا اور ان کے نظام کا درہم و برہم ہونا کن عوامل و اسباب کے زیر اثر رونما ہوگا۔ کیا فطرت کا اعتدال درہم و برہم ہو جائے گا یا کوئی عظیم مرموز قوت اسے اپنے تحت الشعاع قرار دے گی یا عالم کا عظیم تدریجی انبساط اور پھیلاؤ جو موجودہ زمانے میں ماہرین کے نقطہ نظر سے اثبات کے درجہ کو پہنچ گیا ہے یہاں تک ہو جائے گا کہ جس کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ کوئی شخص ٹھیک طرح نہیں جانتا۔

لیکن ہمیں اتنا معلوم ہے کہ جس وقت یہ عظیم آسمانی کڑے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے تو اس وقت کمزور و ضعیف انسان کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔

یہ سب کچھ اس جہاں کے فنا ہونے کے بارے میں انسان کو خبردار کرنا ہے اور اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ اس دنیا کو ایسا جادوئی گھر نہ سمجھ بیٹھے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہے اس سے دل نہ لگائے اور اس کے لیے ہزار ہا گنا ہوں سے آلودہ نہ ہو۔

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع بنانا ہے اور فرماتا ہے:

”جس وقت سمندر اور دریا آپس میں مل جائیں گے، (واذا البحار فجرت)۔ اگرچہ اس وقت بھی روئے زمین کا عام سمندر، سوائے کچھ چھوٹے دریاؤں کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن یوں نظر آتا ہے کہ ابتدائے قیامت میں شدید زلزلوں کی بنا پر یا پہاڑوں کے پراگندہ ہونے اور سمندر میں گر پڑنے کی وجہ سے سمندر اس طرح پڑ ہو جائیں گے کہ پانی تمام خشکیوں کو گھیرے گا اور سارے دریا ایک وسیع تر سمندر کی شکل اختیار کر لیں گے جیسا کہ سورہ تکویر کی آیت ۶ (واذا البحار سجرت) کی ایک یہ بھی تفسیر ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

دوسرا احتمال، جو اس آیت کی تفسیر میں اور اسی طرح سورہ تکویر کی آیت ۶ کی تفسیر میں پیش کیا گیا ہے، یہ ہے کہ فجرت اور سجرت وہی انفجار یعنی پھٹنا اور جلنا ہے جو تمام سمندروں اور دریاؤں کو آگ کے ایک عظیم ٹکڑے میں تبدیل کر دے گا۔

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ پانی دو عناصر سے تشکیل پاتا ہے جو دونوں شدید طور پر قابل احتراق یعنی جلنے کے قابل ہے۔ اب اگر سمندروں کے پانی کا تجزیہ ہو اور وہ کچھ عوامل و اسباب کے زیر اثر آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل ہو جائے تو ایک ہی شعلے کے زیر اثر سب آگ میں تبدیل ہو جائیں۔

اس کے بعد قیامت کے دوسرے مرحلہ کے بارے میں جو اس جہان کی تجدید حیات اور مردوں کی زندگی کی تجدید کا مرحلہ ہے فرماتا ہے:

”اور جس وقت قبریں زیر و زبر ہوں“ (واذا القبور بعثرت)۔ اور مردے باہر آکر حساب کتاب کے لیے آمادہ ہوں۔

”بعثت“ کے معنی زیر و زبر ہونا اور منتشر ہونا ہے۔ راغب مفردات میں بعید نہیں سمجھتا کہ یہ لفظ دو الفاظ سے مرکب ہو۔ ”بعث“ اور ”اثرت“ اسی لیے دونوں کے معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اور نتیجہ زیر و زبر ہونے کے معانی کی صورت میں نکلا ہے۔ (مثل بسم کے جو بسم اور اللہ سے لیا گیا ہے)۔

بہر حال جو کچھ اوپر والی آیات میں آیا ہے اس چیز کے مشابہ ہے جو ہم سورہ زلزال میں پڑھتے ہیں: (واخرجت الارض اثقالها) ”زمین اپنے ذخائر باہر نکالے گی“ (اس بنا پر اس سے مراد زمین میں دفن شدہ مردے ہوں گے جو اس آیت کی مشہور تفاسیر میں سے ایک ہے)۔ یا اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نازعات کی آیہ ۱۳ اور ۱۴ میں آئی ہے۔ (فانما ہی زجرة واحدة فاذا هم بالساہرة) ”صرف ایک ہی صیحہ ہوگا جس کے بعد اچانک سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہوں گے۔“

یہ سب تعبیریں بتاتی ہیں کہ مردوں کا زندہ ہونا اور قبروں سے خارج ہونا نہایت تیزی سے ناگہانی طور پر صورت پذیر ہوگا۔ ان نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد جو قیامت سے قبل اور اس کے بعد صورت پذیر ہوں گی آخری بات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

» اس دن ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا رکھا ہے، ر علمت نفس ما قیمت و آخرت)۔ جی ہاں! اس دن حجابات ہٹ جائیں گے، غرور و غفلت کے پردے چاک ہو جائیں گے اور حقائق جہاں آشکار ہو جائیں گے۔ اور چونکہ وہ دن یوم البروز ہے لہذا ہر چیز ظاہر ہو جائے گی اور یہ وہی وقت ہے کہ انسان اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا اور اپنے نیک و بد سے آگاہ ہوگا۔ کون سے اعمال وہ آگے بھیج چکا ہے اور کون سے کام میں جن کے آثار اس کے بعد دنیا میں باقی رہ گئے ہیں اور اس کے نتائج اس تک پہنچے ہیں۔

خیرات اور صدقہ جاریہ کے مثل۔ اور وہ تعمیرات و آثار جو مقاصد رحمانی یا مقاصد شیطانی کے لیے اس نے بنائی ہیں اور اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ یا کتابیں اور دیگر علمی آثار وغیرہ۔ علمی آثار جو نیک و بد مقاصد کے لیے اس نے اپنے بعد چھوڑے ہیں اور وہ دوسروں کے لیے استفادہ کا باعث بنے ہیں۔ ایسے نیک و بد سنن و طرق جنہوں نے اقوام و مل کو اپنی طرف کھینچا ہے یہ ہیں ان کاموں کے نمونے جن کے نتائج انسان کے بعد اس تک پہنچتے ہیں اور جو اد پر والی آیت میں » آخرت « کا مصداق ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ انسان اس دنیا میں بھی اجمالی طور پر اپنے اعمال سے باخبر ہے لیکن بھول جانا اور اپنے اعمال کی پرستش کرنا عام طور پر مانع ہوتا ہے کہ انسان ان سب کو اپنے دل میں جگہ دے اور اپنے اعمال کے آثار کی گہرائی اور عمق سے واقف ہو۔

لیکن اس دن جب ہر چیز میں انقلاب برپا ہوگا تو انسان کی روح اور جان بھی اس قسم کے انقلاب سے متاثر ہوگی یہ وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اپنے تمام اعمال کا تفصیلی علم حاصل کرے گا۔ بلکہ سورہ آل عمران کی آیت ۳۰ (یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضراً وما عملت من سوء) سب کو اپنے سامنے حاضر پائے گا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے لیے اور تفاسیر بھی بیان کی ہیں۔ منجملہ دیگر تفاسیر کے مراد وہ کام ہیں جنہیں ابتدائے عمر میں مقدم رکھتا تھا اور وہ کام جو اواخر عمر کے لیے چھوڑ رکھے تھے۔ لیکن پہلی تفسیر ہر جہت سے زیادہ مناسب ہے۔ نفس سے مراد یہاں نفوس انسانی میں سے ہر فرد ہے اور اس میں تمام افسردہ بشر شامل ہیں۔

ایک نکتہ

وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جاتے ہیں

علاوہ اس چیز کے جو اوپر والی آیات میں آئی ہے اسلامی روایات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کچھ آثار انسان کے بعد باقی رہ جائیں جن کی برکتیں یا بُرے نتائج سالہا سال تک حتیٰ کہ

”جو شخص کوئی نیک سنت جاری کرے اور دوسرے اس کی پیروی کریں تو وہ اپنا اجر تو رکھتا ہی ہے، اس کے علاوہ ان لوگوں کے اجر کے برابر بھی جنہوں نے اس کی پیروی کی ہے بغیر اس کے کہ ان پیروی کرنے والے لوگوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جو شخص بُری سنت جاری کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں تو اس کا اپنا گناہ تو ہے ہی اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے ان کے گناہوں کے برابر بھی اس کا گناہ ہے بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی ہو۔“

یہ وہ مقام تھا جہاں اصحابِ پیغمبر میں سے حدیث نے آیت (علمت نفس ما قدمت واخرت)

کی تلاوت کی۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں: (فکیف بکم لو تناهت بکم الامور وبعثت القبور هنالک تبلاکل نفس ما اسلفت ورددوا الی اللہ مولاہم الحق وصل عنہم ما کانوا یفترون) تمہارا کیا حال ہوگا جس وقت تمام امور اختتام پذیر ہوں گے قبریں زیر و زبر ہوں گی اور تم سب کے سب عرصہ محشر میں قیام پذیر ہو گے وہاں ہر شخص ہر عمل کو جسے اس نے پہلے انجام دیا ہوگا آزمائے گا اور سب کے سب خدا کی طرف پلٹ جائیں گے جو ان کا حقیقی مولادوسر پرست ہے اور جنہیں جھوٹ موٹ اس کی مثل قرار دیا تھا ان کے دل سے محو ہو جائیں گے۔

یہ آیات و روایات انسان کی ذمہ داری کی حدود کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے معین کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس حد تک ہر انسان اپنے اعمال کے سلسلہ میں جوابدہ ہے، یہاں تک کہ ممکن ہے کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد اس کے لیے اچھا اجر حاصل کریں یا اس پر لعنت و گناہ کا بوجھ ڈالیں۔ اس سلسلہ میں جلد ۱ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴ (سورہ نخل کی آیت ۲۵ کے ذیل میں) پر بھی ہم بحث کر چکے ہیں۔

۶. يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝
۷. الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ۝
۸. فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝
۹. كَلَّا بَلْ تُكْذِبُونَ بِالَّذِينَ ۝
۱۰. وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝
۱۱. كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝
۱۲. يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ

۶. اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے مقابلہ میں مغرور کر دیا ہے؟
۷. وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر رکھا۔
۸. اور جس شکل میں چاہتا تھا تجھے مرکب کیا۔
۹. جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا نہیں ہے بلکہ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔
۱۰. اور اس میں شک نہیں کہ تم پر نگہبان مقرر کیے گئے ہیں۔
۱۱. بلند منزلت والے اور لکھنے والے (تمہارے نیک و بد اعمال کے)۔
۱۲. وہ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

تفسیر اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟

گزشتہ آیتوں کے بعد جو قیامت کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں زیر بحث آیتوں میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور اس کو خدا کے سامنے اس کی ذمہ داریوں کے طرف توجہ دلاتے ہوئے پہلے اسے مخاطب کیا ہے اور تیز ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ جس میں ایک طرح کا لطف و کرم بھی ملا ہوا ہے، فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے کریم پروردگار سے غافل کر دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں مغرور کیا ہے“ (یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم)۔

یہاں انسان کا اس کی انسانیت کے لحاظ سے جس میں اس جہان کے باقی موجودات کے مقابلہ میں تمام امتیازات کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے مخاطب کیا ہے۔ اس کے بعد اُسے اس خدا کے سامنے پیش کیا ہے جو رب بھی ہے اور کریم بھی ہے۔ جس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے ہمیشہ اسے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور اس کی تربیت و تکامل و ارتقا کا ذمہ لیا ہے اور اپنے تقاضائے کرم سے اسے اپنے خوانِ نعمت پر جگہ دی ہے۔ اور اپنی تمام مادی و معنوی نعمتوں سے اُسے سرفراز کیا ہے بغیر اس بات کے کہ اس سے وہ کوئی توقع رکھتا ہو اور ان نعمتوں کا کوئی اجر اس سے طلب کرے حتیٰ کہ اس کی خطاؤں سے بھی چشم پوشی کرتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے اسے مود و عفو و بخشش قرار دیتا ہے۔

کیا یہ مناسب ہے کہ اس قسم کا وجود ایسے پروردگار کے مقابلہ میں جسارت و مغرور سے کام لے یا ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل ہو اور اس کے فرمان کی انجام دہی میں جو خود اس کی سعادت کا ضامن ہے قصور و کوتاہی کا ارتکاب کرے۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کے موقع پر فرمایا (غرّہ جملہ) اس کی جہالت و نادانی نے اسے مغرور و غافل بنایا ہے۔
یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و کرم پر انحصار کرتے ہوئے وہ انسان کے غرور و غفلت کو ختم کرے۔ اس طرح سے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے کہ مقصود کلام یہ ہے کہ آدمی کو تلقین کی جائے کہ خدا سے عذر خواہی کے سلسلہ میں جو آپ ہیں کہے: ”تیرے کرم نے مجھے مغرور کیا ہے“

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۴۲۹۔ یہی حدیث در المنثور، روح البیان، روح المعانی اور قرطبی میں بھی زیر بحث آیت کے ذیل میں نقل ہوئی ہے۔

نیز جو کچھ فضیل ابن عیاض سے نقل ہوا ہے کہ اس سے سوال کیا گیا کہ اگر تجھے خدا قیامت کے دن اپنے حضور میں طلب کرے اور تجھ سے سوال کرے، ”ما غرك بربك الكريم“ تو جواب میں تو کیا کہے گا۔ اس نے کہا میں جواب میں کہوں گا ”غرفی ستورک المرخاة“ جو پردے تو نے میرے گناہ پر ڈالے ہوتے تھے انہوں نے مجھے غافل و مغرور کیا ہے۔

یہ سب مفہوم آیت کے ساتھ سازگار نہیں ہے بلکہ آیت کے مفہوم کے تضاد سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے کہ مقصود آیت غرور کو ختم کرنا ہے اور خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے نہ کہ نیا پردہ غفلت کے پردوں پر ڈالنا ہے اس بنا پر مناسب نہیں ہے کہ آیت کو اس کے مقصد سے دور لے جائیں اور اس کی متضاد کیفیت سے نتیجہ کلام اخذ کریں۔

”غرك“ غرور کے مادہ سے اصل میں بیداری کے موقع پر غفلت کے معنی میں ہے دوسرے لفظوں میں ایسے مقام پر غفلت سے کام لینا جہاں غفلت کرنا بالکل نامناسب ہو۔ اور چونکہ غفلت بعض اوقات جسارت یا احساس برتری کا سبب بنتی ہے لہذا غرور کے لفظ کی ان معانی سے بھی تفسیر ہوتی ہے اور شیطان کو اسی وجہ سے غرور (بروزن شرور) کہتے ہیں۔ وہ انسان کو اپنے وسوسوں سے فریب دیتا ہے اور اسے غافل و مغرور کر دیتا ہے۔

”کريم“ کی تفسیر میں مفسرین نے انواع و اقسام کی تعبیریں پیش کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ کريم وہ بخشنے والا ہے جس کے تمام افعال احسان ہیں اور وہ کبھی اتنی بخشش کے ہوتے ہوئے نفع و نقصان کا خیال نہیں کرتا۔ بعض نے کہا ہے کہ کريم وہ شخص ہے جو طلب سے زیادہ بخش دے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کريم وہ شخص ہے جو تھوڑی سی متاع کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے مقابلے میں زیادہ قیمت دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ سب چیزیں کريم کے مفہوم میں شامل ہیں۔

خدا کے کرم کے سلسلہ میں بس اتنا کافی ہے کہ وہ صرف گنہگاروں کو معاف کر کے راضی نہیں ہوتا بلکہ شاکستہ افراد کے گناہوں کو حسنت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؑ اس آیت کی تفسیر میں عجیب و غریب جملے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ آیت سننے والے کے سامنے بہت مضبوط دلیل ہے اور ایسے شخص کے سامنے جسے جہالت و نادانی نے مغرور کر دیا ہو قاطع عذر ہے۔ خدا فرماتا ہے:

”اے انسان تجھے کس چیز نے گناہ کرنے پر جرأت دلائی ہے اور کس چیز نے تجھے تیرے پروردگار کے مقابلہ میں مغرور کر دیا ہے اور کس چیز نے اپنی ہلاکت کے ساتھ تعلق پیدا کر دیا ہے؟ کیا تیری امن عاری ہے جیسے صحت مند ہونا نہیں ہے یا تیرے اس خواب کے لیے بیداری نہیں ہے۔ تو خود پر کم از کم اتنا تو رحم کر جتنا تو دوسروں پر کرتا ہے۔“

تو جب کسی کو جلانے والے سورج کی دھوپ میں دیکھے تو اس پر سایہ کرتا ہے جب کسی بیمار کو دیکھے کہ درد و تکلیف نے اسے سخت نالاں کر دیا ہے تو تو اس پر رحم کھا کر آنسو بہاتا ہے تو وہ کیا شے ہے جس نے اپنی بیماری پر تجھے ایک طرح کا صبر کرنے والا بنا دیا ہے اور اپنی مصیبت پر مطمئن کر دیا ہے اور خود پر گریہ کرنے سے باز رکھا ہے، حالانکہ تیرے نزدیک عزیز ترین افراد میں سے تو خود ہے تو پھر کس طرح رات کو نوزد بلا کے خوف نے تجھے بیدار نہیں کیا حالانکہ گناہ و مصیبت میں تو غوطہ زن ہے اور اس کے غلبہ سے باہر بھی نہیں ہے۔

آ اور اس غفلت کی بیماری کا عزم صمیم کی دوا سے علاج کر اور اس خوابِ غفلت کو جس نے تیری آنکھوں کو گھیر رکھا ہے، بیداری سے برطرف کر۔ آ خدا کا مطیع و فرمانبردار بن جا اور اس کی یاد سے مانوس ہو۔

اچھی طرح جان لے کہ تیرے خدا سے غفلت کرنے کے موقع پر وہ نعمتیں دینے پر تجھ سے عنایت کرتا ہے اور تجھے اپنے عضو و کرم کی طرف بلاتا ہے اور اپنی برکتوں کے زیر سایہ تجھے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ تو نے اس کی طرف پشت کر رکھی ہے اور دوسرے کی طرف رخ کر رکھا ہے۔

بزرگ و عظیم ہے وہ خدا جو باوجود اس عظیم قدرت کے کریم ہے لیکن تو باوجود اس ضعف و حقارت کے اس مصیبت پر کس قدر جری ہے۔
اس کے بعد اس غافل انسان کو بیدار کرنے کے لیے اپنے لطف و کرم کے ایک گوشہ کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

» وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا ہے، پھر تیرے وجود کی دستگاہ کو منظم کیا اور اسے اعتدال بخشا، (الذی خلقک فسواک فعدلک)۔ « اور جس شکل میں چاہتا تھا تیری ترکیب کی « (فی ای صورتہ

ماشاء ربکے)۔

اور اس طرح خلقت کے چار عظیم مرحلوں کو یعنی اصل خلقت، پھر اس کی تنظیم، پھر اس میں اعتدال آفر

میں ترکیب بندی کو چار مختصر سی پر معنی عبارتوں میں بیان کرتا ہے۔

پہلے مرحلے میں اصل خلقت انسانی قرار پاتی ہے کہ اسے ناچیز و حقیر لطف سے رحم کے ظلمت کدے میں خلق کیا۔ بعد کے مرحلے میں جو تسویہ و تنظیم کا مرحلہ ہے اس کے پیکر کے اعضا میں سے ہر عضو کو تنظیم کے ساتھ

۱۔ نبی البلاغہ، خطبہ ۲۲۳۔

۲۔ « ماشاء » میں ما زائدہ ہے یعنی مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ ما شرطیہ ہے لیکن پہلا

احتمال زیادہ مناسب ہے۔

موزوں کیا۔ آنکھ، کان، دل، رگیں اور باقی اعضا جن میں سے اگر انسان ہر ایک کی ساخت، بناوٹ اور نظام پر غور و فکر کرے اور خدا کے لطف و کرم کو ان میں سے ایک ایک میں دیکھے تو علم و قدرت اور لطف و کرم کی ایک دنیا اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھے گا۔

وہ نعمتیں کہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد بھی ماہرین علوم طبعی ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لیکن ابھی آغاز کار ہے اور وہ ابھی تحقیق کی ابتداء ہی میں ہیں۔

اس کے بعد ایک تیسری نعمت کو موضوع گفتگو بناتا ہے اور وہ اعضائے جسم انسانی کے درمیان اعتدال ہم آہنگی ہے۔ جسم انسانی دو حصوں پر مبنی پیدا کیا گیا ہے جو دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، استخوان، عروق و اعصاب و عضلات جسم کے دونوں حصوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں مختلف اعضا بھی ایک دوسرے کے کام کی تکمیل کرتے ہیں مثلاً سانس لینے کا نظام گردش خون کی مدد کرتا ہے اور گردش خون کا نظام تنفس کے ساتھ مل کر غذا کے لقمے کو نکلنے کے لیے اور دانت، زبان، لعاب دہن کے غدود اور اطراف دہن کے عضلات اور گلا یہ سب ایک دوسرے کے درست بدست کام کرتے ہیں یہاں تک کہ لقمہ یا صفحہ کے نظام میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد بھی بہت سی ہم آہنگیاں صورت پذیر ہوتی ہیں تاکہ غذا جزو بدن ہو سکے اور قوت و حرکت دسمی و کوشش کو پیدا کرے۔ یہ سب "فعدلک" کے جملہ میں پنہاں ہیں۔ بعض اس جملہ کو تمام انواع حیوانات میں سے انسان کے سیدھے قد کی طرف، جو اس کی بہت ہی فضیلت کا باعث ہے اشارہ سمجھتے ہیں۔ یہ معانی بعد والے مرحلہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں لیکن پہلے معانی زیادہ جامع ہیں۔

انجام کار آخری مرحلہ، دوسرے موجودات کے مقابلہ میں اس کی ترکیب اور صورت پذیری کا آں پہنچتا ہے۔ جی ہاں! خدا نے نوع انسان کو دوسرے حیوانات کے مقابلہ میں موزوں تر اور زیادہ بنایا ہے اور اسے عمدہ شکل عنایت کی ہے اور ایسی سیرت دی ہے جس میں زیبائی و خوبصورتی کے ساتھ فطری بیداری بھی ہے اور ایسی ترکیب جو علم، آگاہی، تعلیم و تربیت کو قبول کرنے پر آمادہ ہے۔

اس سے قطع نظر افراد انسانی کی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۲۲ میں آیا ہے: "تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف خدا کی آیات میں سے ہے" (ومن آياته خلق السماوات والارض واختلاف السنتكم واللوانکم) اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو نوع بشر کی اجتماعی زندگی کا نظام معطل ہو جاتا۔

اس اختلاف ظاہری کے علاوہ استعداد، ذوق اور سلیقے کے اختلاف قرار دیتے ہیں اور ان کی دو صورتیں بنائیں جن کا اس کی حکمت تقاضا کرتی تھی تاکہ ان کے مجموعہ سے ایک صحیح و سالم معاشرہ وجود میں

آتے جو اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کرے اور انسانوں کے ظاہری و باطنی قوی ایک دوسرے کے تکمیل کنندہ بنیں۔ اور مجموعی طور پر، جیسا کہ سورہ "تین" کی آیت نمبر ۴ میں آیا ہے: (لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم) "خدا نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے"۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیتوں میں اور بہت سی دوسری قرآنی آیات کی طرح خدا اس مہلک دینے والے اور مغرور انسان کو اپنی معرفت کی راہ دکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ رحم مادر سے لے کر اپنے پیدا ہونے تک کے زمانے کا اور اس وقت سے لے کر مکمل نشوونما کی منزل تک پہنچنے کے عہد کا بغور مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ منعم حقیقی کی جانب سے ہر قدم پر ایک نئی نعمت اس کے پاس آتی ہے۔

اس طرح اس کو معلوم ہوگا کہ وہ سر سے پیر تک خالق کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس کو چاہیے کہ غرور و غفلت کو خیر باد کہے اور پروردگار عالم کی محبت کا طوق اپنی گردن میں ڈالے۔

اس کے بعد قرآن ان کے غرور و غفلت کو موضوع گفتگو بنا کر کہتا ہے: "جیسا تم گمان کرتے ہو ایسا نہیں ہے تم روز جزا کے منکر ہو" (کلا بل تکذبون بالدين)۔ نہ تو خدا کا کرم تمہارے غرور کا سبب ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ بلکہ اس کا اصلی سبب تمہارا روز قیامت پر ایمان نہ لانا ہے۔

جی ہاں! اگر ہم مغرور اور غافل افراد کی حالت پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اصلی سبب یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے افراد کی روح کی گمراہیوں میں قیامت کے بارے میں شک یا اس کا انکار پوشیدہ ہے اور باقی امور تو صرف بہانے ہیں۔ لہذا اگر ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان پیدا ہو جائے تو یہ غرور اور غفلت سب ختم ہو کر رہ جائے۔

دین سے مراد یہاں جزا اور روز جزا ہے اور یہ جو بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ یہاں مراد دین اسلام ہے، بعید نظر آتا ہے اس لیے کہ ان آیتوں میں گفتگو کا محور ہے وہ معاد و قیامت ہے۔ اس کے بعد اسباب غرور و غفلت کو ختم کرنے اور قیامت پر ایمان کو تقویت دینے کے لیے مزید

۱۔ "کلا" حرف روع ہے اور پہلے سے ذکر شدہ یا تو ہم شدہ مطلب کے انکار کے لیے ہے اور یہ کہ کلا اس آیت میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے، اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی احتمال پیش کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہی احتمال ہے جس کا ادراک ذکر ہوا ہے یعنی یہاں کلا غرور و غفلت کے تمام سرچشموں کی نفی کرتا ہے سوائے قیامت کی تکذیب اور انکار کے جس کا "بل" کے بعد ذکر ہوا ہے۔ راغب نے مفردات میں (بل کے مادہ کے سلسلہ میں) ان معانی کو منتخب کیا ہے اور اوپر والی آیت بیان کرنے کے بعد کہتا ہے (كانه قيل ليس هي ههنا ما يقضى ان يغرم به تعالى ولكن تكذب بهم هو الذي حملهم على ما ارتكبوه)۔ گویا کہا گیا ہے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں اللہ کے مقابلہ میں مغرور کرے لیکن ان کا تکذیب کرنا وہ ہے جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔

کہتا ہے: "اس میں شک نہیں کہ تم پر نگران مقرر کیے گئے ہیں" (وان علیکم لحافظین)۔
ایسے نگران و نگہبان جو پروردگار کی بارگاہ میں مقرب و محترم ہیں اور وہ ہمیشہ تمہارے اعمال کو تحریر کرتے ہیں (حکراً ما کا تبسین)۔ اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس سے آگاہ ہیں اور سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔ (یعلمون ما تفعلون)۔

"حافظین" سے مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال کی نگرانی پر مامور ہیں اس سے قطع نظر کہ اعمال اچھے ہوں یا بُرے۔ ان فرشتوں کو سورہ ق کی آیت ۱۸ میں رقیب و عتید سے تعبیر کیا گیا ہے (ما یلفظ من قول الا لہدیہ رقیب عتید) انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے پاس فرشتہ ہے جو نگرانی کا فرض انجام دینے کے لیے مستعد ہے۔ اسی سورہ ق کی اس سے پہلے کی آیت میں فرماتا ہے:

(اذ یتلق المتلقیان عن الیمین وعن الشمال تعید) "یا دکر اس وقت کو جب وہ دو فرشتے جو دائیں بائیں سے تجھے پکڑے ہوئے ہیں ہترے اعمال ثبت کرتے ہیں" قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی ان فرشتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو نگران اعمال ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خدا ہر شخص سے پہلے اور ہر شخص سے بہتر اعمال انسانی کا شاہد و ناظر ہے لیکن اس نے مزید تاکید کے لیے اور زیادہ احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے لیے نگران فرشتے مقرر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور نگران بھی ہیں جو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں جن سب کا قیامت کی دادگاہ کے گواہوں کے عنوان کے ماتحت سات صحتوں میں جلد ۱۱ کے صفحہ ۳۰۵ تا ۳۰۹ پر ہم نے ذکر کیا ہے۔ (سورہ خم سجدہ) کی آیت ۲۰ اور ۲۱ کے ذیل میں) یہاں ان کی طرف فرست وار اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا گواہ خدا ہے جو فرماتا ہے: "جو عمل تم انجام دیتے ہو ہم اس کے شاہد و ناظر ہیں" (یونس - ۶۱)۔
"اس کے بعد انبیاء و اوصیاء ہیں" (نساء - ۴۱)۔ اس کے بعد "زبان، لہجہ، پاؤں اور پیکر انسان کے تمام اعضاء و ارجح" (نور - ۲۲)۔ ایک گواہ جسم کی کھال ہے (خم سجدہ - ۲۱)۔ اور گواہ فرشتے ہیں (ق - ۲۱) اور زیر بحث آیت اس کے بعد وہ زمین جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور اس پر اطاعت کی جاتی ہے اور گناہ ہوتے ہیں (زلزال - ۴)۔ اور آخر میں وہ وقت و زمانہ جس میں اعمال انجام پاتے ہیں (سفینۃ البحار جلد ۲ مادہ یوم)۔
احتجاج طبرسی میں آیا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ انسانوں کے نیک و بد اعمال کے تحریر کرنے پر جو فرشتے مامور ہیں اس کا کیا سبب ہے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا عالم البصر و ماہود اخفی

لے بعض مفسرین مثلاً روح البسیان اور روح المعانی کے مؤلف نے کہا ہے کہ واؤ یہاں حالیہ ہے لیکن استینافیہ کا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

ہے یعنی ہر وہ چیز جس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں ہے وہ اسے جانتا ہے تو امام نے جواب میں فرمایا:
استعبد ہم بذالك وجعلهم شهودًا على خلقه ليكون العباد لملأزمتمهم
ایا ہوا شد علی طاعة الله مواظبة وعن معصيته اشد انقباضًا وکون عبدیم
بمعصية فذکر مکانہما فارعوی وکف فیقول ربی یرانی وحفظتی علی بذالك
تشهد وان الله برأفته ولطفه وکلمهم بعباده یدبون عنهم مردة الشیاطین و
هوام الارض وافات کثیرة من حیث لا یرون باذن الله الی ان یجی ۱۶ مر الله
عز وجل -

خدا نے ان فرشتوں کو اپنی عبادت کے لیے بلایا اور انہیں اپنے بندوں پر گواہ قرار دیا
تاکہ بندے ان کی نگرانی کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی
سے انہیں زیادہ سے زیادہ پریشانی اور دکھ ہو۔ بہت سے ایسے بندے ہیں جو گناہ کا پختہ ارادہ
کر لیتے ہیں اور پھر اس فرشتے کو یاد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھتے ہیں۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں دیکھتا ہے اور نگران فرشتے بھی گواہی دیں گے۔ اس کے علاوہ خدا نے
اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں بندوں پر مامور کیا ہے تاکہ حکم خدا سے سرکشی کرنے والے شیاطین
کو ان سے دور رکھیں اور زمین کے جانوروں اور بہت سی آفات و بلیات کو جنہیں بندے اس
وقت تک نہیں دیکھتے جب تک حکم خدا یعنی ان کی موت نہ آجائے۔

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریر اعمال کی ذمہ داری کے علاوہ ناگوار حادثوں، مصیبتوں
اور شیاطین کے وسوسوں سے انسانوں کو محفوظ رکھنے پر بھی مامور ہیں (خدا کے فرشتوں کی مختلف ذمہ داریوں کے
بارے میں ایک تفصیلی بحث جلد ۱۰ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲ سورہ فاطر کی آیت ۱ کے ذیل میں آچکی ہے)۔
قابل توجہ بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات ان فرشتوں کی تعریف و توصیف میں کہتی ہیں وہ کریم اور بزرگ
فرشتے پروردگار کی بارگاہ میں بلند مقام کے حامل ہیں تاکہ انسان اپنے اعمال پر زیادہ توجہ دیں اس لیے کہ انسان
کے اعمال کی نگرانی کرنے والا جس قدر بلند شخصیت رکھتا ہے انسان اس کا زیادہ لحاظ کرتا ہے اور گناہ کے
انجام دینے سے زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔ کاتبین کی تعبیر درحقیقت اس بات کی تاکید ہے کہ وہ حافظہ پر اکتفا
نہیں کرتے بلکہ باریک بینی کے ساتھ لکھتے ہیں، اس انداز سے کہ کبھی کوئی چیز ان سے نظر انداز نہیں ہوتی اور
وہ ہر چھوٹے بڑے عمل کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں (یعلمون ما تفعلون) جو کچھ تم انجام دیتے
ہو وہ اسے جانتے ہیں۔

یہ اس حقیقت پر ایک مزید تاکید ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے بغیر استشارہ آگاہ ہیں اور ان کا لکھنا اسی آگاہی کی بنیاد پر ہے۔ یہ تمام تعبیریں انسان کے اختیار اور ارادے کی آزادی کو بیان کرتی ہیں اس لیے کہ اگر انسان کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوتا تو اعمال کے تحریر کرنے والے فرشتوں کے مقرر کرنے کا اور ان سب تہنیموں کا کوئی صحیح مفہوم نہ ہوتا۔

اور پھر یہ سب چیزیں اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ حساب کتاب کا ہونا اور جزا و سزا کا ملنا قطعی اور حتمی ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے حد سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ اور اس پر ایمان اس مقصد کے لیے ہے کہ انسان کی تربیت کرے اور اسے اس کی ذمہ داریوں سے آشنا کرے اور غلط کاموں پر حد سے زیادہ روکنے والا اثر ڈالے۔

ایک نکتہ

ثبت اعمال کے مامورین

نہ صرف اوپر والی آیات میں بلکہ بہت سی دوسری آیات قرآنی میں اور اسلامی روایات میں ان معانی کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ خدا نے ہر انسان پر نگہبان و نگران مقرر کیے ہیں جو اس کے اعمال قطع نظر اس کے کہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، تحریر کرتے ہیں اور اس کا اعمال نامہ روز جزا کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان فرشتوں کی خصوصیات کے بارے میں معنی خیز اور خیر دار و ہشیار کرنے والی تعبیریں اسلامی روایات میں وارد ہوتی ہیں، بجز ان کے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا کہ جو انسان کے اعمال تحریر کرنے پر مامور ہیں کیا وہ انسان کے ارادہ اور نیک یا بد کام کرنے کے باطنی عزم سے بھی باخبر ہوتے ہیں تو امام نے جواب میں فرمایا:

”جیسا بچے کچھ اور گندے پانی کے کنویں کی بو اور عطر کی خوشبو ایک جیسی ہوتی ہے“

راوی نے عرض کیا نہیں تو امامؑ نے فرمایا:

”کہ جب انسان کوئی اچھا کام کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا سانس خوشبودار ہو جاتا ہے تو وہ فرشتہ جو دائیں طرف ہے (اور حسنت کے ثبت کرنے پر مامور ہے) بائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے، اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے نیک کام کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ اس کام کو انجام دے دیتا ہے تو اس انسان کی زبان اس فرشتے کا قلم بن جاتی ہے اور لعابِ دہن سیاہی بن جاتا ہے لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرے تو اس کا سانس بدبودار ہو جاتا ہے اس وقت بائیں طرف کا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو کہ اس نے مصیبت و نافرمانی کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ نافرمانی انجام دے دیتا ہے تو اس کی زبان اس فرشتے کا

قلم اور لعابِ دہن سیاہی بن جاتا ہے اور وہ اسے لکھ دیتا ہے۔
یہ حدیث اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کی نیت اس کے وجود پر اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہے اور فرشتے اس کے اندرونی اسرار سے باہر کے آثار کے ذریعہ آگاہ ہو جاتے ہیں اور اگر آگاہ نہ ہوں تو انسان کے اعمال کو اچھی طرح ضبط تحریر میں نہیں لاسکتے۔ اس لیے کہ نیت کی کیفیت عمل کی آلودگی اور خلوص کے سلسلہ میں حد سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یہاں تک کہ پیغمبرِ اسلام نے مشہور حدیث میں فرمایا ہے:

(انما الاعمال بالنیات) اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود انسان سے لیتے ہیں اور اسی پر فرج کرتے ہیں۔ ہماری زبان ان کا قلم اور ہمارا لعابِ دہن ان کی سیاہی ہے۔

۲۔ وہ مامور ہیں کہ جب انسان نیک کام کی نیت کرے تو اسے ایک نیکی کی حیثیت سے تحریر کریں اور جس وقت اسے انجام دے دے تو دس نیکیاں لکھ دیں۔ لیکن جب انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک عمل نہ کرے کوئی چیز اس کے خلاف نہیں لکھتے اور گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی صرف ایک ہی گناہ لکھتے ہیں۔

یہ تعبیر انسان پر خدا کے انتہائی لطف و کرم کو بیان کرتی ہے کہ گناہ کی نیت کو وہ بخش دیتا ہے اور فعلِ گناہ کی عدل کے مطابق سزا دیتا ہے۔ لیکن اطاعت کے سلسلہ میں ہر نیت ایک نیکی ہے اور ہر نیک کام کی وہ اپنے تفضل کے مطابق جزا دیتا ہے نہ کہ میزانِ عدل کے مطابق اور یہ نیک اعمال کی تشوین ہے۔

۳۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسولِ خدا نے ان دونوں فرشتوں کے موجود ہونے اور دس گنی حسنت کی جزا کے لکھنے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا:
جب انسان کسی بُرے کام کو انجام دیتا ہے دایئیں طرف کا فرشتہ بائیں طرف کے فرشتے سے کہتا ہے اس گناہ کے لکھنے میں جلدی نہ کر شاید اس کے بعد کوئی نیک کام انجام دے جو اس کے گناہ پر پڑے ڈال دے جیسا کہ خدائے عظیم فرماتا ہے:

(ان الحسنات یذہبن السیئات) ”نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں“

یاد رکھو کہ توبہ و استغفار کر کے اور (گناہ کا اثر ختم ہو جائے) گناہ کا فرشتہ سات گھنٹے تک گناہ کے تحریر کرنے سے رکارتا ہے۔ اگر اس گناہ کے بعد کوئی استغفار یا نیک کام نہ ہو تو پھر حسنت والا فرشتہ سیئات والے فرشتے سے کہتا ہے کہ اس بد بخت محروم کا گناہ لکھ دے۔

- ۱۔ اصول کافی، جلد ۲، باب من یم بالحسنۃ او البیئۃ حدیث ۳۔
- ۲۔ ایضاً " " " " " " " "۔
- ۳۔ ایضاً " " " " " " " "۔ حدیث ۴۔

۴۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب مومنین کسی خصوصی مجلس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو محافطین اعمال ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم ان سے دور ہو جائیں۔ تاہم ان کا کوئی راز ہے جسے خدا نے پوشیدہ رکھا ہے۔
۵۔ حضرت علیؑ اپنے خطبہ میں جس میں لوگوں کو تقویٰ اور خوفِ خدا کی دعوت دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ:

”اے بندگانِ خدا! جان لو کہ خود تم میں سے کچھ نگرانِ تم پر مقرر کیے گئے ہیں وہ تمہارے بدن کے اعضاء ہیں اور یہ بھی جان لو کہ سچے حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے سانسوں کی تعداد کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ نہ شبِ تاریک کی سیاہی تمہیں ان سے پوشیدہ رکھ سکتی ہے اور نہ محکم اور بند دروازے۔ اور آج سے کل کس قدر قریب ہے۔“

۱۔ اصول کافی مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۱۱۰۔

۲۔ بیج البلاغ، خطبہ ۱۵۷۔

- ۱۳ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝
- ۱۴ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝
- ۱۵ يَصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۶ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝
- ۱۷ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۸ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝
- ۱۹ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝

ترجمہ

- ۱۳ یقیناً نیک افراد نعمت فراواں میں ہیں۔
- ۱۴ اور بدکار دوزخ میں ہیں۔
- ۱۵ جزا کے روز اس میں وارد ہوں گے اور جلیں گے۔
- ۱۶ اور کبھی بھی اس سے غائب اور دور نہیں ہوں گے۔
- ۱۷ تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۸ پھر تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
- ۱۹ ایسا دن ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کسی کام کے انجام دینے پر قدرت نہیں رکھتا اور اس دن سب امور اللہ سے مخصوص ہیں۔

تفسیر

وہ دن جس میں کوئی شخص کسی کیلئے کوئی کام انجام نہیں دے گا

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں فرشتوں کے ذریعہ انسانوں کے اعمال کے ثبت و ضبط کے سلسلہ میں آئی ہے ان آیتوں میں اس حساب و کتاب کے نتیجے اور نیکوں اور بُروں کی جو ریکارڈ ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے:

”یقیناً نیک و صالح افراد خدا کی عظیم نعمت میں ہیں“ (ان الابرار لفی نعیم)۔ ”اور بدکار یقیناً جہنم میں ہیں“ (وان الفجار لفی جحیم)۔

”ابرار“ ”بار“ اور ”بس“ (بروزن حق) کی جمع ہے جس کے معنی نیکو کار شخص کے ہیں۔ اور ”فجار“ (ب کے زیر کے ساتھ) ہر قسم کی نیکی کے معنی میں ہے۔ یہاں اچھے عقائد بھی مراد ہیں اور اچھی نیتیں اور اچھے اعمال بھی۔

”نعیم“ مفرد ہے اور نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں بہشت جاودانی کے معنی میں ہے اور نکرہ کی صورت میں جو آیا ہے اس نعمت کی اہمیت، وسعت اور عظمت کے بیان کے لیے ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی اور اس کی وسعت و عظمت سے واقف نہیں ہے۔

”نعیم“ جو یہاں صفت مشبہ ہے یہاں اس نعمت کی بقا اور اس کے استمرار کی تاکید کے لیے ہے یہ مفہوم عام طور پر صفت مشبہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

”فجار“ فاجر کی جمع ہے۔ اصل میں فجر کے معنی وسیع طور پر شکاف کرنے کے ہیں اور طلوع صبح کو اس لیے فجر کہتے ہیں کہ گویا رات کا سیاہ پردہ سپیدہ سحری کے ہاتھوں کلی طور پر شکافتہ ہو جاتا ہے۔ اس رات پر فجر کا لفظ ان لوگوں کے اعمال کے بارے میں دستیاب ہوتا ہے جو پاکدامنی اور تقویٰ کا پردہ چاک کر رہے ہیں اور گناہ کے راستے میں قدم رکھتے ہیں۔

”جحیم“ ”جحیم“ (بروزن نعم) کے مادہ سے آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے۔ اس وجہ سے جحیم بھڑکتی ہوئی آگ کو کہتے ہیں۔ قرآنی تعبیر میں یہ لفظ عام طور پر دوزخ کے معنی میں آیا ہے اور یہ جو فرماتا ہے:

”نیکو کار جنت میں اور بدکار دوزخ میں ہیں لیکن ہے اس معنی میں ہو کہ وہ ابھی سے جنت اور دوزخ میں وارد ہو گئے ہیں اور اس دنیا ہی میں جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب نے انہیں گھیر رکھا ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۴۵ میں ہم پڑھتے ہیں: (وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین)۔ ”دوزخ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے“

لیکن ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قسم کی تعبیریں حتمی اور یقینی طور پر مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ادب عربی میں حتمی اور یقینی مستقبل اور مستحق الوقوع مضارع کو حال کی شکل میں اور کبھی ماضی کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔

آیت کے پہلے معنی ظاہر کے ساتھ سازگار ہیں لیکن مناسب دوسرے معنی ہیں۔
بعد کی آیت میں فاجروں کی سرنوشت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ روز جزا دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی آگ میں جلیں گے“ (یصلونہا یوم الدین)۔
جب گزشتہ آیت کے معنی ایسے ہوں کہ وہ ابھی سے دوزخ میں داخل ہیں تو پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ روز قیامت اس جلانے والی آگ میں ان کا داخلہ اور شدید ہوگا اور آگ کے اثر کو وہ اچھی طرح محسوس کریں گے۔

”یصلون“ ”صلی“ (بروزن سعی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے، جلنے، بھین جانے اور اس کے درد و تکلیف کو برداشت کرنے کے معنی میں ہے اور اس بنا پر، کہ فعل مضارع ہے، استمرار پر دلالت کرتا ہے، مزید تاکید کے لیے فرماتا ہے:

”وہ اس آگ سے کبھی دور اور مفقود نہیں ہیں“ (وما هو عنہا بغائبین)۔ بہت سے مفسرین نے اس جملہ کو فجار پر جو عذاب ہوگا اس کے جاودا ہونے کی دلیل کے طور پر لیا ہے اور اس طرح نتیجہ نکالا ہے کہ فجار سے مراد ان آیات میں کفار ہیں، اس لیے کہ خلود اور ہمیشگی ان کے مورد کے علاوہ وجود نہیں رکھتی۔

اس آیت کی تعبیر زمانہ حال کی شکل میں اس چیز کی مزید تاکید ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ اس قسم کے افراد دنیا میں بھی کئی طور پر جہنم سے دور نہیں ہیں۔ ان کی زندگی بجائے خود دوزخ ہے۔ اور مشہور حدیث کے مطابق ان کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور اس طرح دنیا کی دوزخ اور برزخ کی دوزخ اور قیامت کی دوزخ تینوں ان کے لیے موجود ہیں۔

مندرجہ بالا آیت ضمنی طور پر اس حقیقت کو بھی بیان کرتی ہے کہ دوزخیوں کے عذاب میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہے، یہاں تک کہ ایک لمحے کا وقفہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کہتا ہے: ”تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے“ (وما ادراک ما یوم الدین)۔

جب پیغمبر اسلام قیامت کے بارے میں وسیع آگاہی اور علم کے باوجود اس پر حکومت کرنے والے حوادث، اضطراب اور عظیم وحشت کو اچھی طرح نہیں جانتے تو باقی کا معاملہ واضح ہے۔

یہ گفتگو اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ قیامت کے ہولناک حوادث اس قدر وسیع و عظیم ہیں جو قابل

بیان میں نہیں سما سکتے اور جس طرح ہم عالم خاک کے اسیر جنت کی بے پایاں نعمتوں سے اچھی طرح آگاہ بنیں ہیں جہنم کے عذاب اور اس کے حوادث سے کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مختصر اور پُر معنی جملہ میں اس دن کی ایک اور خصوصیت جس میں درحقیقت تمام چیزیں چھپی ہوئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی دن جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کوئی کام انجام نہیں دے سکے گا اور اس دن تمام امور خدا سے مختص ہیں“ (یوم لا تملک نفس لنفس شیئاً والا مر یومئذ للہ)۔

کام تو اس جہان میں بھی سب اسی کے دستِ قدرت میں ہیں اور سب لوگ اسی کے نیاز مند ہیں لیکن پھر بھی یہاں کبھی کبھی بہر حال مجازی مالک و حاکم اور فرماں روا موجود ہیں جنہیں سطحی نگاہ رکھنے والے افراد مستقل مبداء قدرت خیال کرتے ہیں لیکن اس دن یہ مجازی مالکیت و حاکمیت بھی ختم ہو جائے گی اور خدا کی حاکمیت مطلقہ ہر زمانہ کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوگی۔

یہ چیز قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی آئی ہے (لَمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ) آج کے دن حکومت کس کے لیے ہے غالب دیکھا خدا کے لیے ہے۔ (مومن - ۱۶)۔

اصولی طور پر اس دن ہر شخص اس قدر اپنے آپ میں گرفتار ہوگا کہ اگر بالفرض اس میں قوت ہوتی بھی تب بھی دوسروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ (لکل امرئ منہم یومئذ شأن یغنیہ)۔ اس دن ان میں سے ہر ایک اس طرح مبتلا ہوگا جو اس کے لیے کافی ہوگا۔ (عبس - ۳۷)۔

ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے:

(ان الامر یومئذ والیوم کلہ للہ... اذا کان یوم القیامۃ بادت الحکام فلم یبق حاکم الا للہ)

”اور آج اور اس دن تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام حاکم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور خدا کی حکومت کے علاوہ کوئی حکومت باقی نہیں رہے گی۔“

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا یہ تعبیر انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کی شفاعت کے سلسلہ سے متصادم نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب ان مباحث سے جو ہم مسئلہ شفاعت کے سلسلہ میں پہلے تحریر کر چکے ہیں واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید متعدد آیات میں تصریح کر چکا ہے کہ شفاعت خدا کے اذن اور اجازت سے ہوگی اور روزِ جزا کے شفیع اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کریں گے۔

(ولا یشفعون الا لمن ارتضى) (انبیاء - ۲۸)۔
خدا وندا! اس ہولناک دن کے بارے میں سب کی نظریں تیری طرف لگی ہوئی ہیں۔
ہم ابھی سے تیری طرف نظریں لگاتے ہوئے ہیں۔
پروردگارا! ہمیں اس جہان میں اُس جہان میں اپنے بے پایاں لطف و کرم
سے محروم نہ کیجیو۔
بالہذا! ہر حالت میں حاکم مطلق تو ہے ہمیں وادیِ شرک میں محصور ہونے سے بچا اور
دوسروں کی پناہ لینے سے محفوظ رکھ۔

آمین یا رب العالمین
سورۃ انفطار کا اختتام

سورۃ مطففین

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۳۶ آیتیں ہیں

سورۃ المطففين کے مضامین کا دائرہ کار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہو یا مدینہ میں اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ نشان نزول بتاتی ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیات جن کا موضوع کم تولنا ہے ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مدینہ میں اس قبیح کام میں مشغول تھے۔

لیکن دوسری آیات کا لب و لہجہ مکی سورتوں کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے جس میں مختصر اور پُر جلال آیات میں پروردگار عالم قیامت اور حوادث قیامت کی خیر دیتا ہے خصوصاً اس سورہ کی آیات جو مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے بارے میں کفار کو موضوع گفتگو بناتی ہیں۔

یہ آیتیں مکہ کے ماحول کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ وہاں مومنین اقلیت میں تھے اور کافروں کی قطعی اکثریت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین سورہ کے ایک حصہ کو مکی اور ایک حصہ کو مدنی سمجھتے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ سورہ مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ بہر حال اس سورہ کے مباحث پانچ محروم کے گرد گھومتے ہیں۔

- ۱۔ کم تولنے والوں کے بارے میں شدید تنبیہ و تہدید۔
- ۲۔ اس مفہوم کی طرف اشارہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ قیامت کے بارے میں پختہ یقین کا نہ ہونا۔
- ۳۔ اس عظیم دن فجار کی سرنوشت کا ایک حصہ۔
- ۴۔ جنت میں نیوکاروں کو ملنے والی عظیم اور روح پرور نعمتوں کا ایک حصہ۔
- ۵۔ کفار کا مومنین سے جاہلانہ مذاق اور اس کے برعکس قیامت کے ہونے کا بیان۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے کہ (من قرأ سورۃ المطففين سقاہ اللہ من الریح المخبوم یوم القیامۃ) جو شخص سورہ مطففين پڑھے خدا سے خالص شراب سے جو کسی کو میسر نہیں ہوئی قیامت میں سیراب کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے: من قرأ فی فرائضہ "ویل للمطففين" اعطاه الا من یوم القیامۃ من النار ولم ترہ ولم یوہا... جو شخص اپنی فریضہ نمازوں میں سورہ مطففين پڑھے، خدا قیامت میں اسے عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا نہ جہنم کی آگ اسے دیکھے گی نہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھے گا۔

یہ سب ثواب فضیلت اور برکت اس شخص کے لیے ہے جو اس کے پڑھنے کو عمل کی تمہید اور مقدمہ قرار دے۔

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۱۔

۲۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۵۲۴۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱
- الَّذِيْنَ اِذَا كَتَلُوْا عَلٰى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲
- وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳
- اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴
- لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵
- يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

ترجمہ

- ۱۔ وائے ہے کم تولنے والوں پر۔
- ۲۔ وہ جب خود دیتے ہیں تو اپنا حق پورا لیتے ہیں۔
- ۳۔ لیکن جب چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں۔
- ۴۔ کیا وہ باور نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔
- ۵۔ عظیم دن
- ۶۔ جس روز لوگ رب العالمین کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔

شان نزول

ابن عباس کہتے ہیں جس وقت پیغمبر اکرمؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو بہت سے لوگ کم تولنے کے مرض میں مبتلا تھے تو خدا نے ان آیتوں کو نازل کیا اور انہوں نے قبول کیا اور کم تولنا ختم کر دیا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے اہل مدینہ تاجر تھے اور وہ کم تولنے کے عادی تھے اور وہ بہت سے حرام کام کرتے تھے تو ایسی صورت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیتیں اہل مدینہ کو سنائیں اس کے بعد آپ نے فرمایا:

(خمس بخمس)۔ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے خدا کے رسول کونسی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں تو آپ نے فرمایا:

(ما نقض قوم العهد الا سلط الله عليهم عدوهم وما حكموا بخير ما انزل الله الا فشا فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فشا فيهم الموت ولا طفقوا الكيل الا منعوا النبات واخذوا بالسنين ولا منعوا الزكاة الا حبس عنهم المطر)

کسی قوم نے عہد شکنی نہیں کی مگر یہ کہ خدا نے اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیا اور کسی جمیعت نے حکم خدا کے خلاف حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ان میں فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ کسی ملت کے درمیان فحاشی اور برائیاں ظاہر نہیں ہوئیں مگر یہ کہ موت کا وقوع ان میں زیادہ ہو گیا۔ کسی قوم نے کم نہیں تولا مگر یہ کہ ان کی زراعت ختم ہو گئی اور قحط سالی نے انہیں گھیر لیا اور کسی قوم نے زکوٰۃ نہیں روکی مگر یہ کہ بارش سے محروم ہو گئے۔

مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں ان آیتوں کی شان نزول کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو جہنہ تھا جس کے پاس دو چھوٹے بڑے پیمانے تھے۔ خریدتے وقت بڑا پیمانہ استعمال کر کے فائدہ اٹھاتا اور بیچتے وقت چھوٹے پیمانے سے دیتا۔ (تو یہ سورہ نازل ہوا اور اسے خبردار کیا۔)

تفسیر

کم تولنے والوں پر وائے ہے

ان آیات میں ہر چیز سے پہلے کم تولنے والوں کو شدید عذاب کا ستم ٹھہرا کر فرماتا ہے: ”وائے ہے کم تولنے والوں پر“ (ویل للمطففین)۔ یہ حقیقت میں خدا کی جانب سے ان ظالم، ستمگر اور گندے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جو بزدلوں کی طرح لوگوں کا حق پامال کرتے ہیں۔

۱۔ تفسیر فخر رازی، جلد ۳۱ ص ۸۸۔

۲۔ مضمون کو ابو الفتوح اور مراغی نے اپنی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (۲) مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۲۔

کسی شکل میں ہے کہ خریدتے وقت پورا پورا حق لیتے ہیں اور بیچتے وقت کمی کرتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم کسی کی مذمت میں کہتے ہیں۔ ”جب کسی سے اس کو کوئی چیز لیننی ہوتی ہے تو وعدہ کے مطابق (جو وقت مقرر ہو عین اسی وقت) لیتا ہے لیکن کسی کو کچھ دینا ہو تو مہینوں تاخیر کرتا ہے۔“ حالانکہ اپنی طلب کا وعدہ کے مطابق لینا کوئی بُری بات نہیں ہے لیکن ان دونوں کے تقابل کا جائزہ لینے کے نتیجے میں بُری بات ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حق لینے کے معاملہ میں گفتگو کیل کے بارے میں ہے لیکن دینے کے معاملہ میں گفتگو کیل و وزن دونوں کے حوالے سے ہے۔ تعبیر کا یہ فرق ہو سکتا ہے کہ، ذیل کی دو وجہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ہو۔

پہلی وجہ یہ کہ خریدار عام طور پر پہلے زمانے میں کیل سے استفادہ کرتے تھے اس لیے کہ بڑی ترازو جو زیادہ وزن تول سکے اس زمانے میں موجود نہیں تھی لیکن بڑے پیمانے آسانی سے مل سکتے تھے (”کر“ کے بارے میں بھی علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ اصل میں ایک بڑے پیمانے کا نام ہے) بیچتے وقت وہ تھوک کا کاروبار کیل سے کرتے تھے اور وزن کے ذریعہ خوردہ فروشی کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ حق لینے کے وقت پیمانے سے استفادہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دھوکے کا امکان بہت کم ہے لیکن کم تولنے کے لیے وزن کا ذریعہ زیادہ مفید ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں دھوکہ دینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات اگرچہ صرف کیل و وزن کے حوالے سے کم تولنے کی بات کرتی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ آیت کا مفہوم وسیع ہے اور اس کا اطلاق کم تولنے کے سلسلہ میں ان چیزوں پر بھی ہے جن کا لین دین گن کر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ آیت اپنے مفہوم کی گہرائی کے اعتبار سے موعودہ خدمت میں کمی کرنے کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

مثال کے طور پر کوئی کاریگر یا مزدور اپنا کام صحیح طور پر مکمل نہیں کرتا تو وہ بھی مطففین کا مصداق ہے یعنی کم تولنے والوں کی صف میں ہے جن کی یہ آیتیں سختی سے مذمت کر رہی ہیں۔

بعض مفسرین اس آیت کو اور زیادہ وسیع معانی کا حامل سمجھتے ہیں اور حدودِ خدا وندی سے ہر قسم کا تجاوز اور اجتماعی و اخلاقی روابط میں کمی کو بھی اس کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس آیت کے الفاظ سے ان معانی کا استفادہ واضح نہیں ہے لیکن غیر مناسب بھی نہیں ہے۔

اس لیے مشہور صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ نماز میں ایک معقول پیمانہ ہے جو شخص اس کا کیل مکمل طور پر ادا کرے تو خدا اس کو اس کا اجر مکمل دے گا اور جو شخص اس میں کمی کرے تو اس کے بارے میں وہی کچھ جاری ہوگا جو خدا نے مطففین یعنی کم تولنے والوں کے

”مطففین“، ”تطفیف“ کے مادہ سے اصل میں ”طف“ سے لیا گیا ہے جو کسی چیز کے کناروں کے معنی میں ہے اور یہ جو سر زمین کر بلا کو وادی طف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرات کے کنارے پر واقع ہے۔

اس کے بعد ہر کم چیز پر طفیف کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ پیمانہ جو لبریز نہ ہو، دہاں بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ لفظ کم تولنے کے لیے استعمال ہوا ہے خواہ وہ کسی شکل و صورت کا ہو ”ویل“ یہاں شرم، غم و اندوہ، ہلاکت یا دردناک عذاب یا جہنم کی سخت جلانے والی وادی کے معنوں میں ہے۔ عام طور پر یہ لفظ نفیرین کرنے اور کسی چیز کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مختصر سی تعبیر ہے جو بہت سے مفہیم کو چاہتی ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے لفظ ویل قرآن میں کسی شخص کے لیے استعمال نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو کافر کہا ہے (فویل للذین کفروا من مشہد یوم عظیم) ”وائے ہے کافروں پر عظیم دن کے مشاہدہ سے“ (مریم - ۳۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کم تولنے سے کفر کی بُرائی ہے۔ اس کے بعد مطففین یعنی کم تولنے والوں کے کام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے لیے تولتے ہیں تو اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں“ (الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون)۔

لیکن جب وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے تولیں تو کم تولتے ہیں (واذا کالوہم او وذنوہم یخسرون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مندرجہ بالا آیات سے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ مطفف سے مراد وہ شخص ہے جو فریدتے وقت اپنا حق زیادہ لیتا ہے اور سچے وقت مقابل کو اس کے حق سے کم دیتا ہے اسی لیے خدا نے دونوں پہلوؤں کے پیش نظر ان پر ویل رکھی ہے۔

لیکن یہ ایک اشتباہ ہے اور غلط ہے کیونکہ ”یستوفون“ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا حق مکمل طور پر وصول کرتے ہیں اور ایسا پہلو جس میں اپنے حق سے زیادہ لینے کی بات ہو اس عبارت میں موجود نہیں ہے اور یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا نے ان کی مذمت کی ہے ان دونوں حالتوں کے ایک دوسرے سے تقابل

۱۔ اصول کافی مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۷۔

۲۔ یہاں علی الناس کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر وہ کوئی حق رکھتے ہیں اور تقدیر اذا کالوا علی الناس مطلق اور اصولاً کال علیہ دہاں کہا جاتا ہے جہاں کیل کا مقصد حق لینا ہوتا ہے باقی ربا کال اور کال لہ اس جگہ سے مربوط ہے جہاں کیل سے مراد دوسرے کا حق دینا ہے۔ (غور کیجئے)۔

بارے میں فرمایا ہے یتلہ
اس کے بعد پروردگار عالم ایسے لوگوں کو تہنید یعنی استفہام تو بیخی کے ذریعے متنبہ کرتے ہوئے
فرماتا ہے :

”کیا وہ باور نہیں کرتے کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے“ (الایظن اولئک انھم مبعوثون)
”عظیم دن“ (لیوم عظیم)۔ وہ دن جس کا حساب عذاب اور اس کی ہولناکی اور
سب عظیم ہیں۔ ”وہ دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے“
(یوم یقوم الناس لرب العالمین)۔

یعنی وہ اگر قیامت کو باور کرتے اور جانتے کہ حساب کتاب ہونا ہے اور تمام اعمال ایک عظیم
عدالت میں محاکمہ کے لیے پیش ہوں گے اور جس شخص نے سوئی کی نوک کے برابر بھی اچھا یا بُرا کام کیا
ہے اس کا نتیجہ وہ اس عظیم دن دیکھے گا، پھر وہ کبھی اس قسم کا ظلم و ستم نہ کرتے اور لوگوں کے حقوق
پامال نہ کرتے۔

بہت سے مفسرین ”لظن“ کو جو ظن کے مادہ سے ہے یہاں یقین کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ اس
تعبیر کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۹ (قال الذین یظنون انھم ملاقوا
اللہ کم من فئۃ قلیلة غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ) جو مانتے تھے کہ خدا سے ملاقات کریں گے (او
وہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تھے) ”انہوں نے کہا کہ کئی چھوٹے گروہ تھے جو حکم خدا سے بڑے گروہ
کے مقابلے میں کامیاب ہوئے“ (تو جو رکھیں کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں ہے جس
نے ایمان و استقامت کا مختلف مراحل میں مظاہرہ کیا تھا)۔

اس بات کی شاہد و ناطق وہ حدیث ہے جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے آیہ
(الایظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ (الیس یوتقون
انھم مبعوثون)؟ کیا انہیں یقین نہیں ہے کہ وہ قبروں سے اٹھیں گے؟

انہی حضرت سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں، ظن تردید اور ظن یقین۔ جو
قرآن میں معاد و قیامت کے بارے میں آیا ہے وہ ظن یقین ہے اور جو کچھ دنیا کے بارے میں آیا ہے
وہ ظن شک ہے یتلہ

ایک جماعت کی طرف سے یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ ظن سے یہاں مراد موجودہ دور کے مشورہ

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۵۲۔

۲۔ تفسیر برہان جلد ۲ ص ۳۸۔

۳۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۸۔

معانی نچھان ہیں جو اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کی جان اور روح میں قیامت کی طرف توجہ کرنا اس طرح اثر کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا گمان بھی کرتا ہو اور اس کو اس دن کا احتمال بھی ہو تو وہ بڑے کاموں سے اجتناب کرے پھر جائیکہ اس کا یقین رکھتا ہو۔ یہ وہی چیز ہے جو علماء کے درمیان دفع غرر مظنون یا دفع ضرر محتمل کے عنوان سے مشہور ہے۔

اب اس بات کا مفہوم یہ ہو گا کہ یہ بے پرواہ اور بے باک گنہگار نہ صرف یہ کہ قیامت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے لیکن پہلی تفسیر، اُن وجوہ کی بنا پر، جو بیان کی گئی ہیں مقدم ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ لفظ ظن راغب کے مفردات کی رو سے اصل میں اس حالت کا نام ہے جو چند قرائن کے ہونے کی وجہ سے فکر انسانی کو حاصل ہوتی ہے اگر نشانیاں قوی ہوں تو علم و یقین لے آتی ہے اور اگر نشانیاں کمزور ہوں تو پھر وہ گمان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس بنا پر مذکورہ لفظ، اس کے برخلاف جو ہمارے زمانہ میں مشہور ہے، وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں علم اور گمان دونوں شامل ہیں اور دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ایک نکتہ

بحم تو نفاذ فی الارض کا ایک سبب ہے

قرآن مجید کی آیات میں کئی مرتبہ کم تولنے کی مذمت کی گئی ہے کبھی حضرت شیث کے واقعہ میں جہاں وہ قوم کو خطاب کر کے کہتے ہیں (او فوال لکیل ولا تکونوا من المبخسین و ذنوا بالقسط اس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاء ہم ولا تحشوا فی الارض مفسدین) ”پیمانے کے حق کو ادا کرو اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ وزن صحیح ترازو میں کرو اور لوگوں کے حق میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو“ (شعرا۔ ۱۸۱ تا ۱۸۳)۔

اس طرح وزن کرتے وقت اور چیز کو پیمانے سے ناپتے وقت تولنے کو اور انصاف کو نظر انداز کرنے کو فساد فی الارض بتایا گیا ہے اور یہ کام اجتماعی مفاسد میں سے ایک ہے۔ سورہ رحمن کی آیت ۷، ۸ میں وزن کرتے وقت انصاف سے کام لینے کو عالم ہستی کے نظام تخلیق میں جو عدالت کا فرما ہے، اس کے برابر قرار دیا گیا ہے فرماتا ہے:

(والسما رفعھا ودضع المیزان الا تطغوا فی المیزان) ”خدا نے آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز میں میزان و حساب رکھا تاکہ تم وزن و حساب میں طغیان و سرکشی سے کام نہ لو“

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ناپ تول میں عدل کی رعایت کا مسئلہ کم اہم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اصل عدالت ہے اور سارے نظام ہستی پر حاکم نظم کلی کا ایک جز ہے۔

اسی بنا پر عظیم آئمہ اسلام نے اس مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، یہاں تک کہ اصبح بن نباتہ کی مشہور روایت میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ سے سنا کہ آپ منبر پر فرما رہے تھے:

(یا معشر التجار! الفقه نشو المتجر) ”اے گروہ تجار پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو اس کے بعد تجارت کرو“ اس بات کی امام نے تین بار تکرار کی اور اس کلام کے آخر میں فرمایا:

(التاجر فاجر والفاجر فی النار الا من اخذ الحق واعطى الحق) ”تجارت کرنے والا فاجر ہے اور فاجر دوزخی ہے سوائے اس کے جو صرف اپنا حق لوگوں سے لے اور لوگوں کا حق ادا کرے“

ایک اور حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جس وقت امیر المومنین علیؑ کو ذمہ میں تھے تو آپ ہر روز صبح کے وقت کوفہ کے بازاروں میں آتے اور ایک ایک بازار میں گشت کرتے اور تازیانہ آپ کے کاندھے پر ہوتا ہر بازار کے وسط میں کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے کہتے اے گروہ تجار! خدا سے ڈرو۔

جس وقت حضرت علیؑ کی پیکار کو سنتے تو جو کچھ تاجروں کے ہاتھ میں ہوتا رکھ دیتے اور پورے خلوص کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنتے۔ اس کے بعد آپ فرماتے:

رقدمو الاستخارة وتبرکوا بالسهولة واقتربوا من البتاعین وتزینوا بالحلم وتناھوا عن الیمین وجانبوا الکذب وتجاؤا عن الظلم وانصفوا المظلومین ولا تقربوا الربا ووفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءهم ولا تعثوا فی الارض مفسدین

”خدا سے خیر طلب کرو اور لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت چاہو اور خریداروں کے پاس جاؤ، حلم و بردباری کو اپنی زینت قرار دو، قسم کھانے سے پرہیز کرو، جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، ظلم سے بچو اور مظلوموں کا حق ظالموں سے لے کر دو، سود کے قریب نہ جاؤ، پیمانے اور وزن کے معاملہ میں پورے پورے انصاف سے کام لو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں باعث فساد نہ بنو“

اس طرح آپ کوفہ کے بازاروں میں گردش کرتے، اس کے بعد دار الامارۃ کی طرف پلٹ آتے اور لوگوں کی داد خواہی اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جاتے۔ اور جیسا کہ ان آیات کی شان نزول میں بھی آیا ہے کہ بیغیر اکرم فرماتے ہیں: ”جو گروہ کم تولے گا خدا

۱۔ کافی جلد ۵ باب آداب التجارة حدیث ۱۔

۲۔ کافی باب آداب التجارة حدیث ۳ (تھوڑے سے اختصار کے ساتھ)۔

اس کی زراعت اس سے چھین لے گا اور اسے قحط سالی میں مبتلا کر دے گا۔ جو کچھ اوپر کھا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گزشتہ اقوام کی بربادی اور ان پر عذاب نازل ہونے کے عوامل میں سے ایک عامل یہ ہے کہ وہ کم تولتے تھے۔ ان کا یہ اقدام ان کی اقتصادی بد حالی اور نزول عذاب خدا کا سبب بنا۔

یہاں تک اسلامی روایات میں آداب تجارت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ مومنین کے لیے بہتر ہے کہ پیمانہ بھرتے اور وزن کرتے وقت کچھ زیادہ دیں اور لیتے وقت اپنا حق کچھ کم لیں (ان لوگوں کے کام کے بالکل برعکس جن کی طرف مندرجہ بالا آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ اپنا حق تو پورا پورا وصول کرتے تھے لیکن دوسروں کا حق کم دیتے تھے)۔

دوسرے، جیسا کہ ہم نے اوپر والی آیت کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، یہ آیت بعض مفسرین کے نظریہ کے مطابق وسیع معانی کا حامل ہے، جو ہر قسم کی اجتماعی و انفرادی اور خدا سے خلق رکھنے والی ذمہ داریوں کے انجام دینے کے سلسلہ میں کمی ہو سکتی ہے اس کو بھی اپنے دامن میں لیے لیتے ہیں۔

- ۷ كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سَجِّينٍ ۝
- ۸ وَمَا اَدْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ۝
- ۹ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝
- ۱۰ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ

- ۷ اس طرح نہیں ہے (جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں) یقیناً فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔
- ۸ تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟
- ۹ رسم زدہ نامہ اور سر نوشت ہے۔
- ۱۰ داتے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر۔

تفسیر

تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے؟

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کم تو لنے والوں کے بارے میں اور قیامت کے دن کے بارے میں گناہ اور ایمان راسخ نہ ہونے کے رابطہ کے سلسلہ میں آئی تھی، ان آیتوں میں اس روز بدکاروں اور فاجروں کا جو حال ہو گا، اس کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

”اس طرح نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ حساب و کتاب نہیں ہو گا بلکہ فاجروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے“ (کَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سَجِّينٍ)۔ ”تو کیا جانے سجین کیا ہے“ (وما ادراک ما سجین) ایک مہرزوہ تحریر اور نامہ ہے“ (کتاب مرقوم)۔

ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دو عمدہ نظریے ہیں:

۱۔ کتاب سے مراد انسان کا وہی نامہ اعمال ہے۔ کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا کام نہیں ہے جس کا اس میں شمار

نہ کیا گیا ہو۔ تمام باتیں بے گم و کاست اس میں درج ہیں۔

اور سنجین سے مراد ایک جامع کتاب ہے جس میں تمام انسانوں کے نامہائے اعمال جمع کیے گئے ہیں۔ سادہ اور عام تعبیر میں وہ ایک ایسے مکمل رجسٹر کے مانند ہے جس میں ہر ایک قرض خواہ اور مقروض کا حساب علیحدہ اور مستقل صفحہ پر تحریر ہے۔

البتہ ان آیات اور بعد کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدکاروں کے اعمال سنجین نامی کتاب میں ہیں اور تمام نیک افراد کے اعمال ایک دوسری کتاب میں درج ہیں جس کا نام علیین ہے۔

”سنجین سجن کے مادہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی زندان کے ہیں۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ سخت و شدید زندان، محکم موجود، قعر جہنم میں ایک بہت ہی ہولناک وادی، وہ جگہ جہاں بدکاروں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں اور جہنم کی آگ سے

طرحی مجمع البحرین میں سجن کے مادہ کے بارے میں کتا ہے: (رونی التفسیر ہو کتاب جامع دیوان الشرح
دون الله فيه اعمال الكفرة والفسقة من الجن والانس) تفسیر میں آیا ہے کہ سنجین ایک کتاب ہے جو برائیوں کے دیوان کا جامع ہے جس میں خدا نے جن و انس میں سے کافروں اور فاسقوں کے اعمال کو مدون کیا ہے۔ طرحی نے واضح نہیں کیا کہ اس تفسیر سے مراد کونسی تفسیر ہے، آیا وہ معصوم سے منقول ہے یا کسی غیر سے۔

جو قرآن ان معانی کی تائید کرتے ہیں وہ درج ذیل سے عبارت ہیں

- ۱۔ قرآن مجید میں اس قسم کے مواقع پر کتاب کی تعبیر عام طور پر نامہ اعمال کے معنوں میں ہے۔
- ۲۔ آخری آیت جو سنجین کی تفسیر کی شکل میں بیان ہوئی ہے کہتی ہے: ”وہ کتاب ہے مہرزہ اور یہ جو بعض نے آیت کو سنجین کی تفسیر کے طور پر قبول نہیں کیا، یقیناً ظاہر کے برخلاف ہے۔
- ۳۔ بعض نے کہا ہے سنجین و سجیل کے ایک ہی معنی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ سجیل رسین اور جیم کے زیر اور لام پر تشدید کے ساتھ، بہت بڑی کتاب کے معنی میں ہے۔
- ۴۔ قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال چند کتابوں میں منضبط ہوتے ہیں، تاکہ حساب کے وقت کسی قسم کا عذر یا بہانہ کسی شخص کے لیے باقی نہ رہے۔
- ایک تو شخصی اعمال نامہ ہیں جو قیامت میں متعلقہ افراد کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ نیکو کاروں کو

۱۔ لسان العرب، مادہ سجن۔

۲۔ روح المعانی جلد ۳۰ ص ۷۰ اور مجمع البحرین مادہ سجیل۔

دائیں لائحہ میں اور بدکاروں کو ان کے بائیں لائحہ میں۔ آیات قرآنی میں اس کی طرف بہت اشارہ ہوا ہے۔ دوسری کتاب وہ ہے جسے امتوں کے نامہ اعمال کا نام دیا جاسکتا ہے جس کی طرف سورہ جاثیہ کی آیت ۲۸ میں اشارہ ہوا ہے۔ (کل امة تدعی الی کتابہا) ”قیامت کے دن ہر امت کو اس کے نامہ اعمال کی طرف پکارا جائے گا۔“

تیسرا نامہ اعمال عمومی ہے وہ تمام نیکوکاروں اور بدکاروں کا نامہ اعمال ہے جس کا زیر بحث آیات اور آنے والی آیات میں سبحین اور علیین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تفسیر کے مطابق سبحین وہی دیوان کل ہے جس میں تمام بدکاروں کے نامہ اعمال جمع ہوں گے۔ اس کو سبحین اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دیوان کے مشتملات ان کے جہنم میں زندانی اور مقید ہونے کا سبب ہوں گے نیکوکاروں کی کتاب کے برعکس جو اعلیٰ علیین بہشت میں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سبحین اسی مشہور و معروف معنی یعنی دوزخ کے لیے استعمال ہوا ہے جو تمام بدکاروں کے لیے بہت بڑا زندان ہے یا دوزخ میں ایک سخت جگہ ہے۔

اور کتاب فجار سے مراد وہی سر نوشت ہے جو ان کے لیے تحریر ہوتی ہے اس بنا پر اس آیت کے یہ معنی ہوں گے ”مقرر و مستم سر نوشت بدکاروں کی جہنم میں ہے“

اور لفظ کتاب کے استعمال قرآن میں اسی معنی میں بہت مقامات پر ہیں، مثلاً سورہ نسا کی آیت ۲۴، بعد اس کے کہ فرماتا ہے:

”مشوہر دار عورتیں تم پر حرام ہیں“ مزید کہتا ہے:

”کتاب اللہ علیکم“ یہ حکم (اور اس سے پہلے کے احکام) ایسے ہیں جو خدا نے تمہارے لیے مقرر کر دیئے ہیں“

اور سورہ انفال کی آیت ۵۷ میں ہم پڑھتے ہیں:

”رواوا لارحام بعضھم اولى ببعض فی کتاب اللہ“ ”رشتہ دار ایک دوسرے کی بہ نسبت ان احکام میں جو خدا نے مقرر کیے ہیں (دوسروں سے) زیادہ سزا دار اور حقدار ہیں“

وہ مطلب جو اس تفسیر کی تائید کرتا ہے، یہ ہے کہ سبحین اپنے اسی مشہور معنی میں ہیں جو اخبارد آثار اسلامی میں بیان ہوا ہے یعنی اس کی تفسیر جہنم کی گئی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیا ہے کہ ”ان کتاب الفجار لفی سجین“ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ان کے لیے عذاب مقرر کیا گیا ہے وہ سبحین (دوزخ) میں ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر سے بھی منقول ہے کہ (السجین الارض السابعة وعلیون السماء

السابعة) سچین ساتویں زمین اور علیین ساتواں آسمان ہے (سب سے نچلی اور سب سے اوپر والی جگہ کی طرف اشارہ ہے)۔

متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعمال جو قرب خدا کے لائق نہیں ہیں ساقط ہوجائیں گے اور سچین میں متدار پائیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے:

ان الملك لیصعد بحمل العبد مبتہجاً فاذا صعد بحسناتہ یقول

اللہ عزوجل اجعلوہا فی سچین انہ لیس ایای اراد فیہا۔
 کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بندہ کے عمل کو خوشی خوشی آسمان کی طرف لے جاتا ہے تو خداوند عزوجل فرماتا ہے اسے سچین میں متدار دو اس لیے کہ اس کا مقصد میری رضا نہیں تھا۔

ان تمام روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سچین جہنم میں ایک بہت ہی پست جگہ ہے جس میں بدکاروں کے اعمال یا نامہ اعمال رکھے جائیں گے۔

یا ان کی سرفروشت یہ ہے کہ وہ اس زندان میں گرفتار رہیں گے۔ اس تفسیر کے مطابق (کتاب مرقوم) کا جملہ تاکید ہے "ان کتاب الفجار لفی سچین" کے جملے کی (نہ یہ کہ سچین کی تفسیر ہے) یعنی یہ ان کے لیے لکھی ہوئی حتمی اور قطعی سزا ہے۔

"مرقوم" رسم (بروزن زخم) واضح خط (تحریر) کے معنی میں ہے اور چونکہ خطوط یا تحریریں ابہام سے خالی ہوتی ہیں لہذا ممکن ہے کہ یہ تعبیر ابہام سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو، وہ چیز جو نہ کبھی محو ہوتی ہے نہ فراموش ہوگی۔

یہ دونوں تفسیریں بھی صحیح ہو سکتی ہیں اس لیے کہ پہلی تفسیر میں سچین بدکاروں کے کل اعمال کے دیوان کے معنی میں ہے اور دوسری تفسیر میں دوزخ کی گہرائی اور گڑھے کے معنوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔

یعنی جس وقت انسان کا نامہ اعمال بدکاروں کے کل اعمال کا دیوان قرار دیا گیا تو یہی سبب بنے گا کہ اسے پست ترین مقام یعنی دوزخ کے گڑھے میں کھینچ کر لے جائیں۔

آخری اور زیر بحث آیت میں ایک دل ہلا دینے والے جملے سے منکرین معاد و قیامت کی منحوس عاقبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

۱۵ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۰ حدیث ۱۵۔

۱۶ ایضاً " " " " حدیث ۱۹۔

”وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر“ (ویل یومئذ للمکذبین)۔
وہ تکذیب جو انواع و اقسام کے گناہوں کا سرچشمہ ہے جن میں سے ایک کم تو لگنا ہے
پہلی آیت میں فرماتا ہے:

(ویل للمطففین) اور یہاں فرماتا ہے: (ویل یومئذ للمکذبین)، وہ تعبیر جو مختصر
ہونے کے باوجود انواع و اقسام کے دردناک عذابوں اور ہولناک مصائب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
قابل توجہ یہ کہ پہلی آیت میں گفتگو کم تو لینے والوں کے بارے میں ہے اس کے بعد بدکاروں کی بات
ہے، اور آخری آیت میں منکر بن قیامت کا ذکر ہے اور اچھی طرح بتاتا ہے کہ اس اعتقاد اور ان اعمال
کے درمیان قریبی رابطہ ہے جو آنے والی آیات میں زیادہ واضح طور پر منعکس ہوا ہے۔

- ۱۱ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝
- ۱۲ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝
- ۱۳ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝
- ۱۴ كَلَّا بَلْ عَنَرَانِ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝
- ۱۵ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۝
- ۱۶ شَرَّانَهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝
- ۱۷ شَرَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

ترجمہ

- ۱۱ وہی جو قیامت کے دن انکار کرتے ہیں۔
- ۱۲ صرف وہی لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو گنہگار اور تجب و زحر کرنے والے ہیں۔
- ۱۳ وہی شخص کہ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔
- ۱۴ اس طرح نہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے اعمال ان کے دلوں پر زنگ کی طرح ہیں۔
- ۱۵ ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اس دن اپنے پروردگار سے محبوب ہوں گے۔

۱۶) اس کے بعد وہ یقیناً جہنم میں وارد ہوں گے۔

۱۷) پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر

گناہ دلوں کا زنگ ہیں

گزشتہ آیات کی آخری آیت میں مکذبین اور جھٹلانے والوں کی منحوس سر نوشت کی طرف واضح اشارہ تھا۔ زیر بحث آیات پہلے ان افراد کا تعارف کراتی ہیں اور کہتی ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو روز جزا کا انکار کرتے ہیں (الذین یکذبون بیوم الدین)۔ اور اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”صرف وہ لوگ روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں جو متجاوز اور گنہگار ہیں“ (وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم)۔ یعنی انکار قیامت کا اصل سبب منطوق استدلال اور تفکر نہیں ہے، بلکہ جو افراد چاہتے ہیں کہ زیادتیاں کرتے رہیں اور گناہ کرتے رہیں وہ قیامت کا انکار کر دیتے ہیں (توجہ فرماتیں کہ اثیم صفت منصفیر ہے جو استمرار اور گناہ کو جاری رکھنے پر دلالت کرتی ہے)۔

وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کے احساس ذمہ داری کے بغیر اپنے گمان کے مطابق انتہائی آزادی کے ساتھ اور ہر قسم کے دباؤ اور ذہنی پریشانی کے بغیر اپنی برائیوں اور قباحتوں کو جاری رکھیں اور کسی قانون کو قانون نہ سمجھیں۔

یہ چیز اس چیز کے مانند ہے جو سورہ قیامت کی آیت ۵ میں آئی ہے (بل یرید الانسان لیفجر اماما) ”بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ عمر میں مسلسل فسق و فجور کی راہ اختیار کیے (یعنی) اس لیے وہ قیامت کی تکذیب کرتا ہے۔“

جس طرح عقیدہ عمل پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح غلیظ اعمال عقائد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ دعائی بعد والی آیات کی تفسیر میں زیادہ واضح ہوں گے۔

بعد والی آیات میں قیامت کا انکار کرنے والوں کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

”جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ”یہ گزشتہ لوگوں کے بے بنیاد مطالب اور افسانے ہیں“ (اذا تتلى عليه آياتنا قال اساطیر الاولین)۔“

یہ لوگ علاوہ اس کے کہ تجب اور ذکر کرنے والے (معتد) اور گناہ گار ہیں، آیات الہی کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں کہانیاں اور موہوم قصے بتاتے ہیں، ایسے قصے جو انسان کے نادانی کے

زمانے کی یادگار ہیں بلکہ

اور اس بہانے سے چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ان آیات کی سماعت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس سے بچالیں۔ نہ صرف اس سورہ میں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جسارت کرنے والے مجرم دعوتِ خداوندی سے منحرف ہونے کا یہی بہانہ کرتے تھے۔

قرآن مجید کی نو آیتوں میں یہی مضمون واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید کی آیتوں کے مقابلہ میں اسی بہانے سے کام لیتے تھے (وقالوا اساطیر الاولین اکتبھا فہی تصلى علیہ بکرة واصلًا) انہوں نے کہا یہ قرآن گزشتہ لوگوں کے افسانوں اور قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے، جسے اس نے لکھا ہے اور صبح و شام اسے لکھایا جاتا ہے (فرقان - ۵)۔

سورہ احقاف کی آیت ۱۷ میں ایک سرکش جوان کی زبانی جو اپنے مہربان اور مومن ماں باپ کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے ہم اس طرح سنتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کی تمام نصیحتوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑاتا ہے کہ (وما ھذا الا اساطیر الاولین) یہ باتیں جو تم کرتے ہو گزشتہ لوگوں کی بے بنیاد باتوں اور افسانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ زیر بحث آیت نضر بن حارث بن کلدہ، پیغمبر اسلام کی خالہ کے بیٹے کے بارے میں جو کفر و ضلالت کے سرخونوں میں سے تھا، نازل ہوئی ہے۔

لیکن واضح رہے کہ آیت کا نزول کسی خاص مورد میں اس سے مانع نہیں ہے کہ دوسروں کے بارے میں صادق آئے، بہر حال سرکش لوگ وجدان کی تنبیہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے اور حق پسند لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہمیشہ فضول قسم کے بہانے بناتے رہتے ہیں تاکہ خود اس طرح سکون حاصل کریں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ عام طور پر ایک ہی انداز سے بات کرتے تھے، گویا تاریخ کے طویل دور میں ایک دوسرے کے کان میں کہہ جاتے تھے سحر، کمانت، جنون اور افسانہ وغیرہ۔ لیکن قرآن اس کے بعد آنے والی آیت میں ایک مرتبہ پھر ان کی سرکشی کے اصل سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:

ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے بُرے اعمال ان کے دل پر زنگ بن کر لٹکے ہوئے ہیں اور وہ حقیقت کے ادراک سے محروم ہو گئے ہیں (کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا یَكْسِبُونَ)۔ عجیب دل بلا دینے والی تعبیر ہے ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے

لے "اساطیر" "اسطورہ" کی جمع "سطر" کے مادہ سے عام طور پر موسوم قصوں اور جھوٹی باتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور وہ نور جو خدا داد فطرت کی بنا پر تھا سلب کر لیا ہے۔ اس وجہ سے حقیقت کا چہرہ جو آفتاب عالم کی طرح درخشاں ہے ان کے دلوں پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتا اور انوارِ وحی کا پرتو منعکس نہیں ہوتا۔

» دان « دین « (بروزن عین) کے مادہ سے جیسا کہ راغب نے کہا ہے، وہی رنگ ہے جو قیمتی چیزوں کو لگ جاتا ہے۔ اور بعض دوسرے ارباب لغت کے بقول سرخ رنگ کا چھلکا ہے جو ہوا کی رطوبت کے زیر اثر لوہے اور دوسری اسی قسم کی چیزوں پر چپک جاتا ہے جسے فارسی میں رنگ یا رنگار کہتے ہیں اور عام طور پر وہ اسی دھات کے پرانے اور بوسیدہ ہونے کی نشانی ہے اور طبعی طور پر اس کی شفافیت اور درخشندگی کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

کبھی اس لفظ کی ایک چیز سے دوسری چیز پر غلبہ حاصل کرنے، یا کسی چیز میں اس طرح کرنے سے جس سے بچانہ جاسکے تفسیر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب چیزیں ان اصلی معانی کا لازمہ ہیں۔

دل کی نورانیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں گناہ کے تباہ کن اثرات پر ہم بحث کریں گے جسے نکات کے عنوان کے ماتحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے: »ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس دن وہ اپنے پروردگار سے محبوب ہوں گے« (کَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ)۔ اور یہ کہ ان کی زیادہ دردناک سزا ہے۔ یہ اس بالاتر اور زیادہ لذت بخش نعمت کا بالکل تضاد ہے جو نیک لوگوں کو پروردگارِ عالم کی معنوی ملاقات اور اس کی بارگاہِ قرب میں حضور سے حاصل ہوگا۔

کَلَّا عام طور پر اس بات کی نفی کے لیے آتا ہے جو پہلے سے بیان شدہ ہو اور یہاں مفسرین نے کئی احتمال تجویز کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ کَلَّا اس کی تاکید ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے یعنی اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح انہوں نے قیامت کے دن کا افسانے اور کہانی کے طور پر تعارف کرایا ہے۔

یابہ کہ اس طرح نہیں ہے کہ وہ رنگ جو ان کے دلوں پر لگ چکا ہے وہ اتر جائے۔ وہ اس جہان میں بھی جہاں حق کے مشاہدہ سے محروم ہیں اور دوسرے جہان میں بھی۔

یابہ کہ جس طرح قرآن کی دوسری آیات میں آیا ہے کہ وہ مدعی تھے کہ اگر بالفرض قیامت ہو بھی تب بھی وہ خدا کی انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے۔

۱۔ تفسیر خازنی در ذیل آیت زیر بحث اور المنجد مادہ دین کی طرف رجوع فرمائیں۔

۲۔ سورہ کف کی آیت ۳۶ میں آیا ہے (وَمَا ظَنُّ السَّاعَةِ قَائِمَةً وَلَنْ رُدُّدَتِ الْاِلٰی رَبِّیْ لَاجِدُنْ خِیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلِبًا) میں بالکل باہر نہیں کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹوں بھی اور قیامت ہو بھی پھر بھی اس جگہ سے بہتر جگہ دہاں پاؤں گا (ان معانی کی نظیر سورہ فصلت کی آیت ۵۰ میں بھی آئی ہے)۔

اس طرح نہیں ہے جس طرح وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ قیامت میں شدید ترین عذابوں اور سخت ترین شکنجوں میں گرفتار ہوں گے۔

جی ہاں! آخرت انسان کے اس دنیا کے اعمال کا عکس اور عظیم تجسم ہے۔ وہ لوگ جو یہاں مشاہدہ حق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کے اعمال زنگ بن کر ان کے دلوں پر لٹکے ہوئے ہیں وہاں بھی پروردگار سے محبوب ہوں گے اور جمال حق کے مشاہدہ کی طاقت ان میں نہیں ہوگی اور وہ محبوب حقیقی کے لٹائے معنوی سے محروم رہیں گے۔

اس کے بعد وہ یقیناً جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے (شعور انھو لصا لوالجحیم)۔ یہ جہنم میں ورود پروردگار سے محبوب ہونے کا نتیجہ ہے اور ایک ایسا اثر ہے جو اس سے جدا نہیں ہے اور بحیثیت مسلم دیدار حق سے محرومیت کی آگ جہنم کی آگ سے بھی زیادہ جلانے والی ہے۔ اور آخری آیت میں فرماتا ہے:

”پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے“ (شعور یقال ہذا الذی کنتم بہ تکذبون)۔ یہ بات ان سے بطور توبیح و ملامت و سرزنش کہی جائے گی اور یہ اس بیوقوف اور ہٹ دھرم کردہ کے لیے ایک روحانی عذاب ہے۔

چند نکات

۱۔ دل کے لیے گناہ کیوں زنگ ہے

نہ صرف اس سورہ کی آیات میں دل کو تار یک کرنے پر گناہ کی تاثیر کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کی بہت سی دوسری آیتوں میں بھی ان معانی کی کئی مرتبہ تکرار کی گئی ہے اور بڑی صراحت کے ساتھ انہیں قابل توجہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے:

(کذالک یطیع اللہ علی کل قلب متکبر جبار) ”اسی طرح خدا ہر متکبر جبار اور سرکش کے دل پر ٹھہر لگا دیتا ہے“ (مومن - ۳۵)۔ ایک دوسری جگہ ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے گناہ گاروں کے گردہ کے بارے میں فرماتا ہے:

(ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوۃ و لہم عذاب عظیم)

”خدا نے ان کے دلوں پر ٹھہر لگا دی ہے اور اسی طرح ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے“ (بقرہ - ۷)۔ اور سورہ حج کی آیت ۴۶ میں ہم پڑھتے ہیں:

(فانہا لا تعی الابصار و لکن تعی القلوب الی فی الصدور) ظاہری آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل ہیں جو سینوں میں اندھے اور نابینا ہو جاتے ہیں۔

جی ہاں! گناہ اور اس کو جاری رکھنے کا بدترین اثر دل کا تار یک ہو جانا ہے اور نورِ علم اور حس کا

حسٹم ہو جانا ہے۔ گناہ اعضاء و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں لیکن دل کو متاثر کرتے ہیں اور اُسے غلیظ و متعفن کچھڑ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں انسان راہ اور چاہ کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا اور عجیب و غریب بشرات کا شکار اور غلطیوں کا ترچب ہوتا ہے جن سے ہر شخص حیران ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے پیروں پر خود کھلاڑی مارتا۔ اور اپنی خوش بختی کا سرمایہ برباد کر دیتا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے (کثرة الذنوب مفسدة للقلب) گناہوں کی فراوانی انسان کے دل کو تباہ کر دیتی ہے۔

پیغمبر اسلام کی ایک اور حدیث ہے (ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت في قلبه نكتة سوداء فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تحلوق قلبه فذا لك الرين الزي ذكر الله في القرآن (كلاب ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون) جس وقت بندہ گناہ کرے تو اس کا دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے اور گناہ سے دستبردار ہو جائے اور استغفار کر لے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پورے دل کو گھیر لیتی ہے اور یہ وہی زنگ ہے جس کی طرف اس آیت (كلاب ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون) میں اشارہ ہوا ہے۔

یہی مفہوم امام محمد باقر سے بھی اصول کافی میں مختصر سے فرق کے ساتھ منقول ہے۔

نیز اسی اصول کافی میں رسول خدا سے منقول ہے کہ (تذاكروا وتلاقوا وتحذروا فان الحديث جلاء للقلوب ان القلوب لترين كما يرين السيف و جلادته الحديث) مذاکرہ کرو اور ایک دوسرے سے ملاقات کرو اور (دین کے پیشواؤں کی) احادیث نقل کرو اس لیے کہ حدیث دلوں کی جلا کا سبب ہے۔ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح تلوار کو زنگ لگ جاتا ہے اور مستلوب کا صیقل حدیث ہے۔

اصول نفسیات کی رو سے بھی یہ مفہوم ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کے اعمال کا ہمیشہ اس کی روح پر اثر ہوتا ہے اور وہ اعمال روح کو آہستہ آہستہ اپنی صورت پر لے آتے ہیں، یہاں تک کہ انسان سک

۱۔ درالمنثور، جلد ۶ ص ۳۲۶۔

۲۔ درالمنثور، جلد ۶ ص ۳۲۵۔

۳۔ نور القلوب، جلد ۵ ص ۵۳۱ حدیث ۲۲، ۲۳۔

۴۔ ایضاً " " " " " " " "۔

سوچنے کے طریقہ اور فیصلہ کرنے کے انداز پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔
یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ انسان گناہ کو جاری رکھنے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ روح کی تاریکی میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنے گناہ حسنت نظر آتے ہیں یعنی وہ اپنی برائیوں ہی کو اچھائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ وہ بعض اوقات اپنے گناہ پر فخر کرتا ہے ایسی منزل پر پہنچ کر اس کے لیے واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا یہ ایک خطرناک ترین حالت ہے جو ایک انسان کو پیش آتی ہے۔

۲۔ روح و جان کے چہرہ پر عذاب

اگرچہ بہت سے مفسرین نے کوشش کی ہے کہ آیت (كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحْجُوبُونَ) میں کسی چیز کو مقدر قرار دیں اور کہیں کہ یہ گناہ گار خدا کی رحمت سے محجوب ہوں گے یا اس کے احسان کرامت اور ثواب سے محجوب ہوں گے لیکن بظاہر آیت کسی تقدیر کی محتاج نہیں ہے۔

وہ واقعتاً پروردگار سے محجوب ہوں گے جبکہ نیک اور پاک افراد قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہوں گے اور دیدار محجوب اور اس کے شہود باطنی سے بہرہ مند ہوں گے۔

یہ بے ایمان اور گنہگار دوزخی ہیں جو اس فیض عظیم اور نعمت بے نظیر سے محروم ہیں۔ بعض پاک دل مومن اس جہان میں بھی اس دیدار سے فیضیاب ہوتے ہیں جبکہ کور دل مجرم اس جہان میں بھی اس فیض سے محروم ہوں گے۔ پاک دل ہمیشہ حضور خداوندی میں ہیں اور یہ بے بصیرت تاریک دل اس سے دور ہیں۔

وہ اس کی مناجات سے اس قدر لذت حاصل کرتے ہیں جو کسی بیان کی محتاج نہیں ہے جبکہ یہ گنہگار اپنے گناہوں کی نحوست میں اس قدر غرق ہیں کہ ان کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔

تو کھوسرائے طبیعت نمی روی بر لب
بجا کو بے حقیقت گزر توانی کرد

جمال یار ندارد حجاب پرده و لے
غبار راہ نشاں تا نظر توانی کرد

تو مادہ کے گھر سے باہر نہیں نکلتا تو پھر حقیقت کے کوچہ میں تیرا گزر کیسے ہو سکتا ہے محجوب

کے جمال پر کوئی پردہ نہیں ہے لیکن غبار راہ کو بٹھانا کہ تو دیکھ سکے۔

امیر المؤمنین حضرت علی مشور دعا نے جمیل میں فرماتے ہیں: ہبنی صبروت علی عذابك فكيف اصبر علی فراقك) بالفرض اگر میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر بھی لوں تو تیرے فراق پر کیسے صبر کر دوں گا۔

- (۱۸) كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝
- (۱۹) وَمَا آذُرُوكَ مَاعِلِيُّونَ ۝
- (۲۰) كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝
- (۲۱) يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝
- (۲۲) إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝
- (۲۳) عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ۝
- (۲۴) تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۝
- (۲۵) يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ۝
- (۲۶) خِتْمُهُ مِسْكَ ۝ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝
- (۲۷) وَمِرَاجُةٍ مِنْ تَسْنِيمٍ ۝
- (۲۸) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝

ترجمہ

- (۱۸) ایسا نہیں ہے جیسا وہ (قیامت کے بارے میں) خیال کرتے ہیں؛ نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔
- (۱۹) اور تو کیا جانے علیین کیا ہے؟
- (۲۰) تحریر ہے لکھی ہوئی اور سر نوشت ہے قطعی۔
- (۲۱) جس کے شاہد مقربین ہیں۔

- یقیناً نیک لوگ انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ (۲۲)
- جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے اور جنت کی خوبصورتی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳)
- ان کے چہروں پر تو نعمت کی طراوت اور نشاط دیکھے گا۔ (۲۴)
- وہ شراب زلال دست نخورده دسر بستہ سے سیراب ہوں گے۔ (۲۵)
- اس پر جو مہر لگائی گئی ہوگی وہ مشک و کستوری سے ہوگی اور ان جنت کی نعمتوں میں رغبت رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہیے۔ (۲۶)
- یہ شراب (طہور) تسنیم سے مخروج ہوگی۔ (۲۷)
- وہی چشمہ جس سے مقررین پئیں گے۔ (۲۸)

تفسیر

علیین ابرار کے انتظار میں ہے

اس توصیف کے بعد جو گزشتہ آیات میں فاجر لوگوں کے اعمال اور سرنوشت کے بارے میں آئی ہے ان آیات میں اس گروہ کے بارے میں گفتگو ہے جو ان کا مد مقابل ہے یعنی ابرار اور نیکوکار لوگ جن کا امتیاز، افتخار اور اعزاز فاجروں کے مقابلہ میں ملاحظہ کرنے سے دونوں کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کے نامہ ملتے اعمال علیین میں ہوں گے“ (کَلَّا ان کتاب الابرار لفی علیین)۔

”علیین“ ”علی“ (بروزن ملی) کی جمع ہے بلند جگہ اور اس پر بیٹھنے والوں کے معنوں میں ہے۔ پہاڑوں کے بلند ترین حصوں پر رہنے والوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں مفسرین کی ایک جماعت نے آسمان کی افضل ترین جگہ یا جنت کی بہترین جگہ کے معنی میں اس کی تفسیر کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا ذکر صیغہ جمع کے ساتھ جو ہے وہ تاکید کے لیے ہے اور علو فی علو بلندی در بلندی کے معنوں میں ہے۔

بہر حال وہ دو تفسیریں جو گزشتہ آیات میں سجین کے بارے میں ہم کر چکے ہیں انہی سے مشابہ یہ تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ کتاب الابرار سے مراد نیک، پاک اور مومنین کا نامہ اعمال ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک ایسے دیوانِ کل میں موجود ہے جو تمام مومنین کے اعمال کو بیان کرتا ہے۔ وہ دیوان بہت ہی بلند منزلت رکھتا ہے۔ یا یہ کہ ان کا نامہ اعمال بلند ترین مکان یا جنت کے فراز پر ہے۔ اور یہ سب معانی بتاتے ہیں کہ خود ان کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے۔

ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیین سے مراد ساتواں آسمان اور عرشِ خدا کا پچھلا حصہ ہے۔

اور یہ نقطہ فجار کا عین نقطہٴ مقابل ہے جو دوزخ کے طبقوں میں پست ترین جگہ قرار پاتی ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد سر نوشت اور حکمِ قطعی ہے جو نیک لوگوں کو بہشت کے اعلیٰ درجوں میں مقرر کیے جوتے ہیں۔

ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک دیوانِ کل میں برقرار ہے اور اس دیوان کا مجموعہ آسمانوں کی بلندی پر ہے اور فرمانِ الہی بھی یہی قرار پایا ہے کہ وہ خود جنت کے بلند ترین مقامات میں ہوں۔

اس کے بعد علیین کی اہمیت و عظمت کو بیان کرنے کے لیے مزید کہتا ہے: ”تو بجا جانے کے علیین کیا ہے“ (وما ادراک ما علیون)۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جو خیال و قیاس اور دہم و گمان سے بھی برتر ہے جسے کوئی بھی جتنی کہ پیغمبر اسلام بھی اس کی عظمت اور حدود و ارجحہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد خود قرآن وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ”علیین ایک لکھی ہوئی کتاب ہے“ (کتاب مرقوم)۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے جو علیین کو ابرار کے نامہ اعمال کے دیوانِ کل کے معنی میں پیش کرتی ہے باقی رہی دوسری تفسیر تو پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ جتنی سر نوشت ہے جس کے بارے میں خدا نے تحریر کیا ہے ان کی جگہ جنت کے افضل ترین درجات میں ہوگی۔ اس بنا پر کتاب مرقوم کتاب الابرار کی تفسیر ہے نہ کہ علیین کی۔ (غور کیجئے)۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”یہ ایسی کتاب ہے جس کا مقربین مشاہدہ کریں گے یا اس کی گواہی دیں گے“ (یستشهدہ المقربون)۔

اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس آیت میں مقربوں سے مراد وہ فرشتے لیتی ہے جو بارگاہ الہی میں مقرب ہیں، وہ فرشتے جو نیک لوگوں کے اعمال کے یا یقینی سرنوشت کے ناظر ہیں، لیکن بعد کی آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ مقربوں خاصاً خدا اور برگزیدہ مومنین کا ایک گروہ ہے جس کا مقام بہت اونچا ہے اور وہ دوسرے نیک افراد کے اعمال پر شاہد ہے، جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت ۱۰، ۱۱ میں اصحاب الیمینہ اور اصحاب المشمہ کے ذکر کے بعد فرماتا ہے:

«وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ» اور سبقت کرنے والوں میں سے سبقت کرنے والے ہی مقربین ہیں۔ اور سورہ نحل کی آیت ۸۹ میں ہم پڑھتے ہیں (و یوم نبعث فی کل امة شهیداً علیہم من انفسہم وجئنا بک شہیداً علی ہؤلاء) اور یاد کرو اس دن کو جب ہر امت میں سے ایک گواہ اس پر مقرر کریں گے اور تجھے ان پر گواہ قرار دیں گے۔ اس کے بعد نیک لوگوں کے عظیم ثواب کے ایک حصہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

«یقیناً ابرار انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہیں» (ان الابرار لفی نعیم)۔
 «نعیم» کا اصلی مفہوم، جو راغب کے بقول بہت زیادہ نعمت کے معنی میں ہے اور نکرہ کی شکل میں اپنے ذکر کے اضافہ کے ساتھ یہاں عظمت و اہمیت کی دلیل ہے، یہ بتاتا ہے کہ ابرار اس قسم کی برکتوں اور نعمتوں کے حامل ہیں جو حدود و توصیف و تعریف سے باہر ہیں اور یہ جنت کی تمام مادی و معنوی نعمتوں اور برکتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ایک جامع تعبیر ہے۔ اس کے بعد ان میں سے بعض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

«وہ جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگاتے ہوئے ان تمام نعمتوں اور مناظر کو دیکھ رہے ہوں گے اور لذت اٹھا رہے ہوں گے» (علی الارائک ینظرون)۔
 «ارائک» «اریکہ» کی جمع ہے اور خوبصورت تخت کے معنی میں ہے، یا پُر زینت پلنگ جو جملہ عروسی میں رکھتے ہیں۔ یہاں جنت کے بہت ہی خوبصورت تختوں اور پلنگوں کی طرف اشارہ ہے جن پر نیک اور صالح افراد متمکن ہوں گے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل فارسی ہے اور یہ «ارگ» سے لیا گیا ہے جس کے معنی قصر سلطنت کے ہیں۔ (یہ لفظ اس قلعہ کے معنی میں بھی آیا ہے جو شہر کے اندر ہو، اور چونکہ شہر کے اندر والا قلعہ عام طور پر بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے، لہذا اس پر اطلاق ہوتا ہے)۔

۱۰ اس جملہ میں مبتدا محذوف ہے اور تقدیر میں (ہم علی الارائک ینظرون) ہے اس جملہ میں ینظرون حال ہے یا یہ کہ علی الارائک گذشتہ آیت کے لفظ «ان» کی خبر کے بعد خبر ہے۔

بعض دوسرے مفسرین اراٹک کو مفرد اور فارسی لفظ "اراک" یا "ارایک" سے ماخوذ جاتے ہیں جس کے معنی شاہی تخت کے ہیں اور پایہ تخت اور اس صوبہ کے معنی میں ہیں جس میں پایہ تخت ہے اور عراق کو اراک کا عرب سمجھتے ہیں جو اس قسم کے صوبہ کے معنی میں ہے اور سمجھتے ہیں کہ لفظ اراٹک اور (زر تشت کی مقدس کتاب) میں بھی بارگاہ اور تخت سلطنت کے معنی میں آیا ہے۔

لغت عرب کے بعض علماء اس کی اصل عربی کو سمجھتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ اراک سے لیا گیا ہے جو مشہور درخت کا نام ہے جس سے تخت اور سائبان بنائے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں اس کے موارد استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس زیا خوبصورت اور مزین تخت کے معنوں میں ہے جس سے صاحبان قدرت و نعمت استفادہ کرتے ہیں۔

(بینظرون) دیکھیں گے کی تعبیر جو سربستہ شکل میں استعمال ہوتی ہے اس میں یہ نہیں فرماتا کہ کس چیز کی طرف دیکھیں گے تاکہ اس کے مفہوم میں وسعت رہے۔ وہ لطف خدا کی طرف دیکھیں گے۔ اس کے بے مثال جمال کی طرف، جنت کی انواع و اقسام کی نعمتوں کی طرف اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی خوبصورتیوں کی طرف دیکھیں گے جو بہشت بریں میں ہوں گے، اس لیے کہ انسانی لذتوں میں سے اہم ترین لذت دیکھنے کی لذت ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

"جب تو ان کے چہروں کی طرف دیکھے تو نعمت کی طراوت خوشی اور نشاط ان میں دیکھے گا" (تعرف فی وجوہہم نضرة النعیم)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ نشاط، سرور اور خوشی ان کے چہروں پر جھلک رہی ہوگی اور ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر دو زخیوں کے چہرہ پر نظر کرے تو ان سے غم درخ اور اندوہ و بدبختی اور بے چارگی نمایاں ہوگی۔

"نضرة" جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، تروتازگی اور نشاط کے معنی میں ہے جو اچھی زندگی گزارنے والوں کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔ تخت، نظارہ، آرام و سکون و نشاط کی نعمتوں کے بعد ایک اور نعمت یعنی بہشتیوں کی شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

"انہیں ایسی پاک و پاکیزہ شراب پلائیں گے جس کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہوگا" (یسقون من رحیق مختوم)۔ وہ شراب طہور جو دنیا کی شرابوں کی طرح گناہ پر آمادہ کرنے والی، جنون پیدا کرنے والی شیطانی شراب کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ہوش و عقل اور نشاط و عشق و صفا پیدا کرتی ہے۔

زیادہ مفسرین نے رحیق کو خالص شراب کے معنی میں لیا ہے، ایسی شراب جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔

۱۔ "لغت نامہ"، "دعویٰ"، کتاب "دیوان دین"، مفردات راغب، اور برہان قاطع کی طرف رجوع کیا جائے۔

”مختوم“ کے معنی مہر لگی ہوئی۔ اس سے بھی اس کے خالص اور پاک و صاف ہونے کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے برتنوں کا استعمال مہمان کے خاص احترام کی علامت ہے۔ ایسا ظرف جس کا منہ بند ہے اس پر مہر لگی ہوتی ہے اور اس کی مہر صرف مہمان کی خاطر توڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ”اس کی مہر مشک اور کستوری سے لگائی گئی ہے“ (ختامہ مسک)۔ دنیا کے منہ بند برتنوں کی طرح نہیں جن کی مہر مٹی سے لگائی جاتی ہے تو مشک اور عطر کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آخر میں یعنی اس شرابِ طہور کے پینے کے اختتام پر انسان کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آئے گی، دنیا کی نجس شرابوں کے برخلاف جن کے پینے کے بعد منہ تلخ اور بدبودار ہو جاتا ہے لیکن اس تعبیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو گزشتہ آیت میں آئی ہے یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے۔ آیت کے آخر میں جنت کی شرابِ طہور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: ”ان بہشتی نعمتوں میں اور خصوصیت کے ساتھ اس شرابِ طہور کی طرف رغبت کرنے والوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانی چاہیے“ (و فی ذالک فلیتنافس المتنافسون)۔ مفسر عظیم ”طبرسی“ ”مجمع البیان“ میں کہتے ہیں:

”تنافس“ کے معنی دو انسانوں کے ایک چیز کے لیے کوشش کرنے کے ہیں جن میں سے دونوں یہ چاہیں کہ یہ نفیس چیز میرے پاس ہو۔

مجمع البحرین میں ہے کہ تنافس کے معنی عظمت و عزت کے ساتھ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ راغب مفردات میں کہتا ہے ”منافسہ“ کے معنی یہ ہیں کہ معزز افراد سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے ان سے ملحق ہو جانے کی اس طرح کوشش کرنا کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔

حقیقت میں اس آیت کا مضمون اس آیت کے مشابہ ہے جو سورہ حدید کی آیت ۲۱ میں آئی ہے (سابقاً الی مغفرة من ربک و جنة عرضها كعرض السماء والارض) ”اپنے پروردگار کی مغفرت تک پہنچنے کے لیے اور اس جنت تک پہنچنے کے لیے جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ“۔

گزشتہ زمانے میں معمول تھا اور موجودہ زمانے میں بھی معمول ہے کہ یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ اس چیز کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا کر کسی برتن میں رکھتے اور اس کا منہ بند کرنے کے بعد کسی رسی یا بٹے ہوئے تار سے اس پر گرہ لگا دیتے تھے اور اس گرہ پر سخت مٹی یا لاکھ کو پچھلا کر رکھ دیتے اور اس پر اس طرح سے مہر لگا دیتے کہ برتن کے اندر مہر توڑے بغیر رسائی ممکن نہ ہوتی۔ عرب اس کو مختوم کہتے ہیں۔

یا جو کچھ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۳ میں آیا ہے: (و سار عوا الی مغفرة من ربک و جنة عرضها السموات والارض)۔ بہر حال اس آیت میں جو تعبیر آئی ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے اور جو ایمان و عمل صالح کے ذریعہ ان بے نظیر نعمتوں تک پہنچنے کے سلسلہ میں انسانوں کو شوق دلائے کا سبب سمجھی جاتی ہے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کو عمدہ انداز میں ظاہر کرتی ہے۔ یہ اس کے بعد آخری نعمت جو اس سلسلہ آیات میں آئی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ شراب طہور تسنیم میں ملی ہوئی ہے“ (و مزاجہ من تسنیم)۔ وہی چشمہ جس سے مقررین پیتے ہیں“ (عیناً یشرّب بہا المقربون)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسنیم جنت کی افضل ترین شراب طہور ہے جسے خاص طور پر مقررین پیتے ہیں لیکن عام نیک لوگ اس میں سے ایک مقدار رحیق مختوم ملا کر پیتے ہیں جو جنت کی شراب طہور کی ایک اور قسم ہے۔

یہ کہ یہ شراب یا یہ چشمہ تسنیم کے نام سے کیوں موسوم ہے (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ تسنیم لغت کے اعتبار سے چشموں کے معنوں میں ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گرا رہا ہو) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمانوں سے گرا رہی ہے۔ حقیقت میں جنت کی شراب کئی قسم کی ہے بعض تو نہروں کی صورت میں بہ رہی ہے جن کی طرف قرآن کی متعدد آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

۱۔ جو کچھ آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ذاک کا اشارہ جنت کی سات نعمتوں کی طرف ہے خصوصاً مخصوص شراب طہور جس کے پرکشش اوصاف آیت میں آتے ہیں۔

۲۔ چونکہ ”واو“ اور ”فا“ (و فی ذالک فلیتناض المتناضون) کے جملہ میں دونوں عطف کے لیے ہیں تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو حرف عطف یکے بعد دیگرے کیوں آئے ہیں۔ زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ یہاں حرف شرط محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے (وان ارید تناض فی شئی فلیتناض فی ذالک المتناضون) اگر کسی چیز میں رغبت ہے تو رغبت کرنے والے اس میں رغبت محسوس کریں۔ اس طرح حرف شرط اور جملہ شرطیہ دونوں محذوف ہیں اور ذاک بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ (غور فرمائیے)

۳۔ یہ کہ عیناً کیوں منصوب ہے اس کے لیے بہت سی وجوہ بیان ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ تسنیم کے لیے حال یا اس کی تیسرے یا مدح و اختصاص کے عنوان کے ماتحت ہے اور تقدیر یعنی (میری مراد ہے) اور ”بھاگی“ یا ”تو زائد“ سے ”یا“ کے معنی میں ہے اور دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

۴۔ سورہ محمد، آیت ۱۵۔

ان میں سے بعض منہ بند برتنوں میں ٹہر زدہ صورت میں ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے۔ سب سے زیادہ اہم وہ شراب ہے جو بہشت کے آسمان یا اوپر والے طبقوں سے گرتی ہے اور یہ وہی شراب تسنیم ہے کہ جنت کا کوئی مشروب اس کا ہم پلہ نہیں ہے اور جنتیوں کے جسم و جان میں جو تاثیر فطری طور پر وہ کرتی ہے وہ سب سے بہتر کپکپش اور عمیق ہے۔ اس کے پینے سے جو نشہ حاصل ہوتا ہے وہ تعریف و توصیف سے بالا ہے۔

البتہ اس حقیقت کو ہمیں دوبارہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ سب دھندلے نقوش ہیں جو دور سے نظر آتے ہیں ورنہ جنت کی گراں قدر اور بے نظیر نعمتوں کی تعریف و توصیف زبان و قلم کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے بقول اس کی طرف کسی شخص کی فکر اور اس کے ذہن میں نہیں آسکتی۔ (فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین) (الم سجدہ - ۱۷)۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کونسی چیزیں ان کے لیے رکھی گئی ہیں۔

چند نکات

ابرار اور مقربین کون لوگ ہیں؟

قرآن مجید کی آیات میں ابرار، مقربین اور ان کے عظیم اجر و ثواب کے بارے میں بارہا گفتگو ہوئی ہے یہاں تک کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ کے مطابق اولوالالباب (قوی عقل و فکر والے) تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا اختتام ابرار کے ساتھ ہو۔ (و قوفنا مع الابرار) اور سورہ دہر کی آیات میں بھی ان کے لیے بہت اجر و ثواب بیان ہوئے ہیں، (دھر آیت ۵ تا ۲۲) اور سورہ انفطار کی آیت ۱۳ اور سورہ مطففین کی زیر بحث آیت بھی ان کے بارے میں بار بار خدا کی مہربانیوں کو بیان کرتی ہے۔

ابرار، جیسا کہ ہم پہلے بھی کہ چکے ہیں، ”بر“ کی جمع ہے یہ وہی لوگ ہیں جو وسیع روح، بلند ہمت، اچھے اعتقاد اور نیک عمل کے حامل ہیں اور مقربین وہ ہیں جو بارگاہِ خدا میں قرب مقام کے حامل ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ظاہری طور پر عام و خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی سب مقرب افراد ابرار ہیں، لیکن سب ابرار مقرب نہیں ہیں۔

ایک حدیث امام حسن مجتبیٰ سے منقول ہے کہ (کلاما فی کتاب اللہ عزوجل من قوله ان الابرار فواللہ ما اراد بہ الا علی بن ابی طالب و فاطمۃ و انا والحسین)۔ جہاں ہمیں قرآن میں ان ابرار آیا ہے خدا کی قسم اس سے پروردگار کی مراد علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا، میں اور حسین ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خمسہ نجاوہ پانچ مقدس نور ابرار و مقربین کے سب سے زیادہ مصداق ہیں اور جیسا کہ ہم نے سورہ دھر میں کہا ہے کہ یہ عظیم سورہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کی اٹھارہ آیات ان کے فضائل کی بحث میں ہیں، اگرچہ ان کے بارے میں آیات کا نزول آیات کے مفہوم کی وسعت کی راہ میں مانع نہیں ہے۔

۲۔ جنت کی شرابیں

قرآن کی مختلف آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں کئی قسم کی شراب ہائے طور کئی ناموں اور کیفیتوں کے ساتھ موجود ہیں جو ہر لحاظ سے دنیا کی ناپاک شرابوں سے مختلف ہیں دنیا کی شرابیں عقل کو ختم کرتی ہیں، جنون پیدا کرتی ہیں اور عداوت و خونریزی اور فتنہ و فساد کا سرچشمہ بنتی ہیں۔ بدبودار و بدذائقہ اور نجس و ناپاک ہوتی ہیں۔

لیکن جنت کی شرابیں عقل، نشاط اور عشق پیدا کرتی ہیں۔ خوشبودار معطر اور پاک ہیں اور جو لوگ انہیں پیتے ہیں وہ ناقابل بیان روحانی نشہ سے سرور حاصل کرتے ہیں جس کی دو قسمیں اس سورت میں آچکی ہیں۔ ریحیق مختوم اور تسنیم اور اس کی دوسری اقسام سورہ دھر اور قرآن کی دوسری آیات میں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک کی اس جگہ ہم نے تصریح کی ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ متعدد روایات میں یہ جنت کی شراب ان لوگوں کا اجر قرار دی گئی ہے جو دنیا کی شراب کی طرف توجہ نہ کریں، پیاسوں کو سیراب کریں اور مؤمنین کے دلوں میں جو غم و اندوہ کی آگ جل رہی ہے اسے بجھا دیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: (یا علیؓ من ترک الخمر لله سقاہ اللہ من الموحیق المختوم) اے علیؓ! جو شخص خدا کی خاطر شراب کو ترک کرے تو خدا اُسے جنت کی منہ بند مہر شدہ شراب زلال سے سیراب کرے گا۔

زیادہ جاذب توجہ یہ بات ہے کہ ایک اور حدیث میں انہی جناب سے آیا ہے کہ اگر دنیا کی شراب خدا نہیں، بلکہ غیر خدا کی خاطر بھی ترک کرے تو بھی خدا سے اس شراب سے سیراب کرے گا۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں: "میں نے عرض کیا غیر خدا کے لیے؟"

فرمایا ہاں! جو شخص اپنی جان کی حفاظت کے لیے بھی دنیا کی شراب کو چھوڑے تو خدا سے ریحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔

۱۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۴ حدیث ۳۷، ۴۰۔

۲۔ ایضاً " " " " " " " "۔

جی ہاں وہ افراد جو شراب کو اپنی سلامتی کی حفاظت کی خاطر ترک کریں وہ حقیقت میں اولوالاباء ہیں اور جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ اولوالالباب بھی ابرار کے زمرہ میں ہیں جو جنت کی شراب لائے طور سے بہرہ مند ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں علی بن حسین سے منقول ہے (من سقى مؤمناً من ظمأ سقاه الله من الرحيق المختوم) جو شخص کسی پیاسے مومن کو سیراب کرے خدا اسے رحيق مختوم سے سیراب کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: (من صام لله في يوم صائف سقاه الله من الظمأ من الرحيق المختوم) جو شخص موسم گرما کے دنوں میں روزہ رکھے تو خدا اسے قیامت کی تشنگی کی حالت میں رحيق مختوم سے سیراب کرے گا۔

- ۲۹) إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۰) وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامِرُونَ ۝
 ۳۱) وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝
 ۳۲) وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝
 ۳۳) وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۝
 ۳۴) فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝
 ۳۵) عَلَىٰ الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ۝
 ۳۶) هَلْ تُؤِيبُ الْكُفَّارَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ

- ۲۹) بدکار دنیا میں ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے۔
 ۳۰) اور جب مومنین کے پاس سے گزرتے تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے
 اور جب اپنے خاندان کی طرف پلٹتے تو مسرور پلٹتے۔
 ۳۱) اور جس وقت مومنین کو دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔
 ۳۲) حالانکہ وہ مومنین کی نگرانی پر کبھی مامور نہیں رہے اور نہ ان کے متکفل تھے
 لیکن آج مومنین کفار پر ہنستے ہیں۔
 ۳۳) جبکہ جنت کے مزین تختوں (اور پلنگوں) پر بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔
 ۳۴) کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر لے لیا ہے؟

شان نزول

مفسرین نے ان آیات کے لیے دو شان لاتے نزول نقل کی ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک دن حضرت علیؑ اور مومنین کی ایک جماعت کفار مکہ کے قریب سے گزری تو وہ حضرت علیؑ اور ان مومنین پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑایا، تو مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں اور ان مذاق اڑانے والے کافروں کی جو قیامت میں حالت ہوگی اس کو واضح کیا۔

حاکم ابو القاسم حسانی شواہد التنزیل میں ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "ان الذین اجرموا" سے مراد قریش کے منافقین ہیں اور "الذین امنوا" سے مراد علی بن ابی طالب اور ان کے یار و انصار ہیں۔

دوسری شان نزول یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات عمار، صیب، جناب بلال اور اسی قسم کے دوسرے غریب مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جیسے مشرکین قریش کے شکر کا نشانہ بنے تھے۔

تفسیر

اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج....

گزشتہ آیات کے بعد، جو نیک لوگوں کو ملنے والی نعمتوں اور ثواب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں، زیر بحث آیات میں ان مصائب اور زحمتوں کے ایک گوشہ کی طرف، جس سے اس جہان میں ایمان و تقویٰ کی بنا پر ان کا واسطہ پڑا تھا، اشارہ کرتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ عظیم اجر و ثواب حساب کتاب کے بغیر نہیں ہے۔

ان آیات میں کفار کی قبیح اور دل دکھانے والی تنقید اور ان سے آئنا سامنا ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور کفار کے چار قسم کے رد عمل کو بیان کرتا ہے پہلے فرماتا ہے:

"بدکار اور کفار ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے" (ان الذین اجرموا كانوا من الذین امنوا یضحکون) تمسخر آمیز اور مبین برہقارت ہنسی، ایسی ہنسی جو سرکشی و تکبر اور غرور و غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ چھوٹے دماغ کے مغرور افراد متقی مومنین کے مقابلہ میں اس قسم کی بے وقوفانہ ہنسی سے کام لیتے ہیں۔

مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۵۵، حضرت علیؑ اور مشرکین مکہ کے بارے میں ان آیات کا نازل ہونا بہت سی کتب تفسیر مثلاً قرطبی، روح المعانی، کشاف اور تفسیر فخر رازی میں آیا ہے۔

ضمنی طور پر ”کفر و“ کی بجائے ”ناجرم و“ کی تعبیر یہ بتاتی ہے کہ کافر و بے ایمان افراد اپنے گناہ آلود اعمال سے پہچانے جاتے ہیں اس لیے کہ کفر ہمیشہ سے عھیان و جرم کا سرچشمہ ہے۔

بعد والی آیت میں ان کے قبیح طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”جس وقت کفار مومنین کی جماعت کے قریب ہوں تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں“

(واذا متروا بھم یتغامزون) ، اور اشاروں اشاروں میں کھتے ہیں کہ ان بے سرو پا افراد کو دیکھتے ہو کہ یہ مقررین بارگاہ خدا ہو گئے ہیں ان ننگے پاؤں اور بڑے حال لوگوں کو دیکھو کہ یہ اپنے اوپر وحی کے نزول کے مدعی ہیں اور نادان لوگوں کو دیکھو کہ یہ کھتے ہیں کہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیاں دوبارہ زندگی کی طرف پلٹ آئیں گی اور یوں وہ اسی قسم کی دوسری کھوکھلی باتیں کرتے ہیں۔

ایسا نظر آتا ہے کہ مشرکین واضح طور پر اس وقت ہنسی اڑاتے تھے جب مومنین کی کوئی جماعت ان کے پاس سے گزرتی تھی اور ان کے مسخر آمیز اشارے اس وقت ہوتے جب وہ مومنین کی جماعت کے نزدیک سے گزرتے اور چونکہ مومنین کی جماعت کے قریب رہ کر آسانی سے ان کا مذاق نہیں اڑا سکتے تھے، لہذا آنکھوں کے اشاروں سے کام لیتے تھے لیکن جہاں خود ان کا جھگڑا ہوتا اور مومنین ان کے پاس سے گزرتے وہاں وہ زیادہ آزادی اور جسارت سے کام لیتے۔

”یتغامزون“ ”عنمز“ (بروزن طنز) کے مادہ سے آنکھ اور ہاتھ سے ایسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے معنی میں ہے جس سے عیب جوئی کا پہلو نکلتا ہو اور بعض اوقات یہ لفظ ہر قسم کی عیب جوئی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، خواہ زبان ہی سے کیوں نہ ہو۔

اور تغامز (باب تفاعل سے) کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب کے سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یہ حرکت کرتے تھے اور ہر کوئی اشارہ کر کے دوسرے کو کچھ بتاتا، جس میں مذاق کا پہلو ہوتا۔ یہ تو مومنین سے آمناسا منا ہونے پر ہوتا تھا۔ خصوصی جلسوں میں بھی یہی طریق کار اختیار کیے رکھتے اور علیحدگی میں بھی اس سلسلہ کو جاری رکھتے، جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے:

”جس وقت وہ اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاتے تو خوش ہوتے اور جو کچھ انجام دیا ہوتا اس پر پھولے نہ سماتے“ (واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین)۔ گویا انہیں فتح و کامیابی نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے فخر و مباہات کر رہے ہیں اور پھر مومنین سے علیحدگی کی صورت میں بھی اس مذاق

لے ”متروا“ اور ”بھسو“ کی ضمیروں کے مریج کے بارے میں مفسرین نے دو احتمال تجویز کیے ہیں بعض نے پہلے ضمیر پر مشرکین کی طرف اور دوسری مومنین کی طرف پٹائی ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے اس کے مطابق پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

جو جاری رکھتے۔

”فکھین“ جمع ہے ”فکھ“ کی، یہ صفت ہے مشبہ (اور بروزن خشن ہے) ”فکھہ“ (بروزن قبائل) مذاق اڑانے کے معنی میں ہے اور اصل میں فکھہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی پھل کے ہیں۔ گویا یہ شوخیوں کے مانند ہیں جن سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں اور شیریں اور دوستانہ گفتگو کو فکھہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اہل کا لفظ عام طور پر خاندان اور قریبی رشتہ داروں کے معنی میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہاں زیادہ وسیع معنی رکھتا ہو اور قریبی دوستوں کا بھی احاطہ کرے۔

مومنین کے مقابلہ میں ان کا جو تھا شرارت آمیز طرز عمل یہ تھا کہ وہ جب انہیں دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں (و اذ اراؤ ہم قالوا ان هؤلاء لصائلون) اس لیے کہ وہ بت پرستی اور خرافات، جو کفار میں رائج تھیں، انہیں یہ گمراہ راہ ہدایت خیال کرتے تھے جبکہ مومنین نے انہیں چھوڑ دیا تھا اور توحید کی طرف پلٹ آئے تھے اور کفار کے گمان میں نقد دنیا کی لذت کو مومنین نے آخرت کی خاطر ادھار بیچ دیا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ان مراحل میں ہو جہاں بات مذاق سے آگے بڑھ چکی ہو اور کفار اپنے آپ کو ناچار و مجبور دیکھتے ہوں کہ زیادہ سے زیادہ شدت عمل دکھائیں اس لیے کہ ہمیشہ عظیم پیغمبروں اور نئے دین و آئین کے ظہور کے وقت دشمنوں اور مخالفوں کا یہی طرز عمل ہوتا ہے کہ وہ مذاق اڑاتے تھے۔ گویا وہ نئے دین کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ سنجیدگی سے اس کا سامنا کریں۔ لیکن جب دین خدا آمادہ افراد کے دلوں میں نفوذ کر جاتا اور اس کے بہت سے پیروکار ہو جاتے تو کفار خطرہ محسوس کر کے اس پر سنجیدگی سے اپنا رد عمل ظاہر کرتے اور لڑائی پر شدت سے آمادہ رہتے اور مرحلہ بہ مرحلہ زیادہ شدت اختیار کرتے۔

مندرجہ بالا آیت ان کی انتہائی کوشش کا پہلا مرحلہ ہے جس کی بعد نوبت خوں ریز جنگوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ مومنین عام طور پر ایسے افراد میں سے تھے جن کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی اور وہ دولت مند بھی نہیں تھے، اس بنا پر کفار انہیں جہیم حقارت سے دیکھتے تھے اور ان کے ایمان کو بے قیمت شمار کرتے تھے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ بعد والی آیت میں قرآن کہتا ہے:

”یہ گروہ کفار ان کی زندگی کا (مومنین کی) کبھی بھی محافظ و نگہبان اور متکفل نہیں تھا (وما ارسلوا علیہم حافظین) تو پھر کس حق کی بنا پر اور کون سی منطق کی رُو سے ان پر تنقید اور اعتراض کرتے تھے؟ سورہ ہود کی آیت ۲۷ میں ہم پڑھتے ہیں کہ قوم نوح کے دو متمندوں اور متکبر لوگوں نے آپ سے کہا (وما نراک اتبعک الا الذین ہم اراذلنا بادی الرأی) ”ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تیرا اتباع کیا ہے ذلیل اور سادہ لوح ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتے“ تو ان جناب نے

کفار کے جواب میں کہا: (ولا اقول للذين تزددى اعينكم لن يؤتيموا الله خيرا) (اعلم بما في انفسهم) ”میں بالکل نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تمہاری نظر میں ذلیل و خوار ہیں خدا انہیں خیر نہیں دے گا خدا ان کے دلوں سے زیادہ آگاہ ہے“ (ہود-۳۱)۔

یہ حقیقت میں ان خود پرست اور متکبر افراد کا جواب ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ مومنین کس گروہ سے وابستہ ہیں، تم اپنے طور پر روح دعوت دین اور پیغمبر اسلام کے آئین اور ان کے مجموعہ قوانین کو دیکھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

قیامت میں صورت حال بالکل برعکس ہو جائے گی جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”آج مومنین کفار پر ہنسیں گے“ (فالיום الذين امنوا من الكفار يضحكون)۔ چونکہ قیامت انسان کے دنیاوی اعمال کا رد عمل ہے اور وہاں عدالت الہی کا اجر ہونا ہے اور عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں پاک دل مومن ہٹ دھرم اور مذاق اڑانے والے کافروں پر ہنسیں۔ یہ ان مغرور لوگوں پر ایک قسم کا دردناک عذاب ہے۔

بعض روایات میں رسول خدا سے منقول ہے کہ اس روز جنت کا ایک در کفار کے سامنے کھلے گا اور وہ اس خیال سے کہ جہنم سے آزادی اور جنت میں ورود کا حکم انہیں دے دیا گیا ہے، اس دروازے کی طرف چل پڑیں گے۔ جس وقت اس کے قریب پہنچیں گے وہ دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔ اور یہ کئی مرتبہ ہوگا اور وہ مومنین جو جنت سے ان کا نظارہ کر رہے ہوں گے ان پر ہنسیں گے۔ لہذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

وہ مزین پلنگوں اور تختوں پر بیٹھے ہوتے ہوں گے اور ان مناظر کو دیکھیں گے (على الارائك ينظرون)۔ وہ کن چیزوں کی طرف دیکھیں گے؟۔ خدا کی لامحدود نعمتوں کی طرف، جی ہاں! بے کراں لطافت و کرم کو دیکھیں گے، اس آرام و سکون و عظمت و احترام کو دیکھیں گے (جو انہیں حاصل ہوگا) اور ان دردناک عذابوں کی طرف دیکھیں گے جن میں مغرور و خود پرست کفار انتہائی ذلت اور زبوں حالی کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔

اور پھر اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استفہامیہ جملے کی شکل میں فرماتا ہے: ”کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر اور کاموں کا ثواب لے لیا ہے“ (هل ثوب الكفار ما كانوا يفعلون)۔

۱۔ در المنثور، جلد ۶ ص ۳۲۸ (مختصر سے فرق کے ساتھ)۔

۲۔ اس آیت میں استفہام تقریری ہے۔

یہ بات چاہے خدا کی جانب سے ہو یا فرشتوں کی طرف سے، یا مومنوں کی طرف سے، یہ ایک قسم کا طعن و استہزا ہے ان مغرور و متکبر افراد کے افکار اور دعووں پر جنہیں توقع تھی کہ اپنے بُرے اعمال کے بدلے میں خدا کی طرف سے انعام و اکرام انہیں ملے گا۔ اس غلط گمان اور خیالِ خام کے مقابلہ میں فرماتا ہے:

”کیا انہوں نے اپنے اعمال کا ثواب اور اجر لے لیا ہے، بہت سے مفسرین نے اس جملے کو ایک مستقل جملہ سمجھا ہے جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ یہ گزشتہ آیت کا حصہ ہے یعنی مومنین مبین تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کیا کفار نے اپنے غلط اعمال کا اجر لے لیا ہے۔

جی ہاں! وہ اگر اجر لیں تو شیطان سے لیں، کیا وہ بے نوا گرفتار انہیں کوئی اجر دے سکتے ہیں۔

”ثوب“ (برد زن جو ف) ثوب کے مادہ سے اصل میں کسی چیز کا اپنی پچھلی حالت کی طرف پلٹنا ہے اور ثواب اس اجر کو کہا جاتا ہے جو انسان کو اس کے اعمال کے مقابلہ میں دیتے ہیں، اس لیے کہ اس کے اعمال کا نتیجہ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ لفظ اچھی یا بری جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگرچہ عام طور پر موردِ خیر میں استعمال ہوتا ہے۔

اس لیے اوپر والی آیت ایک قسم کا کفار پر طنز کرتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے اس لیے کہ وہ ہمیشہ مومنین اور آیاتِ خدا کا مذاق اڑاتے تھے لہذا ضروری ہے کہ اس دن اپنے مذاق کی سزا جھگتیں۔

ایک نکتہ

دشمنانِ حق کا مذاق اڑانے کا بزدلانہ حربہ

انبیاء کی طویل تاریخ میں ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ دشمنانِ خدا کا ایک حربہ مومنین کے مقابلہ میں تمسخر و استہزا ہوتا ہے اور آیاتِ قرآنی نے اس موضوع کو بار بار ہمیشہ کیا ہے اور چونکہ تمسخر و استہزا عام طور پر ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو مغرور ہوتے ہیں اور خود کو دوسروں سے بہتر و برتر سمجھتے ہیں اور دوسروں کو چشمِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کافر، ظالم، ہٹ دھرم اور خود پرست اہل ایمان کے مقابلہ میں اس قسم کا حربہ استعمال کریں۔

موجودہ زمانے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ دنیا کے افسوس ناک گروہی معاملات میں کئی شکلوں میں طعن و طنز اور مذاق کی صورت حال کو جاری رکھا جاتا ہے۔ اب بھی کوشش کی جاتی ہے کہ حق کے طرفداروں کو اس قدیمی حربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان چھوڑنے پر مجبور کریں۔ لیکن مومنین ان کے مقابلہ میں خدائی دعووں کی طرف توجہ کر کے، جن کا ایک نمونہ اوپر والی آیت میں آیا ہے آرام و سکون محسوس کرتے ہیں اور تاریک دل مخالفوں کے مقابلہ میں مومنین کے دلوں میں روحِ مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

اصولی طور پر استہزاء، تمسخر، غمزہ (اشارے) ضحک اور ہنسنا، حق کے مقابلہ میں، جس کی طرف مندرجہ بالا آیت میں اشارہ ہوا ہے، یہ سب گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں اور جہالت و غرور کی علامت ہیں ایک نفیم، عاقل اور ہشیار انسان بضرر حال کسی مکتب فکر سے متعلق نہ بھی ہو، کبھی اپنے آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کے حربوں سے کام لے وہ مقابل سے صرف منطقی حربوں سے مقابلہ کرتا ہے۔

خداوندا! ہم سب کو غرور و جہالت اور کبر و نخوت سے محفوظ فرما۔

پروردگارا! ہمیں حق طلبی، حق جوئی اور تواضع کی روح مرحمت فرما۔

بارالہنا! چار نامہ اعمالِ علیین میں قرار دے اور سنجینوں کے زمرہ سے خارج کر دے۔

آمین یا رب العالمین

سورہ مطففین کا اختتام

سُورَةُ النَّاسِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی
اس کی ۲۵ آیتیں ہیں

تاریخ ابتدا شعبان المعظم ۶۰۰ھ بروز ولادت امام حسینؑ

سورہ انشاق کے مضامین اور اس کی تلاوت کی فضیلت

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی دوسری سورتوں کے مانند معاد و قیامت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ شروع میں دنیا کے اختتام اور قیامت کے شروع ہونے کے ہولناک اور دل ہلا دینے والے حوادث کی طرف کچھ اشارے کرتا ہے اور بعد والے مرحلہ میں قیامت، نیکو کاروں اور بدکاروں کے اعمال کا حساب اور ان کی سرفروخت کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے۔

تیسرے مرحلہ میں چند ایسے اعمال و عقائد جو موجب عذاب الہی ہیں، ان کو پیش کرتا ہے اور چھوٹے مرحلہ میں چند قسموں کے بعد انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے مرحلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آخر کار پانچویں مرحلہ میں دوبارہ نیک و بد اعمال اور ان کی سزا و جزا کے بارے میں بات کرتا ہے۔ اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام سے منقول ہے (من قرأ سورۃ انشقت اعادہ اللہ ان یؤتیہ کتابہ وراء ظہرہ)، جو شخص سورہ انشاق کو پڑھے تو خدا قیامت میں اس شر سے اس کو امان میں رکھے گا کہ اس کا نامہ اعمال پس پشت سے دیا جائے۔ کتاب ثواب الاعمال میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جو شخص ان دونوں سورتوں (انفطار و انشاق) کو پڑھے اور نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنا لے تو خدا اس کو اس کی خواہشات تک پہنچائے گا، کوئی چیز اس کے اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ لطف خدا پر نظر رکھے گا اور خدا اس پر نظر رکھے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ اِذَا السَّمَاءُ اُنشَقَّتْ ۙ
- ۲ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وُحُقَّتْ ۙ
- ۳ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ
- ۴ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۙ
- ۵ وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وُحُقَّتْ ۙ
- ۶ يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلِيقِهٖ ۙ
- ۷ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ
- ۸ فَسَوْفَ يُحٰسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ
- ۹ وَيُنْقَلَبُ اِلَى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۙ

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے

- ۱ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔
- ۲ اور اپنے پروردگار کے فرمان کو تسلیم کرے گا اور سزاوار ہے کہ ایسا ہی ہو۔
- ۳ اور جب زمین میں وسعت پیدا ہوگی۔
- ۴ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

- ۵ اور اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرے گی اور ایسا ہی ہونے کے لائق ہے
- ۶ اے انسان! توجیح و تکلیف اور سعی و کوشش کے ساتھ اپنے پروردگار کے طرف جاتے گا اور اس سے ملاقات کرے گا۔
- ۷ لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے
- ۸ عنقریب اس کے لیے آسان حساب ہوگا۔
- ۹ اور وہ خوشحالی کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جائے گا۔

تفسیر

کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی و کوشش

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے آغاز میں ہی عظیم اور عجب دنیا کے اختتام کے حوادث کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

”جب آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور آسمانی اجرام پراگندہ ہو جائیں گے اور نظام کو الٹ دہم و برہم ہو جائے گا، (اذا السماء انشقت)۔“

اس کی نظیر جو سورہ انفطار میں آئی ہے، اس میں فرماتا ہے: (اذا السماء انفطرت و اذا الارض فطرت)۔ جس وقت آسمان میں شکاف پڑ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو جائیں گے اور بکھر جائیں گے (انفطار - ۲۰۱)۔ اور یہ اختتام دنیا اور اس کی خرابی و فنا کا اعلان ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

”اور اس کے پروردگار کا حکم تسلیم کیا جائے گا اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیے (واذنت لربها و حققت)؛ مبادا یہ تصور ہو کہ انسان اس عظمت کے باوجود حکم الہی کا معمولی سا مقابلہ بھی کرے وہ مطیع و فرمانبردار بندے کی طرح ہے، جس کا اس کے حکم کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم ہے۔“

”اذنت“ اصل میں ”اذن“ (بروزن افق) سے جو کان کے معنی میں ہے، لیا گیا ہے اور اس کے

۱۰ اذنا صرف شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: اذا السماء انشقت.... لاقی الانسان ربه فحاسبه و جازاه۔

معنی کان لگا کر سننا ہیں اور یہاں اطاعت فرمان کا کنایہ ہے۔ ”حقت“ حق کے مادہ سے شائستہ لائق اور سزاوار کے معنی میں ہے۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تسلیم خم نہ کرے جبکہ لمحہ بہ لمحہ وجود خدا ہی سے اس کو فیض پہنچ رہا ہو۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ رابطہ منقطع ہو جائے تو ہمیں ختم ہو کر رہ جائے۔

جی ہاں! آسمان و زمین نہ صرف آغاز خلقت میں، سورہ خم سجدہ کی آیت ۱۱ (قَالَتَا اتَيْنَا طَائِعِينَ) کے مطابق، حق تعالیٰ کے فرمان کے مطیع تھے بلکہ عمر کے اختتام میں بھی ایسے ہی ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ”حقت“ کے جملے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی وحشت اور اس کا خوف ایسا ہے کہ سزاوار ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور شکافہ ہو جائیں لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اور بعد والے مرحلہ میں زمین کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور جس وقت زمین کھینچی جائے گی اور وسیع کی جائے گی“ (و اذا الارض مدت)۔ پہاڑ قرآن کی بہت سی آیات کی شہادت کے مطابق مکمل طور پر پراگندہ ہو جائیں گے اور تمام بلندیاں اُد پستیاں ختم ہو جائیں گی، زمین صاف و شفاف، وسیع و عریض اور اپنے صحن میں تمام بندوں کے حضور کے لیے آمادہ ہو جائے گی۔

جیسا کہ سورہ طہ کی آیت ۱۰۵ تا ۱۰۷ میں فرماتا ہے: (و يسئلونك عن الجبال فقل ينفصها ربى نفساً فيذرها قاعاً صفصفاً لا ترى فيها عوجاً ولا امتاعاً)۔ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے میرا پروردگار انہیں ہوا میں اڑائے گا اور برباد کر دے گا پھر زمین کو ہموار اور صاف کرے گا، اس طرح کہ تو اس میں کوئی بلندی و پستی نہیں دیکھے گا اور اس قسم کی دادگاہ و عدالت جس میں اولین و آخرین جمع ہوں، اس کے لیے ایسے میدان کی ضرورت ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا اسی زمین کو قیامت میں اس سے کہیں زیادہ وسیع کر دے گا کہ جس حالت میں اب ہے تاکہ مخلوق کے حشر کے لیے اس میں زیادہ سے زیادہ آمادگی ہو سکے۔

تیسرے مرحلہ میں مزید کہتا ہے: ”زمین اس چیز کو جو اس کے اندر ہے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی“ (والقت ما فيها و تحلت)۔ مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام وہ مژدے جو مٹی اور قبروں میں آرام کر رہے ہیں، اچانک باہر پھینک دیئے جائیں گے اور وہ لباس زندگی زیب تن کریں گے۔

یہ اس کے مشابہ ہے جو سورہ زلزال میں آیا ہے (و اخرجت الارض الثقالها)۔ زمین اپنے

وزنی بوجھ باہر نکالے گی۔ یا جو کچھ سورہ نازعات کی آیہ ۱۳، ۱۴ میں آیا ہے (فانما ہی زجوة واجدة فاذا هو بالساهرة)۔ صرف ایک صبح ہوگا اور اس کے بعد سب کے سب صفحہ زمین پر ظاہر ہو جائیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسانوں کے علاوہ معدنیات اور خزانے جو زمین میں پوشیدہ ہیں سب کے سب زمین سے باہر آجائیں گے۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ زمین کے اندر پگھلا ہوا مواد ہولناک اور وحشت ناک زلزلوں کی وجہ سے کئی طور پر باہر آکر گرے گا اور وہ تمام پستیوں کو پُر کر دے گا اس کے بعد زمین کے اندر کا حصہ بالکل خالی اور ساکن ہو جائے گا۔

ان معانی کے درمیان جمع میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

”اس کے بعد زمین اپنے پروردگار کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور شائستہ و لاغنی ہے کہ سر تسلیم خم کرے“ (واذنت لربها وحققت)۔ یہ عظیم حوادث جو تمام موجودات کے سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، ایک طرف تو اس دنیا کے فنا ہونے کو بیان کرتے ہیں، زمین و آسمان، انسانوں، خزانوں اور گنجینوں کی فنا، اور دوسری طرف عالم آفرینش میں نئے عالم ہستی کے ایجاد کی دلیل ہیں۔ اور تیسرے خداوند عظیم و بزرگ کی ہر چیز پر خصوصاً معاد و قیامت پر قدرت کی نشانی ہیں جی ہاں! جب یہ حوادث واقع ہوں تو انسان اپنے نیک و بد اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ (یہ ایسا جملہ ہے جو تقدیر میں ہے)۔ اس کے بعد انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور اس راہ میں چھو ان کی سرنوشت ہے، ان کے لیے واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے انسان تُو سبھی و کوشش اور رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے اور آخر کار اس سے ملاقات کرے گا“ (یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فاعلایقہ)۔ ”کدح“ (بروزن مدح) سعی و کوشش کے معنی میں ہے جو رنج و تعب کے ہمراہ ہو اور جسم و جان پر اثر انداز ہو۔ اسی لیے سخت محنت کرنے والے بیل کو جس میں کام کرنے کے آثار ظاہر ہوں، ”ثورینہ کدوح“ سمجھتے ہیں۔

تفسیر کشاف، فخر رازی اور روح المعانی میں آیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں اس خراش کے معنی میں ہے جو کھال پر لگ جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کوششوں پر جو روح انسانی پر اثر انداز ہوں اس کا اطلاق ہوا ہے۔

یہ آیت ایک بنیادی اصل کی طرف اشارہ ہے جو تمام انسانوں کی حیات میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی ہمیشہ زحمت اور رنج و تعب اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اگر مقصود صرف متاع دنیا تک

پہنچنا ہی ہو تب بھی بچ جائیکہ مقصود آخرت، سعادت جاوداں اور قرب پروردگار ہو۔
 دنیاوی زندگی کی یہ طبیعت اور اس کا یہ مزاج ہے۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو انتہائی خوش حالی
 سے عمر گزارتے ہیں وہ بھی رنج و زحمت اور درد و تکلیف سے بچے ہوتے نہیں۔
 پروردگار کی ملاقات کی تعبیر سے یہاں مراد چاہے قیامت کے منظر کا دیکھنا ہو، جو اس کی حاکمیت
 مطلقہ کا منظر ہے، یا اس کی جزا و سزا کا آنا سامنا ہو، یا شہود باطن کے طریقہ سے خود اس کی ملاقات ہو۔
 اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ رنج و تعب اس دن تک جاری رہے گا اور اس وقت ختم ہوگا جب اس
 دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور انسان پاکیزہ عمل کے ساتھ اپنے خدا سے ملاقات کرے گا۔
 جی ہاں رنج و تعب کے بغیر راحت و آرام صرف وہم ہے۔ ”انسان“ کے لفظ سے خطاب جو
 ساری نوع انسانی پر حاوی ہے، (انسان کی انسانیت پر انحصار کی طرف توجہ کرتے ہوئے) اس
 حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ خدا نے ضروری یہ توانائیاں اس اشرف المخلوقات میں پیدا کی ہیں اور
 عزوان رب پر انحصار اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سعی و کوشش انسانیت کے تکامل و تربیت کے
 نظام الاوقات کا ایک جز ہے۔

جی ہاں ہم سب مسافر ہیں جنہوں نے سرحد عدم سے رخصت سفر باندھا ہے اور اقلیم وجود میں قدم
 رکھا ہے۔ ہم سب اس کی راہ عشق کے راہ رو ہیں اور دوست کے رُخ انور کی مقناطیسی کشش کی بنا
 پر آئے ہیں۔

اس تعبیر کی نظر قرآن کی دوسری آیات میں بھی آئی ہے مثلاً (وان الی ربك المنتہی)
 اور یہ کہ تمام امور تیرے پروردگار کی طرف لوٹتے ہیں اور تمام خطوط اسی پر منتهی ہوتے ہیں (نجم - ۲۲)
 نیز فرماتا ہے:

(والی اللہ المصیر) ”سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے“ (فاطر - ۱۸)۔ اور دوسری آیات
 سب یہ بتاتی ہیں موجودات کے تکامل کا یہ راستہ خداوند متعال کی طرف جاتا ہے لیکن یہاں تمام انسان
 دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

”لیکن یہ شخص جس کا نام اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، عنقریب اس کا آسان حساب
 کتاب ہوگا“ (فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حساباً یسرّاً)۔ اور وہ مسرور
 ہو کر اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ جائے گا (وینقلب الی اہلہ مسروراً)۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو
 آفرینش کے مدارِ اصلی میں، وہی مدار جو خدا نے اس انسان کے لیے اس کے سرمایوں، طاقتوں اور
 توانائیوں کے لیے معین کیا ہے، حرکت کرتے ہیں اور ان کی سعی و کوشش ہمیشہ خدا کے لیے ہے اور
 ان کی حرکت خدا کی طرف ہے۔

وہاں ان کا نام اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے۔ ان کے اعمال کی پاکیزگی، ایمان کی صحت اور قیامت میں نجات کی علامت ہے اور اہل محشر کے مقابلہ میں سرفرازی و سربلندی کا سبب ہے۔

جس وقت میزان عدل کے نیچے کھڑے ہوں گے، وہ میزان جو کم سے کم میزان کو تولتی ہے تو خدا ان کا حساب کتاب آسان کر دے گا، ان کی لغزشوں سے درگزر کرے گا اور ایمان و عمل صالح کی وجہ سے ان کی سبتات کو حسنت میں تبدیل کر دے گا۔

یہ کہ حساب لیسیر سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد سہل و آسان حساب ہے جس میں سخت گیری و دقت نہ ہو، برائیوں سے درگزر اور حسنت کا اجر ہو۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے: (ثلاث من كن فيه حاسبه الله حساباً يسيراً و ادخله الجنة برحمته قالوا ما هي يا رسول الله؟ قال تعطي من حرمك و تفضل من قطعك و تعفو عن ظلمك) تین چیزیں جس شخص میں موجود ہوں خدا اس کے حساب کو آسان کر دے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اس کو عطا کرے جو تجھے محروم کرے، اس سے صلہ رحم کرے جو تجھ سے قطع رحم کرے اور اس کو معاف کرے جو تجھ پر ظلم کرے۔

یہ مفہوم روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب میں دقت و سخت گیری انسانوں کی عقل و دانش کی میزان سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں (انشاء اوراق الله العباد في الحساب يوم القيامة على ما اتاهم من العقول في الدنيا) خدا قیامت میں بندوں کے حساب کتاب میں اس عقل کی مقدار کے مطابق جو دنیا میں بندہ کو دی گئی ہے، سخت گیری کرے گا۔

لفظ اہل کے لیے مندرجہ بالا آیات میں مختلف تفسیریں بیان ہوئی ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی بیوی اور ایمان دار اولاد ہے۔ مومنین جنت میں ان کے پاس پہنچیں گے اور یہ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان جن سے محبت رکھتا ہے انہیں جنت میں دیکھے اور ان سے قریب رہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے اہل کو جنت کی حوروں کے معنی میں لیا ہے جو مومنین کے لیے ہیں۔

۱۔ مجمع البیان، زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

۲۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۳۷۔

ہوتی ہیں بعض نے اسے صاحبانِ ایمان افراد کے معنی میں لیا ہے جن سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔
ان تمام معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک ایسی حدیث جس میں اعجاز ہے

ایک حدیث میں اذا السماء انشقت کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا (انھا تنشق من المجرۃ) (ستارے) ککشاؤں سے الگ ہو جائیں گے۔
یہ حدیث پر معنی اور قابلِ وقعت ہے اور علمی معجزات میں شمار ہوتی ہے اور ایسی حقیقت پر سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اس زمانہ کے ماہرین و علماء میں سے کوئی اس تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانے کے ماہرینِ فلکیات نے اپنے نجوم سے متعلق مشاہدات اور دور بینوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عالم ککشاؤں کا مجموعہ ہے اور ہر ککشاں شمسی نظاموں اور ستاروں کا مجموعہ ہے۔ اسی بنا پر انہیں ستاروں کے شہر کا نام دیتے ہیں۔

ککشاں مشہور شہر کا راستہ ہے جو آنکھ سے نظر آسکتا ہے اور نظامِ ہائے شمسی اور ستاروں کے عظیم مجموعہ اور دائرہ کی مانند ہے۔ اس کی ایک سمت ہم سے اس قدر دور ہے کہ اس کے ستارے ہم کو سفید بادل کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن وہ درحقیقت ایک دوسرے سے نزدیک نورانی نقطوں کا مجموعہ ہیں۔ وہ سمت جو ہم سے نزدیک ہے اس کے ستارے قابلِ رویت ہیں۔ یہ وہی ستارے ہیں جو رات کے وقت ہم آسمان پر دیکھتے ہیں اور اس طرح ہمارا نظامِ شمسی سوائے اس ککشاں کے اور کچھ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو ککشاں سے جدا ہو جائیں گے اور سب کا نظام درہم درہم ہو جائے گا۔
اس زمانے میں کون جانتا تھا کہ یہ ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں واقعی اس ککشاں کا جز ہیں سوائے اس شخص کے جس کا دل عالمِ غیب سے مربوط ہو اور علمِ خدا کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہو۔

۲۔ دنیا رنج و تکلیف اور دکھ درد کا گھر ہے

”کادح“ کی تعبیر جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہے اور اس سعی و کوشش کی طرف اشارہ ہے جس

میں رنج و زحمت کی آمیزش ہو، اس طرف توجہ رکھتے ہوئے کہ اس کے مخاطب تمام انسان ہیں اس واقعیت کو پیش کرتی ہے کہ اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی نہیں ہے۔

چاہے یہ مشکلات و تکالیف جسمانی ہوں چاہے روحانی اور فکری یا دونوں کسی فرد کو اس سے سزا نہیں ہے۔ حضرت علی ابن الحسین کی ایک بہت ہی پُر معنی حدیث ہے: (الراحة لخلق في الدنيا ولاهل الدنيا انما خلقت الراحة في الجنة ولاهل الجنة والتعب والنصب خلقا في الدنيا ولاهل الدنيا وما اعطى احد منها جفنة الا اعطى من الحرص مثليها ومن اصاب من الدنيا اكثر كان فيها اشد فقرا لانه يفتقر الى الناس في حفظ امواله وفتقر الى كل آلة من آلات الدنيا فليس في غنى الدنيا الراحة) راحت و آرام دنیا میں اہل دنیا کے لیے نہیں ہے راحت و آسائش صرف جنت میں ہے اور اہل جنت کے لیے ہے۔ رنج و تعب دنیا میں ہیں اور اہل دنیا کے لیے پھرا کیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے جو ایک پیمانہ اس میں سے حاصل کر لیتا ہے تو دُکنا لالچ اس کے نصیب میں شامل ہو جاتا ہے اور جس کے پاس مالی دنیا کافی ہے وہ زیادہ فقیر ہے، کیونکہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے سلسلہ میں دوسروں کا محتاج ہے اور زیادہ وسائلِ حفاظت کا محتاج ہے لہذا دنیا کے مال و دولت میں کوئی راحت و آرام نہیں ہے۔

اس کے بعد امام نے اس حدیث کے ذیل میں فرمایا: (كلا ما تعب اولياء الله في الدنيا للدنيا بل تعبوا في الدنيا للآخرة) اولیائے خدا دنیا میں دنیا کی خاطر رنج و تعب میں نہیں مبتلا ہوتے بلکہ دنیا میں ان کا رنج و تعب آخرت کے لیے ہے۔

۱۰. وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝
 ۱۱. فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝
 ۱۲. وَيَصْلِي سَعِيرًا ۝
 ۱۳. إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝
 ۱۴. إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۝
 ۱۵. بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

ترجمہ

۱۰. اور رہا وہ شخص جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے پیچھے کی طرف سے دیا گیا۔
 ۱۱. تو عنقریب اس کی فریاد بلند ہوگی کہ دلتے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔
 ۱۲. اور وہ جہنم کی آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا۔
 ۱۳. وہ اپنے گھر والوں کے درمیان (کفر و گناہ کے سبب) مسرور تھا۔
 ۱۴. وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔
 ۱۵. جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے مقابلہ میں بینا تھا۔

تفسیر

وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامہ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے
 اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں اصحاب الیمین (وہ مومنین جن کا نامہ اعمال ان کے
 دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا) کے بارے میں گزر چکی ہے، ان آیات میں کفار مجرمین اور ان کے نامہ اعمال
 کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”باقی رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا“ (واما من اذقی کتابہ وراء ظہرہ)۔ عنقریب وہ فریاد کرے گا کہ واٹے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہو گیا (فسوف یدعوا ثبوتاً)۔ ”اور آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا“ (ویصلی سعیراً)۔

یہ کہ ان کے نامہ اعمال کس طرح ان کے پس پشت سے دیں گے اور کس طرح یہ آیت اور وہ آیات جو کہتی ہیں کہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے، ایک جگہ جمع ہوں گی، اس سلسلہ میں مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ گردن کے ساتھ زنجیر سے بندھے ہوں گے اور ان کے نامہ ہائے اعمال بائیں ہاتھ اور پشت کے پیچھے سے ملیں گے جو ذلت و خواری سر نیچے رکھنے اور شرمساری کی علامت ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ قیدیوں کی طرح پیچھے باندھ دیئے جائیں گے بعض دوسروں نے کہا ہے کہ سورہ نسا کی آیت ۷۴ کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو کہتی ہے: (من قبل ان نطمس وجوہاً فزودھا علی اذبارھا)۔ ”اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں اور پشت کی طرف پھیر دیں“ اس طرح گروہ مجرمین کے منہ عقب کی جانب مڑ جائیں گے اور ضروری ہے کہ وہ اپنے نامہ ہائے اعمال خود پڑھیں۔ لہذا وہ ان کے بائیں ہاتھ میں پشت کی جانب انہیں دیں گے۔

لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اصحاب الیمین سرفرازی اور فخر و مباہات کے ساتھ اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں لے کر پکارتے ہوئے پکار کر کہیں گے (ہاؤم اقروا وکتا بیہ) ”اے اہل محشر آؤ اؤ میرا نامہ اعمال لے کر پڑھو“ (حادثہ - ۱۹)۔ لیکن جب گنہگاروں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ شرمساری اور ذلت سے اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے کر لیں گے تاکہ جرم کی سند کم تر دیکھی جاتے۔

لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ دلال کوئی چیز پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے (یدعوا ثبوتاً) اس تعبیر کی طرف اشارہ ہے جو عرب کسی خطرناک حادثہ کے موقع پر کرتے ہیں اور فریاد بلند کرتے ہیں (واثبورا)، یعنی اے واٹے کہ میں ہلاک ہو گیا۔

توجہ فرمائیں کہ ”ثبور“ ہلاکت کے معنی میں ہے لیکن یہ آہ و نالہ و فریاد کسی کے کان تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد (ویصلی سعیراً) ہے یعنی وہ جہنم کی جلانے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اس کے بعد اس مخصوص سر نوشت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ہمیشہ اپنے (کفر و گناہ کی وجہ سے) خوش رہتا تھا (انہ کان فی اہلہ مسروراً)، ایسا سرور جس میں غرور کی آمیزش تھی اور ایسا غرور جو غفلت اور خدا سے بے خبری کو اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا، ایسا غرور جو دنیا کے ساتھ شدید وابستگی اور موت کے

بعد والے جہان سے بے پرواہی کی نشانی تھا۔

واضح رہے کہ ذاتی طور پر سرور و خوش حالی مذموم چیز نہیں ہے بلکہ مومن کو چاہیے کہ لطفِ خدا سے سرور ہو اور رہنے سمنے کے انداز میں ہشاش بشاش ہو۔ وہ سرور و خوشی مذموم ہے جو ان کو یادِ خدا سے غافل کر دے اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دے۔

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”یہ اس بنا پر ہے کہ وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا اور معاد و قیامت کا کوئی امکان نہیں ہے“ (انہ ظن ان لن یحور) بحقیقت میں اس کی بدبختی کا سبب اصلی اس کا اعتقادِ فاسد اور گمانِ باطل تھا، جس کا دار و مدار انکارِ قیامت پر تھا۔ یہی اعتقاد اس کے غرور و سرور کا باعث ہوا۔ اس نے اس کو خدا سے دور کیا اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ انبیاء کی دعوتِ فکر کا مذاق اڑاتا اور جب اپنے گھر والوں کے پاس آتا تو اس مذاق سے خوش ہوتا۔

یہی مفہوم سورہ مطففین کی آیت ۳۱ (واذا انقلبوا الی اہلہم انقلبوا فکھین) میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح قارون، اس مغرور دولت مند اور خدا سے بے خبر انسان کی داستان میں بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے باخیر افراد اس سے کہتے تھے (لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین) اس قدر متکبرانہ طور پر خوش نہ ہو کیونکہ خدا خوش ہونے والے مغروروں کو دوست نہیں رکھتا (قصص-۶۶) ”لن یحور“ کبھی واپس نہیں لوٹے گا، ”یحور“ ”حور“ (بروزن غور) کے مادہ سے تردد اور آمد و رفت کے معنی میں ہے، خواہ یہ آمد و رفت عمل میں ہو یا فکر و نظر میں۔ اسی لیے پانی کے حوض اور تالاب میں گردش کرنے کے سلسلہ میں اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور محور اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے گرد چرخ گھومتا ہے۔ مجاورہ بحث کی آمد و رفت اور رد و بدل کے معنی سے ہے اور ”حوار“ بھی انہی معانی میں ہے اور کبھی اس داد کے معنی میں بھی آتا ہے جو بحث کے دوران بلند ہوتی ہے اور تحیر بھی کسی مسئلہ میں فکر کی آمد و رفت کا نتیجہ ہے جس کا لازمہ عمل میں سرگردانی ہے۔

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس لفظ کی اصل حبشی ہے۔ اور ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ میں قرآن کے اس جملے کے معنی نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ ایک بیابانی عرب سے میں نے سنا کہ وہ اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا ”حوری“ یعنی واپس آ جا رہا ہے۔

حواری کی تعبیر حضرت عیسیٰ کے نزدیک رہنے والوں کے بارے میں ہے، یا ہر شخص کے قریب بیٹھنے والوں کے متعلق بھی شاید اسی مناسب سے ہے کہ وہ اس کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ بعض نے

اسے "حور" کے مادہ سے دھونے اور سفید کرنے کے معنی میں سمجھا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے دلوں کو شکر و گناہ کے رنگ سے پاک و صاف کرتے تھے اور جنت کی حوروں کو اسی لیے یہ نام دیا گیا ہے کہ ان کا رنگ سفید ہے، یا ان کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ جنت کی حوروں کے لیے اس لیے بولا جاتا ہے کہ وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ آنکھ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ لیکن بہر حال یہ لفظ زیر بحث آیت میں بازگشت اور معاد کے معنی میں ہے۔

یہ آیت ضمنی طور پر یہ بھی بتاتی ہے کہ قیامت پر ایمان نہ رکھنا، غفلت، غرور اور انواع و اقسام کے گناہوں میں آلودہ ہونے کا سرچشمہ ہے اور آخری زیر بحث آیت میں ان کے باطل عقائد کی نفی میں فرماتا ہے:

"جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے بارے میں بیٹا تھا (بلی ان ربہ کان بہ بصیر)۔ اس کے تمام اعمال کو لکھوایا اور روز حساب کے لیے ایک نامہ اعمال میں انہیں محفوظ کیا۔ اس آیت کی تعبیر گزشتہ آیت ریا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ کی مانند عقیدہ و معاد پر دلیل و حجت شمار ہو سکتی ہے۔

خصوصاً دونوں آیات میں رب یعنی پروردگار کے عنوان پر انحصار ہوا ہے، اس لیے کہ انسان کی سیرا تقابل یعنی پروردگار تک پہنچنے کا عمل ہوتے کے آنے پر منقطع نہیں ہوتا اور دنیاوی زندگی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ خود مقصود تکامل ہو نیز انسان کے اعمال کے بارے میں خدا کا بصیر ہونا اور ان اعمال کو تحریر کیا جانا حساب و سزا و جزا کی تمہید ہی بن سکتا ہے، ورنہ فضول ہے۔

- ۱۴ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝
- ۱۷ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝
- ۱۸ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝
- ۱۹ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبِقٍ ۝
- ۲۰ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝
- ۲۱ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝
- ۲۲ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ ۝
- ۲۳ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝
- ۲۴ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝
- ۲۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

ترجمہ

- ۱۴ شفق کی قسم۔
- ۱۷ اور رات کی قسم اور جسے وہ جمع کرتی ہے۔
- ۱۸ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ بدرِ کامل ہوتا ہے۔
- ۱۹ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو۔
- ۲۰ پس وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟
- ۲۱ اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔

- ۲۲) بلکہ کفار ہمیشہ آیات الہی کی تکخیر کرتے ہیں۔
- ۲۳) خدا اس چیز کو جسے وہ دل میں چھپائے رکھتے ہیں، اچھی طرح جانتا ہے۔
- ۲۴) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے۔
- ۲۵) مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیے ہیں تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

اس بحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں خدا کی طرف سے انسان کی سیر تکامل کے بارے میں آئی تھی ان آیات میں اس مفہوم کی تاکید اور مزید توضیح کے لیے فرماتا ہے:

”قسم ہے شفق کی“ (فلا اقسام بالشفق)۔ اور قسم ہے ان پر اگندہ امور کی جنہیں وہ اکٹھا کرتی ہے (واللیل وما وسق)۔ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ کامل ہوتا ہے اور چودھویں کے چاند کی صورت اختیار کر لیتا ہے (والقمر اذا اتسق)، کہ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو (لترکبن طبقاً عن طبق)۔

فلا اقسام کے جملے میں لا کا لفظ، جیسا کہ پہلے بھی ہم نے اشارہ کیا ہے، زائد ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ نفی کے لیے ہو یعنی میں قسم نہیں کھاتا اس بنا پر کہ مفہوم عیاں ہے۔ قسم کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہ مطلب اس قدر اہم ہے کہ ان قسموں کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ کہ امور جن کی قسم کھائی گئی ہے اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے لیکن پہلے معنی (زائد اور تاکید کے لیے ہونا) زیادہ مناسب ہیں۔

”شفق“ مفردات میں راعب کے بقول دن کی روشنی کا رات کی تاریکی سے آمیختہ ہونا ہے۔ اس لیے لفظ اشفاق اس توجہ اور عنایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس میں خوف کا عنصر پایا جاتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی فرد کسی شخص کے لیے محبت کے جذبات رکھتا ہو اور اس کے بارے میں کچھ حادثہ سے ڈرتا ہو تو اس حالت کو اشفاق اور ایسے شخص کو مشفق کہتے ہیں۔

لیکن فخر رازی کا نظریہ ہے کہ شفق کا لفظ اصل میں رقت اور نازک ہونے کے معنی میں ہے۔ رقت

کے معنی پتلا ہونا ہے۔ اسی لیے بہت ہی نازک اور پتلے لباس کو شفق کہتے ہیں اور شفقت کا لفظ رقت قلب کی حالت کے لیے بولا جاتا ہے (لیکن رغب کا قول زیادہ صحیح نظر آتا ہے)۔
بہر حال شفق سے مراد وہی روشنی ہے جو آغاز شب کی تاریکی کی آمیزش رکھتی ہو اور چونکہ ابتدائے شب میں ایک کم رنگ کی سرخی افق مغرب پر پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی جگہ سفیدی لے لیتی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ شفق کا اطلاق اس سرخی پر ہے یا سفیدی پر۔

علاوہ مفسرین کے درمیان مشہور و معروف وہ پہلے ہی معنی ہیں اور اشعار عرب میں بھی اسی پر انحصار کیا گیا ہے اور شفق کو شیدوں کے خون سے تشبیہ دیتے ہیں اور (دماء الشهداء) کہتے ہیں۔
لیکن بعض مفسرین نے دوسرے معنی کو منتخب کیا ہے جو بہت ضعیف نظر آتے ہیں خصوصاً یہ کہ اگر اس کی لغوی اصل کے معنی ہم رقت سمجھیں تو پھر اس کم رنگ کی سرخی سے مناسبت رکھتے ہیں جو سورج کی رقیق اور پتلی روشنی اور نور ہے۔

بہر حال چونکہ شفق کا تصور دنیا میں ایک گہری تبدیلی اور دگرگونی کی حالت کی خبر دیتا ہے اور دن کے اختتام اور رات کے آغاز کا اعلان کرتا ہے، اس کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کا جلوہ زیبائی اور خوبصورتی ہے اور ان سب سے قطع نظر نماز مغرب کا وقت ہے، لہذا خدا نے نماز مغرب کے وقت کی قسم کھائی ہے تاکہ سب لوگوں کو خبردار اور آمادہ کرے کہ وہ اس خوبصورت آسمانی وجود کے بالے میں غور و فکر کریں۔

باقی رات کی قسم کھانا تو وہ ان بہت سے آثار و اسرار کی بنا پر ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس پر ہم پہلے مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔
”ما و سق“ کی تعبیر اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”وسق“ بھری ہوئی چیزوں کے جمع کرنے کے معنی میں ہے، اور مختلف قسم کے جانوروں، پرندوں، یہاں تک کہ انسانوں کے اپنے گھروں، آشیانوں اور گھونسلوں کی طرف رات کے وقت لوٹنے کی طرف اشارہ ہے جس کا نتیجہ جانوروں کا عمومی آرام و سکون اور آسائش ہے اور یہ رات کے اہم آثار و اسرار میں سے ایک شمار ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مؤمن کی

۱۔ تفسیر نمونہ، جلد ۹ ص ۱۲۳ سورہ قصص کی آیت ۷۱ تا ۷۳ سے رجوع فرمائیں۔

۲۔ ”ما و سق“ میں ما موصولہ ہے اور اس کے مصدر یہ ہونے کا احتمال ضعیف ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی محذوف ہے اور تقدیر میں ”وما و سقہ“ ہے۔

۳۔ ”وسق“ (بروزن غضب) اونٹ کے ایک بار یا ساٹھ صاع جس کا ہر صاع تقریباً تین کلو ہے کے معنی میں آیا ہے اور وہ بھی ان سب کے مجتمع ہونے کے معنی میں ہے۔

آیت ۶۱ میں ہم پڑھتے ہیں (اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ) ، خدا وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لیے خلق کیا ہے تاکہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اذا اتسق کی تعبیر اسی مادہ سے ہے اور مختلف وجودوں کے جمع ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں چودھویں رات کے چاند کی روشنی کے کمال کے معنی میں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ چاند اس حالت میں بہت ہی خوبصورت لگتا ہے اور ہر دیکھنے والی آنکھ کو دل کش نظر آتا ہے اس کا نور صفحہ زمین کو روشن کرتا ہے۔ اس کے ہلکے رنگ کی روشنی جو رات کے آرام و سکون کو خراب نہیں کرتی، رات کے مسافروں کو راستہ دکھاتی ہے اسی لیے وہ خدا کی عظیم آیات میں سے ایک آیت ہے۔ اسی بنا پر اس کی قسم کھائی گئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ چاروں موضوعات جن کی ان آیات میں قسم کھائی گئی ہے (شفق، رات اور وہ موجودات جنہیں رات جمع کرتی ہے اور چودھویں رات کا چاند)۔

یہ سب ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک ایسے خوبصورت مجموعہ کو تشکیل دیتے ہیں جو انسانی فکر میں تحریک پیدا کرتا ہے تاکہ وہ تخلیق کی عظیم قوت پر غور و فکر کرے اور ان تیز تبدیلیوں سے وقوع قیامت اور قدرت خدا کے بارے میں آشنائی حاصل کرے قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف امور کا یہ حصہ ایسے حالات اور تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے جو عالم آفرینش میں ایک دوسرے کے ساتھ رونما ہوتی ہیں۔

سولج چہرہ پر نقاب ڈالتا ہے تو شفق ظاہر ہو جاتی ہے جو اس کے نور کا بقیہ ہے۔ انسان پرند چرند بڑی تیزی سے اپنے ٹھکانوں اور آشیانوں کی طرف لوٹتے ہیں اور چاند بدرکامل کی شکل میں بلند ہوتا ہے۔

توجہ فرمائیں کہ چودھویں کا چاند رات کے اسی ابتدائی حصے میں طلوع ہوتا ہے اور ان قسموں کو "لترکبن طبقاً عن طبق" کے اس جملے کی تمہید قرار دیتا ہے جو مختلف ایسے حالات کو بیان کرتا ہے جو انسان اپنی راہ حیات میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے۔ اس جملے کے لیے مفسرین نے مختلف تعبیریں بیان کی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔

۱۔ مراد وہ گونا گوں حالات ہیں جو انسان خدا اور کمال مطلق کی جانب سفر کرنے کے پرمشقت راستے میں پیدا کرتا ہے۔ پہلے عالم دنیا ہے پھر عالم برزخ ہے اور پھر قیامت اور اس کے مختلف حالات ہیں۔ (توجہ فرمائیں کہ "طبق" "مطابقہ" کے مادہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر قرار دینے کے معنی میں ہے اور ان منزلوں کے معنی میں ہے جنہیں انسان اپنی سیر صعودی میں طے کرتا ہے)۔

۲۔ مراد وہ حالات ہیں جنہیں انسان کو نطفہ سے لے کر موت تک کے سفر میں سامنا کرنا ہوتا ہے

بعض محققین نے ایسی ۳۷ حالتیں شمار کی ہیں۔

۳۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان دنیاوی زندگی میں صحت و بیماری، غم و اندوہ سرور و مسرت، سختی و آرام اور صلح و جنگ کی صورت میں دوچار ہوتا ہے۔

۴۔ مراد وہ مختلف حالات و شدائد ہیں جن سے انسان قیامت میں دوچار ہوگا یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہو کر ہر شخص اپنے اعمال کے نتیجے میں دوزخ اور جنت کی طرف جائے گا۔

۵۔ مراد وہ حالات ہیں جو گزشتہ قوموں کو پیش آئے یعنی وہی تلخ و شیریں حوادث اور انواع و اقسام کی تردیدیں اور مخالفین کے انکار اس امت میں بھی واقع ہوں گے یہ مضمنا میں ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل ہوئے ہیں۔

ان تفسیروں کا جمع ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ آیت ان تمام تبدیلیوں، تغیرات اور مراحل کی طرف اشارہ کر رہی ہو جنہیں انسان اپنی زندگی میں دیکھتا ہے۔ بعض مفسرین یہاں مخاطب خود پیغمبرؐ کو سمجھتے ہیں اور آیت کو ان آسمانوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جن سے پیغمبر اسلامؐ معراج کی شب گزرے ہیں۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ”لتوکلین“ میں جو ”ب“ ہے اس پر پیش ہے اور جمع کے معنی دیتا ہے، اس لیے یہ تفسیر مناسب ہے خصوصاً یہ کہ گزشتہ آیات میں بھی مخاطب کل انسان تھے۔ بہر حال ان حالات کا حدوث اور آمدی کا ایک حالت پر قیام نہ کرنا، ایک تو اس کے مخلوق ہونے اور محتاج خالق ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ ہر متغیر حادثہ ہے اور ہر حادثہ کو خالق کی ضرورت ہے، دوسرے اس جہان کے ناپائیدار ہونے کی دلیل ہے۔

تیسرے انسان کی پروردگار عالم کی طرف حرکت مستمر مسئلہ معاد و قیامت کی نشانی ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں آیا تھا (یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ) اس کے بعد گزشتہ مباحث سے ایک نتیجہ کلی اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایمان کیوں نہیں لاتے، (فما لہم لا یؤمنون)“ اس کے باوجود کہ حق کے دلائل واضح و آشکار ہیں، توحید و خدا شناسی کے بھی اور معاد و قیامت کے بھی۔

آیات آفاقی بھی جو رات دن کی خلقت اور چاند سورج، نور و ظلمت، طلوع و غروب، آفتاب و شفق، رات کی روشنی اور رات کی روشنی کے تکامل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور آیات انفسی بھی۔ اس لمحے سے لے کر جب انسان کا نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے اور یکے بعد دیگرے مختلف مراحل طے کرتا ہے یہاں تک کہ عالم جنین میں اپنے اوج کمال کو پہنچتا ہے، اس کے بعد ولادت کے لمحے سے لے کر موت تک دوسرے مراحل طے کرتا ہے تو ان واضح نشانیوں کے باوجود نوع بشر ایمان کیوں نہیں لاتی۔

اس کے بعد کتابِ تحوین سے کتابِ حق کی طرف رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ خضوع اختیار کیوں نہیں کرتے؟“ (واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون)۔

قرآن جو آفتاب کے مانند اپنی دلیل آپ ہے، نورِ اعجاز اس کے مختلف پہلوؤں سے عیاں ہے، پھر اس کے مضامین و شمولات یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسے وحی کے سرچشم سے لیا گیا ہے۔

قرآن کے بارے میں ہر غیر جانبدار یہ جانتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن کسی انسان کے دماغ کی تخلیق ہو۔ پھر انسان بھی ایسا جس نے کبھی کوئی سبق نہ پڑھا ہو اور ایک ایسے ماحول میں اس کی زندگی بسر کی ہو جو خرافات و ظلمات سے پُر ہو۔ یہاں سجدہ سے مراد خضوع تسلیم اور اطاعت ہے لہٰذا اور وہ مشہور سجدہ جس میں پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں، اس مفہوم کلی کا ایک مصداق ہے۔ اور شاید اسی بنا پر بعض روایات میں آیا ہے کہ جب پیغمبر نے ان آیات کی تلاوت فرمائی تو سجدہ کیا۔

البتہ فقہائے اہلبیت کے مشہور فتوے کے مطابق یہ سجدہ قرآن کے مستحب سجدوں میں سے ہے اور اہل تسنن کے چاروں مذاہب اس آیت کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنا واجب سمجھتے ہیں، سوئے امام مالک کے جن کا نظریہ ہے کہ سورہ کے ختم ہونے کے بعد سجدہ کرنا چاہیے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”بلکہ کفار ہمیشہ آیاتِ الہی اور معاد و قیامت کی تکذیب کرتے ہیں“ (بل الذین کفروا یکذبون)۔ یہاں فعل مضارع کا استعمال جو عام طور پر استمرار کے لئے ہوتا ہے، ان معانی کا گواہ ہے کہ وہ اپنی تکذیب پر مُصر تھے اور یہ ایسا اصرار تھا جو محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے تھا۔ ان کی تکذیب ایسی نہیں تھی کہ انہیں اس کے لیے دلیلیں نہیں مل سکی تھیں بلکہ تعصب، اندھی تقلید، مادی منفعتوں کی حفاظت اور شیطانی خواہشات کی تسکین کے لیے تھی۔

اس کے بعد تہدید آمیز لہجے میں فرماتا ہے: ”خدا اسے اچھی طرح جانتا ہے جسے وہ اپنے دل کے اندر پنہاں رکھتے ہیں“ (واللہ اعلم بما یوعون)۔ خدا ان کی نیتوں، مقاصد اور ایسی ترغیبات سے جو مسلسل تکذیبوں کا سبب بنتی ہیں، باخبر ہے۔ وہ چاہے کتنی ہی پردہ پوشی کیوں نہ کریں، انجام کار اس پر

ان معانی کے شواہد میں سے گزشتہ اور آئندہ آیات کی شہادت کے علاوہ ایک یہ ہے کہ سجدہ جس کے معنی تلاوتِ قرآن کے زمین پر پیشانی رکھنا ہے ہوائے چند آیات کے زواجب ہے نہ مستحب اس لیے یہ جو کہہ رہا ہے کہ قرأتِ قرآن کے وقت وہ سجدہ کیوں نہیں کرتے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ سے مراد سارے قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اس کی سزا ملے گی۔

”یوعون“ ”وعاء“ کے مادہ سے ظرف اور برتن کے معنی میں ہے، جیسا کہ حضرت علیؑ کی مشہور عبارت سے بیچ البلاغہ میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان هذه القلوب اوعیة فخیرها اوعلها) یہ دل ظروف ہیں اور ان میں سے بہترین

دل وہی ہے جس کی حفاظت اور ظرفیت زیادہ ہو۔

بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے“ (فبشرهم بعذاب الیس)۔ بشارت کی تعبیر جو عام طور پر خوشخبری کے لیے استعمال ہوتی ہے یہاں ایک قسم کے طعن اور سرزنش کے طور پر ہے۔

درحقیقت وہ اس طرح مومنین کو جنت کی وسیع نعمتوں کی بشارت دیتا ہے تاکہ تکذیب کرنے والے دوزخی حسرت و اندوہ میں ڈوب جائیں۔ اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استثناء کی شکل میں ایک مرتبہ پھر نیک عمل مومنین کی سرنوشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے اجر و ثواب ہے، ایسا اجر جو ثابت شدہ اور منقطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے“ (الا الذین امنوا و عملوا الصالحات لهم اجر غیر ممنون)۔

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے نقصان و انقطاع کے معنی میں آیا ہے اور منت کے معنوں میں بھی۔ (لفظ ممنون جو موت کے معنوں میں ہے وہ بھی اسی مادہ سے ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب معانی یہاں جمع ہوں، اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں دنیاوی نعمتوں کے برعکس، جو ناپائیدار اور نقصان پذیر بھی ہیں اور عام طور پر غیر مطلوب عوارض کی آمیزش رکھتی ہیں، کسی قسم کی منت نقصان، فنا اور غیر مطلوب عوارض نہیں رکھتیں۔ وہ جاودانی ہیں، نقصان ناپذیر ہیں اور ہر قسم کے نامناسب امور اور منت و احسان سے مبتلا ہیں۔ یہ استثناء متصل ہے یا منقطع، مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے۔

بعض نے یہ احتمال تجویز کیا ہے کہ استثنائے منقطع ہے یعنی کفار کے حالات کی تشریح جو گزشتہ آیات میں تھی اس کو چھوڑ کر مومنین کے جاودانی اجر کی بات کرتا ہے لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ استثناء متصل ہو اور مقصد یہ ہو کہ کفار کے سامنے بازگشت کی راہ کھولے اور انہیں یہ بتائے کہ جو لوگ توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور اعمال صالح انجام دیں، ان سے عذاب دائمی اٹھایا جائے گا اور انہیں ایسا اجر دیا جائے گا جو دائمی ہوگا اور جس میں نقصان کا کوئی پہلو نہ ہوگا۔

ایک نکتہ

مروجہ طبری صحیح البیان میں اس سورہ کی آخری آیات سے پہلے تو اختیار اور ارادہ کی آزادی کی

اصل کا فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے کہ مجبور افراد کے بارے میں ترکِ سجدہ اور ترکِ ایمان پر ملامت کرنا خداوند حکیم کے لیے ایک امر قبیح ہے اور وہ جو یہ فرماتا ہے: (فما لهم لا يؤمنون واذ اقرئ علیہم القرآن لا یسجدون) مسئلہ اختیار پر واضح دلیل ہے۔ اور پھر ترکِ سجدہ پر ملامت کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ کفار جس طرح اصولِ دین کے مکلف ہیں اسی طرح فروعِ دین کے بھی مکلف ہیں۔ (یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب لفظِ سجدہ مذکورہ بالا آیت میں نماز والے سجدے کے معنی میں ہو یا کم از کم وسیع معانی رکھتا ہو جس میں سجدہ نماز بھی شامل ہے)۔

خداوندا! جس دن سب لوگ تیری داد گاہِ عدل میں حاضر ہوں گے ہم پر حساب آسان کر دیجو۔

پروردگارا! اس راہ میں جہاں تمام بندے تیری طرف سفر کرتے ہیں صراطِ مستقیم طے کرنے میں ہماری مدد فرما۔

بارالہا! ہم تیرے قرآنِ کریم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ الانشقاق۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی
اس میں ۲۲ آیتیں ہیں

سورہ بروج کے مضامین اور اس کی فضیلت

ابتداءً بعثت کے زمانے میں مومنین (مکہ میں) بہت سخت رنج و تکلیف اور دباؤ کی حالت میں تھے اور ہمیشہ دشمنوں کی طرف سے جسمانی اور روحانی اذیتوں میں گرفتار رہتے تھے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ راہ ایمان کو خیر باد کہہ دیں۔

اس سلسلہ میں ایک گروہ نے صورتِ حال کا مقابلہ کیا لیکن بعض کمزور افراد دشمنوں کے مقت بلکہ مین شکستہ دل ہو کر راہ ایمان سے پلٹ گئے۔ اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکی ہے یوں نظر آتا ہے کہ اس کا مقصد اصلی مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا ہے۔ یہ سورہ ان مومنین کو پامردی اور استقامت کا شوق دلاتا ہے۔

اس صورتِ حال کے حوالے سے پروردگار عالم اس سورہ میں اصحابِ اخذود کے واقعہ کو نقل کرتا ہے وہی لوگ جنہوں نے خندق کھودی، اس میں بہت زیادہ آگ جلائی اور مومنین کو اس آگ میں جلاسنے کی دھمکی دی اور ایک گروہ کو اس آگ میں جلایا لیکن انہوں نے راہ ایمان کو خیر باد نہیں کہا۔ پھر اس سورہ کے دوسرے حصہ میں ان کافروں کو تنبیہ کرتا ہے جنہوں نے مومنین پر دباؤ ڈال رکھا تھا اور انہیں جہنم کے جلائے والے عذاب کی خبر دیتا ہے جبکہ جنت کے پُر نعمت باغات کی مومنین کو بشارت دیتا ہے۔

بعد والے حصہ میں انہیں گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور فرعون و ثمود اور دیگر ظالم اقوام کی داستانیں ان کی نگاہوں کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عذابِ الہی نے انہیں کس طرح نابود کر دیا لہذا کفارِ مکہ جو ان کی نسبت بہت کمزور تھے اپنا اندازہ لگالیں نیز یہ کہ یہ صورتِ حال پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسلی کا سبب بھی ہو۔

اس سورہ کے آخری حصہ میں قرآن مجید کی عظمت اور وحیِ الہی کی سب سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسی مفہوم پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ سورہ مومنین کو ظالموں کے مقابلہ میں پامردی، استقامت اور صبر و شکیبائی کا درس دیتا ہے۔ اس کی آیتوں کے اندر نصرتِ الہی کا وعدہ بھی چھپا ہوا ہے۔ اس سورہ کا جو بروج نام رکھا گیا ہے وہ اس لفظ کی وجہ سے ہے جو اس کی پہلی آیت میں آیا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ :

(من قرأ هذه السورة اعطاه الله من الاجر بعدد كل من اجتمع في جمعة وكل

من اجتمع في يوم عرفة عشر حسنات وقرأتها تنجي من المخاوف والشدائد)

”جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو خداوندِ عالم اسے ان افراد کی تعداد سے جو نمازِ جمعہ میں جمع

ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے جو یوم عرفہ میں عرفات میں جمع ہوتے ہیں، دس گنا حسنت دیتا ہے اور اس کی تلاوت انسان کو خوف و ہراس اور مصائب سے رہائی بخشتی ہے۔
اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "شاہد مشہود" کی ایک تفسیر روز جمعہ اور روز عرفہ ہے، نیز اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ سورہ مصیبتوں کے مقابلہ میں مومنین کی مقادمت کو بیان کرتی ہے، لہذا اس اجرد و ثواب کی مناسبت سورہ کے مضامین سے واضح ہو جاتی ہے اور حتمی طور پر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام اجرد و ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو اسے پڑھیں، اس میں غرور و منکر کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝

۲ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝

۳ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝

۴ قَتَلَ اصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝

۵ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝

۶ اِذْ هُمْ عَلٰی مَا قُعُوْدٌ ۝

۷ وَهُمْ عَلٰی مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝

۸ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

الْحَمِيْدِ ۝

۹ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے

۱ قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔

۲ اور قسم ہے اس موعود دن کی۔

۳ اور شاہد و مشہود کی (شاہد سے مراد پیغمبر اور اعمال کے گواہ ہیں اور مشہود سے

مراد اعمال ہیں)۔

- ۴ موت اور عذاب ہو ایذا دینے والے اصحابِ اخذ و پر (آگ کی خندق)۔
- ۵ شعلہ اور آگ سے پُر خندقیں۔
- ۶ جس وقت وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے۔
- ۷ اور جو کچھ وہ مومنین کی نسبت انجام دیتے تھے (سرد مہری سے) اسے دیکھ رہے تھے۔
- ۸ انہیں کوئی اعتراض ان (مومنین) پر نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خداوند عزیز و حمید پر ایمان لاتے تھے۔
- ۹ وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

تفسیر

مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے

ہیں معلوم ہے کہ بھٹی کے مسلمان ابتدا میں سخت فشار اور دباؤ میں تھے اور دشمن ان کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو جائز سمجھتے تھے اور جیسا کہ ہم نے سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے نزول کا مقصد ان ایذا پہنچانے والے کفار کو خبردار کرنا ہے کہ وہ ماضی کی اپنے سے مشابہت رکھنے والی اقوام کے لوگوں کی سرنوشہ کو پیش نظر رکھیں، اور ساتھ ہی یہ سورہ موجودہ مومنین کی تسلی، دلداری اور تقویتِ روحانی کا باعث اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک درس بھی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”قسم ہے آسمان کی جس کے جہت سے بروج ہیں“ (والسماوات البروج) بروج ’برج‘ کی جمع ہے جس کے معنی اصل میں قصر اور محل کے ہیں۔

بعض مفسرین نے اسے ظاہر و آشکار شے کے معنوں میں لیا ہے اور بلند و بالا عمارت کو اس نام سے منسوب کرنے کا سبب ان کے ظاہر ہونے کو قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر شہر کے اطراف کی دیوار کے ایک خاص حصہ کو اور لشکر کے جمع ہونے کی جگہ کو جو نمایاں ہوتی ہے برج کا نام دیا جاتا ہے اور جب عورت اپنی زینت کا

اظہار کرے تو اسے برجبت المراتہ کہا جاتا ہے بلکہ

آسمانی برج یا تو آسمان کے درختاں اور روشن ستاروں کے معنی میں ہے یا آسمانی شکلوں اور صورتوں کے معنی میں ہے یعنی ستاروں کا ایسا مجموعہ جو ہماری نظروں کے اعتبار سے موجودات زمین میں سے کسی ایک سے مشابہت رکھتا ہے اور بارہ برج بارہ فلکی شکلیں ہیں۔ سورج اپنے سالانہ سفر میں سے ہر ماہ ان میں سے ایک برج کی حدود میں گزارتا ہے البتہ سورج حرکت نہیں کرتا۔ زمین اس کے گرد گردش کرتی ہے لیکن نورانی آتا ہے کہ سورج حرکت کر رہا ہے اور ان فلکی صورتوں میں سے کسی ایک کے سامنے آ گیا ہے۔

ان معانی میں سے جو بھی ہوں وہ عظیم ہیں اور پھر ان کی عظمت بھی ایسی ہے جو غالباً اس زمانے میں عربوں پر واضح نہیں تھی لیکن موجودہ زمانے میں ہمارے لیے جانی پہچانی ہے۔ اگرچہ زیادہ ہی نظر آتا ہے کہ مراد وہی آسمانی ستارے ہوں۔ ایک حدیث میں منقول بھی ہے کہ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے: "اور قسم ہے اس موعود دن کی" (قیامت کا دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے)۔ (والیوم الموعود)۔ وہی دن جس کی تمام انبیاء اور پیغمبروں نے خبر دی ہے اور وہی دن قرآنی آیتیں جس کے ثبوت کے طور پر ہیں، وہی دن جو اولین و آخرین کی وعدہ گاہ ہے اور وہی دن کے حساب کا فیصلہ ہونا ہے۔

تیسری اور چوتھی قسم میں فرماتا ہے: "اور قسم ہے شاہد مشہود کی" (روشاہد و مشہود)۔ شاہد مشہود سے کیا مراد ہے اس کی علماء نے بہت سی تفسیریں کی ہیں جو تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ شاہد سے مراد پیغمبر اسلام کی ذات گرامی ہے جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے: (یا ایہا النبی انما انزلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً) "اے پیغمبر تم نے تجھے شاہد، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے بھیجا ہے" (احزاب - ۴۵)۔ اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (ذالک یوم یجوز فیہ الناس و ذالک یوم مشہود) قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع ہوں گے وہ مشہور طور پر

بعض محققین کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ فارسی لفظ "بزر" سے لیا گیا ہے جو ہندی بزرگی اور شکوہ کے معنی رکھتا ہے۔ برہان قاطع اور اس کے حاشیہ کی حاشیہ کے مطابق یہ بارہ صورتیں عبارت ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حمل۔ ان کے ترتیب سے گوسفند، بیل، دبوچے جو اخروٹ کھیل رہے ہیں، کیڑا، شیر، خوشہ، ترازو، بچھو، کمان، بگڑی اور مچھلی کی شکلیں ہیں۔

اور آشکار دن ہے۔ (ہود - ۱۰۳)۔

۲۔ شاہد سے مراد انسان کے اعمال کے گواہ ہیں مثلاً اس کے جسم کے اعضاء و جوارح جیسا کہ سورہ نور کی آیت ۲۴ میں ہمیں ملتا ہے (یوم تشهد علیکم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون) وہ دن جس میں ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ لہذا مشہود سے مراد انسان اور اس کے اعمال ہیں۔

۳۔ شاہد کے معنی جمعہ کا دن ہے جو نماز کے بہت ہی اہم مراسم کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتماع کا شاہد ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن ہے کہ بیت اللہ الحرام کے زائرین اس دن کے شاہد و ناظر ہیں۔ ایک روایت میں پیغمبر اسلام، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

۴۔ شاہد عید قربان کا دن ہے اور "مشہود" عرفہ کا دن ہے (جو عید قربان سے ایک دن پہلے ہے)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اس نے کسی کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے اور رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اس شخص سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو اس نے کہا، شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہاں سے ہٹ کر ایک دوسرے شخص کے پاس گیا وہ بھی رسول اللہؐ سے حدیث نقل کر رہا تھا تو میں نے اس آیت کی تفسیر اس سے بھی پوچھی تو اس نے کہا کہ شاہد جمعہ کا دن اور مشہود عید قربان کا دن ہے۔ اس سے ہٹ کر میں ایک نوجوان کے پاس گیا جو خوبصورت تھا اور رسول خداؐ ہی سے حدیث بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مجھے بتا، تو اس نے کہا: "شاہد محمد ہیں اور مشہود قیامت کا دن ہے۔ کیا تو نے سنا نہیں کہ خدا کہتا ہے:"

(یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً) اور یہ بھی نہیں سنا کہ خدا کہتا ہے: (ذالک یوم

مجموع لہ الناس و ذالک یوم مشہود)

میں نے سوال کیا کہ پہلا شخص کون تھا، لوگوں نے بتایا ابن عباس، دوسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا عبداللہ بن عمر اور تیسرے کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ وہ حنین بن علی علیہ السلام تھے۔

۵۔ شاہد سے مراد راتیں اور دن ہیں اور مشہود سے مراد اولاد آدم جن کے اعمال کی وہ گواہی دیں گے، جیسا کہ امام زین العابدینؑ کی صبح و شام کی دعا میں ہم پڑھتے ہیں (ہذا یوم حادث جدید و هو علینا شاہد عتید ان احسننا و دعنا ب محمد و ان اسأنا فارقتنا ب ذنب) یہ نیا دن ہے جو ہمارے اعمال کا شاہد ہے اگر ہم نیکی کریں تو

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۲۶۶۔

۲۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔ یہی مضمون البر الفتح رازی اور طبرسی نے بھی اپنی تفسیروں میں نقل

کیا ہے۔

حمد و سپاس کے ساتھ ہم کو الوداع کے گا اور اگر برائی کریں تو مذمت کرتا ہوا ہم سے جدا ہوگا۔

۶۔ شاہد سے مراد ملائکہ اور مشہود سے مراد قرآن ہے۔

۷۔ شاہد سے مراد حجر الاسود اور مشہود سے مراد حجاج حرم میں جو اس کے پاس آتے ہیں اور اس پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

۸۔ شاہد مخلوق اور مشہود حق تعالیٰ ہے۔

۹۔ شاہد سے مراد امت اسلامی اور مشہود سے مراد دوسری امتیں ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳ میں آیا ہے۔
(لنكونوا شهداء على الناس) مقصد یہ ہے کہ تم دوسری امتوں پر گواہ نہ ہو۔

۱۰۔ شاہد پیغمبر اسلام ہیں اور مشہود باقی تمام انبیاء ہیں۔ سورہ نسا کی آیت ۴۱ میں گواہی ہے (وجئنا بک علی ہؤلاء شہیداً) اس دن ہم تجھے دوسرے انبیاء کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

۱۱۔ شاہد پیغمبر اور مشہود حضرت علی ہیں۔

البتہ اس آیت کی گزشتہ آیتوں سے مناسبت اس کو قبول کرتی ہے کہ روز قیامت کے مشہود اور گواہوں کی طرف اشارہ ہو عام اس سے کہ وہ پیغمبر اسلام ہوں یا باقی انبیاء اپنی امتوں کے مقابلہ میں، یا ملائکہ ہوں یا بدلنا انسانی کے اعضاء و جوارح یا رات دن یا کچھ امور اور مشہود سے مراد انسان ہوں یا ان کے اعمال۔

اسی طرح بہت سی تفسیریں ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گی اور ایک مجموعی مفہوم میں ان کا خلاصہ ہو جائے گا۔ لیکن روز جمعہ، روز عرفہ اور روز عید جیسی تفسیریں ان معانی سے الگ ہیں، اگرچہ وہ بھی روز محشر کے مشہود اور انسانوں کے اعمال کے گواہ ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک ایسا بڑا ہجوم دن ہے جو اس دنیا میں قیامت کا ایک منظر شمار ہوتا ہے۔

اس بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ شاہد و مشہود کے وسیع مفہوم میں یہ سب شامل ہوں۔ اور یہ قرآن کی عظمت کی ایک نشانی ہے کہ اس میں اس قسم کے وسیع مفہوم ہیں جو مختلف اور کافی تفسیروں کو اپنے اندر جگہ دیتے ہیں، اس لیے کہ شاہد ہر قسم کے گواہ کہتے ہیں اور مشہود ہر اس چیز کو جس کی گواہی دی جائے۔ پھر یہ دونوں نکرہ کی شکل میں بیان ہوئے ہیں جو اس شاہد اور مشہود کی عظمت کی طرف اشارہ ہے جو اوپر والی تفسیروں میں منعکس ہوا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایک لطیف و عمدہ تعلق ان چار حصوں کے درمیان اور اس مطلب کے درمیان، جس کی قسم کھائی گئی ہے، موجود ہے۔ آسمان، درختاں ستارے اور اس کے موزوں برج سب کے سب نظم و حساب کی نشانی ہیں اور یوم موعود حساب و کتاب کا واضح منظر ہے شاہد و مشہود بھی اسی حساب کی نکتہ رسی کا ذریعہ ہیں۔

پھر یہ تمام قسمیں اس لیے ہیں کہ ایذا پہنچانے والے ظالموں کو نبردوار کرے کہ سچے مومنین کے ساتھ کیے جانے والے ان کے تمام مظالم مثبت و ضبط ہیں اور یوم موعود کے لیے انہیں محفوظ کیا گیا ہے اور وہ مشہور جنوں نے تمہارے جسم کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، عام اس سے کہ وہ فرشتے ہوں یا تمہارے جسم کے اعضاء و جوارح یا رات دن یا اور اس قسم کی اشیاء، وہ سب ان کاموں کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں اور قیامت میں وہ گواہی دیں گے۔
اس لیے ان قسموں کے بعد فرماتا ہے: ”موت اور عذاب تشدد کرنے والوں پر ہو،“ (قتل اصحاب الاخذ وود)۔ ”وہی خندقیں جو آگ اور لکڑیوں سے پُر تھیں جن میں سے بڑے بڑے شعلے نکل رہے تھے“ (النار ذات الوقود)۔ ”جس وقت وہ اس آگ کی خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے (سرد مہری سے) (اذہم علیہما تعود)۔“ اور جو کچھ وہ مومنین کے بارے میں انجام دے رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ” (وہم علی ما يفعلون بالمؤمنین شہود)۔

”اخذ وود“ مفردات میں، راعب کے بقول زمین وسیع و عمیق اور کھلے ہوئے شکاف کے معنی میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں بڑی بڑی خندقوں اور گڑھوں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ”اخاذید“ ہے اور اصل انسان کے خد سے لی گئی ہے جو انسان کی ناک کے دونوں طرف دائیں اور بائیں دو دھنسی ہوئی جگہوں کے معنی میں ہے۔ (رضار) اور گریہ کرتے وقت اس پر آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اس کے بعد بطور کنایہ اس گڑھے پر اس کا اطلاق ہوا ہے جو زمین پر ظاہر ہو (پھر ایک حقیقی معنی کی شکل اختیار کر گیا ہے)۔ یہ کہ یہ اذیت دینے والا گروہ کون تھا اور کس زمانے میں تھا، مفسرین اور ارباب تاریخ اس سلسلہ میں مختلف نظریات کے حامل ہیں جن کی تشریح انشاء اللہ آیات کے ذیل میں نکات کی بحث میں آئے گی۔ لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ انہوں نے آگ کی بہت بڑی بڑی خندقیں بنا رکھی تھیں۔

وہ مومنین کو مجبور کرتے تھے کہ اپنے ایمان سے دستبردار ہو جائیں۔ مومنین جس وقت ان کے سامنے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو وہ انہیں جلانے والی ان بھٹیوں میں ڈال کر آگ لگا دیتے تھے۔
”وقود“ اصل میں اس مادہ کے معنی میں ہے جس سے وہ آگ لگاتے تھے (لکڑیاں وغیرہ) اور ذات الوقود کی تعبیر اگرچہ ایندھن کی محتاج ہوتی ہے لیکن یہاں اس سے آگ بھڑکانے والے مواد کی کثرت کی طرف اشارہ ہے، جسے وہ استعمال کرتے تھے اور جس کی آگ طبعی طور پر بہت زیادہ اور تیز ہوتی تھی۔

۱۔ اس بنا پر جو اس قسم یہاں معذرت ہے اور قتل اصحاب الاخذ وود کا جملہ یا ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات اس پر دلالت کرتے ہیں اور تقدیر میں اس طرح ہے اقسام بھذہ الامور ان الذین فتنوا المؤمنین و المؤمنات معذبون ملعونون کما لعن اصحاب الاخذ وود۔ میں ان امور کی قسم کھاتا ہوں جن لوگوں نے مومنین مرد و عورت کو مصیبت میں ڈالا وہ ملعون و معذب ہیں جس طرح خندق والے معذب تھے۔

یہی وجہ ہے، کہ جسے بعض مفسرین نے سمجھا ہے کہ وقود کے دو معنی ہیں، ایک ایندھن اور دوسرے شعلہ اور انہوں نے افسوس کیا ہے کہ مفسرین و مترجمین نے اس نکتہ کی طرف توجہ کیوں نہیں کی۔ اس آیت (اذہم علیہما قعود) اور اس کے بعد کی دوسری آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک گروہ انتہائی سردہری سے بیٹھا ہوا تھا اور اس تشدد کو دیکھ رہا تھا اور لذت حاصل کر رہا تھا جو خود ان کی انتہائی قسادت اور سخت دل ہونے کی نشانی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ گروہ مذہب حق سے مومنین کو روگرداں کرنے پر مامور تھا۔ بعض نے انہیں دو گروہوں پر مشتمل سمجھا ہے، ایک اذیت دینے والا اور دوسرا تماشہ دیکھنے والا اور چونکہ دیکھنے والے تشدد کرنے والوں کے اعمال سے راضی تھے لہذا اس فعل کی ان سب کی طرف نسبت دی گئی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ اس قسم کے کام میں ایک گروہ ہمیشہ کام کرنے والا ہوتا ہے اور ایک دیکھنے والا۔

علاوہ ازیں ان کے سرغننے عام طور پر حکم دیتے ہیں اور کارندے نچلے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا اور تشدد کے عمال کی نگرانی کر رہا تھا کہ وہ متعلقہ کام سے کسی قسم کی روگردانی نہ کریں اور بادشاہ کے سامنے گواہی دیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھایا ہے۔ اس گروہ کی تشکیل ان مختلف گروہوں سے بھی بعید نظر نہیں آتی۔ لہذا ان تمام تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یفعلون کا جملہ فعل مضارع کی شکل میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل ایک مدت تک استمرار رکھتا تھا اور کوئی یک محنت ہونے والا حادثہ نہیں تھا۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے، ”وہ تشدد کرنے والے ان مومنین پر سواتے اس کے اور کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے کہ وہ خداوند عزیز و حکیم پر ایمان لائے ہوئے تھے“ (وما نقموا منهم آلا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید)۔

جی ہاں! ان کا جرم اور گناہ صرف خدائے واحد و یگانہ دیکتا پر ایمان تھا۔ خداوند قادر جو ہر قسم کی ستائش کے لائق اور ہر قسم کے کمال کا جامع ہے، تو کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے یا ہر قسم کے شعور و شائستگی۔ محروم بتوں پر ایمان رکھنا کوئی گناہ یا جرم ہے؟

”نقموا“، ”نقم“ (بروزن قلم) کے مادہ سے کسی چیز کا انکار کرنے یا اسے عیب لگانے کے معنی میں ہے۔ زبانی طور پر عیب لگانا یا کسی قسم کی عملی طور پر سزا دینا، یہ دونوں پہلو اس کے معنی میں داخل ہیں۔ اسی مادہ سے انتقام چلے یہ بات طے شدہ ہے کہ اس قسم کا کام ایک بڑے اور واضح گناہ کے مقابلہ میں سرانجام پاتا ہے، نہ کہ پروردگار عالم پر ایمان لانے کے سلسلہ میں۔

اس قسم کے اقدام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ قوم جو یہ کام کر رہی تھی اس کا تمدن نہایت پست اور بگڑا ہوا تھا، جیسا کہ ان کے نزدیک ایک افتخار و اعزاز والا کام عظیم ترین جرم و گناہ تھا۔ بہر حال یہ چیز سورہ مادہ کی آیت ۵۹ میں آئی ہے کہ جادو گروں نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے اور

زعون کی طرف سے تشدد اور قتل کی دھمکی کے بعد اس سے کہا کہ (هل تفتعون منا الا ان امنا بالله) تو تم سے صرف اس وجہ سے انتقام لے رہا ہے کہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں۔

» عزیزین، طاقتور اور شکست نہ کھانے والے اور حمید ہر قسم کی تعریف و توصیف کے قابل اور ہر قسم کے کمال کے حامل کی تعبیر حقیقت میں ان کے جرائم کا جواب ہے اور ان کے برخلاف ایک دلیل ہے یعنی کیا اس قسم کے خدا پر ایمان لانا جرم و گناہ ہے۔

صنعتی طور پر یہ بھی واضح ہے کہ یہ بات تشدد کرنے والے کے لیے پورے دور تاریخ میں ایک قسم کی تہدید و تنبیہ بھی ہے کہ خداوند عزیز و حمید ان کی ٹھین گاہ میں ہے۔ اس کے بعد وہ عظیم معبود اپنے دو اور اوصاف کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

» وہی خدا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لیے ہے اور جو ہر چیز کا گواہ ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے (الذی له ملک السماوات والارض واللہ علی کل شیء شہید)۔

حقیقت میں یہ چار اوصاف ایسے ہیں جو عبودیت کے لیے قابلیت کو مسلم کر دیتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو قادر و توانا ہے ہر قسم کے کمال کا حامل ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ یہ چیز مومنین کے لیے بشارت بھی ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں وہ ان کے صبر و استقامت کو دیکھتا ہے اور ان کے ایثار و قربانی اور فداکاری کا اسے علم ہے۔

ایسی صورت حال ان کو قوت، توانائی اور احساس نشاط عطا کرتی ہے دوسرے یہ ان کے دشمنوں کے لیے تہدید اور دھمکی ہے کہ اگر خدا ان کے کام میں مانع نہیں ہوتا تو یہ اس کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آزمائش اور امتحان کی وجہ سے ہے اور انجام کار یہ ظالم اپنے گناہ کے نتیجے میں دردناک عذاب کا تلخ مزہ چکھیں گے۔

چند نکات

۱۔ اصحاب اُخدود کون لوگ تھے؟

ہم بتا چکے ہیں اُخدود عظیم گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے اور یہاں بڑی بڑی خندقیں مراد ہیں جو آگ سے پڑھتیں تاکہ تشدد کرنے والے اس میں مومنین کو پھینک کر جلائیں۔ یہ حقیقت کہ یہ واقعہ کس قوم سے متعلق ہے اور کس وقت معرض وجود میں آیا اور کیا یہ ایک خاص معین و مقرر واقعہ تھا یا دنیا کے مختلف علاقوں کے اسی قسم کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے،

مفسرین و مورخین کے درمیان اس موضوع پر اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ سرزمینِ مین کے قبیلہ حمیر کے ذوناس نامی بادشاہ کے دور کا ہے۔

لے حمیرین کے مشہور قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ذونواس جو حیر نامی قبیلہ سے متعلق تھا یہودی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا پورا قبیلہ بھی یہودی ہو گیا۔ اس نے اپنا نام یوسف رکھا۔ ایک عرصہ تک یہی صورت حال رہی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نے اسے خبر دی کہ سرزمین نجران (بین کا شمالی حصہ) میں ابھی تک ایک گروہ نصرانی مذہب پر قائم ہے۔ ذونواس کو ہم مسلک لوگوں نے اُسے اس بات پر ابھارا کہ اہل نجران کو دین یہود کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

وہ نجران کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے وہاں کے رہنے والوں کو اکٹھا کیا اور دین یہود ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے اصرار کیا کہ وہ اس دین کو قبول کریں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور شہادت قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے دین کو خیر باد نہ کہا۔ ذونواس کے حکم پر اس کے حامیوں نے ایک بہت بڑی خندق کھودی اس میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ لگا دی۔ ذونواس اور اس کے ساتھیوں نے ایک گروہ کو پکڑ کر اس آگ میں زندہ جلا یا اور ایک گروہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس طرح آگ میں جلنے والوں اور مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ بردار و گیر سے پنج کر نصاریٰ بنی نجران کا ایک آدمی قیصر روم کے دربار میں جا پہنچا۔ اس نے وہاں ذونواس کی شکایت کی اور اس سے مدد طلب کی۔ قیصر نے کہا تمہاری سرزمین نجران سے دور ہے بادشاہ حبشہ کو خط لکھتا ہوں جو عیسائی ہے اور تمہارا ہمسایہ ہے میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کرے۔

پھر اس نے خط لکھا اور حبشہ کے بادشاہ سے نصاریٰ نجران کے عیسائیوں کے خون کا انتقام لینے کی خواہش کی وہ نجرانی شخص بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس گیا۔ نجاشی اس سے یہ تمام ماجرا سن کر بہت متاثر ہوا اور سرزمین نجران میں شعلہ دین مسیح کے خاموش ہو جانے کا اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے ذونواس سے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اس مقصد کے پیش نظر حبشہ کی فوج بین کی طرف روانہ ہوئی اور ایک گھسان کی جنگ کے نتیجے میں اس نے ذونواس کو شکست فاش دی اور ان میں سے بہت سے افراد کو قتل کیا۔ جلد ہی نجران کی حکومت نجاشی کے قبضہ میں آگئی اور نجران حبشہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس خندق کا طول چالیس ذراع (ہاتھ) تھا اور اس کا عرض بارہ ذراع تھا (ایک ذراع تقریباً آدھا میٹر ہے اور بعض اوقات گز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو تقریباً ایک میٹر ہے) بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سات گڑھے تھے جن میں سے ہر ایک کی وسعت اتنی ہی تھی جتنی اوپر بیان ہوئی ہے۔

۱۔ تفسیر علی بن ابراہیم فی جلد ۲ ص ۲۱۴۔

۲۔ قصص قرآن بلاغی، ص ۲۸۸۔

۳۔ تفسیر روح المعانی اور ابوالفتح رازی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

مندرجہ بالا واقعہ تاریخ و تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ مجلہ دیگر کتب کے عظیم مفسر طبری نے مجمع البیان میں، ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر میں، فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں، آلوسی نے روح المعانی میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں زیر بحث آیات کے ذیل میں اسی طرح ہشام نے اپنی سیرۃ (جلد اول ص ۳۵) میں اور ایک دوسری جماعت نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو تحریر کیا ہے۔

جو کچھ ہم نے تحریر کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ تشدد کرنے والے بے رحم افراد آخر کار عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور ان سے اس خونِ ناحق کا انتقام دنیا ہی میں لیا گیا اور عاقبت کا عذاب جہنم ابھی ان کے انتظار میں ہے۔

انسانوں کو جلانے والی یہ بھٹیاں جو یہودیوں کے ہاتھ سے معرض وجود میں آئیں، احتمال اس امر کا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہ پہلی آدم سوز بھٹیاں تھیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قسم کی قسوت ادبے رحمی کا خود یہودی بھی شکار ہوئے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت زیادہ لوگ مہلکہ کے حکم سے آدم سوز بھٹیوں میں جلاتے گئے اور اس جہان میں بھی عذابِ حریق کا شکار ہوئے۔

علاوہ ازیں ذونواس یہودی، جو اس منحوس اقدام کا بانی تھا، وہ بھی اپنی بد اعمالی کے انجام سے نزیح سکا۔ جو کچھ اصحابِ اخدود کے بارے میں درج کیا گیا ہے یہ مشہور و معروف نظریات کے مطابق ہے لیکن اس ضمن میں کچھ اور روایات بھی موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اصحابِ اخدود صرف یمن میں ذونواس ہی کے زمانے میں نہیں تھے۔ بعض مفسرین نے تو ان کے بارے میں دس قول نقل کیے ہیں۔

ایک روایت حضرت امیر المؤمنین علیؑ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب مجوسی تھے جو اپنی کتاب پر عمل کرتے تھے۔ ان کے بادشاہوں میں سے ایک نے اپنی بہن سے مباشرت کی اور خواہش ظاہر کی کہ بہن سے شادی کو جائز قرار دے لیکن لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بادشاہ نے ایسے بہت سے مومنین کو جنہوں نے یہ بات قبول نہیں کی تھی چلتی ہوئی آگ کی خندق میں ڈلوادیا۔

یہ فارس کے اصحابِ الاخدود کے بارے میں ہے۔ شام کے اصحابِ الاخدود کے بارے میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ وہاں مومنین رہتے تھے اور آنتیا حوس نے انہیں خندق میں جلا دیا تھا۔

بعض مفسرین نے اس واقعہ کو بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر حضرت دانیالؑ کے اصحاب و انصار کے ساتھ مربوط سمجھا ہے جس کی طرف تورات کی کتاب دانیال میں اشارہ ہوا ہے اور تعلیمی نے بھی اخدود فارسی کو انہی پر منطبق کیا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ اصحابِ اخدود میں یہ سب کچھ اور ان جیسے دوسرے لوگ شامل ہوں اگرچہ اس کا مشہور و معروف مصداق سرزمین یمن کا ذونواس ہی ہے۔

۲۔ حفظِ ایمان کے سلسلہ میں استقامت

ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں ماضی و حال دونوں میں خداکاری کی بہت درخشاں مثالیں ہیں۔ تابعِ انسانی بہت سے ایسے افراد کا پتہ دیتی ہے جنہوں نے اس راستے میں جامِ شہادت نوش کیا ہے اور سولی کی رس اور جلادوں کی تلواروں کو بوسہ دیا ہے اور پروانہ وار تشدد کرنے والوں کی روشن کی ہوئی آگ میں جلے ہیں جن میں سے صرف ایک گروہ کا نام و نشان تاریخ میں محفوظ ہے۔

آسیہ زن فرعون کی داستان ہم نے سنی ہے جو موسیٰ بن عمران پر ایمان لانے کی ذبح سے ان تمام شدہ ائمہ سے دوچار ہوئی اور جس نے انجامِ کار اس راہ میں اپنی جان جانِ آفرین کی بارگاہ میں پیش کی۔

ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ خدا نے حبشہ کے لوگوں میں سے ایک پیغمبران پر مبعوث کیا وہ لوگ اس پیغمبر کی تکذیب پر آمادہ ہوئے۔ ان کے درمیان جنگ ہوئی۔ آخر کار ان لوگوں نے اس پیغمبر کے اصحاب میں سے ایک گروہ کو قتل کیا اور ایک گروہ کو اس پیغمبر سمیت گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایک جگہ آگستار کی اور لوگوں کو اس کے قریب بلایا اور کہا جو شخص ہمارے دین پر ہے وہ ایک طرف ہو جائے اور جو اس گروہ کے دین پر ہے وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے۔ پیغمبر کے وہ مقید ہمراہی آگ میں کودنے پر ایک دوسرے سے سخت کرتے تھے۔ اس موقع پر ایک عورت آئی جس کی گود میں ایک بیٹے کا بچہ تھا جس وقت عورت نے چاہا کہ اس آگ میں چھلانگ لگاتے تو شفقتِ مادری جوش میں آئی اور سدا راہ ہوئی تو اس بچے نے کہا اے مادرِ گرامی خوف نہ کھائیں آپ خود بھی اس آگ میں کود جائیں اور مجھ کو بھی ڈال دیں۔ خدا کی قسم یہ چیز راہِ خدا میں بہت معمولی ہے

وان لهذا والله فی اللہ قلیل... اور یہ بچہ بھی ان افراد میں سے تھا جنہوں نے گوارا میں کلام کیا۔

اس داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تھا گروہ اصحاب الاذود کا حبشہ میں تھا۔ حضرت عمار یا سر کے ماں باپ

اور ان جیسے دوسرے افراد کی داستان اور اس سے بڑھ کر حضرت امام حسینؑ کا واقعہ جاں بازی اور میدانِ کربلا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر جامِ شہادت نوش کرنا اسلام میں مشہور و معروف ہے۔

ہم نے اپنے اس زمانے میں بھی بہت زیادہ نمونے اس موضوع کے اپنے کانوں سے سنے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں کہ بوڑھوں اور جوانوں نے دین و ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جان بھیلی پر رکھ کر نہایت اہم انداز میں منزلِ شہادت کی طرف قدم بڑھائے۔ کتنا یہ چاہیے کہ خدا کے دین کی بقا گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں اس قسم کی قربانیوں کے بغیر ممکن نہ تھی۔

- ۱۰ إِنَّ الَّذِينَ فَتِنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ شَلَّوْا يَتُوبُونَ فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝
- ۱۱ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝
- ۱۲ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝
- ۱۳ إِنَّهُ هُوَ يُبَدِّلُ وَيُعِيدُ ۝
- ۱۴ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝
- ۱۵ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝
- ۱۶ فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝

ترجمہ

- ۱۰ جنہوں نے صاحب ایمان مردوں اور عورتوں پر تشدد کیا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی ان کے لیے دونوں کا عذاب ہے اور آگ کا جلانے والا عذاب ہے۔
- ۱۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔
- ۱۲ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے۔
- ۱۳ وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پلٹاتا ہے۔

۱۲) اور بخشے والا اور مومنین کا دوست رکھنے والا ہے۔

۱۵) صاحب عرش مجید ہے۔

۱۶) اور جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

تفسیر

تشدد کرنے والے عذاب الہی کے سامنے

گزشتہ اقوام میں سے تشدد کرنے والوں کی عظیم بے رحمی کے بیان کے بعد جو صاحب ایمان لوگوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے ان آیات میں ان تشدد کرنے والوں کے متعلق خدا کے سخت عذاب اور مومنین کیلئے عظیم ثواب کی طرف نوید ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

”وہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو مورد آزار و عذاب قرار دیا اور پھر توبہ نہیں کی ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور اسی طرح جلاتے والی آگ کا عذاب ہے“ (ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات تعلم یتوبوا فلہم عذاب جہنم ولہم عذاب الحریق)۔

”فتنوا“ ”فتن“ (بروزن متن) اور فتنہ کے مادہ سے اصل میں سونے کو آگ میں ڈالنے کے معنی میں ہے تاکہ اس کو پرکھا جاسکے اور کھرا کھوٹا قرار دیا جاسکے۔ اس کے بعد یہ مادہ (فتنہ) آزمائش، عذاب و مٹاؤں گمراہی اور شرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور زیر بحث آیت میں عذاب، آزار اور تشدد کا معنی میں ہے۔

اس کی نظیر سورہ ذاریات کی آیت ۱۳، ۱۴ میں بھی آئی ہے (یوم ہم علی النار یفتنون ذوقوا فتنکم ہذا الذی کنتم بہ تستعجلون) ”وہی دن جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تمہیں جلدی تھی“ ”ثم لم یتوبوا“ کا جملہ بتاتا ہے کہ توبہ کا راستہ اس قسم کا تشدد کرنے والوں کے لیے بھی کھلا ہوا ہے اور یہ چیز یہ بتاتی ہے کہ پروردگار عالم گناہ گاروں پر کتنا رحم کرنا چاہتا ہے۔

صننا یہ سچے کے لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ جلد از جلد مومنین کو آزار پہنچانے اور تکلیف دینے سے باز آجائیں اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ قرآن اصولی طور پر بازگشت کی راہ کسی پر بند نہیں کرتا اور یہ چیز بتاتی ہے کہ دردناک عذاب دنیا بھی مفسدین کی اصلاح کے لیے ہے اور ان کے حق کی طرف لوٹ آنے کے لیے ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے لیے دو قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں ایک عذاب جہنم دہرا

عذابِ حریقِ جلائے والی آگ کا عذاب) ان دو عذابوں کا ذکر ہو سکتا ہے کہ اس بنا پر ہو کہ چونکہ جہنم میں کئی قسم کی سزائیں اور عذاب ہیں، جن میں سے ایک جلائے والی آگ ہے۔ اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ تشدد کرنے والے مذکورہ افراد مومنین کو آگ میں جلاتے تھے لہذا وہاں انہیں آگ کی سزا ملنی چاہیے۔ لیکن یہ آگ کہاں اور وہ آگ کہاں۔ وہ آگ خدا کے قہر و غضب کے شعلوں سے بھڑکائی گئی ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، نیز ذلت و خواری اپنے ہمراہ لیے ہوتے ہے۔ جبکہ دنیا کی آگ ناپائیدار ہے جو کمزور مخلوق کی جلائی ہوئی ہے اور جو مومنین اس میں جلے ہیں وہ سر بلند و پُرافتخار ہوں گے اور راہِ حق کے شہیدوں کی پہلی صف میں ان کی جگہ ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ عذابِ جہنم ان کے کفر کی سزا تھا اور عذابِ حریق ان کے تشددِ اعمال کے نتیجے میں ہے۔ اس کے بعد مومنین کے اجر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہ لوگ جو ایمان لاتے اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیئے ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی و نجات ہے“ (ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات لهم جنات تجری من تحتها الانهار ذالک الفوز الکبیر)۔

اس سے بہتر کونسی کامیابی ہوگی کہ پروردگار کے جوارِ قدس میں انواع و اقسام کی پائیدار نعمتوں کے درمیان سر بلندی و افتخار کے ساتھ ان کو جگہ ملے لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس فوزِ کبیر اور کامیابی کی اصل کلید ایمان اور عملِ صالح ہے۔ اس راہ کا اصلی سرمایہ یہی ہے، باقی جو کچھ ہے وہ اس کی شاخیں ہیں۔ ”عملوا الصالحات“ کی تعبیر (اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ صالحاتِ صالح کی جمع ہے) بتاتی ہے کہ صرف ایک یا چند عملِ صالح کافی نہیں ہیں، بلکہ ضروری ہے کہ انسان ہر قدم پر عملِ صالح انجام دے۔

”ذالک“ کی تعبیر جو عربی زبان میں دُور کے اشارے کے لیے ہے، اس قسم کے مقامات پر اہمیت اور بلندی کو ظاہر کرتی ہے یعنی ان کے کامیابی، نجات اور اختیارات و اعزازات اس قابل ہیں کہ ہماری فکر کی دسترس سے خارج ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ تشدد کرنے والوں اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”یہ یقینی بات ہے کہ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے“ (ان بطش ربک لشدید)۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ”یہ گمان نہ کرو کہ درمیان میں قیامت نہیں ہے یا تمہاری بازگشت مشکل ہے، وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو واپس لوٹائے گا“ (انہ هو یبدئ و یعید)۔

”بطش“ کے معنی ایسی گرفت کے ہیں جس میں قہر و قدرت کا دخل ہو۔ چونکہ عام طور پر یہ کام سزا کی تمہید ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ سزا کے معنی میں بھی آیا ہے۔

”ربک“ تیرا پروردگار کی تعبیر پیغمبر کے دل کی تسلی اور خدا کی طرف سے ان کی حمایت کی تاکید ہے۔ قابلِ توجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کسی قسم کی تاکیدوں کو لیے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو لفظ بطش خود قہر آمیز گرفت کے معنی میں ہے اور اس میں شدت پوشیدہ ہے، دوسرے جگہ اسمیہ ہے جو عام طور پر تاکید کے لیے آتا ہے، تیسرے شدید کی تعبیر اور

چوتھے لفظ "ان" پانچویں "لام تاکید" سب اسی ایک آیت میں جمع ہیں اس بنا پر قرآن مجید چاہتا ہے کہ انہیں (تسائی قطعی انداز میں سزاؤں کے بیان پرے تمدید کرنے اور دھمکاتے اور انہ ہو بیدئی و یعید کا جملہ جس میں معاد کی اجمالی دلیل پوشیدہ ہے کہہ کر ایک اور تاکید کا اضافہ کرتا ہے یہ

اس کے بعد خدائے عظیم و برتر کے اوصاف میں سے پانچ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "وہ توبہ کرنے والے بندوں کو بخشے والا اور مومنین کو دوست رکھنے والا ہے" (وہو الغفور الودود)۔

"وہ تخت قدرت والا، عالم ہستی پر حکومت مطلقہ رکھنے والا اور صاحب مجد و عظمت ہے" (ذوالعرش الجلیل) "وہ کام کا ارادہ کر کے اسے انجام دیتا ہے" (فعال لما یرید)۔

"غفور" و "ودود" دونوں مبالغہ کے صیغہ ہیں اور اس کی انتہائی بخشش اور محبت کی طرف اشارہ ہیں گناہگار توبہ کرنے والوں کا بخشنے والا اور بندگان صالح کے بارے میں شفیق و مہربان۔

حقیقت میں ان اوصاف کا ذکر اس تمدید کے مقابلہ میں جو گزشتہ آیات میں آئی ہے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ بازگشت کا راستہ گناہ گاروں کے سامنے کھلا ہے اور خدا شدید العقاب ہونے کے باوجود غفور و ودود و رؤف و مہربان ہے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ودود یہاں فاعل کے معنی رکھتا ہے، نہ کہ مفعول کے۔ اور یہ جو بعض مفسرین نے ودود کے لفظ کو اسم مفعول کے معنوں میں سمجھا ہے، مثل رکوب کے جو مرکوب کے معنی میں آتا ہے یعنی خدا سے بہت زیادہ محبت و دوستی کی گئی ہے، غفور کی صفت کے ساتھ جو اس سے پہلے آئی ہے کوئی مناسبیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ خدا کا ہرف و مقصد بندوں سے محبت کرنا اور انہیں دوست رکھنا ہے نہ کہ ہنرنا کا اس کی نسبت دوست رکھنا اور محبت کرنا ہے۔

تیسری صفت یعنی ذوالعرش، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ عرش بلند تخت شاہی کے معنی میں ہے، اس قسم کے موارد میں قدرت و حاکمیت کا کنایہ ہے اور اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ جہاں ہستی کی حکومت اسی کیلئے ہے اور جو کچھ وہ ارادہ کرے وہ انجام پا جاتا ہے۔

اس بنا پر حقیقت میں "فعال لما یرید" کا جملہ اس حاکمیت مطلقہ کے لوازم میں سے ہے اور ان سب میں مسئلہ معاد اور مردوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور تشدد کرنے والے جباروں کو سزا دینے اور کیف کرنا اور

معاد کے بارے میں مندرجہ بالا خوب صورت دلیل دہی ہے جو سورہ یسین کے آخر میں آیہ ۹، میں بھی آئی ہے
 قل یحییٰ الذی انشاہا اول مرۃ و هو بكل خلق علیم) کہ دے وہی ذات جس نے اسے ابتدا میں خلق کیا ہے، دوبارہ زندہ کرے گی اور وہ اپنی پوری مخلوق سے آگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فارابی کی آرزو تھی کہ کاش مشہور یونانی فیلسوف ارسطو زندہ ہوتا تاکہ وہ حکم اور خوب صورت دلیل معاد و قیامت کے بارے میں قرآن مجید کی طرف سے سنا۔

پہچانے کے سلسلہ میں اس کی طاقت و قدرت کی نشاندہی کرتا ہے۔
 "مجید" "مجد" کے مادہ سے کرم و شرافت و جلالت کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ ایسی صفات
 میں سے ہے جو خدا کی ذات سے مخصوص ہیں اور دوسروں کے بارے میں بہت کم استعمال ہوتی ہیں۔
 یہ پانچوں صفتیں ایک واضح انجام اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے کہ غفور و ودود ہونا
 اس وقت مفید ہے جب قدرت حاصل ہو اور کرم وسیع اور نعمت بے پایاں ہوتا کہ وہ جو کچھ ارادہ کرے
 انجام دے سکے۔ نہ کوئی چیز اس کے کام میں مانع ہو اور نہ کوئی مقابلہ کی قدرت رکھتا ہو اور اس کے ارادہ
 میں صغف و نقاہت و شک اور تردید و فسخ کا امکان نہ ہو۔

لے توجہ رکھنی چاہیے کہ اوپر والی آیت میں مجید مشہور قرأت کی بسنا، پر مرفوع ہے اور خدا کے اوصاف میں سے ہے نہ کہ
 مجرد اور عرش کے اوصاف میں سے۔

- ۱۷ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝
- ۱۸ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ۝
- ۱۹ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝
- ۲۰ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝
- ۲۱ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝
- ۲۲ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝

ترجمہ

- ۱۷ کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
- ۱۸ فرعون و ثمود کے لشکر۔
- ۱۹ بلکہ کفار ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہتے ہیں۔
- ۲۰ اور خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے۔
- ۲۱ (یہ کوئی جادو اور جھوٹ نہیں ہے) بلکہ با عظمت قرآن ہے۔
- ۲۲ جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔

تفسیر

تُو نے دیکھا کہ خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟

گزشتہ آیات خدا کی قدرت مطلقہ اس کی قطعی حاکمیت اور تشدد کرنے والے کفار کی تمہید کے طور پر تھیں یہ بتانے کے لیے کہ یہ تمہیدیں عمل میں باتوں اور نعروں کی حد تک محدود نہیں ہیں، زیر بحث آیات میں روسا کے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟“ (ہل اتاک حدیث الجنود)۔ وہ عظیم لشکر جنوں نے خدائی پیغمبروں کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور لڑنے کے لیے مستعد ہو گئے، اس گمان میں کہ وہ خدائی قدرت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دو بہت ہی واضح اور آشکار نمونوں کی طرف جن میں سے ایک قدیم الایام میں اور دوسرا بہت ہی نزدیک کے زمانہ میں وقوع میں آیا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہی فرعون اور ثمود کے لشکر“ (فرعون و ثمود)۔ ”وہی جن میں سے بعض نے دنیا کے مشرق و مغرب کو اپنے زیر تسلط کر لیا تھا اور بعض نے پہاڑوں کو چیر کر بڑے بڑے پتھر کاٹ کر ان سے بڑے بڑے مکانات، قصر اور محل بنائے اور کسی میں بھی ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں تھی، لیکن خدانے پہلے گردہ کو پانی کے ذریعہ اور دوسرے کی آندھی کے وسیلے سے، جو دونوں انسانی زندگی کا ذریعہ ہیں اور زیادہ لطیف موجودات شمار ہوتے ہیں، سرکوبی کی۔ دریائے نیل کی موہیں فرعون اور اس کے لشکر کو نکل گئیں اور ٹھنڈی اور سرکوبی کرنے والی ہوا قوم ثمود کو پرکھاہ کی طرح اٹھاتی اور تھوڑے وقفہ کے بعد ان کے بے جان جسموں کو سطح زمین پر پھینک دیتی تھی تاکہ مشرکین عرب جان لیں کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

جب خدانے ان عظیم اور طاقتور لشکروں سے اس طرح انتقام لیا تو ان لوگوں کی کیا ہستی ہے جو ان کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور و ناتواں ہیں، اگرچہ اس کی قدرت کے مقابلہ میں ضعیف و قوی سب برابر ہیں۔ گزشتہ عام اقوام میں سے قوم ثمود و فرعون کا انتخاب سرکش قوموں کے نمونہ کے طور پر اس بنا پر ہے کہ وہ دونوں قومیں انتہائی طاقتور تھیں۔ ایک گزشتہ ادوار سے متعلق تھی (قوم ثمود) اور دوسری زیادہ نزدیک ماضی سے تعلق رکھتی تھی (قوم فرعون)۔ علاوہ ازیں قوم عرب ان ناموں سے باخبر تھی اور اجمالی طور پر ان کی تاریخ سے آشنا تھی۔

بعد والی آیت میں مزید کتا ہے: ”بلکہ وہ لوگ کافر ہو گئے، وہ ہمیشہ حق کی تکذیب میں گرفتار و مبتلا ہیں“ (بل الذین کفروا فی تکذیب)۔ اس طرح نہیں ہے کہ حق کی نشانیاں کسی سے مخفی ہیں۔ عناد اور ہٹ دھرمی اجازت نہیں دیتے کہ بعض لوگ راہ نکال کر منزل حق کی طرف قدم بڑھائیں۔

”بل“ کی تعبیر جو اصطلاح کے مطابق ”اضراب“ (ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف عدول کرنے) کے لیے ہے، گویا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مشرک گردہ قوم فرعون و ثمود سے بھی بدتر اور زیادہ ہٹ دھرم ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کے انکار اور تکذیب میں لگے رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر ذریعہ اور وسیلہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ خدا ان سب پر احاطہ رکھتا ہے اور وہ سب اس کی قدرت کی گرفت میں ہیں (واللہ من وراہمہم محیط)۔

اگر خدا انہیں مہلت دیتا ہے تو عجز و ناتوانی کی بنا پر نہیں ہے اور اگر انہیں عذاب ہی سرا نہیں دیتا تو وجہ یہ نہیں

ہے کہ وہ اس کی اقلیم قدرت سے باہر ہیں (وراثتھم) ان کے پیچھے اور پس پشت کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر جہت سے قدرت الہی کے قبضہ میں ہیں اور قدرت تمام اطراف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ اس کی عدالت اور سزا سے راہ فرار اختیار کر سکیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان کے اعمال پر تمام جہات سے خدا کا علمی احاطہ ہو اس طرح سے کہ ان کی کوئی گرفتار، ان کا کوئی کردار اور ان کا کوئی کام اس سے مخفی نہیں ہے۔ بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے۔
 «ان کا قرآن کی تکذیب پر اصرار اور اسے سحر، جادو، شجر اور کمانت سے تشبیہ دینا، بیہودہ اور فضول بہت ہے بلکہ وہ قرآن مجید با عظمت اور بلند مرتبہ ہے» (بل ہو قرآن مجید)۔ «ایسا کلام ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے اور نا اہل شیاطین اور کافروں کا ہاتھ ہرگز اس تک نہیں پہنچتا، اور ہر قسم کے تغیر، تبدیلی، اضافہ اور نقصان سے محفوظ ہے (فی لوح محفوظ)۔

اس بنا پر اگر وہ ناروا نسبتیں تیری طرف دیتے ہیں اور تجھے شاعر، ساعر، کاہن اور مجنوں کہتے ہیں تو تو اس سے ہرگز غمگین نہ ہو۔ تیری نیک گاہ محکم، تیری راہ روشن و واضح اور تیرا حمایتی صاحب قدرت ہے۔
 «مجید جیسا کہ ہم نے کہا ہے» «مجید» کے مادہ سے شرافت و جلال کی وسعت کے معنی میں ہے اور یہ معنی قرآن کے بارے میں پورے طور پر صادق آتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کے مشمولات و مضامین وسیع و عظیم ہیں اور اس کے معانی بلند و پرتو مایہ ہیں۔

معارف و عقائد کے سلسلہ میں بھی اور اخلاق و مواعظ و احکام و تسنن کے بارے میں بھی۔ (لوح، لام کے زبر کے ساتھ) عربی و وسیع صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں اور لوح لام کے پیش کے ساتھ پیاس کے معنی میں ہے۔ اس ہوا کو بھی کہتے ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان موجود ہے۔ وہ فعل جو پہلے تلفظ سے مشتق ہوتا ہے آشکار ہونے اور چکنے کے معنوں میں ہے۔

بہر حال یہاں مراد وہ صفحہ ہے جس پر قرآن مجید تحریر ہے۔ لیکن وہ صفحہ نہیں جو ہمارے درمیان راجح ہے جو الواح کی مانند ہے بلکہ ایک تفسیر کے مطابق جو ابن عباس سے منقول ہے کہ:

لوح محفوظ کا طول زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور عرض مغرب و مشرق کے فاصلے کے برابر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں محسوس ہوتا ہے کہ لوح محفوظ وہی علم خدا کا ایک صفحہ ہے جس نے عالم کے شرق و غرب کو گھیر رکھا ہے اور وہ ہر قسم کی دیگر کوئی تغیر اور تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے۔

جی ہاں! قرآن کا سرچشمہ حق تعالیٰ کا علم بے پایاں ہے۔ یہ انسانی فکر کی پیداوار نہیں ہے نہ یہ القائے شیاطین کا نتیجہ ہے۔ اس کے مشمولات و مضامین اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

یہ احتمال وہی چیز ہے جسے قرآن مجید میں کبھی کتاب مبین سے اور کبھی ام الکتاب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ رعد کی آیت ۳۹ میں ہم پڑھتے ہیں (یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب) خدا جسے چاہتا

ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الكتاب ہے۔ اور سورہ انفام کی آیت ۵۹ میں آیا ہے (ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین) خشک و تر کی کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ واضح کتاب میں ثبت ہے۔

خداوند! ہمیں اپنی اس عظیم آسمانی کتاب کی حقیقت سے زیادہ آشنا فرما۔

پروردگارا! اس دن جس میں مومنین صالح فوز کبیر حاصل کریں گے اور کافرین مجرم عذاب حریق

میں گرفتار ہوں گے ہمیں اپنے دامن عافیت میں پناہ دیجیو۔

بارالہ! تو عفو و درود و مہربان ہے۔ تو ہم سے وہ سلوک کر جو تیرے ان اسمائے

صفات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ سلوک نہ کیج جو جس کا ہمارے اعمال تقاضا کرتے ہیں۔

آمین یا رب العالمین

سورہ بروج کا اختتام

سُورَةُ طَارِقٍ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس میں ۷ آیتیں ہیں

سورۃ طارق کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے مطالب نہایت عمدہ طریقہ سے دو محوروں کے گرد گھومتے ہیں۔
۱۔ معاد و قیامت کا محور۔

۲۔ قرآن مجید اور اس کی قدر و قیمت و اہمیت کا محور۔

لیکن سورہ کے آغاز میں فکر آفریں قسموں کے بعد ان نگہبانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں پر مقرر ہیں اور معاد و قیامت کے امکان کو ثابت کرنے کے بعد پہلی زندگی، یعنی انسان کے لطفہ کے پانی سے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کر کے نتیجہ اخذ کرتا ہے اور فرماتا ہے:

”وہ خدا جو قدرت رکھتا ہے کہ اسے اس قسم کے بے قیمت اور ناچیز پانی سے پیدا کرے، وہ نئے سرے سے اس کی بازگشت کی توانائی اور طقت بھی رکھتا ہے۔ بعد کے مرحلے میں روزِ قیامت کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے بعد متعدد پُر معنی قسموں کے حوالہ سے قرآن کی اہمیت کو گوش گزار کرتا ہے اور آخر کار سورہ کو خدائی عذاب کی اس شدید پر ختم کرتا ہے جو کافروں کے لیے ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں ہمیں پیغمبر اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ (من قرأھا اعطاه اللہ بعدد کل نجم فی السماء عشر حسنات) جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اسے ہر اس ستارے کی تعداد کے مقابلہ میں، جو آسمان میں ہے، دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے (من کان قرائتہ فی الفریضۃ والسماء والطارق کان لہ عند اللہ یوم القیامۃ جاہ و منزلۃ وکان من رفقاء النبیین واصحابہم فی الجنۃ) جو شخص نمازِ فریضہ و واجب میں سورہ والسماء والطارق کی تلاوت کرے وہ روزِ قیامت خدا کے ہاں عظیم مقام و منزلت کا حامل ہوگا اور جنت میں پیغمبروں کے رفقاء اور ان کے اصحاب میں سے ہوگا۔
واضح رہے کہ سورہ کے مضامین پر عمل کرنا ہی ایسی چیز ہے جس کا یہ اجر عظیم ہے، نہ کہ وہ تلاوت جو عمل اور غور و فکر سے خالی ہو۔

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۲۶۹۔

۲۔ ثواب الاعمال مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۹۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝
- ۲ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝
- ۳ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝
- ۴ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيَّهَا حَافِظٌ ۝
- ۵ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝
- ۶ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝
- ۷ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝
- ۸ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝
- ۹ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝
- ۱۰ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝

ترجمہ

رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

- ۱ قسم ہے آسمان کی اور رات کے کھٹکھٹانے والے کی۔
- ۲ اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے؟
- ۳ وہی درخشاں ستارہ اور تاریکیوں کو پھیرنے والا۔
- ۴ (اس عظیم خدائی آیت کی قسم) ہر شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے۔
- ۵ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟
- ۶ وہ اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے۔

۷ وہ پانی جو پشت اور سینوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے۔
 ۸ وہ جس نے اسے اس قسم کی ناچیز شے سے پیدا کیا ہے، اسے واپس لوٹا
 سکتا ہے۔

۹ جس دن اسرار کھلیں گے۔
 ۱۰ اور اس کے لیے کوئی قوت اور مددگار نہیں ہے۔

تفسیر

اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟

یہ سورۃ بھی قرآن کے آخری پارہ کی بہت سی دوسری سورتوں کی طرح خوبصورت اور فکر انگیز قسموں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ ایسی قسمیں ایک عظیم حقیقت کے بیان کی تمہید ہیں۔
 ”قسم ہے آسمان کی اور رات کو کھٹکھٹانے والے کی“ (والسما والطارق)۔ ”اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے“ (وما ادراک ما الطارق)۔ ”بلند و درخشاں اور رات کی تاریکیوں کو چیرنے والا ستارہ ہے“ (النجم الثاقب)۔

”طارق“ طرق (بروزن برق) کے مادہ سے کوٹنے کے معنی میں ہے۔ راستے کو اس لیے طریق کہتے ہیں کہ وہ چلنے والے لوگوں کے قدموں سے روندنا جاتا ہے اور مطر قراس ہتھوڑے کے معنوں میں ہے جسے دھاتوں وغیرہ کو کوٹنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ رات کو گھروں کے دروازے بند کر دیتے ہیں اس لیے وہ شخص جو رات کو آتا ہے دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوتا ہے لہذا رات کو آنے والے شخص کو طارق کہتے ہیں۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ اشعث بن قیس منافی کے بارے میں، جو رات کے وقت آپ کے دروازہ پر آیا تھا اور حلوہ اپنے ساتھ لایا تھا کہ اپنے خیال ناقص میں حضرت علیؑ کو اپنی طرف متوجہ کرے اور کسی معاملے میں آپ سے اپنے موافق حکم حاصل کرے، فرماتے ہیں (واعجب من ذالک طارق طوقنا بملفوظہ و عاٹھا) اور اس سے زیادہ تعجب کی بات تو اس شخص کی ہے جس نے رات کے وقت دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور وہ لذیذ حلوہ سے پُر ڈھکا ہوا برتن اپنے ہمراہ لایا تھا۔

لیکن قرآن یہاں طارق کی خود تفسیر کرتا ہے اور کہتا ہے یہ رات کا مسافر وہی درخشاں ستارہ ہے جو آسمان پر ظاہر ہوتا ہے اور اس قدر بلند ہے گویا چاہتا ہے کہ آسمان کی چھت میں سوراخ کر دے۔ اس کی روشنی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کرنے والی ہے کہ تاریکیوں میں شکاف ڈال دیتی ہے اور انسان کی آنکھوں کے اندر نفوذ کرتی ہے۔ (توجہ فرمائیں کہ ثاقب ثقب کے مادہ سے سوراخ کرنے کے معنی میں ہے)۔

یہ بات کہ اس سے مراد کوئی معین ستارہ ہے، مثلاً ثریا نامی ستارہ (آسمان میں بلندی اور دوری کے لحاظ سے) یا زحل، پھر زہرہ یا شنب (خیرہ کرنے والی روشنی کے لحاظ سے) یا آسمان کے تمام ستاروں کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد کی آیت میں اسے نجم ثاقب (نفوذ کرنے والے ستارے) کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہر ستارہ نہیں بلکہ وہ درخشاں ستارے ہیں جن کا نور تاریکی کے پردوں میں شکاف ڈال دیتا ہے اور انسان کی آنکھوں میں نفوذ کرتا ہے۔

بعض روایات میں انجم الثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر کی گئی ہے جو نظام شمسی کے سیاروں میں سے بہت ہی پُر فروغ اور منور ستارہ ہے، اور یہ معنی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انجم الثاقب کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک منجم کو بتائے ہیں۔

آپ نے فرمایا: زحل ستارہ ہے جو ساتویں آسمان میں طلوع ہوتا ہے اور اس کی روشنی تمام آسمانوں کی چہرے کی ہوتی پچھلے آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے خدا نے اسے نجم ثاقب کہا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ زحل آخری اور سب سے دور جو نظام شمسی ہے، اس کا ستارہ ہے، جو بغیر کسی آلے کی مدد کے خالی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور وہ چونکہ نظام شمسی کے ستاروں کی ترتیب کے اعتبار سے سورج کی نسبت کے پیش نظر ساتویں مدار اور مقام گردش میں قرار پاتا ہے (چاند کے مدار کے حساب سے) تو انام اس حدیث میں اس کا مدار ساتواں آسمان بتاتے ہیں۔ اس ستارے کی کچھ خصوصیات ہیں جو اسے قابل قسم بناتی ہیں ایک تو یہ نظام شمسی کے سب سے دُور ستاروں میں سے ہے۔ اس وجہ سے ادب عربی میں ہر بلندی کی اسما سے مثال دیتے ہیں اور کبھی اسے شیخ النجوم بھی کہتے ہیں۔

زحل ستارہ، جس کا فارسی نام کیوان ہے، اس کے کئی نورانی حلقے ہیں جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کے آٹھ چاند ہیں۔ زحل کے نورانی حلقے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں عجیب ترین آسمانی مظاہر میں سے ہیں جن کے بارے میں ماہرین فلکیات کے مختلف نظریات ہیں اور وہ حلقے اب بھی پُر اسرار موجودات ہیں۔ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ زحل کے دس چاند ہیں جن میں سے آٹھ کا عام نجومی دور بیٹوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور دوسرے

۱۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۵۰ حدیث ۱۲۔

۲۔ دائرۃ المعارف دھندا مادہ زحل۔

دو چاند صرف بہت بڑی دور بینوں سے نظر آسکتے ہیں یہ

مذکورہ اسرار اس وقت کسی پر قطعاً واضح نہیں تھے جب قرآن نازل ہوا تھا۔ وہ اس کے صدیوں بعد آشکار ہوئے۔ بہر حال نجم ثاقب کی زحل ستارے سے تفسیر خصوصیت کے ساتھ ممکن ہے، ایک واضح مصداق کے بیان کی قبل سے ہو اور وہ اس راہ میں حائل نہ ہو کہ آسمان کے دوسرے درخشاں ستاروں سے تفسیر کی جائے اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری روایات میں مصداق تفسیر بہت زیادہ ہے۔

سورہ صافات کی آیت ۱۰ میں ہم پڑھتے ہیں (الّا من خطف الخطفة فاتبعد شهاب ثاقب) ”مگر وہ جو مختصر سے لمحے میں استراق سمع کے لیے (چوری چھپے کان لگا کر سننے کے لیے) آسمان کے نزدیک ہو تو شہاب ثاقب اسکا تعاقب کرتا ہے“

تو اس آیت میں شہاب کی توصیف لفظ ثاقب سے ہوئی ہے اور چونکہ یہ آسمان میں وجود میں آنے والی چیز عجائبات عالم میں سے ایک ہے، لہذا ممکن ہے کہ زیر بحث آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہو۔ اس آیت کے لیے جو شاہن نزول بعض کتب تفسیر میں بیان ہوئی ہے وہ بھی ان معانی کی تائید کرتی ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ یہ قسمیں کس لیے ہیں۔ بعد میں آنے والی آیت میں فرماتا ہے: ”مسلم ہے کہ ہر ایک شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے، ان کل نفس لعا علیہا حافظ،“

جو اس کے اعمال کو لکھتا ہے اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے لیے محفوظ رکھتا ہے، جیسا کہ سورہ انفطار کی آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲ میں ہم پڑھتے ہیں (وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون) ”اور تم پر کچھ محافظ مقرر کر دیتے گئے ہیں، لکھنے والے محکم و محترم، جو ہمیشہ تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور جو کچھ انجام دیتے ہو وہ اس سے واقف ہیں“

اس طرح تم اکیلے اور تمہا نہیں ہو اور تم میں سے کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو، وہ پروردگار کے مامورین کی زیر نگرانی ہوگا۔ یہ ایسا مفہوم ہے جس کی طرف توجہ انسان کی اصلاح و تربیت کے لیے بے حد مؤثر ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ یہ حافظ کون ہے اور کن امور کی حفاظت کرتا ہے۔

لیکن قرآن کی دوسری آیتیں گواہی دیتی ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انسان کے اعمال ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ اطاعتیں ہوں یا معاصی و گناہ۔ یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی حوادث و مملکات سے حفاظت ہے۔

دارۃ المعارف دھندامادہ نزل۔

روح المعانی، جلد ۱۰، ص ۳۹۷۔

اس آیت میں ان نافیہ ہے اور لما الا کے معنی میں ہے۔

واقعہ اگر خدا انسان کی حفاظت نہ کرے تو دنیا میں بہت کم افراد کو طبعی موت نصیب ہوا۔ اس لیے کہ حوادث کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی بھی ان سے نہیں بچ سکتا۔ خصوصاً وہ بچے جن کی عمر بھی چند سال ہی کی ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ شیطانی دوسوں سے انسان کی حفاظت کی جاتی ہے، اس لیے کہ اگر خدا کی طرف سے فراہم کی ہوئی یہ حفاظت نہ ہو تو جن دوسوں پر یعنی شیاطین کے دوسوں سے اس قدر زیادہ ہیں کہ کئی مغرور بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بعد والی آیت مسئلہ معاد و قیامت اور اعمال و کردار کے حساب کتاب میں گفتگو کرتی ہے۔ لہذا پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ اس آیت میں ان تینوں تفسیروں کو جمع کرنے سے بھی کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی۔

قابل توجہ یہ ہے کہ پہلے بیان شدہ قسموں کے اور اعمال انسان کی فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کے مسئلہ کے درمیان ایک زندہ رابطہ ہے، اس لیے کہ بلند آسمان اور وہ ستارے، جو اپنے منظم راستوں میں مسلسل راہ پیمائی کر رہے ہیں، اس عالم عظیم میں نظم و ضبط اور حساب کتاب کے موجود ہونے کی دلیل ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ انسان کے اعمال حساب کتاب کے بغیر ہوں اور مراقبین الہی اور محافظین خدائی ان کی نگرانی نہ کریں۔

اس کے بعد مسئلہ معاد کے ایک استدلال کے عنوان سے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اسے غیر ممکن سمجھتے ہیں، فرماتا ہے: "انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے" (فلینظروا الانسان من خلق)۔

اس طرح قرآن تمام لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر پہلی خلقت کی طرف واپس لے جاتا ہے اور ایک جملہ استفہامیہ کے ذریعہ ان سے پوچھتا ہے "تمہاری خلقت کس چیز سے ہوئی ہے؟ اور بغیر اس کے کہ ان کے جواب کا انتظار کرنا اس سوال کا جواب جو بالکل واضح ہے، خود دیتا ہے اور مزید کہتا ہے:

"وہ ایک ٹپکنے والے پانی سے خلق ہوا ہے" (خلق من ماء دافق)۔ جو مرد کے نطفہ کی توصیف ہے جو مٹی کے پانی میں تیرتا ہے اور باہر آتے وقت ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد اس پانی کی ایک اور توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے "جو صلب و تراشب کے درمیان میں سے نکلتا ہے" (ینحرج من بین الصلب والترائب)۔

"صلب" کے معنی پشت کے ہیں اور تراشب ترمیم کی جمع ہے جو علمائے لغت کے مطابق سینے کے اوپر کی ہڈیوں کے معنی میں ہے، جس کے اوپر گلوبند باندھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور لسان العرب میں کہتا ہے (قال اهل اللغة اجعون موضع القلادة من الصدر)

سب اہل لغت کہتے ہیں وہ سینے کے قلابہ والی جگہ ہے۔ اس کے باوجود اس کے کئی اور معانی بھی بیان ہوتے ہیں۔ مغلہ ان کے ایک یہ کہ تراشب کے معنی ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہیں، یا یہ کہ سینے کی ساری ہڈیاں ہیں یا دائیں طرف کی چار پسلیاں، یا بائیں طرف کی چار پسلیاں ہیں۔ بہر حال یہ کہ اس آیت شریفہ میں صلب و تراشب سے کیا مراد ہے، اس عنوان پر مفسرین کے درمیان بہت کچھ اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی

تفسیر میں تحریر کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱۔ "صلب" مردوں کی طرف اشارہ ہے اور "ترائب" عورتوں کی طرف، اس لیے کہ مرد منظر صلابت اور عورتیں منظر لطافت و زینت ہیں۔ اسی لیے یہ آیت نطفہ انسانی کی ترکیب کی طرف مرد و عورت کے نطفہ کے حوالے سے اشارہ کرتی ہے جو موجودہ زمانے کی اصلاح میں "اسپرم" (SPERM) اور "اڈول" کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔ "صلب" اشارہ ہے مرد کی پشت کی طرف اور ترائب اشارہ ہے اس کے سینے اور بدن کے اگلے حصہ کی طرف۔ اس بنا پر مرد صرف مرد کا نطفہ ہے جو شکم کے اندرونی حصوں میں سے پشت اور اگلے حصے کے اندر سے خارج ہوتا ہے۔

۳۔ مرد عورت کے رحم سے جنین کا خروج ہے جو اس کی پشت اور بدن کے اگلے حصہ میں قرار پاتا ہے۔

۴۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ایک دقیق علمی نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے اس آخری زمانہ کے انکشافات نے پردہ اٹھایا ہے، جو نزول قرآن کے زمانے میں یقیناً پنہاں تھا اور وہ یہ کہ نطفہ مرد کے بیضے اور عورت کے تخمدان سے لیا جاتا ہے اور ماہرین جنین شناسی کے حوالے بتاتے ہیں کہ یہ دونوں ابتدا میں جب جنین میں ظاہر ہوتے ہیں تو گردوں کے قرب میں ہوتے ہیں اور تقریباً پشت کے ستون کے وسط کے مقابلہ میں صلب اور ترائب (پشت اور انسان کی نچلی پسلیاں) کے درمیان قرار پاتے ہیں۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اور ان دونوں اعضاء کے نشوونما سے اس جگہ سے نیچے آجاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی موجودہ جگہ پر آجاتا ہے۔

چونکہ انسان کی پیدائش عورت و مرد کے نطفہ کی ترکیب سے ہوتی ہے اور دونوں ابتداء میں اصل محل صلب و ترائب کے درمیان قرار پاتا ہے، لہذا قرآن نے اس قسم کی تعبیر کو منتخب کیا ہے وہ تعبیر جو اس زمانے میں کسی کو معلوم نہیں تھی اور جدید علم جنین شناسی نے اس پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

زیادہ واضح تعبیر میں مرد کا بیضہ اور عورت کا تخمدان ابتدائے خلقت میں، یعنی اس وقت جب عورت و مرد خود عالم جنین میں تھے، ان کی پشت میں قرار پایا تھا، جو تقریباً پشت کے ستون کے وسط کے مقابلہ تھا۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ مرد کا نطفہ ساز کارخانہ اور عورت کی نطفہ ساز دستگاہ دونوں صلب و ترائب کے درمیان تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب مرد و عورت کی خلقت شکم مادر میں مکمل ہوتی ہے تو وہاں سے الگ ہو کر آہستہ آہستہ نیچے آتی ہے، اس طرح سے کہ مرد کے بیضے کے تولد کے وقت شکم سے باہر اور آلہ تناسل کے قریب

قرار پاتی ہے اور عورت کا تمدان رحم کے قرب میں قرار پاتا ہے۔

لیکن اس تفسیر پر اہم اعتراض یہ ہے کہ قرآن کتا ہے کہ وہ ٹپکنے والا پانی صلب و ترائب کے درمیان خارج ہوتا ہے، یعنی پانی خروج کے وقت ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہے، جبکہ اس تفسیر کے مطابق لطف کے پانی کے خروج کے وقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ لطف ساز دستگاہ اس موقع پر کہ جب خود شکم مادر میں تھی تو اس وقت صلب و ترائب کے درمیان تھی۔ اس سے قطع نظر ترائب کی تعبیر اگر بجلی آفری پیلوں سے کی جائے تب بھی بحث و تنقید سے خالی نہیں ہے۔

۵۔ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ ہنسی حقیقت میں انسان کے تمام اجزائے بدن سے لی جاتی ہے۔ اس لیے

خروج کے وقت سارے بدن میں ہیجان ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں سستی آجاتی ہے۔ اس لیے صلب و ترائب انسان کی عام پشت اور تمام اگلے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ عمدہ ترین منی کی پیدائش کا عامل ”نخاع شوکی“ حرام مغز ہے جو مرد کی پشت

اور اس کے بعد دل و جگر ہیں، جن میں سے ایک سینے کی ہڈیوں کے نیچے اور دوسرا دونوں کے درمیان بیچ اور

یہی چیز سبب بنی کہ صلب و ترائب کے مابین کی تعبیر کا اس کے لیے انتخاب ہوا۔ لیکن ہر چیز سے پہلے شکل کے عمل

کرنے کے لیے اس اہم نکتہ کی طرف توجہ کی جائے کہ مندرجہ بالا آیات میں صرف مرد کے لطف کے بارے میں گفتگو

ہے اس لیے کہ ماہر وادق کی تعبیر راہچل کر نکلنے والا پانی (مرد کے لطف پر صادق آتی ہے نہ کہ عورت کے لطف پر۔

یہی وجہ ہے کہ بعد والی آیت پر ”یخرج“ کی ضمیر جس کی طرف لٹختی ہے اور کہتی ہے کہ یہ اچھل کر نکلنے والا پانی

صلب و ترائب سے خارج ہوتا ہے، تو اس حساب سے اس بحث قرآنی میں عورت کو شریک کرنا مناسب نظر

نہیں آتا، بلکہ زیادہ مناسب وہی تعبیر ہے کہ کما جائے کہ قرآن لطف کے دو اصلی اجزاء میں سے ایک کی طرف جو

مرد کا لطف ہے اور سب کو معلوم ہے، اشارہ کرتا ہے اور صلب و ترائب سے مراد انسان کی پشت اور اگلا حصہ ہے

اس لیے کہ مرد کے لطف کا پانی انہی دونوں کے درمیان میں سے نکلتا ہے۔

یہ تعبیر واضح اور ہر قسم کی پیچیدگی سے خالی ہے اور لفظ کے معنی کے سلسلہ میں جو کچھ کتب لغت میں آیا ہے

اس سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس آیت میں ایک زیادہ اہم حقیقت بھی چھپی ہوئی ہو جو

ہمارے موجودہ علم کی حد تک ہمارے لیے منکشف نہیں ہوئی اور ماہرین کے آئندہ کے انکشافات اس پر ہمارے

پردہ اٹھا سکیں گے۔

اس کے بعد اس بیان سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ جس نے انسان کو لطف کے پانی سے سیر کیا

لے قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی جب لطف سے انسان کی خلقت کی گفتگو درمیان میں آتی ہے تو زیادہ تر مرد ہی کے لطف پر، جو ایک محسوس امر ہے

انحصار کیا جاتا ہے۔ سورہ نجم کی آیت ۶ اور قیامت کی آیت ۳۰ کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہے، قادر ہے کہ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹائے، (انہ علی رجعه لقادر)۔

ابتداء میں وہ مٹی تھا۔ پچیدہ اور تعجب انگیز مراحل طے کرنے کے بعد کامل انسان میں تبدیل ہوا۔ اس لیے اس کی نئی زندگی کی طرف بازگشت کوئی مشکل پیدا نہیں کرتی۔ اس بیان کی نظیر قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی نظر آتی ہے۔

سورہ حج کی آیت ۵ میں فرماتا ہے: (یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ) «اے لوگو! اگر قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہو تو ہم نے تمہیں خاک سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے» نیز سورہ مریم کی آیت ۶۷ میں ہم پڑھتے ہیں (اولا یدکو الانسان انا خلقناہ من قبل ولم ینک شیئاً) «کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا، جبکہ وہ کوئی شے نہیں تھا»

اس کے بعد اس عظیم دن کی تعریف و توصیف کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: «یہ بازگشت اس دن تحقق پاتے گی جس دن اسرار آشکار ہوں گے» (یوم تبلی السرائر)۔

«تبلی» «بلوی» کے مادہ سے آزمائش اور امتحان کے معنی میں ہے اور چونکہ آزمائش کے وقت اشیا کی حقیقت آشکار و واضح ہو جاتی ہے، لہذا یہ مادہ یہاں ظہور و بروز کے معنی میں آیا ہے۔

«سرائر» «سریرہ» کی جمع ہے جو اندرونی پوشیدہ حالات، صفات اور نیتوں کے معنی میں ہے۔ جی ہاں! اس دن جو یوم الظہور و یوم البروز ہے، اسرار آشکار ہو جائیں گے، قطع نظر اس سے کہ ایمان و کفر و نفاق ہوں، یا نیت خیر و شر، یا ریا و اخلاص۔

روز بروز یہ ظہور مومنین کے لیے باعث افتخار و فزوانی نعمت ہوگا اور مجرموں کے لیے شرمساری اور سر کے جھکنے کا سبب اور ذلت و خواری کا باعث۔ اور کیا ہی دردناک ہے کہ وہ انسان جس نے اپنی اندرونی خرابیوں اور برائیوں کو عمر بھر لوگوں سے چھپائے رکھا ہو اور ان کے درمیان عزت سے زندگی گزاری ہو، لیکن اس دن جس دن تمام اسرار آشکار ہوں گے، تو تمام مخلوق کے سامنے شرمسار اور ندامت سے سرنگوں ہو، اس لیے کہ بعض اوقات عذاب ندامت و دوزخ کی آگ سے بھی زیادہ دردناک ہوتا ہے۔

سورہ الرحمن کی آیت ۴۱ میں بھی آیا ہے: (یعرف المجرمون بسیماہم) «قیامت میں گنہگار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے» نیز دوسری آیات میں ہے کہ «قیامت میں ایک گروہ کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہرے تاریک و غبار آلود ہوں گے» (عبس - ۳۸ - ۴۱)۔

جی ہاں! جس طرح طارق اور ستارے رات کے وقت آسمان میں ظاہر ہوتے ہیں اور پردے سے باہر آ

۱۷۵ یوم یہاں ظہور ہے اور دجج کا متعلق ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے اور اس قسم کے موارد میں مصدر اور اس کے معول کے درمیان فاصلہ ضرر نہیں رکھتا، اس لیے کہ یہ کسی اجنبی سے فاصلہ نہیں ہے۔

جاتے ہیں، وہ محافظ و مراقب جو انسان کے اعمال کے حفظ و ضبط پر مامور ہیں، وہ بھی وہاں سب کچھ ظاہر کر دیں گے۔ ایک روایت میں معاذ بن جبل سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے اس آیت میں جو محافظ سراثر ہے اس کے معنی پوچھے کہ وہ کون سے اسرار ہیں جن کے ذریعہ خدا قیامت میں بندوں کو آزمائے گا؟ تو یہ نے فرمایا:

السراثر کم ہی اعمالکم من الصلوٰۃ والصیام والزکوٰۃ والوضوء والغسل من الجنابۃ وکل مفروض لان الاعمال کلھا سراثر خفیۃ فان شاء الرجل قال صلیت ولم یصل وان شاء قال قضاۃت ولسر یتوضأ فذالک قولہ یوم تبلی السراثر

”تمہارے سراثر تمہارے اعمال ہی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، وضو، غسل جنابت اور ہر واجب عمل اس لیے کہ تمام اعمال حقیقت میں پہناں ہیں۔ اگر انسان چاہے تو کہہ دے کہ میں نے نماز پڑھی ہے جبکہ اس نے نہ پڑھی ہو اور کہہ سکتا ہے کہ میں نے وضو کیا ہے جبکہ نہ کیا ہو۔ یہ ہے خدا کے اس کلام کی تفسیر (یوم تبلی السراثر)۔ اس دن اہم مشکل یہ ہوگی کہ انسان کے لیے کوئی قوت و طاقت اندر سے اور کوئی یاد دہندہ دباہر سے نہیں ہوگا (فما لہ من قوۃ ولا ناصر)۔ کوئی طاقت جو اس کے بڑے اعمال اور بُری نیت پر پردہ ڈالے اور کوئی مددگار جو اسے عذاب الہی سے رہائی بخشنے۔

یہ مضمون بہت سی قرآنی آیات میں آیا ہے کہ اس دن نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی فدیہ اور خدا ہونے والا قبول ہوگا، نہ ہی کوئی فرار اور بازگشت کی راہ انسان کے سامنے ہوگی اور نہ کوئی راستہ عدالت پروردگار کے چنگل سے فرار کرنے کا راستہ ہوگا۔ نجات کا وسیلہ صرف اور صرف عمل صالح ہوگا۔ جی ہاں! نجات کا وسیلہ صرف یہی ہے۔

- ۱۱ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝
- ۱۲ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝
- ۱۳ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝
- ۱۴ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝
- ۱۵ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝
- ۱۶ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝
- ۱۷ فَهَلْ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهَلُمْ رُوَيْدًا ۝

ترجمہ

- ۱۱ پُر بارش آسمان کی قسم۔
- ۱۲ اور پُر شکاف زمین کی قسم۔
- ۱۳ کہ یہ ایک سچی بات ہے۔
- ۱۴ اور یہ مذاق نہیں ہے۔
- ۱۵ وہ ہمیشہ مکر کرتے ہیں۔
- ۱۶ اور میں اس کے مقابلہ میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔
- ۱۷ اب جبکہ ایسا ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے، (تاکہ اپنے اعمال کی سزا دیکھ لیں)

تفسیر

میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملادیتا ہوں
گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے نطفہ اور اس کی پہلی زندگی کی طرف توجہ کے حوالے سے استدلال

تھا، ان آیات میں پھر ارمعاد پر تاکید کرتے ہوئے اور دوسرے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”قسم ہے بارش سے پُر آسمان کی“ (والسماوات ذات الارجع)۔ ”اور قسم ہے زمین کی جو شکافتہ کی جالی طرح اور اس میں سے سبزہ پھوٹتا ہے“ (والارض ذات الصدع)۔ ”کہ یہ ایک حق بات ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے“ (انہ لقول فصل)۔

”یہ سچی بات ہے اور اس میں کسی قسم کی شوخی اور مزاح نہیں ہے“ (وما هو بالهزل)۔

”رجع“ رجوع کے مادہ سے بازگشت کے معنی میں ہے اور عرب بارش کو رجح کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ پانی زمین اور سمندروں سے اٹھتا ہے اور بارش کی صورت میں زمین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ یا یہ کہ مختلف ناموں پر بار بار بارش ہوتی ہے۔

وہ گڑھے جن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے انہیں بھی رجح کہتے ہیں، بارش کے پانی کے جمع ہوجانے کی بنا پر، یا ان لہروں اور موجوں کی بنا پر جو ان کی سطح پر ہوا کی جنبش سے پیدا ہوتی ہیں۔

”صدع“ سخت اجسام میں شکافتہ پڑ جانے کے معنی میں ہے، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو کچھ رجح کے معنی میں کہا گیا ہے اس کو خشک و سخت زمینوں کے بارش کے نزول کے بعد شکافتہ ہونے اور سبزہ کی نشوونما کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں قسمیں اشارہ ہیں مردہ زمینوں کے بارش کی وجہ سے زندہ ہونے کی طرف جسے قرآن نے بار بار مسئلہ معاد کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ مثلاً سورہ ق کی آیت ۱۱ (واخینا بہ بلرہ مینا) کذا لک الخروج) ”ہم نے بارش کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ کیا اور قیامت میں تمہارا خروج بھی اسی طرح ہوگا“

اسی طرح ان قسموں کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کے لیے قسم کھائی گئی ہے، واضح مناسبت ہے۔ یہ قرآن کے محاسن میں سے ایک ہے کہ قسموں کے درمیان اور ان کے درمیان جن کے لیے یہ قسمیں کھائی جا رہی ہیں، ایک عمدہ اور پُرکشش تناسب نظر آتا ہے۔ جس طرح سورہ حج کی آیت ۵ میں مسئلہ معاد پر لطف سے انسان کی خلقت اور جنین کے اسرار استدلال کرتا ہے اور بارش کے نزول کے زیر اثر مردہ زمینوں کے زندہ ہونے پر استدلال کرتا ہے، اسی طرح اس سورہ (سورہ طارق) میں بھی ان دونوں مسائل پر انحصار کیا ہے۔

بعض مفسرین نے ”والسماوات ذات الارجع“ کے جملے کے لیے ایک اور تفسیر بھی بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کی گردش کی تکرار اور ان کا پہلی حالت کی طرف پلٹنا، زمین کی مختلف ادوار میں اپنے گرد اور سورج کے گرد گردش اور نظام شمسی کے سیاروں کی حرکت، چاند، سورج اور ستاروں کی طلوع و غروب کی حرکت۔ یہ سب حرکتیں بازگشت کی حامل ہیں۔ ان بازگشتوں کا وجود انسان کی حیات تازہ کی طرف بازگشت کی علامت ہے۔ البتہ پہلے معنی

زمین کے شکاف نہ ہونے اور مسئلہ معاد کے دلائل کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔
قول فصل کے معنی ایسی بات کے ہیں جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔ یہاں گزشتہ آیتوں کے قرینہ سے
ایک گروہ نے اسے قیامت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جبکہ مفسرین کی ایک دوسری جماعت اسے قرآن کی طرف
اشارہ سمجھتی ہے۔

معصومین کی بعض روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہوا ہے۔ البتہ قیامت کو یوم الفصل سے تعبیر کرنا
قرآن کی بہت سی آیتوں میں نظر آتا ہے، جو ضمنی طور پر معاد کی خبر دیتی ہیں۔ اس طرح دونوں تفسیروں کے
درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

ایک حدیث میں امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے واسطے سے پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:
(انہا ستكون فتنة قلت فما المخرج منها يا رسول الله قال كتاب الله فيه نيا من قبلك وخبر
ما بعدك وحكم ما بينك وهو الفصل ليس بالهزل من توكة من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى
في غيره اضلّه الله)

”عنقریب تمہارے درمیان فتنہ ظاہر ہوگا۔ میں نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ اس سے نجات کی کیا
صورت ہے؟ فرمایا: قرآن جس میں گزشتہ اور آئندہ لوگوں کی خیر میں اور تمہارے درمیان کے فیصلے ہیں اور وہ
ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے، حکم و پختہ ہے، اس میں شوخی و مزاح نہیں ہے۔ جو جبار اس کو
چھوڑے گا خدا اس کی کمر توڑے گا اور جو شخص اس کے غیر سے ہدایت چاہے گا خدا اس کو گمراہ کر دے گا۔
اس کے بعد پیغمبرؐ کو تسلی دینے کے لیے اور دشمنان اسلام کی تنہید کی عرض سے خداوند عالم مزید فرماتا
ہے، ”وہ ہمیشہ مکر و حیلہ کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں (انہم یکیدون کیداً)۔ میں بھی ان کے مقابلہ میں
ایک منصوبہ بناتا ہوں اور ان کی سازش کو خاک میں ملا دیتا ہوں۔ (واکید کیداً)۔ اب جبکہ معاملہ اس طرح
ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ وہ اپنے اعمال کا انجام دیکھ لیں۔ (فمهل الكافرين
امهلهم رويداً)۔

ہاں! وہ ہمیشہ منحوس منصوبے تجھ سے لڑنے کے بناتے رہتے ہیں۔ کبھی مذاق اڑاتے ہیں، کبھی دیوانہ کھتے
ہیں، کبھی صبح کو ایمان لاتے ہیں اور عصر کے وقت کافر ہو جاتے ہیں تاکہ ایک گروہ کو اپنے ساتھ واپس کفر کی
طرف لے جائیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو لوگ تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں وہ فقراء و بے فوائے ہیں۔ انہیں دور کر تاکہ ہم تیرا ساتھ دیں۔
کبھی کہتے ہیں کم از کم ہمارے بعض خداؤں کو قانونی طور پر قبول کر لے تو ہم تیرا ساتھ دیں گے۔ کبھی تجھے جلا وطن کرنے کا

اور قتل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر لمحے ایک نئے بھیس میں آتے ہیں تاکہ تیری جماعت کو متوہن و منتشر کر دیں اور تیرے اصحاب و انصار پر دباؤ ڈالیں یا تجھے ختم کر دیں اور خدا کے نور کو بجھا دیں۔ لیکن انہیں جاننا چاہیے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ یہ نور عالمگیر ہو جائے۔ یہ خدا کا نور ہے۔ یہ کسی کے چھڑک مارنے سے نہیں بجھ سکتا۔ یہ فروزاں آفتاب ہے جو چمکا ڈروں کی چشم پوشی سے ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ منصوبہ بنانے میں اور ہم بھی اپنی تدابیر کرتے ہیں۔

”کید“ بقول مفردات راغب، ایک قسم کی چارہ جوتی ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مذموم دوسرا پسندیدہ، اگرچہ اس کا استعمال مذموم چارہ جوتی میں زیادہ ہوتا ہے لیکن ممدوح چارہ جوتی میں بھی ہوتا ہے مثلاً (کوز الکف) کدنا لیوسف، ہم نے اس طرح یوسف کے لیے چارہ جوتی کی۔ (یوسف - ۷۶)۔

دشمنوں کے کید محو کی مراد زبیر بخت آیت میں واضح ہے۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کے کچھ عنوانات کے متعلق ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اور قرآن ان کی ایذا رساں سازشوں اور شرارت پر مبنی واقعات سے پہلے باقی رہا خدائی کید اس سے یہاں کیا مراد ہے؟

بعض نے یہاں کہا ہے کہ وہی مہلت دیا ہے جو دردناک عذاب پر منتہی ہوتی ہے اور بعض نے خود عذاب کے معنی میں سمجھا ہے۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ مراد وہی الطاف الہی ہیں جو پیغمبر اور مومنین کے شامل حال تھے اور دشمنان اسلام کو غافل کر دیتے اور ان کی کوششوں کو ختم کر دیتے۔ ان کی سازشوں کو درہم برہم کر دیتے جس کے نمونے تاریخ اسلام میں بہت زیادہ ہیں۔

ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے لطف و مدارت سے پیش آ، انہیں مہلت دے اور ان کے فنا ہو جانے کے بارے میں عجلت سے کام نہ لے۔ انہیں چھوڑ دے کہ کافی حد تک تمام حجت ہو جاتے اور انہیں رہنے دے تاکہ جو لوگ مختصر سی آمادگی بھی رکھتے ہوں وہ آخر کار مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔ اصولی طور پر جلد باز وہ ہوتا ہے جو فرصتوں کے خوف اور امکانات کے باعث سے نکل جانے کا اندیشہ رکھتا ہے اور یہ چیز خداوند قادر و قاہر کے بارے میں کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

قابل توجہ یہ کہ فرماتا ہے: (ضمہل الکافرین) ”کافروں کو مہلت دے“ اور دوبارہ تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے (امہلہم) ”انہیں مہلت دے“

ان میں سے ایک باب تفعیل سے ہے اور دوسرا افعال سے اور اس کی تکرار تاکید کے لیے ہے، بغیر اس کے کہ لفظ کی تکرار ہو اور اس کے کانوں کو بوجھ محسوس ہو۔

”رویداً“ ”رود“ (بروزن عود) کے مادہ سے آمد و رفت رکھنے اور کسی کام کو نرمی سے انجام دینے کے معنی میں ہے۔ یہاں اس کے مصدری معنی مراد ہیں اور تصغیر کا پہلو لیے ہوئے ہیں یعنی انہیں چھوڑی سی مہلت دے لے

اس بنا پر رویداً یہاں مفہول مطلق کا جانشین ہے اور حقیقت میں ایسا ہے جیسا کہ کہا جائے امہلہم امہلا قليلاً اور یہ جو بعض نے احتمال پیش لے (بقیہ اگلے صفحہ)

اس طرح خدا اس مختصر سے جملے میں اپنے پیغمبر کو تین مرتبہ ان سے مدارات کرنے اور انہیں مہلت دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے کہ وہ اپنے کاموں میں، خصوصاً جبکہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، اس وقت حوصلہ اور صبر و شکیبائی سے کام لیں اور ہر قسم کی جلد بازی سے پرہیز کریں۔ کوئی بے محل اقدام نہ کریں اور ہر کام کا منصوبہ بنائیں۔ علاوہ ازیں دین حق کی تبلیغ کی راہ میں ہمیشہ جلد بازی سے پرہیز کریں تاکہ وہ تمام افراد، جن کی ہدایت کا احتمال موجود ہے ایمان لے آئیں اور باقی تمام افراد کے بارے میں اتمام حجت ہو جائے۔

یہ بات کہ یہ مہلت کم اور مختصر کیوں شمار کی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اسلام مختصر سی مدت میں دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا تھا اور کافروں کے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔ انہوں نے پہلی ضرب کا مزہ جنگ بدر میں چکھا۔ اس کے بعد بہت جلد میدانِ احزاب و خیبر و حنین وغیرہ میں ان کے ارادے خاک میں ملے۔ پیغمبر کی زندگی کے آخری دنوں میں نور اسلام سارے جزیرہ العرب پر پھیل گیا اور ایک صدی گزرنے سے پہلے دنیا کے اُس دور کے عمدہ اور اہم حصوں پر اس نے اپنا سایہ ڈال دیا۔ یا پھر اس وجہ سے ہے کہ قیامت کا عذاب بھی نزدیک ہے اور اصولی طور پر جو کچھ قطعی ہو وہ نزدیک شمار ہوتا ہے۔

بہر حال یہ سورہ آسمان اور ستاروں کی قسم سے شروع ہوتا ہے اور سازش کرنے والے حقیقت کے دشمن کفار کی تندیہ پر ختم ہوتا ہے۔ درمیان میں معاد و قیامت کے خوبصورت اور مؤثر دلائل اور افسانوں پر نگہبانوں کے تقرر کے بارے میں پُر لطف بیانات ہیں۔ نیز مومنین کی تسفی و دلداری ہے۔ یہ تمام عنوانات مختصر قسم کی عبارتوں کے ساتھ، جو نہایت ہی لطیف ہے اور مخصوص قسم کی قاطعیت لیے ہوئے ہیں، بیان ہوئے ہیں۔

خداوند! دشمنوں کے کید و مکر کا رُخ، جو ہمارے زمانے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے، خود انہی کی طرف کر دے اور ان کے منحوس منصوبے نقش بر آب کر دے۔

پروردگارا! جس روز اسرار کھل جائیں گے اس روز ہمیں شرمندہ نہ کیجئے۔

بار الہا! ہم تیرے علاوہ کوئی قوت، ناصر اور مددگار نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنے غیر کے سپرد نہ کیجئے۔

آمین یا رب العالمین

سورۃ طارق کا اختتام

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) کیا ہے کہ رویداً ایسا امر کے معنی رکھتا ہے اسی لیے تین امر پے در پے آئے ہیں، بعید نظر آتا ہے البتہ روید امر کے معنی میں اور اسم مفعول کی شکل میں بھی آیا ہے لیکن زیر بحث آیت سے مناسب اور اس لفظ کے منصوب ہونے کے ساتھ موزوں یہی ہے کہ مفعول مطلق ہو۔

سورۃ اعلیٰ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۱۹ آیتیں ہیں

تاریخ ابتدا : ۲۴ شعبان / ۴۰۷ھ

سورۃ الاعلیٰ کے مضامین اور ان کی فضیلت

اس سورہ کے درحقیقت دو حصہ ہیں۔ ایک حصہ تو وہ ہے جس میں روئے سخن خود پیغمبر کی طرف ہے اور ان کے لیے تسبیح پروردگار اور ادا تے فرض رسالت کے سلسلہ میں احکام جاری کیے گئے ہیں۔ اُس حصہ میں خدائے بزرگ دہتر کے سات اوصاف شمار کرائے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو خوفِ خدا رکھنے والے مومنین اور شقی القلب کفار کی بات کرتا ہے۔ اس حصہ میں ان دونوں گروہوں کی سعادت و شقاوت کے عوامل و اسباب اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

سورہ کے آخر میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ مطالب صرف قرآن ہی میں نہیں آتے بلکہ وہ حتاتی ہیں جن پر گزشتہ کتب و صحف اور صحفِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی تاکید آئی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ہم تک بہت سی روایات پہنچی ہیں۔ ایک حدیث ہمیں پیغمبر اسلام کی ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«من قرأها اعطاه الله عشر مہنات بعد دکل حرف انزل الله علی ابراہیم و موسیٰ و محمد (صلوٰۃ الله علیہم) جو شخص سورہ الاعلیٰ کی تلاوت کرے خدا ہر اس حرف کے بدلے جو اس نے ابراہیم، موسیٰ اور محمد پر نازل کیا ہے دس نیکیاں اسے عطا فرمائے گا» ۱

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ من قرأ سبح اسم ربك الاعلیٰ فی فرائضہ او نوافلہ قيل له یوم القیامۃ ادخل الجنة من ای ابواب الجنة شئت انشاء الله) جو شخص اپنے فرائض یا نوافل میں سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے تو قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جاؤ انشاء اللہ) ۲

متعدد روایات میں آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر یا ائمہ ہدیٰ « سبح اسم ربك الاعلیٰ » پڑھتے تو اس کے بعد اس حکم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے « سبحان ربی الاعلیٰ » ۳

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے بیس راتوں کو آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی تو سوائے سبح اسم ربك الاعلیٰ کے اور کوئی سورۃ آپ نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے اگر تم جانتے کہ اس میں کیا برکتیں ہیں تو تم میں سے ہر شخص اسے دس مرتبہ پڑھنا۔ اور جو شخص اسے پڑھے گویا اس نے موسیٰ و ابراہیم کے صحف کی تلاوت کی ہے ۴

۱۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔

۲۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔

۳۔ تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۲۳۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجموعہ روایات جو اس سلسلہ میں دستیاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ یہ سورہ پیغمبر اکرمؐ کو محبوب سورہ تھا۔ (کا ذر رسول اللہ یحب هذه السورة صح اسم ريبك الاعلیٰ) ۱

یہ بات کہ یہ سورہ مکی ہے یا مدنی، اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکی ہے۔ نازل ہوا جبکہ بعض کا نظریہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوا۔ علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس سورہ کا پہلا حصہ مکی ہو اور دوسرا حصہ (ذیلی) مدنی۔ وہ اس لیے کہ ذیل میں گفتگو نماز اور زکوٰۃ کی ہے اور، اس فقرہ کے مطابق جو آئمہ اہل بیتؑ سے ہم تک پہنچی ہے، نماز سے مراد نماز عید الفطر اور زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے اور ہم جاہل ہیں کہ ماہ رمضان کے روزے، نماز عید اور زکوٰۃ فطرہ مدینہ میں نازل ہوتے ہیں۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ نماز و زکوٰۃ کا حکم اس سورہ کے آخری حصہ میں ایک عام حکم کے طور پر ہے، اگرچہ عید الفطر اور زکوٰۃ فطرہ اس کے ایک واضح مصداق شمار ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ واضح مصداق کے ساتھ ذرا اہل بیت بہت ہی فراوان ہے۔ اس وجہ سے ان مشہور علماء کا نظریہ جو کہتے ہیں کہ تمام سورہ مکی ہے، بعید نظر نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ آغاز سورہ کی آیات اور اختتام سورہ کی آیات مکمل طور پر، مقاطع حروف کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ مشکل ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ ایک حصہ مکہ میں نازل ہوا اور ایک مدینہ میں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کا جو گروہ بھی مدینہ میں داخل ہوتا تو یہی سورہ مدینہ میں لوگوں کے سامنے پڑھتا۔ پس یہ احتمال کہ اس کا صرف صدر حصہ مکہ میں اور اس کا ذیلی حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہو، بہت ہی بعید نظر آتا ہے۔

۱ تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۲۷۲۔

۲ المیزان، جلد ۲۰ ص ۳۸۶۔

۳ تفسیر در المنثور، ج ۶ ص ۳۳۷ یہ مفصل حدیث ہے جس کے اجمال مفہوم کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الَّاَعْلٰی ۝

۲ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝

۳ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝

۴ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝

۵ فَجَعَلَهُ غُثَاآءً اَحْوٰی ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے اپنے بلند مرتبہ پروردگار کے نام کی تسبیح کر (اور اسے منزہ رکھ)۔

۱ وہ خدا جس نے پیدا کیا اور منظم کیا۔

۲ اور وہ جس نے منظم کیا اور ہدایت فرمائی۔

۳ اور وہ جس نے چراگاہ کو ظاہر کیا۔

۴ پھر اسے خشک اور سیاہ قرار دیا۔

تفسیر

خداوندِ عظیم کی تسبیح کر

یہ سورہ حقیقت میں مکتبِ انبیا کی دعوتِ فکر کا پھول اور خلاصے یعنی پروردگارِ عالم کی تسبیحِ اقدس سے

شروع ہوتا ہے۔

پروردگارِ عالم ابتداء میں روئے سخن پیغمبرِ اسلام کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اپنے بلند مرتبہ پروردگار

کے نام کو ہر عیب و نقص سے منزہ شمار کر" (سبح اسم ربك الاعلیٰ)۔

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ یہاں اسم سے مراد سنی ہے جبکہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ مراد

خود اسم پروردگار ہے، وہ نام جو سعی پر دلالت کرتا ہے۔ ان دونوں تفسیروں کے درمیان کوئی خاص منسوق نہیں بہر حال مراد یہ ہے کہ خدا کا نام بتوں کے ناموں کا ہم ردیلت قرار نہ دیا جائے اور اس کی ذات پاک کو ہم ہر قسم کے عیب و نقص سے، جسم و جسمانیات کے عوارض سے اور ہر قسم کی محدودیت و نقصان سے منزہ شمار کریں بت پرستوں کی طرح نہیں جو خدا کا نام بتوں کے نام کے ساتھ لیتے تھے، یا وہ لوگ جو خدا کو جسم و جسمانیات سے منزہ خیال نہیں کرتے۔

”اعلیٰ“ کی تعبیر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ ہر شخص اور ہر اُس چیز سے، جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، ہر خیال و قیاس و گمان سے اور ہر قسم کے جلی و خنی شرک سے برتر و بالا ہے۔

”ربک“ رتیرا پروردگار کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ وہ پروردگار جس کی طرف تو لوگوں کو بلاتا ہے بت پرستوں کے پروردگار سے الگ ہے۔

رب و اعلیٰ کی دو صفوں کے بعد ان کی وضاحت کے لیے پانچ اور صفات بیان کرتا ہے جو سب کی سب پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کی تشریح میں فرماتا ہے: ”وہ خدا جس نے پیدا کیا اور مرتب و منظم کیا“ (الذی خلق فسوی)۔

”سوی“ تسویہ کے مادہ سے نظام بخشنے اور مرتب کرنے کے معنی میں ہے۔ اس کا ایک وسیع مفہوم ہے جو عالم کے تمام نظاموں پر محیط ہے۔ قطع نظر اس نظام سے جو آسمانی ستاروں پر حاکم ہے، یا جو زمینی مخلوقات پر حکم فرما ہے، انسان کی جسم و جان کے لحاظ سے۔

اور یہ جو بعض مفسرین نے صرف انسان کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کے خاص نظام یا انسان کے راست قامت ہونے کے ساتھ تفسیر کی ہے، درحقیقت وہ اس مفہوم کے ایک محدود و مصداق کا بیان ہے۔ بہر حال عالم آفرینش کا نظام جو عظیم ترین آسمانی نظاموں پر حاوی ہے، پروردگار کی ربوبیت اور اس کے وجود کے اثبات کے لیے سادہ اور عام موضوعات کا موید ہے۔ مثلاً انسان کی انگلیوں کی پوروں کی لکیروں تک، جن کی جانب سورۃ قیامت میں اشارہ ہوا ہے: (بلی قادرین علیٰ ان نسوی بنانہ) (قیامت - ۴)۔ اس مختصر سی تعبیر میں مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔

آفرینش اور خلقت کی تنظیم کے مسئلہ کے بعد حرکت کمالی اور اس کی راہ میں موجودات کی ہدایت کے لیے لائحہ عمل مقرر کرنے کے موضوع کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ جس نے تقدیر مقرر کی اور ہدایت فرمائی“ (والذی قدر فہدی)۔

تقدیر سے مراد اندازہ، اہداف و مقاصد اور رو بہ عمل ہونے کے لائحہ عمل کی تعیین ہے جن کے لیے موجودات کو خلق کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد وہی ہدایت تکوینی ہے جو محرکات اور قوانین کی شکل میں ہے اور جسے ہر موجود پر حاکم قرار دیا جاتا ہے (عام اس سے کہ وہ اندرونی محرک ہوں یا بیرونی)۔

مثلاً ایک طرف ماں کے پستان اور اس کے دودھ کو بچے کی غذا کے لیے پیدا کیا ہے، ماں کو شدید محبت ماری سے نوازا ہے اور دوسری طرف بچے میں محرک پیدا کیا ہے جو اسے ماں کے پستان کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ آمادگی دونوں طرف کی قوتِ جاذبہ تمام موجودات کی راہِ مقاصد میں نظر آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر موجود کی ساخت کے بارے میں تدبیر و تفکر کرنا اور وہ راہِ عمل جسے وہ اپنی پوری زندگی میں طے کرتا ہے، یہ دونوں باتیں اس حقیقت کا پتہ دیتی ہیں کہ نہایت باریک بینی پر مبنی ایک لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے، طاقتور جہتِ ہدایت اس کے پیچھے ہے جو اس لائحہ عمل کے اجراء میں مدد کرتا ہے، اور یہ پروردگار کی ربوبیت کی ایک اور نشانی ہے۔

البتہ انسان کے لیے ہدایتِ تکوینی کے پروردگار کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت بھی موجود ہے جو وحی اور بعثتِ انبیاء کے ذریعہ صورت پذیر ہوتی ہے۔ اس کا نام ہدایتِ تشریحی ہے۔ قابلِ توجہ یہ امر ہے کہ انسان کی ہدایت تشریحی بھی اس کی ہدایتِ تکوینی کی تکمیل کرتی ہے۔

اسی مفہوم کو سورہ طہ کی آیت ۵۰ میں بھی پیش کیا گیا ہے جہاں حضرت موسیٰ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (فمن ربکم یا موسیٰ) فرماتے ہیں (ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ شوہدی) ”ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر موجود کو اس کی خلقت کا لازمہ عطا فرمایا اور پھر اس کی ہدایت کی ہے“

اس بات کا مفہوم موسیٰ ابن عمران کے زمانہ میں یا نزولِ قرآن کے زمانہ میں اگرچہ مختصراً معلوم تھا لیکن موجود زمانہ میں، جبکہ انسانی علوم و دانش نے انواعِ موجودات کی شناخت کے سلسلہ میں خصوصاً پودوں اور جانداروں کے بارے میں بڑی پیش رفت کی ہے، اب بہت سی معلومات عام ہو چکی ہیں اور ہزار ہا کتابیں اس تقدیر اور ہدایتِ تکوینی کے سلسلہ میں معرضِ تحریر میں آچکی ہیں۔ اس کے باوجود محققین کہتے ہیں کہ جو کچھ ابھی معلوم نہیں کیا جاسکا وہ کئی گنا زیادہ ہے۔

بعد والے مرحلہ میں گیاه و نباتات یعنی چوپاؤں کی غذا کی طرف خصوصی اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے :
”وہ جو چراگاہ کو وجود میں لایا اور اسے زمین کے اندر سے باہر نکالا“ (والذی اخروج المرعی)۔

”اخراج“ کی تعبیر ”اخراج“ کے مادہ سے اس طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ سب زمین کے اندر موجود تھے اور خدا نے انہیں باہر نکالا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حیوانات کی غذا انسانی غذا کی تمید ہے اور اس کا فائدہ آخر کار انسان کو پہنچتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے : ”اس کے بعد خدا نے اسے خشک اور سیاہ قرار دیا“ (فجعلہ غنأً احوی)۔
”غنأ“ اصل میں خشک گھاس کے معنی میں ہے جو سیلاب کے نتیجہ میں نکلتی ہے۔ وہ جھاگ جو دیگ کے جوش کھانے سے پیدا ہوتا ہے، اسے بھی غنأ کہتے ہیں۔ یہ تعبیر ہر اس چیز کے لیے کنایہ ہے جو ضائع ہو جاتی ہے۔

زیر بخت آیت میں غشا کے معنی خشک گھاس اور فضول چیز کے ہیں۔

» احوای « حوہ « بروزن قوہ کے مادہ سے کبھی سبز رنگ اور کبھی سیاہ رنگ کے معنی دیتا ہے اور دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، اس لیے کہ سبز رنگ جب زیادہ سبز ہو تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یہ تعبیر اس بناء پر ہے کہ خشک گھاس جب اوپر تلے پڑی ہو تو آہستہ آہستہ سیاہ ہونے لگتی ہے۔ اس تعبیر کا انتخاب، باوجود کہ خدائی نعمتوں کے بیان کے محل پر ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ مندرجہ ذیل تین علتوں میں سے اس کی ایک علت ارہیل علت یہ کہ گھاس وغیرہ کی کیفیت دنیا کے فانی ہونے کو ظاہر کرتی ہے اور انسانوں کے لیے ہمیشہ درس عبرت کا کام دیتی ہے۔ وہ سبزہ جو فصل بہار میں تروتازہ اور مسرت بخش تھا، چند ماہ گزرنے کے بعد خشک ہو کر سیاہ رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ گویا زبانِ حال سے دنیا کی ناپائیداری اور دست کے تیزی سے گزرنے کی داستان سناتی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خشک گھاس جب اوپر نیچے رکھ دی جائے اور بوسیدہ ہو جائے تو ایک قسم کی کھاد بنا جاتی ہے جو نئی گھاس کو پرورش کے لیے مفید ہوتی ہے اور زمین کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ تیسری علت یہ ہے کہ بعض مفسرین کے مطابق اس آیت میں گھاس اور درختوں سے پتھر کے کوٹوں کا تخلیق کی طرف اشارہ ہے، اس لیے ہم جانتے ہیں کہ پتھر کا کوئلہ جو کرۂ زمین سے حاصل ہونے والی قوتوں میں سے ایک اہم ترین قوت ہے، انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنی صنعتوں اور کارخانوں میں اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا چکا ہے اور اب بھی اٹھاتا ہے۔

یہ کوئلہ گیہ اور درختوں کا باقی ماندہ حصہ تھا جو کئی ملین سال سے خشک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا اور متناثر زمانہ کے ساتھ ساتھ پتھر بن کر سیاہ رنگ اختیار کر چکا ہے۔ بعض ماہرین کا نظریہ ہے کہ وہ چراگاہیں جو موجودہ زمانہ میں پتھر کے کوئلے کی شکل اختیار کر کے نکل آتی ہیں تقریباً ڈھائی ملین سال پہلے موجود تھیں اور پھر زمین میں دفن ہو گئیں یہ چراگاہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر موجودہ زمانے میں پتھر کے کوئلہ کا مصرف ہم اپنی نگاہ میں رکھیں تو درچار ہزار سال سے زیادہ دنیا کے لوگوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

آیت کی تفسیر خصوصیت کے ساتھ آخری معنی کے حوالہ سے بعید از قیاس نظر آتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ آیت کے جامع معانی ہوں، جس میں تینوں تفسیریں جمع ہوں۔

بہر حال (غشاء احوای) » خشک سیاہ رنگ کی گھاس « بہت سی منفعتیں رکھتی ہے۔ سردی کے زلزلے میں جانوروں کی مناسب غذا بھی ہے، انسان کے لیے آگ کی فراہمی کا ذریعہ بھی اور زمینوں کے لیے مناسب کھاد بھی ہے۔

۱۔ آخری تفسیر کتاب «قرآن بر فراز اعصار» تالیف ع نونل ترجمہ بہرام پور میں بیان ہوئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ سات صفحتیں، جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہیں، بلند و بالا ربوبیت، خلقت، تسویہ، تقدیر، ہدایت اور گیہ و نباتات کی تخلیق، یہ حقیقت میں پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کے مسلک کی نہایت احسن انداز میں تشریح ہے جس کا مطالعہ انسان کو خدا کے اعلیٰ مقام ربوبیت سے اچھی طرح آشنا ہے، اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کرتا ہے، خدا کی اہم ترین نعمتوں کو اجمالی طور پر بیان کرتا ہے اور انسان میں شکرگزاری کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ایک نکتہ

مسئلہ تقدیر اور موجودات عالم کی عمومی ہدایت جو اوپر والی آیات میں پروردگار کی ربوبیت کے مظاہر میں شمار ہوتی ہے، ایسے مسائل میں سے ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جائے اور انسانی علم و دانش میں پیش رفت ہوگی، اسی قدر اس میں زیادہ سے زیادہ حقائق آشکار ہوتے جائیں گے۔ علمی انکشافات ہمیں یہ امکان فراہم کرتے ہیں کہ ہم تمام ذرات عالم میں نئے، تعجب انگیز اور زیادہ شوق آور چہرے دیکھیں۔

بعض مفسرین نے یہاں مشہور ماہر حیوانات کمریسی مورسین کی کتاب (راز آفرینش انسان) کی تحریروں سے استناد کرتے ہوئے مختلف جانداروں کے حوالے سے حیوانات کی ہدایت کے بارے میں اس عظیم راز کے نونے پیش کیے ہیں جس کا ایک مختصر سا نمونہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ماجر پرندے، جو کبھی ایک سال کے اندر سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں کا ہزار یا میل کا راستہ طے کرتے ہیں، اپنے آشیانوں کو کبھی نہیں بھولتے اور واپسی پر ٹھیک اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح شد کی مکھیاں اپنے چھتے سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو جائیں اور تیز ہوا انہیں کتنا ہی منتشر کیوں نہ کر دے، پھر بھی وہ ٹھیک اپنے چھتے کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں، جبکہ انسان اپنے وطن کی طرف لوٹنے کے لیے واضح نشانیوں، پتوں اور رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

۲۔ حشرات الارض خوردبینی آنکھیں رکھتے ہیں جن کی ساخت اور دیکھنے کی طاقت انسان کو درطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے جبکہ باز جیسے پرندے دور بینی آنکھ رکھتے ہیں۔

۳۔ انسان رات کے وقت اپنا راستہ معلوم کرنے کے لیے مجبور ہے کہ منبع نور سے فائدہ اٹھائے لیکن بہت سے پرندے انتہائی تاریکی شب میں اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ ان کا یہ دیکھنا ایسی آنکھوں کے ذریعہ ہے جو ایسی شعاؤں کے مقابلہ میں جو سرخ رنگ سے کم ہیں، حساسیت رکھتی ہیں اور اس طرح راڈار کی دستگاہ کی مانند ہیں جن میں سے بعض کے اندر یہ دستگاہ یادگار کے طور پر رکھی ہوئی ہے۔

۴۔ کتے ایک اضافی قوت شامہ رکھنے کی وجہ سے ہر اس جانور کو جو ان کے سامنے آئے سونگھ کر پہچان لیتے ہیں جبکہ انسان ان وسائل و ذرائع کے باوجود جو اسے میسر ہیں اس قسم کی قوت سے محروم ہے۔

۵۔ تمام جانور ان آوازوں کو سن لیتے ہیں جن کی شدت ارتعاش ہماری قوت سامعہ کی گرفت سے باہر ہے۔ ان کی

قوت سماعت ہماری قوت سماعت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ انسان اپنی اس کوتاہی کی تلافی علمی وسائل و آلات کے ذریعہ کر سکتا ہے اور مچھی کے پروں کی آواز جو اس سے کئی کلومیٹر دور ہو، اس طرح سن سکتا ہے گویا یہ آواز اس کی کان کی لو کے نزدیک ہے۔ شاید انسان اور حیوان کی قوت و طاقت و سماعت کا یہ فرق، جو خدا نے دونوں میں رکھا۔ بنا پر ہے کہ انسان علم و عقل کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر سکتا ہے جب کہ حیوان اس سے محروم ہیں۔

۶۔ چھوٹی مچھلی کی ایک قسم ہے جو سالہا سال سمندر میں زندگی گزارتی ہے۔ اس کے بعد تخم ریزی کے لیے ڈاکا نہر یا دریا کی طرف لوٹ جاتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ مچھلی امواج کے برعکس بڑھتی ہے اور اپنے اس اصلی وطن کو، جو اس کی پرورش سے مناسبت رکھتا ہے کئی سال دور فاصلہ پر رہنے کے باوجود اسے تلاش کر لیتی ہے۔

۷۔ پانی کے بعض جانوروں کی داستان اس سے زیادہ عجیب ہے۔ وہ اپنے راستے کو اس طریقہ کے برعکس طے کرتے ہیں۔

سُنُقْرُكَ فَلَا تَنْسَى ۝
 إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ۝
 وَيُنِيرُكَ لِلْيُسْرَى ۝
 فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى ۝
 سَيَذَكِّرْ مَنْ يَخْشَى ۝
 وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝
 الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝
 ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝

۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳

ترجمہ

- ۶ ہم عنقریب تیرے سامنے (قرآن کو) پڑھیں گے اور تو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔
- ۷ مگر جو کچھ خدا چاہے۔ وہ آشکار اور پنہاں کو جانتا ہے۔
- ۸ اور ہم تمہیں ہر اچھے کام کے انجام دینے کے لیے آمادہ کریں گے۔
- ۹ تو جہاں تک سمجھنا مفید ہو، سمجھاتے رہو۔
- ۱۰ اور عنقریب وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں متذکر ہوں گے۔
- ۱۱ لیکن زیادہ بد بخت لوگ اس سے دُوری اختیار کرتے ہیں۔
- ۱۲ وہی جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔

پھر اس آگ میں نہ مرے گا، نہ زندہ رہے گا۔

۱۳

تفسیر

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے

گزشتہ آیتوں میں پروردگار کی ربوبیت اور توحید کے بارے میں گفتگو تھی۔ اس کے بعد زیر بحث آیتوں میں قرآن اور پیغمبر کی نبوت کی بات ہو رہی ہے۔ گزشتہ آیات میں عام موجودات کی ہدایت کے متعلق گفتگو تھی اور زیر بحث آیات میں نوع انسانی کی ہدایت کی بات ہے۔ خلاصہ یہ کہ گزشتہ آیات میں پروردگار علیٰ داعی کی تعریف کا ذکر آیا تھا اور ان آیات میں اس قرآن کی بات ہے جو اس تسبیح کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ”ہم عنقریب تیرے لیے قرأت کریں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا“ (سنقرئک فلا تنس) اس بنا پر نزول وحی کے وقت عجلت سے کام نہ لے اور آیاتِ الہی کے بھول جانے کے بارے میں کبھی پریشاں نہ ہو۔ وہ ذات جس نے یہ عظیم آیات انسانوں کی ہدایت کے لیے تجھ پر نازل کی ہیں، وہ ان کا محافظ و نگہبان بھی ہے۔ وہ ان آیات کا نقش تیرے مبارک سینے میں اس طرح ثبت کرے گا کہ نسیان کا گرد و غبار اسے کبھی مٹا نہیں کرے۔ یہ اس مفہوم کی نظر ہے جو سورہ ظہ کی آیت ۱۱۲ میں آیا ہے (ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ وقل رب زدنی علماً) ”قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں اس سے پہلے کہ اس کی وحی تجھ پر تمام ہو، جلدی نہ کر کہہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما“

پھر سورہ قیامت کی آیت ۱۶-۱۷ میں ہم پڑھتے ہیں: (لا تمحک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جحد وکلیم) ”اپنی زبان کو قرآن کے ساتھ حرکت نہ دے اس سے پہلے کہ وحی تجھ پر تمام ہو۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کو جمع کریں اور تیرے سامنے پڑھیں“

اس کے بعد خدا کی قدرت کو ثابت کرنے اور یہ کہ جو کچھ خیر و برکت ہے وہ اسی کی طرف ہے، مزید کتاب اللہ میں ”تو آیاتِ الہی میں سے کسی چیز کو نہیں بھولے گا، مگر وہ جسے خدا چاہے۔ اس لیے کہ وہ آشکار و پنهان کو جاننے والا ہے (الا ماشاء اللہ انہ یعلم الجہم وما یخفی)۔

اس تعبیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ پیغمبر آیاتِ الہی میں سے کسی چیز کو بھول جائیں گے، یا ان کی گفتگو سے اطمینان سلب ہو جائے گا۔

مقصود کلام یہ ہے کہ آیاتِ الہی کو یاد رکھنے کی نعمت خدا کی طرف سے ہے، لہذا جس وقت وہ چاہے اسے پیغمبر سے چھین سکتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں ہدف و مقصد خدا کے علم ذاتی اور اس کے پیغمبر کے علم وہی کے درمیان جو فرق ہے اس کو بیان کرتا ہے۔

یہ آیت حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ ہود کی آیت ۱۰۸ میں اہل بہشت کے جنت میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں آئی ہے (و اما الذین سعدوا ففی الجنة خالدین فیہا ما دامت السماوات والارض الا ماشاء ربک عطاء غیر مجدوذ) "سعادت مند ہمیشہ جنت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر وہ جو تیرا پروردگار چاہے، یہ عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی"

یہ طے شدہ بات ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور آیت کا آخری حصہ گواہ ہے (الا ماشاء ربک) کا جملہ خدا کے ارادہ و حکایت کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز اس کی مشیت سے ربط رکھتی ہے، اپنی ابتدا و خلقت میں بھی اور بقا و استمرار میں بھی۔

من جملہ ان امور کے جو اس موضوع کے گواہ ہیں، یہ ہے کہ بعض مسائل کو یاد رکھنا اور بعض کو بھول جانا تمام انسانوں میں موجود ہے اور یہ کوئی امتیاز و خصوصیت نہیں ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے لیے ایک نعمت کے طور پر بیان کرے۔ لہذا مراد تمام آیات قرآن اور احکام و معارف اسلام کا حفظ اور یاد رکھنا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس استثناء سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر بہت بعید نظر آتی ہے۔ اصولی طور پر اس قسم کی آیات کا وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ استثناء قرأت سے متعلق ہے۔ اس لیے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم عنقریب تیرے لیے قرأت کریں گے اور اپنی آیات کو بیان کریں گے، مگر وہ آیات جن کے بارے میں تیرے پروردگار نے ارادہ کیا ہے اور اس کے علم مخزون میں پوشیدہ رہ جائیں۔ یہ تفسیر بھی آیات کے سیاق کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعید نظر آتی ہے۔ (انہ یعلم الجہر وما یخفی) کا جملہ حقیقت میں اس مفہوم کی علت کا بیان ہے جو سنقر و ک کے جملہ میں آیا ہے، جو اس طرف اشارہ ہے کہ وہ خدا جو تمام آشکار و پنهان حقائق سے باخبر ہے، وہ تجھ پر نوع بشر کی احتیاجات میں سے باقی رہ جانے والی چیزیں وحی کے ذریعہ القا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کرے گا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ پیغمبر وحی کے حصول میں عجلت نہ کریں اور بھول چوک کا خوف نہ رکھیں، اس لیے کہ وہ خدا، جو آشکار و پنهان حقائق کا عالم ہے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ پیغمبر کو نسیان نہیں ہوگا۔ بہر حال یہ پیغمبر اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ طولانی آیات کو جبرائیل کے ایک ہی مرتبہ تلاوت کرنے سے یاد کر لیتے، ہمیشہ یاد رکھتے اور کوئی بات بھی نہیں بھولتے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر کی دلداری کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ہم تجھے ہر اچھے کام کے انجام دینے کی توفیق دیں گے"

(رویسرک للیسری) ۱۵

بعض نے کہا ہے کہ واقعی آیت کا مفہوم ویسرا لیسری لک تھا، اور تاکید کے عنوان سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے اور ویسرا لیسری ہو گیا ہے۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ ویسرا لیسری لک کے معنی میں نہ ہو ورنہ تقویم و تاخیر کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں مقصود کلام یہ ہے کہ اس راستہ میں جو تجھے درپیش ہے، بہت سی سختیاں اور مشکلات ہیں، وحی کے اخذ کرنے اور اسے یاد رکھنے کی راہ میں بھی، تبلیغ رسالت میں بھی اور اچھے کام انجام دینے میں بھی۔ ہم ان تمام امور میں (وحی کے حصول، اس کی تبلیغ، نشر و اشاعت، تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے میں) تیری مدد کریں گے اور مشکلات کو تجھ پر آسان کر دیں گے۔

یہ جملہ، ہو سکتا ہے کہ دعوت فکر پیغمبر کے نفس مضمون، پیغمبر کی ذمہ داریوں اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے لائحہ عمل کی طرف بھی اشارہ ہو، یعنی اس کا مفہوم مضمون آسان ہے، اس کی شریعت شریعت سہلہ ہے اور اس کا خدائی دین میں حوصلہ شکن تکلیفیں اور ذمہ داریاں نہیں ہیں۔

اس بنا پر مندرجہ بالا آیات کا ایک بہت ہی وسیع مفہوم ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسرین نے اسے اس کی ایک ہی جہت میں محدود کر دیا ہے، اور واقعی اگر خدا کی مدد، توفیق اور نصرت نہ ہوتی تو ان تمام مشکلات پر پیغمبر کا قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ خود پیغمبر اسلام کی زندگی بھی اس حقیقت کی تعلیم کا ایک نمونہ تھی۔ آپ کسی چیز میں بھی، قطع نظر اس سے کہ لباس، خوراک، سواری یا زندگی کے دوسرے وسائل میں سخت گیر نہیں تھے۔ ہر مناسب غذا کھا لیتے، ہر قسم کا لباس جو باعث عیب و نقص نہ ہوتا، زیب تن فرما لیتے، کبھی بستر پر آرام کرتے، کبھی عام فرش پر، حتیٰ کہ کبھی بیابان کے ریت پر۔ نیز آپ ہر قسم کے تعلق اور تقيّد سے آزاد تھے۔

پیغمبر اسلام پر وحی آسمانی کی موجب و نعمت اور آپ کے لیے توفیق اور تسہیل امور کے وعدے کے بیان کرنے کے بعد آپ کی اہم ترین ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "پس تذکرہ اگر تذکرہ مفید ہو" (فذکر ان نفع الذکر ای)۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تذکرہ بہر حال مفید ہے۔ وہ افراد جو اس سے کسی طرح بھی مستفید نہ ہوں، وہ بہت کم ہیں۔ علاوہ ازیں اور کچھ نہیں تو کم از کم منکرین پر اتمام حجت کا سبب ہے، جو بجائے خود ایک بہت بڑی منفعت ہے۔

بیکہ بعض کا نظریہ ہے کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تذکرہ اور یاد دہانی کراچاہے مفید ہو یا نہ ہو (فذکر ان نفع الذکر ای اولم تنفع) یہ حقیقت میں اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نحل کی آیت^{۸۱} میں آئی ہے (وجعل لکم سوابیل تقیکم الحرج) خدا نے تمہارے لیے پیراہن قرار دینے میں جو نہیں گرمی (رزہ)

۸۱ اور یہ جو قرآن کتاب ہے سوا علیہم، انذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون) ان کے لیے برابر ہے چاہے تو انہیں ڈراتے یا نہ ڈراتے وہ ایمان نہیں لائیں گے (بقرہ-۶) یہ لوگوں کی صرف ایک اقلیت کے لیے ہے، درنہ اکثریت بہر حال اچھی باتوں کا اثر لیتی ہے۔ البتہ بعض لوگ بہت زیادہ اور اس کے برعکس بعض لوگ بہت کم اثر لیتے ہیں۔ لیکن بہر حال سنجیدہ باتیں عام طور پر اثر کرتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں جملہ شرطیہ قید غالب کی قبیل سے ہے جو اثر نہیں رکھتی۔

سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں صرف گرمی کا ذکر ہوا ہے اور سردی قرینہ تقابلی سے معلوم ہوتی ہے لیکن بعض مفسرین کا اصرار ہے کہ جملہ شرطیہ یہاں مفہوم رکھتا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہاں تذکرہ جہاں مفید ہو اور جہاں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ "ان" یہاں شرطیہ نہ ہو بلکہ "قد" کے معنی میں تاکید و تحقیق کے لیے ہو، اور جملہ کا مفہوم یہ ہو کہ تذکرہ کر کیونکہ تذکرہ مفید و فائدہ بخش ہے۔ ان چاروں تفسیروں میں سے سب سے زیادہ مناسب پہلی تفسیر ہے۔

پیغمبر اسلام کا لائحہ عمل بھی اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنی تبلیغات و تذکرات کے لیے کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں تھے سب کو وعظ و نصیحت کرتے اور خوفِ خدا دلاتے تھے۔

بعد والی آیت میں تذکرہ، وعظ اور انذار کے مقابلہ میں لوگوں کے رد عمل کو پیش کرتا ہے اور انہیں دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتا ہے: "عنقریب وہ لوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں اور مسئولیت و ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، متذکر ہوں گے" (سید کو من یخشی)۔

جی ہاں! جب تک روح میں خوفِ خدا اور خشیتِ الہی نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں حق طلبی اور حق جوئی کی روح انسان میں نہ ہو، جو تقویٰ کا ایک مرتبہ ہے تو مواظبِ اللہ اور تذکراتِ انبیاء فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اسی لیے سورہ بقرہ کے آغاز میں پروردگار قرآن کو پرہیزگاروں کے لیے سببِ ہدایت شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ہدی للمتقین) ایک بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کو پیش کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے: "لیکن زیادہ بد بخت افراد اس سے ڈری اختیار کرتے ہیں" (وایتجنبھا الا شقی)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ آیت (سید کو من یخشی) عبد اللہ ابن مکتوم، پاک دل و حق طلب نابینا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ (وایتجنبھا الا شقی) ولید بن مغیرہ اور عبید بن ربیع کے بارے میں ہے جو کفار و مشرکین کے سرغنہ تھے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اشقی سے مراد یہاں معاندین اور دشمنانِ حق ہیں، اس لیے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں: ایک عارف و آگاہ گروہ، دوسرا متوقف اور شک کرنے والا گروہ اور تیسرا دشمنی کرنے والا گروہ۔ فطری و طبعی امر ہے کہ پہلا اور دوسرا گروہ تو فہمائش سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ صرف تیسرا گروہ ہے جو مثبت فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ان کے بارے میں فہمائش کی تاخیر صرف وہی اتمامِ حجت ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۰ یتجنبھا کی ضمیر ذکر کی طرف لوثی ہے جو گذشتہ آیات میں آیا ہے (غور کیجئے)۔

۱۱ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۱۱۰، دوسرا حصہ تفسیر کشف روح المعانی زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

اس آیت سے ضمنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ قبر سے گروہ کو بھی اپنی فمائش سے مستفید فرماتے تھے لیکن وہ لوگ دُوری اختیار کرتے اور روگرداں ہوتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں شقاوت و خشیت کا نقطہ مقابل قرار دیا گیا ہے جبکہ تلمذہ سے سعادت کے مقابلہ میں قرار پانا چاہیے تھا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش بختی کا اصل سبب مشورہ و نصیحت ہے۔

بعد والی آیت میں آخری گروہ کی سر نوشت اس طرح بیان فرماتا ہے: «وہ شقی جو دوزخ کی عظیم آگ میں داخل ہوگا اور وہاں قرار پائے گا» (الذی یصلی النار الکبریٰ)۔ پھر اس آگ میں ہمیشہ رہے گا، نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ (نم لا یموت فیہا ولا یحییٰ)۔ یعنی نہ تو مرے گا تاکہ آسودہ ہو اور نہ اس حالت کو جس میں وہ ہرگز زندہ نہ ہو نام دیا جاسکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی اور موت کے درمیان ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا جو کیفیت ایسے افراد کے لئے برترین بلا و مصیبت ہے۔

(النار الکبریٰ) سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جہنم کا سب سے بچلا طبقہ اسفل السافلین ہے ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ مشقی ترین اور معاندترین لوگ ہیں۔ لہذا ان پر نازل ہونے والا عذاب بھی سخت ترین اور سزاوار ترین ہونا چاہیے لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آگ کی لفظ کبریٰ کے ساتھ توصیف آتش صغریٰ کے مقابلہ میں ہے یعنی اس دنیا کی آگ کے مقابلہ میں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(ان نارکم ہذہ جز من سبعین جز من نار جہنم وقد اطفئت سبعین مرۃ بالماء شو التہبت ولو کا ذالک ما استطاع آدمی ان یطیقہما)۔ «یہ تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزا میں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی وہ بھڑک اٹھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی آدمی اس کے تحمل کی طاقت نہ رکھتا اور اس کے قریب نہ ٹھہر سکتا»

مشہور دعائے کیل جو امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے منقول ہے اس میں دنیا کی آگ اور آخرت کی آگ کے موازنہ میں ہم پڑھتے ہیں (علی ان ذالک بلا و مکروہ قلیل مکشہ یسیر بقاشہ قصیر مدتہ) یہ ایسی بلا اور مکروہ و نالہیزہ چیز ہے جس میں توقف کم ہے، اس کی بقا مختصر ہے اور اس کی مدت تھوڑی ہے۔

- ۱۳ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝
 ۱۵ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝
 ۱۶ بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝
 ۱۷ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا وَأَبْقَى ۝
 ۱۸ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝
 ۱۹ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝

ترجمہ

- ۱۳ یقیناً وہ رستگار ہوگا جو تزکیہ کرے۔
 ۱۵ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔
 ۱۶ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھتے ہو۔
 ۱۷ جبکہ آخرت زیادہ پائیدار اور بہتر ہے۔
 ۱۸ یہ احکام پہلی آسمانی کتب میں آچکے ہیں۔
 ۱۹ کتب ابراہیم و موسیٰ میں۔

تفسیر

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
 گزشتہ آیات میں کفار اور دشمنان حق کے بارے میں سخت سزا کا اشارہ ہوا ہے۔ زیر بحث آیات میں
 اہل ایمان کی نجات اور اس نجات کے اسباب و عوامل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:
 ”یقیناً وہ شخص فلاح پائے گا جو اپنا تزکیہ کرے“ (قد افلح من تزکی)۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر

روحیات

کرے اور اس کے بعد نماز پڑھے (و ذکر اسم ربہ فصلی)۔ اس طرح فلاح و رستگاری اور کامیابی کے عوامل ان تین چیزوں کو بتایا ہے۔ تزکیہ، نام خدا کا ذکر اور اس کے بعد نماز پڑھنا۔

تزکیہ سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ پہلی روح کو نجاست شرک سے پاک کرنا ہے، گزشتہ آیات کے قرینہ سے، نیز اس قرینہ سے بھی کہ اہم ترین تطہیر شرک سے تطہیر ہے۔

دوسری یہ کہ تزکیہ سے مراد دل کو اخلاقی رذائل سے پاک کرنا اور اعمال صالح بجالانا ہے۔ قرآن مجید میں آیات فلاح کے نقطہ نظر سے دوسری آیات کے علاوہ سورۃ المؤمنین کے آغاز کی آیتیں ہیں جو فلاح کو اعمال صالح کی روح قرار دیتی ہیں اور سورہ شمس کے حوالے سے جس میں تقویٰ اور فحور کے بیان کے بعد فرماتا ہے: (قد اخذنا من ذلکھا) وہ فلاح پاک کیا جس نے اپنے نفس کو فسق و فجور اور دوسرے بُرے اعمال سے پاک کیا اور تقویٰ سے آراستہ کیا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد زکوٰۃ فطرہ دینا ہے۔ عید فطر کے دن پہلے زکوٰۃ فطرہ ادا کی جائے، نماز عید پڑھی جائے۔ جیسا کہ متعدد روایات میں امام جعفر صادق سے منقول ہے اور یہی معانی منابع اہل سنت امیر المؤمنین سے منقول ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ اعلیٰ آئی ہے اور مکہ میں نہ زکوٰۃ فطرہ مقرر ہوئی تھی، نہ ماہ رمضان روزے، نہ نماز عید ہی اور فطرہ کے مراسم۔ اس سوال کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ اس سورہ کا پہلا حصہ مکہ میں نازل ہوا ہو اور ذیلی حصہ مدینہ میں۔

یہ احتمال بھی قوی طور پر موجود ہے کہ مندرجہ بالا تفسیر ایک واضح مصداق کے بیان کی قبیل سے ہو اور آئی کی تطبیق کسی واضح فرد پر ہو۔ بعض نے یہاں تزکیہ کو مالی صدقہ دینے کے معنی میں سمجھا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تزکیہ کے وسیع معانی ہیں۔ یہ روح سے شرک کی آلودگی کو دور کرنے کے معنی میں بھی ہے، اخلاقِ رذیلہ سے خود کو پاک کرنے کے معنی میں بھی، ہر قسم کے مکرو یا سے پاک کرنے کے معنی میں بھی اور راہِ خدا میں زکوٰۃ دے کر مال و جان کی تطہیر کے معنی میں بھی۔ ایسے کہ سورہ توبہ آیت ۱۰۲ (خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا) ”ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے تاکہ انہیں اس کے ذریعہ پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے“ کے مطابق زکوٰۃ کا دینا روح و جان کی پاکیزگی کا سبب ہے۔

اس بنا پر تمام تفسیریں آیت کے وسیع معنی کے اعتبار سے ممکن ہے کہ ٹھیک ہوں۔ قابل توجہ یہ بات ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں پہلے تزکیہ، اس کے بعد پروردگار کا ذکر اور پھر نماز کی بات ہوتی ہے۔

۱۔ زور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۵۴ حدیث ۲۱۵۱۹۔

۲۔ روح المعانی، جلد ۳۰ ص ۱۱۰ اور تفسیر کشاف، جلد ۴ ص ۲۰۔

بعض مفسرین کے بقول مکلف کے تین عملی مراحل ہیں۔ پہلا دل سے فاسد عقائد کا ازالہ، اس کے بعد اللہ کی معرفت اور اس کے صفات و اسماء کا دل میں حضور، اور تیسرا مشغلہ ہے "اشتغال بخدمت" مندرجہ بالا آیت نے تین مختصر جملوں میں ان تینوں مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ نماز کا ذکر پروردگار کی فرخ شمار کیا گیا ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ جب تک اس کی یاد میں عجز نہ ہو اور نور ایمان دل میں سایہ فلک نہ ہو اس وقت تک بندہ نماز کے لیے کھڑا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ نماز قدر پر وقیمت رکھتی ہے جس کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہوا اور وہ اس کی یاد کو ساتھ لیے ہوتے ہو اور یہ جو بعض لوگوں نے پروردگار سے مراد صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لیا ہے، یہ درحقیقت اس کے بعض مصادیق کا بیان ہے۔ اس کے بعد اس فلاح و دستگاری کے دستور العمل سے انحراف کے اصلی عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "بلکہ تم دنیاوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو اور اسے ترجیح دیتے ہو" (بل تو شرون الحیوة الدنیا) جبکہ آخرت ہزاروں زیادہ پائیدار ہے (والآخرۃ خیر و البقی)۔

یہ حقیقت میں وہی مضموم ہے جو احادیث میں بھی آیا ہے (حب الدنیا رأس کل خطیئۃ) "دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے"۔

حالانکہ عقل کبھی اجازت نہیں دیتی کہ انسان سراسر باقی کو متابع فانی کے بدلے فرودخت کرے اور ان مختصر سی لذتوں کو جو انواع و اقسام کے درد و رنج ساتھ لیے ہوتے ہیں ان تمام جاودانی اور ہر قسم کی تکالیف سے مبرا نعمتوں پر مقدم سمجھے اور ان پر ترجیح دے۔

انجام کار سورہ کے آخر میں فرماتا ہے: "یہ احکام جو بتائے گئے ہیں اس کتاب آسمانی ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پہلے کتب اور صحیف میں بھی آچکے ہیں" (ان هذا الفی الصحف الاولیٰ یعنی صحیف و کتب ابراہیم و موسیٰ میں)۔ (صحف ابراہیم و موسیٰ)۔

یہ بات کہ ہذا کا مشاغل المیر کیا ہے اس سلسلہ میں کئی نظریات موجود ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے ترکیب، نماز اور حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کے آخری حکم کے سلسلہ میں اشارہ ہے، اس لیے کہ یہی انبیاء کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیمات تھیں اور ان کا بیان تمام کتب آسمانی میں موجود ہے۔

تفسیر فخر رازی، جلد ۳ ص ۱۴۷-
یہ حدیث مختلف عبارتوں کے ساتھ امام جعفر صادق اور امام زین العابدین سے، بلکہ تمام انبیاء سے نقل ہوئی ہے اور یہ اس کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہے۔ نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۵۶، ۵۵۷۔
ہو سکتا ہے صحیف ابراہیم و موسیٰ صحیف الاولیٰ کی وضاحت ہو، یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا بیان اور واضح مصادیق ہو۔ پہلی صورت میں گزشتہ تمام انبیاء کی کتب پر حاوی ہو گا اور دوسری صورت میں صرف ابراہیم و موسیٰ کے صحیفے مراد ہوں گے۔

بعض دوسرے مفسرین اس کو ساری سورۃ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ سورۃ توحید سے شروع ہوتی ہے اور نبوت کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے عملی دستور العمل پر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ تعبیر بتاتی ہے کہ اس سورہ کا اہم مضمون بالخصوص آخری آیات عالم ادیان کے اصول اساسی میں سے ہے، تمام انبیاء کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور یہ خود اس سورۃ کی عظمت اور ان تعلیمات کی اہمیت کی نشانی ہے۔

”صحف صحیفہ کی جمع ہے جو یہاں لوح، تختی اور صفحہ کے معنی میں ہے جس پر کوئی چیز لکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بھی آسمانی کتابوں کے حامل تھے۔ ایک روایت حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ انبیاء کی تعداد کیا ہے تو آپ نے فرمایا ”ایک لاکھ چوبیس ہزار“ میں نے عرض کیا ”ان میں سے رسول کتنے تھے؟“ فرمایا ”تین سو تیرہ اور باقی صرف نبی تھے“ میں نے عرض کیا ”حضرت آدمؑ نبی تھے؟“ فرمایا ”ہاں۔ خدا نے ان سے کلام کیا اور انہیں اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا“

اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مزید فرمایا: ”اے ابوذر! انبیاء میں سے چار افراد عرب تھے: ہود، صالح، شعیب اور تیرا پیغمبر“ میں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟“ فرمایا ”ایک سو چار کتابیں دس کتابیں آدمؑ پر، پچاس کتابیں شیثؑ پر اور تیس کتابیں اخنوخؑ پر، جو ادریسؑ ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ ابراہیمؑ پر دس کتابیں اور توریث، انجیل، زبور اور فرقانؑ موسیٰ، عیسیٰ، داؤد اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئیں۔“

(الصحف الاولیٰ) کی تعبیر ابراہیمؑ و موسیٰ کی کتب کے بارے میں آخری صحف کے مقابل ہے جو صورت عیسیٰ اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوئے۔

ایک نکتہ

حُب الدنیا رأس کل خطیئة کی تحلیل

یقیناً مومن افراد کے لیے یہ قرآنی محاسبہ، جو مندرجہ بالا آیت میں آیا ہے اور جو دنیا و آخرت کے موازنہ کے سلسلہ میں ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، مکمل طور پر واضح ہے۔ لیکن اس کے بلوغت مومن اکثر اوقات اپنے اس علم و آگاہی کو اپنے قدموں تلے روندتا ہے اور گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب ایک ہی جملہ میں دیا جاسکتا ہے کہ یہ سب ان خواہشات کے نتیجے میں ہوتا ہے جو انسان کے وجود پر غلبہ ہوتا ہے اور خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُب دنیا ہی ہے۔ حُب دنیا میں یہ سب چیزیں شامل ہیں:-

حُب مال، حُب مقام، شہوتِ جنسی، تعلقِ طلبی، تن پروری، جذبہ انتقام اور اسی قسم کے دیگر امور جو انسان کی روح میں کبھی کبھی اس قسم کا طوفان برپا کر دیتے ہیں کہ اس کی تمام معلومات کو برباد کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کی حسِ تشخیص ہی کو ختم کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ جو بعض اسلامی روایات میں بارِ حُبِ دنیا کو تمام گناہوں کا سرچشمہ بنایا گیا ہے یہ ایک حقیقتِ واقعی ہے جسے ہم نے خود اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگی میں بار بار آزمایا ہے۔ اسی بنا پر گناہ کی جڑوں کو کاٹنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دنیا کی محبت اور اس کے عشق کو دل سے باہر نکال دیں۔

ملاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دنیا کو ایک وسیلہ، رگبزر، پل اور کھیتی سمجھیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ دنیا کے عاشق، جو دورا ہے پر ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا کو ایک حصول اور رضائے خدا کے حصول کا دوا بہ، وہ کسی دوسری چیز کو ترجیح دیں۔

کھڑے ہیں یعنی مباح دنیا کے حصول اور رضائے خدا کے حصول کی حقیقت ہمیں اس میں اچھی طرح نظر آجائے گی۔ اگر ہم اپنے جرائم کے دفتر کو دیکھیں تو مندرجہ بالا آیت کی حقیقت ہمیں اس میں اچھی طرح نظر آجائے گی۔ اگر ہم لڑائیوں، خونریزیوں اور قتل و غارت کے اسباب و علل کو موردِ توجہ قرار دیں تو ان سب میں حُبِ دنیا بنائے فساد کے طور پر ملے گی۔

باقی رہا یہ کہ حُبِ دنیا کو کس طرح دل سے نکالا جاسکتا ہے جبکہ ہم سب ابنائے دنیا ہیں اور مال سے بیٹے کی محبت ایک امر فطری ہے۔ یہ چیز فکری تعلیم و تربیت اور تہذیبِ نفس کی متقاضی ہے۔ من جملہ ان امور کے جو حُبِ دنیا کو دل سے نکالنے کے خواہشمند لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں، اہل دنیا کے انجام کار کا مطالعہ ہے۔

فراعزہ نے باوجود قوت اور مالی وسائل کے آخر کار کیا کیا؟ قارون ان خزانوں میں سے جن کی چابیاں کئی طاقتور انسان شکل سے اٹھا سکتے تھے اپنے ساتھ کیا لے کر گیا؟ وہ عظیم طاقتیں جنہیں ہم اپنے زمانے میں دیکھتے ہیں ایک موج ہوا کے ذریعہ ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جاتا ہے اور صرف ایک گردشِ میل و منار کے نتیجے میں ان کا تختِ سلطنت الٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے صہرہ دولت و ثروت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، یا زیرِ خاک پنہاں ہو جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہمارے لیے بہترین معلم کا کام دے سکتی ہیں۔

اس وسیع و عریض گفتگو کو ہم امام زین العابدین کی ایک بہت ہی معنی خیز حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ آنجناب سے کچھ لوگوں نے پوچھا "خدا کے نزدیک سب سے افضل عمل کونسا ہے؟" آپ نے فرمایا:

رمان عمل بعد معرفة الله عزوجل و معرفة رسوله افضل من بغض الدنيا۔ "خدا اور اس کے رسول کی معرفت کے بعد بغضِ دنیا سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے" اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا "محبتِ دنیا کے بہت سے شے ہیں اور گناہوں کے بھی بہت سے شے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کی وجہ سے خدا کی نافرمانی ہوتی وہ ابلیس کی نافرمانی تھی، جس وقت اس نے انکار کیا اور تکبر کر کے کافریں میں سے ہو گیا۔

اس کے بعد حرص تھی جو آدم و حوا کے ترکِ ادنیٰ کا سبب بنی، جس وقت کہ خداوند متعال نے ان سے فرمایا جنت کی جس جگہ سے چاہو کھاؤ لیکن اس ممنوع درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ اس چیز کی

سورۃ غاشیہ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۲۶ آیتیں ہیں
تاریخ ابتداء یکم رمضان المبارک ۶۰۷ھ

تفسیر نمونہ جلد ۱۵

طوبہ
سورہ

طرف گئے جس کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ یہی چیز ان کی اولاد کے لیے قیامت تک باقی رہ گئی۔ اس لیے جسکے زیادہ تر چیزیں جو ان ان طلب کرتا ہے اس کی ضرورت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ (عام طور پر ضروری گناہ کا سبب نہیں ہیں وہ چیز جو سبب گناہ ہے وہ ہوا و ہوس اور ضرورت سے زائد امور ہیں)۔

اس کے بعد حد تھا جو آدم کے بیٹے کا سبب گناہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے حد کیا اور اس کو نکل کر دیا اس کے شعبوں میں سے عورتوں کی محبت، دنیا کی محبت، حب ریاست، حب راحت و آرام، حب گفتگو و کلام، حب برتری اور حب دولت و ثروت ہے۔ یہ سات صفات ہیں جو سب کی سب حب دنیا میں جمع ہیں۔ اسی لیے انبیاء و مرسلین اور علمائے اعلام نے اس حقیقت سے آگاہی کے لیے کہا ہے کہ "حب الدنيا داس کل خطیئة"۔

خداوندا! دنیا کی محبت، جو تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے، اسے ہمارے دلوں سے نکال دے۔
پروردگارا! تو خود ہی تکامل و ارتقا کے پر بیج راستے میں ہمارا ہاتھ تھام کر منزل مقصود تک ہماری ہدایت فرما۔
بارالہ! تو آشکار و پنهان سب سے آگاہ ہے۔ ہمارے مخفی اور آشکار گناہ اپنے لطف و کرم سے بخش دے۔

آمین یا رب العالمین

سورہ اعلیٰ کا اختتام

آغاز ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۷ھ

لے ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں حب دنیا سے مراد دنیا میں باقی رہنے کی محبت ہے، جو سات شعبوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے اور طویل امیدوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اصول کافی جلد ۲ باب حب الدنيا والمحصر علیہا حدیث ۸۔ اصول کافی کے اس باب میں ۷ اردایات نقل ہوئی ہیں جو بہت ہی اخلاقی اور تربیتی ہیں۔

سورہ غاشیہ کے مشتملات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے، زیادہ تر تین محروروں کے گرد گردش کرتا ہے۔ پہلا۔ معاد و قیامت کی بحث، بالخصوص مجرموں کا درد ناک انجام اور مومنوں کو ملنے والا شوق انگیز ثواب دوسرا۔ توحید کی بحث جو آسمان کی خلقت، پہاڑوں اور آسمان کی آفرینش کی طرف اشارہ اور انسان کی تین موضوعات کی طرف توجہ کے بیان سے عبارت ہے۔ تیسرا۔ نبوت کی بحث، پیغمبر اسلام کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کے بیان پر مبنی ہے۔ یہ سورہ مجموعی طور پر کئی سورتوں کے مقاصد ہی کو موضوع گفتگو بناتا ہے جن سے ایمان و اعتقاد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام سے منقول ہے (من قرأها حاسباً اللہ حساباً یسیئراً) جو شخص اس کی تلاوت کرے گا پروردگار عالم بروز قیامت اس کا حساب آسان کرے گا ایک اور حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے "جو شخص واجب اور مستحب نمازوں میں اس سورہ کی قرأت کی پابندی کرے گا، خدا سے دنیا و آخرت میں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ یقیناً یہ سب ثواب اسی صورت میں انسان کو حاصل ہوگا جب اس کی تلاوت اس کے لیے فکر و عمل کا محرک ثابت ہو۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ هَلْ أَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۞
- ۲ وَجُوْهُ یَوْمَیْذٍ خَاشِعَةٌ ۞
- ۳ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞
- ۴ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۞
- ۵ تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰیۡتَةٍ ۞
- ۶ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیۡعٍ ۞
- ۷ لَا یُسْمِنُوْنَ وَلَا یُغْنٰی مِنْ جُوۡعٍ ۞

ترجمہ

رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

- ۱ کیا غاشیہ (قیامت کا دن جس کے وحشت ناک حوادث سب کا احاطہ کر لیں گے) کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
- ۲ چہرے اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے۔
- ۳ وہ جنہوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور تھک چکے ہیں (اور کوئی نتیجہ انہیں حاصل نہیں ہوا)۔
- ۴ دکھتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔
- ۵ انہیں حد سے زیادہ گرم چشمتے سے پلایا جائے گا۔
- ۶ ضریع (بدبودار اور تلخ خشک کانٹے) کے علاوہ انہیں اور کوئی کھانا نہیں ملے گا۔

ایسی غذا جو نہ انہیں موٹا کرے گی اور نہ ان کی بھوک کو ختم کرے گی۔

تفسیر

بد نصیب تھکے ماندے

اس سورہ کے آغاز میں ہمارا ناما قیامت کے ایک نئے نام سے ہوا ہے جو غاشیہ ہے۔ فرماتا ہے

»کیا غاشیہ کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟ (هل ائتک حدیث الغاشیة)۔

»غاشیة» غشاوۃ کے مادہ سے ڈھانپنے کے معنوں میں ہے۔ قیامت کے لیے اس نام کا انتخاب رکنا جو سے ہے کہ وحشت ناک حوادث اچانک سب کو ڈھانپ لیں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اولین و آخرین حساب کے لیے جمع ہوں گے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ مراد اس طرح کی آگ ہے جو کافروں اور مجرموں کے چہرہ کو ڈھانپ لے گی۔

پہلے تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں مخاطب خود پیغمبر کی ذات اقدس ہے اور پیغمبر اسلام سے یہ جملہ استفہام کی شکل میں اس عظیم دن کی اہمیت کے پیش نظر کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی تجویز کیا ہے کہ اس آیت میں مخاطب ہر انسان ہے، لیکن یہ مضمون بعید نظر آتا ہے۔ اس کے بعد مجرموں کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

»چہرے اس دن خاشخ اور ذلت ہار ہوں گے« (وجوه یومئذ خاشعۃ)۔ ذلت عذاب اور عظیم سزا کے

خوف نے اس دن ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا، اور چونکہ انسان کے باطنی حالات ہر جگہ سے زیادہ سرکاتے چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں، لہذا خوف، ذلت اور وحشت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو اس کے تناہی چہرے کو

ڈھانپ لیں گے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں »وجوہ« سے کفر کے بڑے بڑے لوگ اور سرغنہ مراد ہیں جو ایک گمراہی ذلت

میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن پہلے معنی زیادہ مناسب نظر آتے ہیں۔ اس وقت مزید فرماتا ہے: »یہ ایسے لوگ ہیں جو

مسلل کام کر کے تھک چکے ہیں« (عاملۃ ناصبۃ)۔ زندگانی دنیا میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں، لیکن

تھکن کے علاوہ انہیں کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا، نہ ان کا بارگاہِ خدا میں کوئی عمل مقبول ہے اور نہ اس دولت و ثروت میں

سے وہ کوئی چیز اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں جسے انہوں نے جمع کر رکھا ہے، نہ اپنے بعد وہ کوئی نیک نامی چھوڑ

جاتے ہیں، نہ کوئی اولاد صالح۔ وہ محض تھک جانے والے زحمت کش ہیں۔ کتنی بہترین اور عمدہ تعبیر ہے

(عاملۃ ناصبۃ)

بعض مفسرین نے اس جملہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں وہ عمل کرتے ہیں لیکن ان کی

خشکی و رنج و تکلیف اپنے ساتھ آخرت میں لے جاتے ہیں۔
 بعض نے کہا ہے کہ مجرموں سے دوزخ میں محنت شاقہ لی جائے گی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عذاب بھیلیں۔
 لیکن ان تینوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔
 آخر کار یہ خستہ، تھکے ہوئے اور فضول کام کرنے والے زحمت کش بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور
 اس میں جلیں گے۔ (تصلیٰ ناؤ احامیۃ) "تصلیٰ" صلی (بروزن نفی) کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے اور
 اس میں جلنے کے معنی میں ہے (صلی بالنار ای لزما واحتراق بها)۔ "آگ میں ہمیشہ رہا اور جلتا رہا"
 لیکن ان کا عذاب اسی پر ختم نہیں ہوگا۔ جب وہ آگ کی حرارت کی وجہ سے پیاس میں مبتلا ہوں گے تو حد سے
 زیادہ کھولتے ہوئے چستے سے انہیں پلایا جائے گا۔ (تسقی من عین انیۃ)۔ "انیۃ" مونت ہے انی کے رانی
 بروزن علی) مادہ سے جو تاخیر میں ڈالنے کے معنی میں ہے اور کسی چیز کے بیان کرنے کے وقت کے پہنچ جانے کے لیے
 بولا جاتا ہے۔ یہاں ایسے جلانے والے پانی کے معنی میں ہے جس کی حرارت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔
 سورہ کہف کی آیت ۲۹ میں ہم پڑھتے ہیں (وان یتغیثوا یغاثوا بماواکالمهل یشوی الوجہ بس الشراب
 وساءت مرتفقاً) اور اگر پانی مانگیں گے تو ان کے لیے ایسا پانی لائیں گے جو کسی گھیل ہوئی دھات کی طرح ہوگا
 جو ان کے چہروں کو بھون دے گا۔ وہ کتنا برا مشروب ہے اور وہ محل اجتماع کتنا بُرا ہے۔
 بعد والی آیت میں ان کی خوراک کے بارے میں، جبکہ وہ بھوکے ہوں گے، مزید فرماتا ہے: "وہ ضریع کے علاوہ
 کوئی طعام نہیں رکھتے" (لیس لھو طعام الا من ضریع)۔ یہ ضریع کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے پاس
 مختلف تفاسیر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک قسم کا کانٹا ہے جو زمین سے چپٹ جاتا ہے۔ اگر وہ تر ہوتا تو قریش اسے
 شبرق کہتے تھے اور جب خشک ہوتا تو ضریع کہتے۔ وہ ایک زہریلی گھاس ہے جسے کوئی جانور منہ نہیں لگاتا۔
 علمائے لغت میں سے خلیل کا کہنا ہے کہ ضریع بدبودار اور سبز گھاس ہے جو دریا سے باہر آن گرتی ہے۔ ابن عباس
 نے کہا ہے کہ یہ آتش جہنم کا ایک درخت ہے جو اگر دنیا میں ہو تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس سب کو جلا کر فنا کر
 دے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے کہ ضریع دوزخ کی آگ میں ایک چیز ہے جو کانٹے کی طرح ہے،
 خنظل سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار، آگ سے زیادہ جلانے والی ہے۔ خدا نے اس کا نام ضریع رکھا ہے۔
 (الضریع شیء یکون فی النار یشبہ الشوک اشد موارۃ من الصبر وانتن من الجیفۃ واحرم من النار ساء
 اللہ ضریعاً) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ضریع ایک ذلیل غذا ہے کہ جنسی جس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے
 بارگاہِ خدا میں تضرع کریں گے، (ہم اس بات کو نہ بھول جائیں کہ ضریع کا مادہ ضعیف، ذلت اور خضوع

۱۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰ ص ۱۱۹۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ص ۱۲۰۔

کے معنی میں ہے۔

یہ تفاسیر ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کے معنی میں تفسیر صحیح ہوں۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے:

”وہ انہیں موٹا کرتا ہے نہ ان کی بھوک کو ختم کرتا ہے“ (لا یسمن ولا یفنی من جوع)۔ یقیناً کسٹم کا غذا نہ جسم کی تقویت کے لیے اور نہ بھوک کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ وہ ایک ایسی غذا ہے جو بجائے خود ایک عذاب ہے جیسا کہ سورہ مزمل کی آیت ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں:

(و طعامًا ذا غصۃ و عذابًا الیمًا) ہمارے پاس گلے میں پھندہ لگانے والی غذائیں ہیں اور وہ درناک عذاب ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں انواع و اقسام کی لذیذ، مرغن اور شیریں غذائیں دوسروں پر ظلم کر کے فراہم کی ہیں اور جنہوں نے محروم لوگوں کو ناگوار غذائیں کھانے کے علاوہ اور کسی غذا کے حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا ضروری ہے کہ وہاں ان کی ایسی غذا ہو جو ان کے لیے عذاب الیم بنے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے بار بار کہا ہے صحبت کی نعمتیں اور دوزخ کے عذاب دونوں ہم جیسے اسیرانِ زندگی کے لیے ناقابلِ تشریح ہیں۔ یہ سب اشارے ہیں جنہیں ہم سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

۱۔ ایک اور بحث دوزخوں کی غذا کے بارے میں ہے قرآن کبھی مزج کبھی ذقوم اور کبھی غلین کے نام سے یاد کرتا ہے اور ان تعبیرات میں فرق کیا ہے سب تفسیر نمونہ کی جلد ۱۴ پر سورہ جاذہ کی آیت ۳۶ کے ذیل میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

- ۸ وَجُوهُ يَوْمَ يَذُنُّ نَاعِمَةً ۝
- ۹ لَسَعِيهَا رَاضِيَةٌ ۝
- ۱۰ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
- ۱۱ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاحِظَةً ۝
- ۱۲ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝
- ۱۳ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝
- ۱۴ وَآكُوبٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝
- ۱۵ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝
- ۱۶ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝

ترجمہ

- ۸ اُس دن کچھ پھرے شاداب ہوں گے۔
- ۹ اس لیے کہ اپنی کوشش سے مسرور ہوں گے۔
- ۱۰ جو بہشت عالی میں ہوں گے۔
- ۱۱ جس میں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا۔
- ۱۲ اس میں چشمے جاری ہیں۔
- ۱۳ اس میں خوبصورت بلند تخت ہوں گے۔
- ۱۴ اور پیالے جو ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے۔

اور تیگے جو صف بستہ ہوں گے۔
اور بچھے ہوئے فاخرہ فرش ہوں گے۔

تفسیر

بہشت کی روح پرور نعمتوں کے مناظر

اس تشریح کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوسری دنیا میں مجرموں اور بدکاروں کی حالت اور جہنم کے مظاہر کے بارے میں آتی تھی، ان آیتوں میں نیکوکار مومنین کی حالت کی تشریح اور جنت کی بے نظیر نعمتوں کی توصیف پیش کرتا ہے تاکہ قبر کو مہر سے ملادے اور انذار کو بشارت سے مربوط کر دے۔ فرماتا ہے:

”پھر اس دن پڑھاوت اور مسرور ہوں گے“ (وجوہ یومئذ ناعمة)۔ بدکاروں کے چہروں کے برعکس جن کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ ذلت و اندوہ میں غرق ہوں گے۔

”ناعمة“ نعمت کے مادہ سے یہاں ایسے چہروں کی طرف اشارہ ہے جو نعمت سے سرشار، تروتازہ، شاداب

اور مسرور و نورانی ہوں گے، جیسا کہ سورہ مطففین کی آیت ۲۴ میں آیا ہے کہ جنتیوں کی توصیف میں فرماتا ہے

(تعرف فی وجوہہم نضرة النعیم) ”ان کے چہروں میں تجھے طراوت اور نعمت کی شادابی نظر آئے گی۔“

یہ چہرے ایسے نظر آئیں گے کہ وہ اپنی سعی و کوشش سے راضی اور خوش ہوں گے (لسعیما راضیة)، دوزخوں کے برعکس جنوں نے اپنی سعی و کوشش سے سوائے تھکن اور رنج کے اور کچھ حاصل نہیں کیا (عاملة ناصبة)

بہشتی اپنی سعی و کوشش کو احسن وجہ سے دیکھیں گے اور مکمل طور پر راضی اور خوش ہوں گے، ایسی سعی و کوشش

جو لطف خدا کے پرتو کے سائے میں کبھی کئی گنا، کبھی دس گنا اور کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہو

اور وہ کبھی اس سے بے حد و حساب جزا حاصل کر چکے ہوں گے (انما یوفی الصابرون اجرهم بغير حساب (زمر-۱۰))

اس کے بعد اس مضمون کی شرح پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: ”وہ بہشت عالی میں قرار پائے ہیں“ (فی جنتہ العلییہ)

لفظ عالیہ مگر ہے کہ علو مکانی کی طرف اشارہ ہو، یعنی وہ جنت کے عالی طبقات میں ہیں، یا یہ علو مقامی ہے۔ مفسرین

نے دونوں احتمال تجویز کیے ہیں، لیکن دوسری تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ دونوں کے درمیان جمع

بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد اس جنت کی ایک اور صفت جو روحانی اور معنوی پہلو رکھتی ہے، بیان فرماتا ہے: ”ہاں تو

کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا“ (لا تسمع فیہا لا غیبة)۔ یہ نہ ایسی بات جو نفاق کا پہلو لیے ہوئے ہو

”لا غیبة“ اگرچہ اسم فاعل ہے لیکن اس قسم کے موارد میں اس چیز کے معنی میں ہے جو لغویت پلے ہوئے ہو۔ اسی لیے مفسرین نے اس

کی (ذات لغو) لغو لیے ہوئے تفسیر کی ہے۔

نہ عداوت و جنگ و جدل کی، نہ کینہ پروری اور حسد کی، نہ جھوٹ نہ تمہت و افتراء، نہ غیبت نہ لغو بے فائدہ۔
وہ ماحول کیسا آرام دہ ہوگا جو ان فضولیات سے پاک و مبرا ہو۔
اگر ہم ٹھیک طرح غور و فکر کریں تو دنیاوی زندگی کی پریشانیوں کا زیادہ تر حصہ اسی قسم کی باتوں کا سنا ہے
جو روح و جان کے سکون اور اجتماعی نظاموں کو درہم برہم کر دیتا ہے، فتنوں کی آگ بھڑکاتا ہے اور انہیں
شعلہ در کرتا ہے۔

اس روحانی اور آرام و سکون بخش نعمت کے ذکر کے بعد جو جنیتوں کی روح و جان کو لغو و بہودہ باتیں نہ
ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، جنت کی مادی نعمتوں کے ایک حصہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اس جنت
میں چٹنے جاری ہیں“ (فیہما عین جاریۃ)۔ اگرچہ عین یہاں نکرہ ہے اور عام طور پر نکرہ ایک فرد کے لیے بھی
آتا ہے لیکن قرآن کی باقی آیات کے قرینہ سے جنس کے معنی رکھتا ہے اور مختلف چشموں کے معنی میں ہے، جیسا کہ
سورہ ذاریات کی آیت ۱۵ میں ہے (ان المتقین فی جنات و عیون) پر ہیرنگار اور متقی لوگ جنت کے
باغات اور چشموں کے درمیان قرار پائے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنیتوں کے محلوں میں سے ہر محل میں ایک چشمہ جاری ہے اور عین کا مفرد
ہونا یہاں اس طرف اشارہ کرتا ہے، ایسا چشمہ جو جنت والوں کی خواہش کے مطابق جس طرف چاہیں گے اسی طرف
بچے گا اور جنت والے نر وغیرہ بنانے کے محتاج نہیں ہوں گے۔ البتہ کئی چشموں کا ہونا خوبصورتی و زیبائی و طراوت
کے اضافہ کے علاوہ یہ فائدہ بھی رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مخصوص مشروب ہو اور جنیتوں کے ذائقہ کو انواع و
اقسام کی شراب طور سے شیر میں دمطر کرتا ہو۔

ان چشموں کے تذکرہ کے بعد جنت کے تخت اور پلنگوں کو موضوع بنا کر فرماتا ہے: ”جنت کے ان باغوں میں
بلند اور اونچے تخت اور پلنگ ہوں گے“ (فیہما سرور مرفوعۃ)۔ ”سورہ جمع ہے سریر کی، ”سرور“ کے مادہ سے،
ایسے تخت اور پلنگوں کے معنی میں کہ جن پر مجالس انس و سرور میں بیٹھتے ہیں۔
ان پلنگوں کا بلند ہونا اس بنا پر ہے کہ جنتی اپنے اطراف کے تمام مناظر اور صحن دیکھ سکیں اور ان کے مشاہدہ
سے لذت حاصل کریں۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ بلند تخت اور پلنگ اس قسم کے ہیں کہ جس وقت ان کے مالک ان پر
بیٹھنے کا ارادہ کریں گے تو وہ تواضع و خضوع کریں گے اور نیچے ہو جائیں گے اور بیٹھنے کے بعد اپنی پہلی حالت پر
پلٹ جائیں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ان پلنگوں کی مرفوعۃ کے لفظ کے ساتھ توصیف ان کے قیمت ہونے کی طرف اشارہ ہو اور
جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ سونے کے ٹکڑوں سے بنے ہوئے ہوں گے اور در دیا قوت و زبرد سے مزین

ہوں گے۔ دونوں تفسیروں کے مابین جمع بھی ممکن ہے۔

چونکہ ان خوشگوار چشموں اور جنت کی شرابِ طور سے فائدہ اٹھانا برتنوں کی احتیاج رکھتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ آیت میں فرماتا ہے: ”خوبصورت اور جاذبِ نظر پیالے ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے“ (دا کو اب مو منوعہ) جس وقت وہ ارادہ کریں گے تو پیالے چشموں سے پُر ہو کر ان کے سامنے آجائیں گے اور وہ تازہ تازہ نوش کریں گے ایسی لذت جس کا شعور ساکنین دنیا کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اکواب جمع کوب (بروزن خوب) جو قدح، پیالے یا ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس میں دستہ لگا ہوا ہو۔

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ قرآن میں اہل جنت کی شرابِ طور کے برتنوں کے بارے میں مختلف تعبیریں آتی ہیں یہاں اور بعض دوسری آیات میں اکواب کی تعبیر آئی ہے جبکہ بعض دوسری آیات میں اباریق (ابریت کی جمع) کی تعبیر آئی ہے، جو ایسے ظرف کے معنی میں ہے جس کا دستہ اور ٹونٹی ہو، سیال چیزوں کو انڈیلنے کی غرض سے۔ یا پھر کاس کا لفظ آیا ہے جس کے معنی شراب سے لبریز جام کے ہیں (یطوف علیہم ولدان مخلصون باکواب و اباریق و کاس من محین) ان کے گرد ایسے جوان گردش کرتے ہوں گے جو ہمیشہ جوانی کی طراوت و شہرتا زگی کے حامل ہوں گے جبکہ شرابِ طور سے لبریز پیالے اور جام ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ ان کے سامنے پیش کریں گے۔ (واقعہ ۱۷، ۱۸)۔

اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی جزئیات کے متعلق مزید نکات پیش کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”وہاں پلنگوں پر تکیے اور گاؤ تکیے ہوں گے جو صف بستہ ہوں گے“ (و نضارق مصفوفة)۔ نضارق نمرقہ (بروزن غلظل) کی جمع ہے جس کے معنی چھوٹے تیکے کے ہیں جس کا سارا لپیتے ہیں بلہ اور عام طور پر مکمل استراحت کے وقت ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور مصفوفہ کی تعبیر اشارہ ہے نظم خاص اور تعدد کی طرف جو ان پر حاکم ہے۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ وہ مجالس اُنس تشکیل دیں گے اور یہ مجالس جو ہر قسم کی لغویت اور بیہودگی سے پاک ہوں گی ان میں صرف الطاف الہی، اس کی بے پایاں نعمتوں اور دنیا کے درد و رنج اور عذاب سے نجات کے بارے میں گفتگو ہوگی، اس قدر لطف اور لذت رکھتی ہوں گی کہ کوئی چیز ان کی ہوس نہیں ہو سکتی۔

آخری زیر بحث آیت میں جنت کے قیمتی فرشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہاں گراما ہا اور خوبصورت فرش بچھے ہوئے ہوں گے“ (وزرابی مبثوثة)۔

”ذرابی“ جمع ہے زریبہ کی جو ایسے قیمتی فرش کے معنی میں ہے جو نرم، راحت بخش اور بیش قیمت ہونگے۔ والبع ہے کہ ان آسائش و لذت کے وسائل و ذرائع کے برابر اور بہت سے دوسرے وسائل موجود ہوں گے جبکہ یہ مہینے نمونہ از خروارے کے مصداق ہیں۔ ان آیتوں میں جنت کی سات اہم نعمتیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک ذکر کرنا

سے زیادہ جاذب تر اور زیبا تر ہے۔
 خلاصہ کلام یہ کہ جنت ایک بے نظیر جگہ ہے، جس میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ وہاں انواع و اقسام کے رنگ برنگ کے پھل، دل خوش کن نغمے، آبِ جاری کے چھتے، شرابِ طہور، شائستہ خدمتگار، بے مثل بویاں، مریض پینگ، قیمتی فرش اور پُر غلوص دوست ہوں گے۔ نیز عمدہ اور خوبصورت پیالے ہوں گے جو چشموں کے پاس لکھے ہوئے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ ایسی نعمتیں وہاں دستیاب ہوں گی جن کی نہ اس دنیا کے الفاظ کے ذریعے تشریح ممکن ہے اور نہ عالم خیال ہی اس کی توضیح کر سکتا ہے۔
 یہ سب چیزیں ان مومنین کی تشریف آوری کی منتظر ہیں جنہوں نے اپنے اعمالِ صالح کے ذریعہ نعمتِ الہی کے اس مرکز میں ورود کی اجازت لے لی ہے۔

مذکورہ بالا مادی لذتوں کے علاوہ معنوی لذتیں بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر لقا اللہ کی نعمت ہے۔ اس موجود حقیقی کے لطف و کرم ہیں کہ اگر ایک لمحے کے لیے مل جائیں تو وہ جنت کی تمام مادی نعمتوں کے مقابلہ میں بہتر و برتر ہیں۔
 بقول شاعر؎

گرم بہ دامن وصل تو دسترس باشد دگر ظالع خوشیم چہ ملتس باشد؟
 اگر بہ ہر دو جہاں یک نفس نرم برد مراز ہر دو جہاں جاں آن نفس باشد
 اگر مجھے ترے وصل کے دامن تک دسترس حاصل ہو جائے تو پھر میں اپنے مقدر سے اور کیا مانگوں۔
 اگر دونوں جہاں کے بدلے دوست کے ساتھ ایک سانس لوں تو ان دونوں جہان کا ماہصل ہی ایک سانس ہوگا۔

- ۱۷ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَقَفَّةٌ
- ۱۸ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَقَفَّةٌ
- ۱۹ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَقَفَّةٌ
- ۲۰ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ وَقَفَّةٌ
- ۲۱ فَذَكِّرْهُمْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝
- ۲۲ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۝
- ۲۳ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۝
- ۲۴ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝
- ۲۵ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝
- ۲۶ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

ترجمہ

- ۱۷ کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح اسے پیدا کیا گیا؟
- ۱۸ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلندی پر قائم کیا گیا؟
- ۱۹ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح وہ اپنی جگہ نصب ہوئے ہیں؟
- ۲۰ اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح مسطح ہوئی ہے؟
- ۲۱ پس نصیحت کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔
- ۲۲ تو ان پر مسلط نہیں ہے کہ انہیں (ایمان لانے پر) مجبور کرے۔

مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے۔

جسے خدا بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔

یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔

اور یقیناً ان کا حساب کتاب ہمارے پاس ہے۔

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

تفسیر

اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے

گزشتہ آیات میں بہت زیادہ بچھیں جنت اور اس کی آیتوں کے بارے میں آئی تھیں لیکن زیر بحث آیات میں ان نعمتوں تک پہنچنے کی اصلی کلید کی گفتگو ہے جو اللہ کی معرفت ہے۔ خدا کی قدرت کے چار مظاہر بیان کر کے خدا کی نادر خلقت اور انسان کو اس کے مطالعہ کی دعوت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی راہ بتاتا ہے اور ضمنی طور پر یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ خدا کی قدرت بے پایاں ہے جو مسد معاد کے حل کرنے کی کلید ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ”کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟“ (افلا یبظرون الی الابل کیف خلقت)۔ یہاں ہر چیز سے پہلے اونٹ کی تخلیق کے عوازن کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے بہت کچھ تحریر کیا ہے۔ لیکن یہ چیز واضح ہے کہ ابتداء میں رتنے سخن مٹو کے عربوں کی طرف تھا، جن کی زندگی کے بہت سے کام اونٹ سے وابستہ تھے۔ اس سے قطع نظر یہ جانور عجیب و غریب خصوصیتوں کا حامل ہے، جو اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ:

۱۔ بعض جانور ایسے ہیں جن کے صرف گوشت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، بعض ایسے ہیں جن کے صرف دودھ سے استفادہ ہوتا ہے، بعض ایسے ہیں جو صرف سواری کے کام آتے ہیں اور بعض صرف بار برداری کے کام آتے ہیں۔ لیکن اونٹ ایسا جانور ہے جس میں یہ تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کا گوشت بھی قابل استعمال ہے اور دودھ بھی۔ یہ سواری کے کام بھی آتا ہے اور بار برداری کے لیے بھی اسے کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۔ اونٹ زیادہ طاقتور اور زیادہ قوتِ مقاومت رکھنے والا جانور ہے۔ یہ بہت زیادہ سامان اٹھالیتا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ بیٹھا ہوا ہو تو بھاری بوجھ اس پر رکھ دیتے ہیں اور ایک ہی حرکت کے ساتھ اپنے ہاتھوں کے سہارے کھڑا ہو جاتا ہے، جبکہ دوسرے جانور اس قسم کا کام نہیں کر سکتے۔

۳۔ اونٹ آٹھ دس روز تک پیاسا رہ سکتا ہے، اور اس میں بھوک کو برداشت کرنے کی بھی بہت

صلاحیت ہوتی ہے۔

۴۔ اونٹ ہر روز راستے کی طولانی مسافت طے کر سکتا ہے اور ایسی زمینوں سے، جن میں سے گزرنا مشکل ہو، جیسے ریگستانی علاقہ جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا ہے، آسانی سے گزر سکتا ہے۔ اسی بنا پر عرب اسے صحرائی جاز کہتے ہیں۔

۵۔ وہ غذا کے اعتبار سے بہت ہی سستا ہے، ہر قسم کے خار و خاشاک کھا لیتا ہے۔

۶۔ وہ غذا کے نامناسب حالات میں بیابان کے ایسے طوفانوں کے درمیان، جو آنکھ اور کان کو اندھا بہرا کر دیتے ہیں، اپنے مخصوص وسائل کے ساتھ، جو خدا نے اس کی ہلکوں، کانوں اور ناک میں مہیا کیے ہیں، تسلیم کرتا ہو اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے۔

۷۔ وہ اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود نہایت مطیع جانور ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی قطار کی سار لہت میں لے کر جدھر اس کا دل چاہے انہیں لے کر جاسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس جانور کی خصوصیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ اس کی خلقت کے بارے میں اگر غور و فکر کیا جائے تو وہ انسان کو خالقِ عظیم کی طرف متوجہ کرتی ہے، جو ایسی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے۔ جی ہاں! قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ”کیا یہ وادیِ عظمت کے گمشدہ اس مخلوق کے حیران کن اسرار پر غور نہیں کرتے تاکہ انہیں حق کی راہ حاصل ہو اور یہ بے راہ روی سے بچ جائیں؟“ یہ بات بغیر کئے واضح ہے کہ ”افلا یظنون“ کے جملہ میں نگاہ سے مراد عام نگاہ نہیں، بلکہ ایسی نگاہ ہے جس میں غور و فکر و تدبیر شامل ہو۔

اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح قرار دیا گیا ہے؟“ (والی السماء کیف رخصت)۔ آسمان اپنی اس عظمت کے ساتھ اور اپنے ان سب عجائبات کے ساتھ ستاروں اور ککشاؤں کے ساتھ اور اس سارے جمال و زیبائی و شکوہ کے ساتھ، جس نے انسان کو درجہ حیرت میں ڈال رکھا ہے، جس کی وجہ سے اپنے آپ کو وہ اس عظیم اور نظم و حساب سے پُر جہان کے پیدا کرنے والے کے مقابلہ میں چھوٹا اور ناچیز بلکہ اس لامحدود کے مقابلہ میں صفر کے برابر سمجھتا ہے، کس طرح یہ عظیم کرشمے اپنی اپنی جگہ پر میخ کی طرح کڑے ہوئے ہیں اور بغیر ستون کے اپنی جگہ برقرار ہیں۔

اس نظامِ شمسی کے کڑوں کو عالم وجود میں آتے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں لیکن ان کی حرکت اصلی کے محور تبدیل نہیں ہوئے۔ آسمان کی خلقت اگرچہ ہمیشہ عجیب تھی لیکن موجودہ زمانہ کے علمی انکشافات کے سائے میں اس کے عجائبات کبھی زیادہ ہو گئے ہیں اور اس کی عظمت اور بھی نمایاں ہو گئی ہے۔ کیا اس عالمِ عظیم کے خالق و تدبیر کے بارے میں غور و فکر نہیں کرنا چاہیے اور اس کے بلند و عظیم مقاصد کے قریب نہیں جانا چاہیے؟

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوعِ گفتگو بناتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح اپنی جگہ پر نصب ہوئے ہیں؟“ (والی الجبال کیف نصبت)۔ وہ پہاڑ جن کی جڑیں ایک دوسرے سے متصل ہیں، زمین کے اطراف کو زرہ کے حلقوں کی مانند گھیرے ہوئے ہیں اور اندرونی پگھلے ہوئے مادہ سے پیدا

ہونے والے زلزلوں اور چاند و سورج کی قوتِ جذبہ سے پیدا ہونے والے مد و جزر کو کم کرتے ہیں۔ وہ پہاڑ جو ان طوفانوں کے مقابلہ میں قابلِ اطمینان پناہ گاہ اور ڈھال ثابت ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو کرہ زمین ایسے بیابانوں میں تبدیل ہو جاتا جن میں زندگی گزارنا ناممکن ہوتا۔

وہ پہاڑ جو پانی کے ذخیروں کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ پیاسی زمینوں کی طرف روانہ کرتے ہیں اور اپنے چاروں طرف زندگی کی مسرت، ہریالی، خوشی، طراوت اور تروتازگی پیدا کرتے ہیں۔ غالباً یہی پہلو ہیں جن کی وجہ سے دوسری آیات میں پہاڑوں کو زمین کی یخیں کہا گیا ہے۔ اصولی طور پر پہاڑ عظمت و صلابت کے منظر ہیں اور ہر جگہ خیر و برکت کا سبب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان پہاڑوں پر تفکر کی زیادہ صلاحیت محسوس کرتا ہے اور یہ بات بلا سبب نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی بعثت سے مدتوں پہلے جبلِ نور اور غارِ حرا میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

”نصبت“، نصب کے مادہ سے ثابت قرار دینے کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر ضمنی طور پر آغازِ خلقت میں پہاڑوں کی خلقت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہو، وہی چیز جس پر سے موجودہ علم نے پردہ اٹھایا ہے، اسے پہاڑوں کی خلقت کے متعدد اسباب و عوامل کی طرف نسبت دی ہے اور ان کے لیے انواع و اقسام کی قائل ہے۔

وہ پہاڑ جو زمین کے گھومنے کچ وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہ پہاڑ جو آتش فشانیوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں، وہ پہاڑ جو بارش سے پیدا ہونے والے جھاگ کا نتیجہ ہیں، وہ پہاڑ جو سمندروں کے اندر بنتے ہیں اور جو سمندر کی کچھڑاؤ اس میں پھنس جانے والے جانوروں کا مجموعہ ہیں۔ (مثلاً مرجانی پہاڑ اور جزیرے)۔

جی ہاں! ان پہاڑوں میں سے ہر ایک کی بناوٹ اور اس کے آثار و برکات مشکل سے سمجھ میں آنے والے ہیں، اہمیت کے حامل بھی اور بیدار مغز انسانوں کے لیے قدرتِ حق کی نشانیاں بھی۔

اس کے بعد زمین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح مسطح ہوتی ہے“ (والی الارض کین سطح)۔

کس طرح مسلسل بارشوں نے پہاڑوں کو غسل دے کر مٹی کے ذرات کو وجود دیا ہے، پھر گڑھوں کو وسعت دے کر ایسی صاف زمین تیار کی ہے جو زراعت کے لیے بھی موزوں ہے اور ہر قسم کی تعمیر کے لیے بھی اور اسے انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

اگر تمام کرہ زمین پہاڑوں اور دروں پر مشتمل ہوتا تو اس پر زندگی گزارنا کس قدر مشکل اور طاقت ربا ہوتا۔ وہ کون ہے جس نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے اسے مسطح کر کے قابلِ استفادہ بنایا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن پر غور و فکر قرآن ہمیں دعوت دیتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں امور کے درمیان کونسا ربط ہے: اونٹ، آسمان، پستیا اور زمین۔
فخر رازی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:
یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اور عرب عام طور پر سفر میں رہتے تھے، چونکہ ان کے علاقہ میں زراعت

اور کھیتی باڑی نہیں تھی اور ان کے سفر زیادہ تر اونٹوں پر ہی ہوتے تھے۔ جب وہ ہولناک بیابانوں اور غیر آباد ریگستانوں میں سفر کرتے تھے تو ان میں تفکر کا مادہ پیدا ہوتا تھا۔ کوئی موجود نہ ہوتا جس سے وہ بات کرتے۔ کوئی چیز ایسی نہ ہوتی جو ان کی آنکھ اور کان کو اپنی طرف متوجہ رکھتی۔ ایسی حالت میں جب وہ غور و فکر کرتے تو سب سے پہلے ان کی نظر اونٹ پر پڑتی جس پر وہ سوار ہوتے تھے۔ وہ اس کا عجیب منظر دیکھتے اور سوچ میں ڈوب جاتے۔ جب وہ کراٹھا کر اوپر کی طرف دیکھتے تو آسمان کے علاوہ کوئی چیز انہیں نظر نہ آتی۔ جب دائیں بائیں نگاہ کرتے تو پہاڑوں کے سوا انہیں کچھ نظر نہ آتا، اور جب اپنے قدموں کی طرف دیکھتے تو زمین کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ ہوتی۔ گو یا خدا تعالیٰ دعوتِ فکر دے رہا ہے اور دعوتِ فکر بھی ایسی جو تنہائی کے موقع پر دی جاتے اور اس کا دائرہ صرف چار چیزوں تک محدود ہو رہا ہے۔

لیکن اگر ہم چاہیں کہ ہم عربوں کے ماحول سے نگاہ ہٹا کر زیادہ وسیع فضا میں غور و فکر کریں تو کہا جاسکتا ہے کہ چاروں امور جو اوپر والی آیت میں آئے ہیں، انسانی زندگی کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں۔ آسمان نور و روشنی کا مرکز ہے اور بارش و ہوا کا بھی۔ زمین انواع و اقسام کے موادِ غذائی کی پرورش کا مرکز ہے۔ پہاڑ آرام و سکون کی رمز اور پانی اور معدنیات کا ذخیرہ ہیں۔ اونٹ خانگی جانوروں کا نمونہ ہے جسے ان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ اس طرح زراعت کے مسائل، جانور رکھنے کے مسائل اور صنعت و کارگیری کے مسائل انہی چاروں میں پوشیدہ ہیں۔ ان گونا گوں نعمتوں کے بارے میں غور و فکر انسان کو بہر حال شکرِ منعمِ حقیقی پر ابھی لگا رہا ہے۔ اور شکرِ منعم انہیں اللہ کی معرفت اور خالقِ نعمت کی شناخت کی دعوت دیتا ہے۔

توحید سے متعلق اس بحث کے بعد پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: "اب جلیل ابی ہی ہے تو انہیں یاد دلا اور نصیحت کر اور تو تو صرف یاد دلائی کرانے والا ہی ہے" (خذکوا انما انت مذکور لتو ان پر بالکل مسلط نہیں ہے کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کرے۔) (لست علیہم بمضیطر)۔

جی ہاں! آسمان و زمین، پہاڑوں اور جانوروں کی خلقت بتاتی ہے کہ یہ عالم ظاہر حساب و کتاب کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خلقت کا کوئی ہدف و مقصد ہے۔ اب جبکہ ایسا ہی ہے تو تو انہیں یاد دلائیں اور نصیحت سے خلقت و آفرینش پر غور کرنے کی تلقین کر، انہیں قربِ خدا کی راہ دکھا اور راہِ تکامل و ارتقا میں ان کا رہبر رہنا بنیٰ بنتہ راہِ جمال اسی صورت میں طے کی جاتی ہے جب ارادہ و اختیار کے ساتھ میل و رغبت کے ساتھ ملے۔ وہ تکامل و ارتقا جو حالتِ جبر کے نتیجے میں ہوا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو انہیں مجبور نہیں کر سکتا اور اگر مجبور کر کے بھی سکتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حکم فرمانِ جہاد کے نزول سے پہلے تھا اور حکمِ جہاد کے نزول سے پہلے حکمِ منعم تھا۔

نچا یہ جتنا بڑا اشتباہ اور غلطی ہے۔ پیغمبر کے تذکر و تبلیغ کا سلسلہ پہلے دن سے شروع ہوا اور آپ کی زندگی کے آخری دن تک جاری رہا۔

آپ کے بعد بھی آپ کے معصوم جانشینوں اور علمائے دین کے ذریعہ جاری و ساری رہا اور ہے۔ یہ فسخ ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہ کرنا بھی ایک بنیادی بات ہے۔ جہاد کا مقصد بھی زیادہ تر سرکش افراد سے جنگ کرنا ہے اور حق طلب لوگوں کے راستے سے رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔

یہ مفہوم اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ نسا کی آیت ۸۰ میں آئی ہے، تیس میں فرماتا ہے: (ومن تولیٰ فما ارسلناک علیہم حفیظًا) ”اور جو شخص روگردانی کرے تو ہم نے تجھ کو اس کا ذمہ دار نہیں بنایا، اور

سورہ انفام کی آیت ۱۰۷ اور شوریٰ کی آیت ۲۸ میں انہی معانی کو بیان کرتی ہیں۔ ”مصیطر“ سطر کے مادہ سے کتاب کی سطور کے معنی میں ہے اور مصیطر وہ شخص ہے جو سطروں کو مرتب کرتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ شخص جو کسی چیز پر مسلط ہو اور اس کو منظم کرے یا اسے کسی کام کے انجام دینے پر مجبور کرے۔ بعد والی آیت میں ایک استثناء کی شکل میں فرماتا ہے: ”مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے“ (الامن تولیٰ وکفر)۔ ”اسے خدا ایک بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا“ (فیعدبہ اللہ العذاب الاکبر)۔ یہ بات کہ یہ استثناء کس جملے سے متعلق ہے اس کی مختلف تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ فذکر کے جملے کے مفعول سے استثناء ہے یعنی ضروری و لازمی نہیں ہے کہ ان معاند افراد سے روگردانی کرتے ہیں اور پسند و نصیحت کو قبول نہیں کرتے تو نصیحت کر اور یاد دلائی کرا۔ حقیقت میں یہ اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ زخرف کی آیت ۸۳ میں آئی ہے (فذرہم یخوضنا ویلعبوا حتیٰ یلاقوا یومہم الذی یوعدون) ”انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے باطل میں الجھے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ وہ دن آجائے جس کا وعدہ کیا گیا ہے“

دوسرے یہ کہ ایک مخذوف جملے سے استثناء ہے اور معنوی طور پر اس طرح ہے ”نصیحت کر اس لیے کہ نصیحت سب لوگوں کے لیے نفع بخش ہے، مگر وہ جو حق کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں“ اس چیز کے مشابہ جو سورہ اعلیٰ کی آیت ۹ میں آئی ہے (فذکر ان نفع ان الذکریٰ) اس بنا پر کہ آیت معنی شرط رکھتی ہو۔

تیسرے یہ کہ ”علیم“ کی ضمیر سے استثناء ہے جو گزشتہ آیت میں ہے یعنی تو ان پر کوئی تسلط نہیں رکھتا، مگر وہ لوگ جو روگرداں ہو جائیں اور راہ عناد اختیار کریں تیری ذمہ داری ہے کہ ان سے مقابلہ کرے۔ یہ سب تقاسیر اس صورت میں ہیں کہ اگر استثناء اصغلاح کے مطابق متصل ہو، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ استثناء

ایک حدیث سے جو در المنثور میں پیغمبر اسلام سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی ذمہ داری تھی کہ بت برسوں سے جنگ کریں اور اس صورت کے علاوہ باقی حالات میں ان کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ نصیحت کریں۔

سقط ہو، جو تقریباً بلکہ کا مفہوم رکھتا ہے اور جملہ کے معنی اس طرح ہیں "بلکہ وہ لوگ جو رد گرداں ہو جائیں اور کافر ہو جائیں تو خدا ان پر مسلط ہے، یا خدا انہیں بہت بڑے عذاب کی خبر دے گا"

ان تفسیروں میں سے دو تفسیریں سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ پہلی یہ کہ استثناء متصل ہو اور لست علیہم محض طر کے جملے کی طرف لوٹے، جو طاقتوروں کے مقابلہ میں طاقت سے کام لینے کی طرف اشارہ ہو۔ یا استثناء متصل ہٹ دھرم کافروں کے لیے عذاب الہی کی خبر کے معنوں میں ہو۔

عذاب اکبر لے مراد آخرت کا عذاب ہے، دنیا کے عذاب کے مقابلہ میں جو چھوٹا ہے اور کم اہم ہے جیسا کہ سورہ زمر کی آیت ۲۴ میں ہم پڑھتے ہیں (فَأَذِاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ) خدا نے ذلت و خواری کا مزہ انہیں اس دنیا میں چکھایا اور آخرت کا عذاب اکبر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ عذاب اکبر سے مراد عذاب قیامت و دوزخ کا شدید ترین حصہ ہے اس لیے کہ دوزخ میں تمام مجرموں کا عذاب ایک جیسا نہیں ہے۔ اس سورہ کے آخر میں شدید آئینہ لہجے میں فرماتا ہے: "یقیناً ہماری طرف سے" (إِنَّا إِلَيْنَا يَا بَهْم)۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: "اس کے بعد یقیناً ان کا حساب ہمارا ہاتھ میں ہے" (نَسْمُ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ)۔

یہ حقیقت میں پیغمبر کے دل کے لیے ایک قسم کی تشفی و تسلی ہے کہ کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیر و غیر و نہ ہوں اور اپنے کام کو جاری رکھیں۔ ضمنی طور پر یہ سب ہٹ دھرم کافروں کے لیے دھمکی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ ان کا حساب کتاب کسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح سورہ غاشیہ جو قیامت کے موضوع سے شروع ہوا تھا، قیامت ہی کے موضوع پر ختم ہو رہا ہے۔ درمیان میں توحید و نبوت کی طرف جو قیامت کی کی بنیادوں کو تشکیل دیتے ہیں، اشارہ ہوا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیات کے ضمن میں مجرموں کو ملنے والی سنگین سزاؤں کا ایک حصہ اور اس کے بعد مومنین کے لیے اجر و حساب کا اہم حصہ آیا ہے۔ ضمنی طور پر راستے کے انتخاب کا اختیار دیا گیا کہ وہ کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور اس کو ان سے حساب لینا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر جلیل و رسالہ کے نامور ہیں اور لوگوں کے کفر و گناہ کے ذمہ دار ہیں۔ راہ حق کے تمام مبلغین کی ذمہ داری اسی قسم کی ہوتی ہے۔

خداوند! جس دن تمام مخلوقات کی بازگشت تیری طرف ہے اور سب کا حساب تجھے لینا ہے ہم پر اپنا لطف و کرم کبھی پروردگار! ہمیں اپنی رحمت کبریائی سے کام لے کر عذاب اکبر سے رهایی بخش۔

بارالہ! تیری جنت کی نعمتیں جن کا ایک گوشہ تو نے اس سورہ میں بیان کیا ہے بہت ہی بیش بہا اور شرف آلود ہیں۔ اگر ہم اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے مستحق نہیں ہیں تو تو ہمیں ان کو اپنے فضل و کرم سے مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین

۳۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

سورہ غاشیہ کا اختتام

سورۃ فجر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں تیس آیات ہیں
تاریخ ابتداء ۳۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

یساک
ن
خ
بازگشت
چار
ن و نوز
ن کا
تم ہوا
روح پر
آگیا ہے
سات پر

سورہ فجر کے مشمولات اور اس کی فضیلت

یہ سورہ بہت سے دوسرے سوروں کی طرح، جو سچے میں نازل ہوئے، مختصر متزلزل کر دینے والی پر حلال اور بہت زیادہ ڈرانے والی آیات کا حامل ہے۔ اس سورہ کے پہلے حصہ میں ہیں بہت سی قسمیں ملتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئی ہیں اور یہ قسمیں ظالموں کے لیے عذاب الہی کی تمہید کے طور پر ہیں۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں نریشہ سرکشی کرنے والی بعض اقوام، مثلاً قوم عاد و ثمود و فرعون اور ان سے خدا کے شدید انتقام لینے کی طرف اشارہ ہے، تاکہ دوسری طاقتیں اپنے انجام پر غور کریں۔

اس سورہ کے تیسرے حصہ میں مسئلہ معاد اور مجرمین و کافرین کی سزاؤں اور اسی طرح مومنین کے اجر کو جو صاحب نفس مطمئنہ ہیں، موضوع بنایا گیا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ہیں ایک حدیث پیغمبر اسلام کی ملتی ہے (من قراها فی لیال عشر عفو اللہ له ومن قراها سائر الايام كانت له نوراً یوم القیامۃ) جو شخص اسے دس راتوں (لول ذوالحجہ کی دس راتوں) میں پڑھے، خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور جو شخص باقی ایام میں پڑھے تو قیامت کے دن اس کے لیے نور روشن ہوگی۔

ایک حدیث امام جعفر صادقؑ کی ہے کہ سورہ فجر کو ہر واجب و مستحب نماز میں پڑھو کہ یہ حسینؑ پہلی ماسورہ ہے جو شخص اسے پڑھے گا وہ قیامت میں امام حسینؑ کے ساتھ بہشت میں ان کے درجہ میں ہوگا۔

اس سورہ کا تعارف سورہ امام حسینؑ کے عنوان سے ممکن ہے کہ اس وجہ سے ہو کہ نفس مطمئنہ کا واضح مصداق جو اس سورہ کی آخری آیات میں واقع ہوا ہے، حسینؑ بن علیؑ ہی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے انہی آیات کے ذیل میں آیا ہے۔ یا پھر اس بنا پر کہ لیال عشر (دس راتوں سے مراد) کی تفسیر محرام الحرام کی پہلی دس راتوں میں جو حسینؑ بن علیؑ سے خاص رابطہ رکھتی ہیں۔ بہر حال یہ سب اجر و ثواب و فضیلت ان اشخاص کے لیے ہے جو خدا کی تلاوت کو اپنی اصلاح اور تربیت کی تمہید قرار دیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱ وَالْفَجْرِ ۝
- ۲ وَ لَیَالِ عَشْرِ ۝
- ۳ وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ۝
- ۴ وَ الْبَیْلِ اِذَا یَسَّرَ ۝
- ۵ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرِ ۝

ترجمہ رحمن ورحیم خدا کے نام سے۔

- ۱ صبح کی قسم۔
- ۲ اور دس راتوں کی۔
- ۳ اور زوج و فرد کی۔
- ۴ اور رات کی جبکہ وہ (دن کی روشنی کی طرف) حرکت کرتی ہے قسم ہے (کہ تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے)۔
- ۵ کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ عقل کے لیے اہم قسم نہیں ہے؟

تفسیر

تمہاری صبح کی سفیدی کیا قسم ہے؟

اس سورہ کے آغاز میں پانچ بیدار کرنے والی قسموں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلے فرمایا ہے: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"۔ اس کے بعد "وَالْفَجْرِ" اور "وَلَیَالِ عَشْرِ" اور "وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ" اور "وَ الْبَیْلِ اِذَا یَسَّرَ" اور "هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرِ"۔

پر جلال
نی نہیں
ان سے
ببر کو
فی لیل
لی لیل
کے دن
کا سورہ
مذاق جو
ہے انہی
ن راتیں
ہو اس

”فجر اصل میں وسیع شکاف کے معنی میں ہے۔ چونکہ صبح کا نور شب کی تاریکی میں شکاف ڈال دیتا ہے لہذا اسے فجر کہا گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فجر دو قسم کی ہے، کاذب اور صادق۔ فجر کاذب طولانی سفیدی ہے جو آسمان میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے لومڑی کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا باریک نقطہ افق کی طرف ہے اور اس کا قاعدہ مخروط وسط آسمان میں ہے۔“

فجر صادق ابتداء ہی سے افق میں وسعت پیدا کرتی ہے۔ اس میں نورانیت اور صاف قسم کی شفافیت ہوتی ہے۔ وہ آب زلال کی نہر کی مانند افق مشرق کو گھیر لیتی ہے۔ اس کے بعد پورے آسمان میں پھیل جاتی ہے۔ فجر صادق رات کے ختم ہونے اور دن کے آغاز کا اعلان ہے۔ اس موقع پر روزہ داروں کو اکل و شرب سے باز رکھنا چاہیے۔ اس وقت صبح کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں فجر کے اس کے مطلق معنی یعنی صبح کی سفیدی مراد لی ہے جو یقیناً عظمت پروردگار کی ایک نشانی ہے۔ یہ انسانوں اور تمام زمینی موجودات کے لیے نور کی حاکمیت کے آغاز اور ظلمت کے ختم ہونے کا نقطہ عطف ہے۔ یہ زندہ موجودات کی جنبش و حرکت کا آغاز اور نیند و سکوت کا اختتام ہے۔ اس زندگی کی بنا پر خدا اس کی قسم کھاتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین نے اس سے نئے سال کا پہلا دن یعنی پہلی محرم مراد لی ہے۔ بعض نے اس کی تیسرے عید قربان کی فجر کی ہے جس میں حج کے اہم مراسم انجام پاتے ہیں اور یہ دس راتوں سے متصل ہے۔ بعض نے اس کو ماہ رمضان مبارک کی صبح قرار دیا ہے اور بعض نے روز جمعہ کی فجر سمجھا ہے۔ لیکن آیت کا وسیع مفہوم ہے جو ان سب منافہم پر حاوی ہے، اگرچہ اس کے بعض مصداق دوسرے بعض مصداقوں سے زیادہ واضح اور اہم بھی ہیں۔ بعض نے آیت کے معنی اس سے زیادہ وسیع سمجھے ہیں اور کہا ہے کہ فجر سے مراد ہر وہ روشنی

ہے جو تاریکی میں چمکتی ہے۔ اس بنا پر اسلام اور نور پاک محمدی کا عصر جاہلیت پر طلوع ہونا اس فجر کا ایک مصداق ہے۔ اس کا ایک دوسرا مصداق شمار ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ علی ہذا دشت کربلا میں عاشورہ حسین کا قیام اور اس کا بنی امیہ کے مظالم کے تاریک پردوں کو چاک کرنا اور ان دیو صفت لوگوں کے حقیقی چہروں کو بے نقاب کرنا، اس کا ایک اور مصداق ہے۔

اسی طرح تمام سچے انقلاب، جو کفر و جہالت اور ظلم و ستم کے خلاف گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں برپا ہوئے ہیں۔ نہ صرف وہ فجر کے مصداق ہیں بلکہ بیداری کا وہ پہلا شعلہ جو گنہگاروں کے تاریک دل میں ظاہر ہوتا ہے اور انہیں توبہ کی دعوت دیتا ہے، وہ بھی فجر ہے۔ البتہ یہ آیت کے مفہوم کی ایک وسعت ہے جبکہ ظاہر آیت وہی فجر ہے۔

یعنی امام جعفر صادق سے ایک حدیث میں نقل ہوئے ہیں۔ تفسیر برہان، جلد ۴، ص ۵۵، حدیث (۱)۔

یعنی سپیدہ صبح کا طلوع ہونا۔

باقی رہا "لیال عشر" (دس راتیں) تو مشہور وہی زہارحج کی دس راتیں ہیں جو مسلمانان عالم کے سیاسی اور عبادتی عظیم ترین اور نہایت شاہکار کرنے والے اجتماعات کی گواہ ہیں۔ یہ معانی ایک حدیث میں جابر بن عبد اللہ انصاری کے واسطے سے پیغمبر اسلام سے منقول ہوتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان دس راتوں کو ماہ مبارک رمضان کی آخری دس راتیں قرار دیا ہے جن میں شب قدر ہے۔ بعض نے محرم کی ابتدائی دس راتوں کو "لیال عشر" کا مصدر ابق قرار دیا ہے۔ ان تینوں تفسیروں کو جمع کرنا بھی مکمل طور پر ممکن ہے۔

بعض ایسی روایات جو بطون قرآن کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان کے مطابق فجر سے مراد حضرت مدنی کا وجود ہی جو دس اور میاں عشران سے پہلے کے دس ائمہ ہیں اور شفع جو بعد والی آیت میں آیا ہے اس سے مراد حضرت علی و حضرت فاطمہ الزہراء ہیں۔ بہر حال ان دس راتوں کی قسم خواہ اس کی تفسیر کچھ بھی کیوں نہ ہو، ان کی حد سے زیادہ اہمیت کی دلیل ہے، اس لیے کہ قسم ہمیشہ اہم امور کی کھائی جاتی ہے۔

ان تمام معانی کی جمع بھی ممکن ہے۔ اس کے بعد قسموں کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "جنت و طاق کی قسم" (والشفع والوتر)۔ یہ کہ شفع و وتر (زوج و فرد) سے اس آیت میں کیا مراد ہے، مفسرین نے بہت سے اقوال اور احتمال بیان کیے ہیں۔ بعض نے ۲۰ اقوال تک پیش کیے ہیں۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ یعنی ۳۶ اقوال تک نقل کیے ہیں۔

ان میں سے زیادہ اہم امور مندرجہ ذیل اقوال ہیں: ار مراد زوج و فرد اعداد ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق خدا نے ان تمام اعداد کی قسم کھائی ہے جو زوج و فرد سے تشکیل پاتے ہیں۔ وہ اعداد ایسے ہیں کہ تمام حسابات اور تمام نظام ان کے محور کے گرد گھومتے ہیں اور انہوں نے سارے عالم معنی کو گھیر رکھا ہے۔ گویا فرماتا ہے: قسم ہے نظم و ضبط اور حساب و کتاب کی، اور حقیقت میں عالم ہستی میں اہم ترین مفہوم ہی نظم و حساب اور عدد

۱۔ تفسیر ابو الفرج رازی، جلد ۱۲، ص ۴۴۔

۲۔ اگرچہ "لیال عشر" بیان نکرہ کی شکل میں بیان ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ نکرہ میاں بیان عظمت کے لیے ہے لہذا یہ عدد کا مفہوم پیدا کرتی ہیں اور یہ ان مخصوص راتوں کی طرف اشارہ ہے جو اہم پر بیان ہوتی ہیں۔

۳۔ تفسیر فخر رازی، جلد ۳۱، ص ۱۶۴۔

۴۔ علامہ طباطبائی نے المیزان میں بعض مفسرین سے جلد ۲۰، ص ۴۰۶ پر نقل کیا ہے اور روح المعانی نے التحریر و

التحیر سے جلد ۳۰، ص ۱۲۰ پر نقل کیا ہے۔

کا مسئلہ ہے جو انسانی زندگی میں اصل بنیاد کو تشکیل دیتا ہے۔

۲۔ شفع سے مراد مخلوقات میں کیونکہ ساری مخلوق جوڑا جوڑا ہے اور ایک دوسرے کی قرین ہے؟

جیلہ وتر سے مراد خدا ہے، جس کی شبیہ و نظیر و مانند و مثل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تمام ممکنات ماہیت و وجود سے مرکب ہیں۔ جیسے فلسفہ میں زوج ترکیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صرف غیر متماہی شے جو ماہیت کے بغیر ہے وہ خدا کی اپنی ذات ہے۔ اس تفسیر کی طرف معصومین کی بعض روایات میں اشارہ ہوا ہے۔

۳۔ زوج و فرد سے مراد اس جہان کی تمام مخلوق ہے جو ایک لحاظ سے زوج اور ایک لحاظ سے فرد ہے

۴۔ مراد نمازیں ہیں جن میں رکعات کی تعداد کے لحاظ سے بعض زوج اور بعض فرد ہیں۔ یہ سنی بھی ایک

روایت میں معصوم سے نقل ہوئے ہیں یا یہ کہ وہی نماز شفع وتر ہے جو نماز تہجد کے آخر میں پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ شفع سے مراد روزِ تردیہ ہے (آکھٹویں ذی الحج جس دن حاجی عرفات کی طرف کوچ کرنے

کے لئے آمادہ ہوتے ہیں) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے جس میں خانہ خدا کے زائرین عرفات میں ہوتے ہیں یا یہ کہ شفع سے مراد عید قربان کا دن ہے (دس ذی الحج) اور وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ یہ تفسیر بھی معصومین کی روایات میں آئی ہے۔

عمدہ بات یہ ہے کہ اگر الف لام ان دونوں الفاظ میں عموم کے لیے ہوں تو یہ تمام معانی

اس میں جمع جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان تفسیروں میں سے ہر ایک تفسیر اس کی کوئی نہ کوئی مصداق ہے۔ شفع وتر کا خصوصیت سے ذکر ہونا اس مضمون میں مخصوص ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک واضح مصداق سے مطابقت رکھنے کی قسم سے ہے۔ لیکن الف لام اگر ان دونوں میں عمدہ ہو تو پھر خاص قسم کے زوج و فرد کی طرف اشارہ ہو گا اور یہاں گزشتہ قسموں کی مناسبت سے سب سے زیادہ دو معنی مناسب ہیں:

ایک یہ کہ عید کا دن اور عرفہ کا دن ہو جو ذی الحج کی ابتدائی دس راتوں سے مکمل طور پر مناسبت

رکھتا ہے اور مناسک حج کا اہم ترین حصہ انہیں دنوں میں انجام پاتا ہے۔ یا یہ کہ مراد نمازیں ہوں جو فجر کی قسم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں، جو سحر کا اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کا وقت ہے، خصوصاً جبکہ یہ دونوں تفاسیر ان روایات میں بھی وارد ہوتی ہیں جو معصومین سے مروی ہیں۔

آخر میں آخری قسم میں فرماتا ہے: "اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ صبح اور دن کی روشنی کی

طرف جاتی ہے" (واللیل اذا یسر)۔

۱۔ ابو سعید خدری نے اسے پیغمبر سے نقل کیا ہے۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۲۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۵۔

۳۔ یہ اصل میں یسری ہے جو مادہ سری کا فعل مضارع ہے اس کے بعد اس کے بعد اس کی یا تخفیف اور گزشتہ آیات کے ہم آہنگی کی بنا پر حذف ہو گئی ہے۔

جیسی پرکشش اور عمدہ تعبیر ہے کہ چلنے کی نسبت رات کی طرف دی ہے، وہ بھی رات کو چلنا اس لیے کہ "تیسرے" کے مادہ سے (بروزن شہا) بقول راغب مفردات میں رات کے چلنے کے معنی میں ہے۔ گویا رات ایک زندہ وجود ہے اور حس و حرکت رکھتی ہے جو تاریکی میں قدم بڑھاتی ہے اور روشن صبح کی طرف جاتی ہے۔ جی ہاں! اس تاریکی کی قسم کھاتی ہے جس کا رخ روشنی کی طرف ہے، متحرک تاریکی نہ کہ ٹھہری ہوئی۔ تاریکی اس وقت وحشتناک ہوتی ہے جب وہ رُکی ہوئی ہو لیکن اس میں اگر نور و روشنی کی طرف حرکت ہو تو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ظلمت شب کرۂ زمین پر حرکت کی حالت میں ہے اور اصولی طور پر جو رات اہم مفید اور حیات بخش ہے وہ وہی رات ہے جو حرکت کی حالت میں ہو، یعنی جو مستقل طور پر بتدریج خود کو دن سے تبدیل کرے، اس لیے کہ اگر رات کرۂ زمین کے نصف حصہ پر جا کر رُک جائے اور بیخ کی طرح گڑ جائے تو وہ آدھا حصہ بھی ختم ہو جائے اور دوسرا آدھا حصہ بھی جو ہمیشہ سورج کی روشنی کے مقابل ہو۔

رات سے مراد یہاں کیا ہے؟ کیا سب راتیں مراد ہیں، یا کوئی خاص رات؟ اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر اس کا الف لام عموم کے لیے ہو تو اس میں تمام راتیں شامل ہوں گی، جو خدا کی آیات میں سے خود ایک آیت ہیں اور آفرینش کے مظاہر میں سے خود ایک مظہر ہیں۔ اگر اس کا الف لام عمد ہو تو پھر معین رات کی طرف اشارہ ہے اور گزشتہ قسموں کی مناسبت سے مراد عید قربان کی رات ہے جس میں حجاج کرام مزدلفہ (مشعر الحرام) کی طرف اور اس وادی مقدس میں رات گزارنے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت سر زمین منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تفسیر معصومین سے منقول روایات میں بھی آئی ہے بلکہ

جن لوگوں نے اس رات کا منظر قریب سے عرفات و مشعر میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہر گوشہ و کنار سے لاکھوں افراد حرکت کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رات اپنے وجود کے ساتھ حرکت کر رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حاجی چل رہے ہوتے ہیں لیکن یہ حرکت عمومی اس قدر وسعت رکھتی ہے گویا زمین و زمان سب حرکت میں ہوں اور یہ سب اس وقت محسوس ہوتا ہے جب انسان عید کی رات اس سر زمین میں ہو اور ولیل اذایس کے معنی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بہر حال رات کسی بھی معنی میں ہو، عام یا خاص، عظمت الہی کی نشانی ہے اور عالم ہستی کے اہم موضوعات میں سے ہے۔

رات ہوا کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے، تمام موجودات کو آرام پہنچاتی ہے اور بارگاہِ خدا میں راز و نیاز کے لیے فضا میں سکون پیدا کرتی۔ باقی رجبی عید قربان کی رات جس کا نام (لیلۃ جمع) ہے، وہ بھی اس مقدس وادی مشعر الحرام میں سال کی عجیب ترین رات ہے۔

بہر حال ان پانچ قسموں کا رشتہ (فجر کی قسم، دس راتوں کی قسم، زوج و فرد کی قسم اور رات کی قسم) اس صورت میں بالکل واضح ہے جب ہم ان سب کو ایام ذی الحج اور حج کے عظیم مراسم سے متعلق سمجھیں۔

اس صورت حال کے علاوہ پھر عالم تکوین اور عالم تشریح کے اہم حوادث کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور عالم ہستی کے عجیب و غریب اور حیران کن مظاہر ہیں۔ ان پر معنی اور بیدار کرملے والی قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

”کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبان فرد کے لیے اہم قسم ہے“ (ہل فی ذالک قسم لذی حجر) جبریاں عقل کے معنی میں ہے اور اصل میں منغ کے معنی میں ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ قاضی نے فلاں شخص کو حجر (بروزن زجر) کیا یعنی اسے اس کے اموال میں تصرف کرنے سے منع کر دیا۔ یا یہ کہ کمرہ کو حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک محفوظ و ممنوع جگہ ہوتی ہے کہ اس میں دوسرے وارد نہیں ہو سکتے۔

دامن اور آغوش کو حجر (بروزن فکر) کہا جاتا ہے دوسروں سے محفوظ ہونے اور ممنوع ہونے کی وجہ سے اور عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے لہذا اسے حجر سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ خود لفظ عقل کے معنی بھی خود منع کرنے کے ہیں۔ اسی لیے وہ رسی جسے اونٹ کے گھٹنے سے بانڈھتے ہیں کہ اسے چلنے پھرنے سے روکیں، عقاب کہلاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ منقسم بہ (وہ چیز جس کے لیے یہ قسمیں کھائی گئی ہیں) کیا ہے؟ اس سلسلہ میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ جملہ (ان دبعک لبالمصداق) تیرا پروردگار یحییٰ گاہ میں ہے، ان قسموں کا جواب قسم ہے۔ دوسرا یہ کہ جواب قسم عذوب ہے اور آنے والی آیات جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کی بات کرتی ہے اور اور اس پر گواہ ہیں۔ یہ معنی کے لحاظ سے اس طرح ہے قسم ہے ان چیزوں کی جو کبھی گئی ہیں کہ ہم کافروں اور سرکشوں پر عذاب نازل کریں گے بلکہ اس طرح قسم اور منقسم بہ واضح ہو جاتے ہیں۔

- ۶ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝^{صلا}
 ۷ اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝^{صلا}
 ۸ الَّتِي لَبَّى يُخَلِّقُ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ ۝^{صلا}
 ۹ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝^{صلا}
 ۱۰ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝^{صلا}
 ۱۱ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝^{صلا}
 ۱۲ فَآكْتَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝^{صلا}
 ۱۳ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝^{جلا}
 ۱۴ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ۝

ترجمہ

- ۶ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟
 ۷ اور اس باعظمت شہر ارم کے ساتھ۔
 ۸ وہی شہر جس کی نظیر شہروں میں پیدا نہیں کی گئی۔
 ۹ اور قوم ثمود جو دروں میں سے بڑے بڑے پتھر کاٹتی تھی۔
 ۱۰ اور فرعون جو صاحب قوت اور سخت سزا دینے والا تھا۔
 ۱۱ وہی قومیں جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔
 ۱۲ اور ان میں بہت زیادہ فساد انہوں نے کیا۔

لذاخذانے ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا۔

۱۳

یقیناً تیرا پروردگار تمہیں گاہ میں ہے۔

۱۴

تفسیر

تیرا پروردگار ظالموں کی گہات میں ہے

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے بارے میں با معنی قسموں کی ضمانت لیے ہوئے تھیں، ان آیات میں گزشتہ اقوام میں سے چند طاقتور قوموں کے متعلق، جن میں سے سرکندِ عظیم قوت کی مالک تھی، لیکن ساتھ ہی مغزور بھی متسکبر و سرکش بھی تھی، ان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ان کی دردناک سرفروخت کو واضح کرتا ہے تاکہ مشرکین کہ اور دوسری اقوام جو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں، اپنا انداز لگائیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ پہلے فرماتا ہے: "کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا ہے؟" (الم ترکیب فعل ربک بعد)۔

ردیت (دیکھنا) سے یہاں مراد علم و آگاہی ہے چونکہ ان اقوام کی داستانیں اس قدر مشہور و معروف تھیں کہ گویا بعد کے زمانے کے لوگ بھی انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، لہذا ردیت کی تعبیر صرف ہوئی ہے۔ البتہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر ہیں لیکن مقصود سب کو تنبیہ کرنا اور خبردار کرنا ہے۔

"عاد خدا کے عظیم پیغمبر حضرت ہود کی قوم ہے۔ بعض مؤرخین کا نظریہ ہے کہ عاد کا اطلاق دو قبیلوں پر ہوتا ہے ایک وہ جو بہت پہلے تھا اور قرآن نے اسے عاد الادویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ (نجم - ۵۰)۔ وہ غالباً تاریخ سے پہلے موجود تھا دوسرا قبیلہ جو تاریخ بشر کے دور میں اور تقریباً ولادتِ مسیح سے سات سو سال پہلے تھا اور عاد کے نام سے مشہور تھا یہ اصحابِ یامین میں رہائش پذیر تھا۔ اس قبیلہ کے افراد بلند قامت اور قوی الجشہ تھے اور اسی بنا پر بہت نمایاں جنگجو بنا رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تمدن بھی تھے۔ ان کے شہر آباد اور زمینیں سرسبز و شاداب تھیں۔ ان کے باغات پر بہار تھے اور انہوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کیے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عاد اس قبیلے کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا اور وہ قبیلے کو اپنے جد کے نام سے موسوم کر کے پکارتے تھے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

"وہی پر شکوہ اور عظیم شہرازم" (ارم ذات العباد)، اس بات میں کہ ارم کسی شخص کا نام ہے یا قبیلے کا یا جگہ یا کسی شہر کا، مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ زرخشری کشف میں نقل کرتا ہے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا، وہ بیٹا ہے ارم کا وہ بیٹا ہے سام ابن نوح کا اور چونکہ قبیلے کے اجداد سے قبیلے منسوب ہوتے تھے لہذا عاد کو ارم بھی کہتے ہیں بعض مؤرخین کا نظریہ یہ ہے کہ ارم وہی عاد ادویٰ ہے اور عاد دوسرا قبیلہ ہے، جبکہ کچھ اور حضرات کا نظریہ ہے کہ ارم ان کے

شہر اور سرزمین کا نام ہے۔

لیکن بعد والی آیت سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارم ان کے بے نظیر شہر کا نام ہے۔
عماد کے معنی ہیں ستون اس کی جمع ہے عمد (بروزن شتر)۔ پہلی تفسیر کی بنا پر قوم عاد کے طاقتور جموں اور ستون بچے
پیکروں کی طرف اشارہ ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق با عظمت عمارتوں، بلند و بالا محلات اور ان عظیم ستونوں کی طرف
اشارہ ہے جو عظیم محلوں میں تعمیر کیے گئے تھے اور ان دونوں صورتوں میں قوم عاد کی طاقت و قوت کا اشارہ ہے۔ دوسری
تفسیر (ان کے محلوں کے عظیم ستون) زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: وہی شہر و دیار جن کی مانند مثل دنیا کے شہروں میں پیدا نہیں ہوئی تھی
(القی لم یخلق مثلہا فی البلاد)۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ ارم سے مراد وہی شہر ہے نہ کہ قبیلہ، طاقت۔ شاید یہی وجہ ہے
کہ بعض بزرگ مفسرین نے اسی تفسیر کو قبول کیا ہے اور ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض مفسرین نے جزیرۃ العرب کے بیابانوں اور عدن کے صحراؤں میں شہر ارم کے برآمد ہونے کی ایک دلچسپ
داستان بیان کی ہے جس میں وہ اس شہر کی بلند و بالا عمارات اور سامان زینت وغیرہ کی بات کرتے ہیں لیکن مذکورہ داستان
واقیعت کی نسبت خواب یا افسانے سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قوم عاد طاقتور قبائل
پر مشتمل تھی، ان کے شہر ترقی یافتہ تھے اور جیسا کہ قرآن اشارہ کرتا ہے، ان جیسے شہر پھر آباد نہیں ہو سکے۔ بہت سی داستانیں
شہاد کی جو عاد کا بیٹا تھا، زبان زد عام ہیں اور تاریخ میں مرقوم ہیں یہاں تک کہ شہاد کی بہشت اور اس کے باغ ضرب المثل
کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لیکن ان داستانوں کی حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ محض افسانے ہیں۔ یہ ایسے افسانے ہیں کہ ان کی
حقیقت پر بعد میں حاشیہ آرائی کر لی گئی۔

اس کے بعد گزشتہ اقوام کے دوسرے سرکش گروہ کا حوالہ دے کر فرماتا ہے: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار
نے قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی میں بڑے بڑے پتھروں کو کاٹی اور ان سے گھر اور قصر بناتی تھی (و ثمود الذین
جاؤا الصخر بالواد)۔ ثمود کی قوم قدیم ترین اقوام میں سے ہے۔ ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ تھے اور وہ وادی القدری
نامی سرزمین میں رہتے تھے، جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ ان کا تمدن ترقی یافتہ تھا، زندگی مرہ الحال تھی اور ان
کی عمارتیں عظیم تھیں۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں ثمود اس قبیلے کے باپ کا نام تھا۔ اسی نام سے وہ قبیلہ موسوم ہوا۔ جاؤا اصل میں جوہ

۱۔ تفسیر کثات، جلد ۲۔ ص ۴۶۔ اس مضمون کو قطبی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح دوسری تفسیروں میں بھی ہے۔

۲۔ پہلی تفسیر کی بنا پر ذات کا مؤنث ہونا طاقت و قبیلہ کی بنا پر ہے جو مؤنث لفظی ہے۔

۳۔ ارم غیر منصوب ہے اسی لیے حالت جر میں منصوب ہوتا ہے۔

۴۔ ثمود اہل لغت کے لحاظ سے ثمد (بروزن مند) اس بھڑوٹے سے پانی کے معنی میں ہے جس کا کوئی مادہ نہ ہو اور ثمود اس شخص کو کہتے ہیں جس
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجموع
ب عظیم
ر ناک
ن اور
ساتھ
ک کو گیا
آیت
ہے ایک
تھا۔
تھا۔ یہ
جنگجو
غات
م تھا
یا حکم کا
ہے ارم
ور زمین
ان کے

(بروزن توبہ) سے لیا گیا ہے جو پست زمین کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ہر قطعہ زمین کی قطع و برید کے معنی میں آیا ہے کسی بات کے جواب کو اس لیے جواب کہتے ہیں گو یا وہ ہوا کو قطع کرتا ہے اور کہنے والے کے منہ سے نکل کر بسنے والے کے کان تک پہنچتا ہے (یا اس لحاظ سے کہ سوال کو کاٹ کر ختم کر دیتا ہے)۔

بہر حال یہاں مراد پہاڑوں کے ٹکڑوں کا کاٹنا اور اطمینان کے ساتھ ان سے گھر بنانا ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۸۲ میں اسی قوم ثمود کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں (وكانوا اينختون من الجبال بيوتا امنين)۔ وہ دو پہاڑوں کے اندر پڑ سکون گھر بناتے تھے۔ ان معنی کی نظیر سورہ شرا کی آیت ۱۲۹ میں آتی ہے وہاں بیوتنا فارہین کی تفسیر صرف ہوتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان گھروں میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے اور ہوس رانی سے کام لیتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوم ثمود پہلے قوم تھی جنہوں نے پہاڑوں سے پتھر کاٹ کر پہاڑوں کے اندر مقبوضہ و محکم گھر بنانے کا اقدام کیا۔

”واد ہبواصل میں وادی تھا، دریا یا سیلابوں کی گزرگاہ کے معنی میں ہے اور کبھی درہ کے معنی میں بھی آیا ہے اس لیے کہ سیلاب ان سے جو پہاڑوں کے قریب ہوتے ہیں، گزرتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں یعنی درہ اور پہاڑ کے دامن، اس لیے کہ قرآن کی وہ آیات بھی یہی بتاتی ہیں جو اس قوم کے متعلق بیانات دیتی ہیں اور اسکا اد پر بھی اشارہ ہوا ہے کہ قوم ثمود اپنے گھر پہاڑوں کے دامن میں بناتی تھی۔ اس طرح وہ پتھر کاٹتے اور ان کے اندر پڑا من گھر بناتے۔“

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام غزوہ تبوک کے موقع پر راستہ چلتے ہوئے دہستان کے شمال میں وادی ثمود میں پہنچے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ فرمایا جلدی کرو اس وقت تم لمعون و معذب سر زمین پر ہو رہے۔ اس میں شک نہیں کہ قوم ثمود کا تمدن ترقی یافتہ تھا کہ ان کے شہر آباد تھے۔ لیکن پھر ہمیں ایسے اعداد و شمار سے واسطہ پڑتا ہے جو مبالغہ آمیز نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ انہوں نے آید ہزار سات سو شہر بنائے تھے جو سب کے سب پتھروں سے تعمیر ہوئے تھے۔ اس کے بعد تیسری قوم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور اسی طرح فرعون صاحب ثروت“ (و فرعون ذی الاوتاد)۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے طاقتور ظالم اور بیدادگر قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا۔

”اوتاد جمع۔ وتد کی (بروزن صمد) جس کے معنی میخ کے ہیں۔ فرعون کو ذی الاوتاد کیوں کہتے ہیں؟ اس

بیشہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: سے زیادہ مال کا مطالبہ کریں اتنی مقدار جس سے اس کے مال میں نقص پیدا ہو جائے بعض اس لفظ کو بھی کہتے ہیں مفردات راغب

۱۔ جاوا الصخر بالواد میں بار بظاہر ظرفیت کے معنی رکھتا ہے۔

۲۔ روح البیان، جلد ۲، ص ۲۲۵۔

کی مختلف تفسیروں میں ہیں۔
پہلی یہ کہ اس کے بہت سے لشکر تھے جن میں سے بہت سے خیموں میں زندگی گزارتے تھے اور جو خیمے ان

کے لیے گاڑے جاتے تھے ان میں میخیں استعمال ہوتی تھیں۔
دوسری یہ کہ فرعون جس شخص پر غضبناک ہوتا، زیادہ تر اس کو یہ سزا دیتا کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میخوں
سے باندھ دیتا، یا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا اور اس کو چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ یہ تفسیر
ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ جس وقت فرعون کی بیوی حضرت آسیہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں تو انہیں بھی یہی
سزا دی گئی اور شہید کیا گیا۔ ذی الادواء اصولی طور پر قوت اور استقامت اور حکومت کا کنایہ ہے۔

تینوں تفسیریں آپس میں منافات بھی نہیں رکھتیں۔ ہو سکتا ہے کہ آیت کے معنی میں جمع ہوں۔ اس کے بعد
مجموعی طور پر ان تینوں اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

”وہی جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی“ (الذین طغوا فی البلاد) اور ان میں بہت سا فساد برپا کیا اور

غرابی کی (فاکثروا فیہا الفساد)۔ فساد جو ہر قسم کے ظلم و ستم، تجاوز عن الحدود، عیاشی اور ہوس رانی پر مشتمل تھا۔

واقعی ان کی سرکشی ایک اثر رکھتی ہے اور ہر سرکشی کرنے والی قوم ہر کار ہر قسم کے فساد میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ایک محقق اور پرمعنی جملے کے ساتھ ان تمام سرکش قوموں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ”لنذآخذنا ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا“ (فصب علیہم ربک سوط عذاب)۔

”سوط کے معنی تازیانے کے ہیں۔ اس کے معنی اصل میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مخلوط کرنے کے ہیں اس

کے بعد اس کا تازیانہ پر بھی اطلاق ہوا ہے جو چرٹے وغیرہ سے بنا ہو۔ بعض مفسرین کے نزدیک عذاب کا کنایہ

ہے، ایسا عذاب جو انسان کے گوشت و خون سے مخلوط ہو جائے اور اس کو سخت پریشانی و بے حال کر دے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے کلام میں امتحان کے بارے میں ملتا ہے (والذی بعثہ بالحق لتبلین بلبلة

ولتغربلن غربلۃ ولتساطن سوط القدر)۔ ”قسم ہے اس کی جس نے پیغمبر کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تم شدت

سختی کے ساتھ مورد امتحان و آزمائش قرار پاؤ گے، پھلنی کی مانند ہو جاؤ گے، دیگ میں جو چیز ہو اس کی طرح اس

کے جوش کھانے اور اُبال آنے کے وقت مل جل جاؤ گے اور اوپر نیچے ہو جاؤ گے“۔

”صب“ کی تعبیر جو اصل میں پانی انڈیلنے اور پھینکنے کے معنی میں ہے، یہاں اس عذاب کی لذت اور استمرار کی

طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ صغیر زمین کے ان سرکشوں کے وجود سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہو۔ بہر حال

۱۔ علل الشرائع نور الثقلین کی نقل کے مطابق جلد ۵ ص ۱۰۱ حدیث ۶۔

۲۔ بیج البلاغہ خطبہ ۱۶۔

وسط کے تمام معانی میں سے یہاں مناسب وہی پہلے معنی یعنی تازیانہ ہے۔ وہی تعبیر جو زمرہ کی گفتگو میں بھی رائج ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے دشمن کی پشت پر عذاب کا تازیانہ لگایا۔

یہ مختصر سی تعبیر شدید اور مختلف قسم کے عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو اس قوم پر نازل ہوئے۔ قوم عاد کو قرآن مجید کے بقول تیز ٹھنڈی اور جلانے والی ہوا اور آندھی سے ہلاک ہوئی (واما عاد فاھلکوا بربیع صرصر عاتیتہ) (حاقہ - ۶)۔ باقی رہی قوم ثمود تو وہ عظیم آسمانی بیخ کے ذریعہ نابود ہوئی۔ (فاما ثمود فاھلکوا بالطاعنۃ) (حاقہ - ۵) اور قوم فرعون دریاٹے نیل کی موجوں میں غرق اور دفن ہو گئی (فانغرقتاھم اجمعیں) (زفر: ۵۵)

آخری زیر بحث آیت میں ان تمام لوگوں کو ہتھیار اور خبردار کرنے کے لیے، جو اس راستہ پر چلتے ہیں جس پر وہ سرکش لوگ چلتے تھے، فرماتا ہے:

”یقیناً تیرا پروردگار کہیں گاہ میں ہے“ (ان ربک بالمرصاد) ”مرصاد“ مرصد کے مادہ سے کسی چیز کی نگہبانی کرنے کے لیے آمادگی کے معنی میں ہے۔ فارسی میں اسے کہیں گاہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کچھ افراد مجبور ہوں کہ کسی گزرگاہ سے گزریں اور کوئی شخص اس گزرگاہ میں ضرب لگانے کے لئے آمادہ و تیار ہو۔

اس ساری گفتگو میں اس طرف اشارہ ہے کہ گمان نہ کرو کہ کوئی شخص عذاب الہی سے بچ کر جاسکتا۔ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور جس وقت وہ ارادہ کرے ان کو سزا دے سکتا ہے اور ان پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا کا کوئی مکان نہیں ہے اور وہ کسی گزرگاہ میں بھی نہیں بیٹھتا۔ یہ تعبیر اس بات کا اندیشہ ہے کہ پروردگار اپنی قدرت کے ذریعہ تمام سرکشوں کا احاطہ کیسے ہوتے ہے۔ ایک حدیث حضرت علی سے منقول ہے (ان ربک قادر علی ان یجزی اھل المعاصی جزا ٹھم) ”تیرا پروردگار قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں کو کیفر کردار تک پہنچائے“۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: (المرصاد قنطرة علی الصراط لا یخبرھا عبد بمظلمة عبد) ”مرصاد ایک پل ہے اس راستہ پر جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے جس شخص کی گردن پر کسی مظلوم کا حق ہو گا وہ اس پر سے نہیں گزر سکے گا“۔

یہ حقیقت میں ایک واضح مصداق کے بیان کی قسم میں سے ہے اس لیے کہ خدا کی ہمیں گاہ قیامت اور سہم پر پل صراط تک محدود نہیں ہے۔ خدا تو اس دنیا میں بھی ہر ظالم کی گھات میں ہے اور گزشتہ تینوں اقوام پر نازل ہونے

۱۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۷۔

۲۔ مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۲۸۷۔

والاعذاب اس کا واضح مصداق ہے۔

”ربك“ (تیرا پروردگار) کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ سنت الہی تیری امت کی سرکش، ظالم اور ستمگروں کے بارے میں بھی جاری ہوگی۔ پیغمبر اور مومنین کے دلوں کی تسکین بھی ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ ہٹ دھرم اور کینہ پرور دشمن خدا کی قدرت کے چنگل سے کبھی فرار نہیں کر سکیں گے اور یہ ان لوگوں کے لیے خطرہ کی تینید بھی ہے جو پیغمبر اکرمؐ اور مومنین پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ لوگ جو ان سے زیادہ صاحبِ طاقت تھے، ایک تیز آندھی، ایک طوفان، ایک شعلہ اور صیحر آسمانی کے مقابلے میں تابِ مقادست نہ لاسکے، تو یہ کس طرح سوچتے ہیں کہ اپنے ان غلط اعمال کے باوجود عذاب الہی سے نجات پاسکیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے آپؐ فرماتے ہیں: ”جبرائیل امین نے مجھ کو خبر دی کہ جس وقت خداوند بیکتا و اولین و آخرین کی مخلوق کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا تو جنم کو لے آئے گا اور پھر اس کو، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، اس پر رکھ دے گا۔ اس صراط پر تین پل ہوں گے۔ پہلے پل پر امانت و رست گاری اور رحمت و محبت ہے، دوسرے پل پر نماز اور تیرے پل پر پروردگار عالم کا عدلی ہوگا۔ لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس پل پر سے گزریں۔ جنہوں نے امانت اور رحم میں کوتاہی کی ہوگی وہ پہلے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اگر اس سے گزر گئے تو نماز میں کوتاہی کی ہوگی تو دوسرے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اور اگر اس سے بھی گزر گئے تو اپنے راستے کے آخر میں عدل الہی پائیں گے اور ان ربك لبالمصداق کے یہی معنی ہیں۔

حضرت علیؑ کے ارشادات و کلمات میں ہم پڑھتے ہیں (ولئن امهل الله الظالم فلن يفضت اخذه وهو له بالمصداق علی مجازاً لہر یقہ و بموضع الشجی من مساع ر یقہ) اگر خدا ظالم کو مہلت دے دے تو اس کی سزا ہرگز ختم نہیں ہوگی۔ وہ ستمگاردوں کی گھات میں ہے اور اس طرح ان کے حلق کو اپنے دستِ قدرت میں لیے ہوئے ہے کہ جس وقت چاہے گا اس طرح دبا دیگا کہ اس کا لعاب دہن تک گلے سے نیچے نہیں جاسکے گا۔

۱۔ ردضہ کافی مطابق نقل نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵، ۳، ۵۔

۲۔ منج البلاغہ خطبہ ۹۔

- ۱۵) فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۖ
فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝
- ۱۶) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
أَهَانَنِ ۝
- ۱۷) كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝
- ۱۸) وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۝
- ۱۹) وَتَأْكُلُونَ التَّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝
- ۲۰) وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

ترجمہ

۱۵) لیکن انسان کو جس وقت خدا آزمائش کے لیے عزت دیتا ہے (اس کا اکرام کرتا ہے) اور نعمت بخشتا ہے تو (مغزور ہو جاتا ہے) اور کہتا ہے میرے پروردگار نے میرا اکرام کیا ہے۔

۱۶) لیکن جب امتحان کے لیے اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے ذلیل و خوار کیا ہے۔

۱۷) ایسا نہیں ہے جیسا تم نے خیال کیا ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے

۱۸) اور ایک دوسرے کو مساکین و فقراء کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے

۱۹) اور میراث کو جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کر کے کھاتے ہو۔

اور مال و دولت کو بہت دوست رکھتے ہو۔

۲۰
تفسیر

نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غرور کرو اور نہ سلبِ نعمت پر مایوس ہو

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشی کرنے والوں کو خبردار کر رہی تھیں اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرا رہی تھیں زیر بحث آیات میں مسئلہ امتحان کو پیش کرتا ہے جو ثواب اور عقاب الہی کا معیار ہے اور انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

لیکن انسان جس وقت اس کا پروردگار اور اس کی آزمائش کے لیے اس کا اکرام کرے اور نعمت بخشنے، تو مغرور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے (فاما الانسان اذا ما ابتلاه ربه فاكرمه و نعمه فيقول ربى اكرمنى)۔ وہ نہیں جانتا کہ خدائی آزمائش کبھی نعمت کے ذریعہ اور کبھی انواع و اقسام کی مصیبتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ نہ نعمت کا حصول سببِ غرور بننا چاہیے اور نہ مصائب مایوسی اور ناامیدی کا سبب بنیں۔ لیکن یہ کم ظرف انسان دونوں حالتوں میں مقصدِ آزمائش کو بھول جاتا ہے۔ نعمت کے ملنے کے وقت اس طرح خیال کرتا ہے کہ وہ مقربِ بارگاہِ خدا ہو گیا ہے اور یہ نعمت اس قرب کی دلیل ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ابتداء میں کہتا ہے کہ خدا اسے موردِ اکرام قرار دیتا ہے۔ لیکن آیت کے ذیل میں ہے کہ انسان خود کو موردِ اکرام خدا دیکھتا ہے۔ اس کی مذمت ہو رہی ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ پہلا اکرام انعام ہی کے معنی میں ہے اور دوسرا اکرام بارگاہِ خدا کے قرب کے معنی میں ہے۔ لیکن جس وقت امتحان لینے کے لیے سے اس کی رذی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

”میرے پروردگار نے مجھے ذلیل و خوار کر دیا ہے“ (واما اذا ما ابتلاه فقد ر عليه رزقه فيقول ربى اهاننى)۔ ناامیدی اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور وہ اپنے پروردگار سے رنجیدہ و ناخوش ہو جاتا ہے، وہ اس سے غافل ہے کہ یہ سب چیزیں تو اس کی آزمائش اور امتحان کے ذرائع ہیں۔ وہ امتحان جو انسان کی پرورش اور ارتقاء کی رمز ہے اور اس کے بعد استحقاقِ ثواب کا سبب اور مخالفت کی صورت میں استحقاقِ عذاب کا باعث ہے۔

یہ دونوں آیتیں خبردار کرتی ہیں کہ نہ تو نعمت کا ورود تقربِ خدا کی دلیل ہے اور نہ اس کا سلب ہو جانا حق سے دوری کی دلیل۔ یہ تو امتحان کی مختلف صورتیں ہیں کہ خدا اپنی حکمت کے مطابق ہر گروہ کی کسی چیز سے آزمائش کرتا ہے۔ یہ کم ظرف انسان ہیں جو کبھی مغرور ہو جاتے ہیں اور کبھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ سورہ اٰم سجدہ کی آیت ۵۵ میں بھی آیا ہے:

(واذا انعمنا على الانسان اعرض و نا بجانبه و اذا مضه الشرف و دعاء عريض)۔ جس وقت

ہم کسی انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور تجریر کے حق سے دور ہو جاتا ہے، لیکن جب اُسے تھوڑی سی تکلیف پہنچے تو ہمیشہ دعا کرتا ہے اور بے تابی دکھاتا ہے۔ اسی طرح سورہ ہود کی آیت ۹ میں آیا ہے رولین اذقنا الانسان منا رحمة ثم نزعناها منه انه ليؤس كفور۔ جس وقت ہم انسان کو رحمت کا ذائقہ چکھائیں اور اس سے پھین لیں تو ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں آیتیں علاوہ اس کے کہ خدا کی آزمائش کے مسئلہ کو مختلف طریقوں سے بیان کرتی ہیں، نتیجہ میں بختہ ہیں کہ نعمت سے بہرہ ور ہونا یا اس سے محروم ہونا قرب خدایا دوری پروردگار کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ اور مرحلہ ایمان و تقویٰ کا معیار ہے۔

کتنے پیغمبر تھے جو اس دنیا میں انواع و اقسام کے مصائب میں مبتلا رہے۔ ان کے مقابلہ میں کتنے نافرمانی جو گونا گوں نعمتوں سے بہرہ مند تھے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج و طبیعت یہی ہے۔ اس آیت کے ضمن میں پروردگار عالم ابتلاآت اور دردناک حوادث کے فلسفہ کی طرف ایک سرایت اور اجال اشارہ بھی کرتا ہے۔ اس کا عبرت اعمال کی تشریح کرتا ہے جو خدا سے دوری اور عذاب الہی کے چنگل میں پھنسنے کا موجب ہیں۔ فرماتا ہے:

”ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے اعمال پروردگار کے نزدیک تمہارے قرب پنہزلت کی دلیل ہیں، بلکہ تمہارے اعمال تو تمہاری خدا سے دوری کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں“ تم تو یتیموں کا احترام نہیں کرتے“ (کَلَّا بَل لَّا تَكْرَمُونَ الْيَتِيمَ)۔ اور ایک دوسرے کو فقرا و مساکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں لالتے (وَلَا تَحَاطُّونَ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِينِ)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یتیموں کو کھانا کھلانے کی بات نہیں کرتا، بلکہ اکرام و احترام کی بات کرتا ہے اس لیے کہ یتیموں کے سلسلہ میں صرف بھوک کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا بلکہ اسے احترام سے محرومی کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور وہ یہ احساس کرنے لگتا ہے کہ چونکہ اس کا باپ مر گیا ہے لہذا وہ ذلیل و خوار ہو گیا ہے۔ ضرورت سے حکم کر کے عزت کی جائے تاکہ وہ باپ کے نہ ہونے کا احساس نہ کرے۔

اسی لیے اسلامی روایات میں یتیموں سے محبت اور ان پر نوازش کرنے کے مسئلہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ (ما من عبد يصنع يده على رأس یتیم ورحمة کا ادا اعطاه الله بكل شعرة فؤاد يوم القيامة) کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر دست شفقت نہیں پھیرتا مگر یہ کھواراں بہا کی تعداد کے برابر جو اس کے ہاتھ کے نیچے آتے ہیں قیامت میں اُسے فوراً بخشنے کا پلہ

سورہ ضحیٰ کی آیت ۹ میں بھی آیا ہے (فاما الیتیم فلا تقهر) ”باقی رہا یتیم تو اسے مورد قہر و تحقیر قرار نہ دے“ یہ بالکل اس چیز کے مقابلہ میں ہے جو ایمان و اخلاق سے دور کل کے دور جاہلیت کے معاشرہ کی طرح آج کے معاشرہ

میں بھی رواج رکھتی ہے کہ یتیموں کے مال کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنی ملکیت بنایا جاتا ہے اور اس یتیم کو اس طرح تنہا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ باپ کی غیر موجودگی کا دکھ تلخ ترین شکل میں محسوس کرتا ہے۔
جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یتیموں کا اکرام ان کے مال کی حفاظت تک محدود نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے، بلکہ اس کے ایک واضح، صاف اور وسیع معنی ہیں جو مال کی حفاظت اور دوسرے امور دونوں کے متقاضی ہیں۔

”تھا ضون“ کا جملہ حض کے مادہ سے تخریص و ترغیب کے معنی میں ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ صرف مسکین کو کھانا کھلانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ لوگ ایک دوسرے کو اس کا خیر کے سلسلہ میں شوق دلائیں تاکہ یہ طریق کار معاشرہ کی فضا میں وسعت پیدا کرے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سورہ عابدہ کی آیت ۳۲ میں اس موضوع کو خداوند عظیم پر ایمان نہ لانا۔ نہ کے برابر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(انہ کان لایؤمن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین) وہ خدا کے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔

اس کے بعد اس کے تیسرے غلط کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں مورد مذمت و ملامت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”تم میراث کو (حلال و حرام طریقہ سے) جمع کر کے کھا جاتے ہو۔ (و تأکلون التراث اکلاً لثاً)۔“

اس میں شک نہیں کہ اس مال کا کھانا، جو شرعی میراث کے طور پر کسی شخص کو پہنچے، بُرا نہیں ہے۔ اس بنا پر مندرجہ بالا آیت میں اس کام کی مذمت ہو سکتا ہے کہ ذیل کے امور میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ ہو۔
پہلا یہ کہ مراد اپنے اور دوسروں کے حق کو جمع کر لینا ہو، اس لیے کہ ”لم“ کا لفظ اصل میں جمع کے معنی میں ہے اور بعض مفسرین مثلاً زمخشری نے کثافت میں خصوصیت سے اس کی حرام و حلال کے درمیان جمع کرنے سے تفسیر کی ہے۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے اور ان کا حق خود لے لیتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ میراث انہیں ملنی چاہیے جو جنگجو ہوں (اس لیے ان کے ہاتھ جو اموال لگتے تھے ان میں سے بہت سے مال وہ ہوتے تھے جو غارتگری کے نتیجے میں حاصل ہوتے تھے) لہذا وہ صرف ان لوگوں کو حقدار سمجھتے تھے جو غارتگری کے قابل ہوں۔

دوسرے یہ کہ جب میراث تم تک پہنچتی ہے تو تم فقیر و مسکین، عزیزوں اور رشتہ داروں اور معاشرہ کے محروم افراد پر بالکل خرچ نہیں کرتے اور جب تم میراث کے مال کے ساتھ، جو بغیر کسی زحمت و تکلیف کے تمہارے ہاتھ آتا ہے

۱۔ تھا ضون اصل میں تھا ضون تھا جس کی ایک تا تخیف کے لیے حذف ہو گئی۔

۲۔ طعام اس آیت میں اور زیر بحث آیت میں مصدری معنی رکھتا ہے اور اطعام (کھانا کھلانے) کے معنی میں ہے۔

۳۔ ”لم“ کے معنی جمع کرنا ہیں اور کبھی ایسا جمع کرنا جس میں اصلاح کا مقصد بھی کار فرما ہو اس کے معنی میں آتا ہے۔

اس طرح کرتے ہو تو یقیناً اپنے کھاتے ہوتے مال کے بارے میں تو تم زیادہ بخیل اور سخت ہو گے جو بہت بڑا عیب ہے۔
 دوسرے یہ کہ میراث اور چھوٹے بچوں کے حقوق کھانا ہے اس لیے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بے ایمان افراد
 جو کسی قانون کے پابند نہیں ہوتے، جب میراث کا مال ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ یتیم اور چھوٹے بچوں کا کوئی کھانا
 نہیں کرتے اور چونکہ وہ یتیم اور چھوٹے بچے اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہذا یہ بے ایمان لوگ اس مال سے
 زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ قبیح ترین اور شرمناک ترین گناہ ہے۔ ان یتیموں تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔
 اس کے بعد ان کے چوتھے مذموم عمل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اور تم دولت و ثروت کو زیادہ عزیز رکھتے ہو“ (و تخبون العمال حباً حتماً) تم دنیا پرست اور مال و تمناؤں دنیا
 کے عاشق افراد ہو اور یقیناً وہ شخص جو مال دنیا سے ایسا لگاؤ رکھے وہ اس کے جمع کرنے کے وقت جائز و ناجائز
 حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتا۔ اس قسم کا شخص حقوق الہی کو بالکل تسلیم نہیں کرتا، یا ان میں کمی کا مرتکب ہوتا ہے جس شخص کو جب
 دنیا نے گھیر رکھا ہو، اس کے دل میں یاد خدا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

اس طرح نعمت و بلا کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش کے ذکر کے بعد چار ایسی اہم آزمائشوں کی طرف متوجہ کرتا
 ہے جن کے بارے میں یہ مجرم گروہ ناکام ہو کر مردود ہوا تھا: یتیموں کے بارے میں آزمائش، مسکینوں کو کھانا کھلانے کی
 آزمائش، میراث کے حقوق کی جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کرنے کی آزمائش اور آخر میں بغیر کسی قید و شرط کے اس مال
 جمع کرنے کی آزمائش۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام آزمائشیں مالی پہلو رکھتی ہیں۔ واقعی اگر کوئی شخص مالی آزمائشوں سے
 عمدہ برآ ہو جائے تو پھر اس کے لیے دوسری آزمائشیں آسان ہو جائیں گی۔ یہ دنیا کا مال ہی ہے جو مشہور قول ”ایمان ملک
 دادہ بباد“ کے مطابق دنیا میں ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔ آدم کے بیٹے کی عظیم ترین لغزشیں اسی شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں
 کچھ لوگ ایسے ہیں جو مال کے ایک حد تک تو امین ہیں لیکن جب ان کا پیمانہ پُر ہو جائے اور وہ اس حد سے گزر
 جائیں تو شیطانی دوسرے انہیں خیانت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ چھ مومنین وہ ہیں جو امانت اور صحت عمل کا خیال
 دوسروں کے واجب و مستحب حقوق کے سلسلہ میں مال کی ہر حد میں بغیر کسی قید و شرط کے رکھتے ہیں۔ اس قسم کے افراد کو
 ایمان اور تقویٰ کا دعویٰ زیب دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو افراد ہر حالت میں اور مال کی ہر مقدار کے سلسلہ میں امتحان و آزمائش سے عمدہ برآ ہو سکیں، وہ قابل عقاب
 متقی، پرہیزگار اور عمدہ شخصیت کے حامل ہوتے ہیں اور بہترین دوست و احباب شمار ہو سکتے ہیں وہ دوسرے معاملات میں
 بھی (عام طور پر) پاک اور عمدہ افراد ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات جو مالی آزمائشوں تک محدود ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں

۱۔ تراث اصل میں وراثت (تراث ہی کے وزن پر) تھا اس کی واو تائیں تبدیل ہو گئی ہے۔

۲۔ جم جیسا کہ مصباح اللغۃ اور مقابیس میں آیا ہے کثیر اور فراوان کے معنی میں ہے اور جرہ بردوزن جبہ سر کے آگے جمع شدہ بالوں کے معنی میں ہے

- كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًا ۝ (۲۱)
 وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (۲۲)
 وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى
 لَهُ الذِّكْرَى ۝ (۲۳)
 يَقُولُ يَلِيَّتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝ (۲۴)
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ (۲۵)
 وَلَا يُؤْتِقُ وَاثِقَهُ أَحَدٌ ۝ (۲۶)

ترجمہ

- (۲۱) ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں جس دن زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔
 (۲۲) اور تیرے پروردگار کا فرمان پہنچے گا اور ملائکہ صف بہ صف ہوں گے۔
 (۲۳) اور اس دن جہنم کو حاضر کریں۔ جی ہاں! اس دن انسان متذکر ہوگا، لیکن کیا فائدہ اس لیے کہ یہ تذکر اس کے لیے سود مند نہیں ہوگا۔
 (۲۴) وہ کہے گا کاش اس زندگی کے لیے میں نے کوئی چیز بھیجی ہوتی۔
 (۲۵) اس دن کوئی بھی اس جیسا عذاب نازل نہیں کرے گا۔
 (۲۶) اور کوئی شخص اس کی طرح کسی کو قید و بند میں نہیں جکڑے گا۔
- تفسیر**
 اس دن بیدار ہوں گے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا
 ان مذمتوں کے بعد جو گزشتہ آیات میں سرخشی کرنے والوں، دنیا پرستوں اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ

صاف کرنے والوں کی ہوئی تھیں، ان آیات میں انہیں خطرے سے آگاہ کرتا ہے کہ آخر کار قیامت آنے والی ہے اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہے۔ ضروری ہے کہ آپ خود کو اس کے لئے تیار کریں۔ پہلے فرماتا ہے:

ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں (کہ حساب و کتاب نہیں ہے اور اگر خدا نے انہیں مال دیا ہے تو ان کے احترام و اکرام کی وجہ سے دیا ہے، نہ کہ آزمائش و امتحان کے لیے) (مکلا)۔

جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی (اذا دکت الارض دکتاً)۔ دراصل زمین نرم و صاف زمین کے معنی میں ہے۔ پھر اونچی جگہ اور عمارتوں کے لیے کوٹنے اور ریزہ ریزہ کرنے اور اوصاف کرنا پر اطلاق ہوا ہے۔ ”دکان“ اس جگہ کو کہتے ہیں جو صاف اور نشیب و فراز کے بغیر ہو۔ ”دکھ“ (چوڑا) اس اونچے جگہ کو کہتے ہیں جسے بیٹھنے کے لیے صاف اور تیار کرتے ہیں۔ ”دن“ کی تکرار مندرجہ بالا آیت میں تاکید کے لئے ہے۔ مجموعی طور پر یہ تاکید دنیا کے اختتام اور قیامت کے آغاز کے زلزلوں اور بھونچوڑ دینے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے جو موجودات میں اس قسم کا تزلزل رونما ہوگا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ اور زمینیں مہوار ہو جائیں گی، جیسا کہ سورہ ظہم کی آیت ۱۰۵ سے ۱۰۷ تک آیا ہے:

(و یسئلونک عن الجبال فقل ینسفما ربی نسفاً فیذرہا قاعاً صافصفاً لا تری فیہا عرجاً ولا امتناً) تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے میرا پروردگار انہیں برباد کر دے گا اور اس کے بعد زمین کو صاف و مہوار اور بے آب و گیاہ کر دے گا اس طرح کہ تو اس میں کسی طرح کا نشیب و فراز نہیں دیکھے گا قیامت کے پہلے مرحلہ کے اختتام یعنی اس جہان کی دیرانی کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ سارے ان تازہ ہو جائیں گے اور عدالت الہی میں ظاہر ہوں گے۔ اس وقت تیرے پروردگار کا فرمان آن پہنچے گا۔ فرشتے صرف دروازے حاضر ہوں گے (وجاء ربک والملك صفاً صفاً)۔ محشر میں موجود لوگوں کے اطراف کا محاصرہ کر لیں گے اور فرمان حق کے اجراء کے لیے آمادہ ہوں گے۔

یہ تصویر کشی اس عظیم دن کی عظمت اور عدالت کے چنگل سے انسان کے خزا کرنے کی توانائی نہ رہنے کی وجہ (جاء ربک) تیرا پروردگار آئے گا، کی تعبیر اس حقیقت کا کنایہ ہے کہ مخلوقات کے حساب و کتاب کا فرمان پہنچے گا۔ یا پھر خدا کی عظمت کی علامتوں کا ظہور مراد ہے، یا پروردگار کے ظہور سے مراد اس دن اس کی معرفت کا ظہور ہے اس طرح سے کہ کسی شخص کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ گو یا سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی ذات پر شمال کے جمال کا مشاہدہ کریں گے۔ بہر حال مسلم ہے کہ خدا کا آنا، اس لفظ کے حقیقی معنی جن کا لازم جمع ہے اور کسی مکان میں

سنتقال ہوتا ہے، کوئی مکان نہیں رکھتے اور وہ مراد نہیں رہی اس لیے کہ خدا جسم اور خواص جسم سے مبرا ہے۔

۱۔ فزرازی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور یہ محذوف ہو سکتا ہے کہ لفظ امر یا قریباً جلال آیات یا ظہور معرفت ہو۔

۲۔ محشر کئی ان چار الفاظ میں سے خصوصاً پہلے لفظ کو تقدیر آیت کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

یہی مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضاً سے منقول ہے۔ لہٰذا اس تفسیر کی مشابہت سورہ نخل کی آیت ۲۳ ہے جس میں فرماتا ہے:

(هل ينظرون الا ان تأتيهم الملائكة او يأتي امرئك) کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آئیں یا ترے پروردگار کا امر آن پہنچے؟۔ صفاً صفاً کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ ملائکہ عشر میں مختلف صفوں میں وارد ہوں گے۔ احتمال ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے ایک الگ صف میں حاضر ہوں گے اور اہل محشر کے گرد گھیرا ڈال دیں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

”اور اس دن جہنم کو لے آئیں گے، اس دن انسان متذکر ہوگا لیکن اس کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“ (وجیء یومئذ بجهنم یومئذ یتذکر الانسان وانی له الذکر ای)۔ اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم چلانے کے قابل ہے اور اسے لاکر مجرموں کے قریب کر دیا جائے گا، جیسا کہ جنت کے بارے میں بھی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں ہم پڑھتے ہیں (واذلفت الجنة للمتقين) جنت پر میزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گی۔ اگرچہ بعض مفسرین مائل ہیں کہ ان الفاظ کو مجازی معنوں پر محمول کریں اور جنت و جہنم کے نیکو کاروں اور بدکاروں کے سامنے ظہور کا کنایہ سمجھیں، لیکن اس خلاف ظاہر کے لینے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ انہیں اس کے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ عرصہ محشر کی حقیقتیں ہم پر مکمل طور پر واضح نہیں ہیں اور دہاں کے حالات ہماری دنیا کے حالات سے بہت مختلف ہیں۔ پھر اس کا کوئی مانع نہیں ہے کہ اس روز دوزخ و جنت کو ان کی جگہ سے ہٹائیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلام میں ملتا ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا آیت (وجیء یومئذ بجهنم) نازل ہوئی تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یہ حالت اصحاب پر گراں گزری۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ماجربیان کیا حضرت علیؑ آئے اور پیغمبر اسلام کے دونوں شانوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا:

”اے خدا کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ کیا حادثہ رونما ہوا ہے؟“

آپ نے فرمایا: ”جبرائیل آئے تھے اور یہ آیت تلاوت کی ہے“

حضرت علیؑ کہتے ہیں: ”میں نے عرض کیا کس طرح جہنم کو لے آئیں گے؟“

فرمایا: ”ستر ہزار فرشتے ستر ہزار مہاروں کے ذریعہ اسے کھینچ کر لائیں گے اور وہ سرکشی کی حالت میں ہوگی۔ اگر اس کو چھوڑ دیں تو وہ سب کو آگ لگا دے گی۔ پھر میں جہنم کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور وہ کہے گی: اے محمد مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ خدا نے آپ کا جسم مجھ پر حرام کیا ہے“

اس دن ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا لیکن جناب سید المرسلینؑ کہیں گے: ”رب استغیث رب استغیث“ (پروردگار میری

امت ہمیری امتِ رسالہ

جی ہاں! جب مجرم انسان ان مناظر کو دیکھے گا تو ہل جائے گا، بیدار ہو جائے گا اور غم داندہ میں ڈوب جائے گا۔ اپنے ماضی پر نگاہ ڈالے گا اور اپنے اعمال سے سخت پشیمان ہو گا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ ان کا رزق کرے گا کہ واپس پلٹ جائے اور اپنے تاریک ماضی کی تلافی کرے لیکن واپسی کے دروازے مکمل طور پر بند ہوں گے وہ چاہے گا کہ توبہ کرے لیکن توبہ کا زمانہ ختم ہو چکا ہو گا۔ وہ چاہے گا کہ اعمال صالح بجالائے تاکہ اپنے بُرے اعمال کا تلافی کر سکے، لیکن اعمال کا دفتر بند ہو چکا ہو گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی فریاد بلند ہوگی اور وہ کہے گا: "اے کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے اعمال صالح بھیجے ہوتے" (یقول یا لیتنی قدمت لحياتي)۔

قابل توجہ ہے کہ یہ نہیں کہے گا کہ اپنی آخرت کی زندگی کے لیے، بلکہ کہے گا اپنی زندگی کے لیے، گو زندگی کا لفظ آخرت کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اور جلدی گزر جانے والی، انواع و اقسام کے مصائب کی آمیزش رکھنے والی دنیاوی زندگی، زندگی شمار ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۶۴ میں ہم پڑھتے ہیں

(وما هذه الحيلوة الدنيا الا لهو ولعب وان الدار الاخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون) "یہ دنیا کی زندگی کیلئے لہو اور لہو و لعب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اگر تم جانتے ہو"

جی ہاں! وہ لوگ جنہوں نے تیموں کا مال کھایا، بھوکوں کے منہ میں لقمہ نہیں دیا، ان کا مال و میراث غارت کیا اور مال دنیا کی محبت نے ان کے دل کو مسخر کر رکھا تھا، وہ اس دن آرزو کریں گے کہ کاش کوئی چیز آخرت کی زندگی کیلئے جو حقیقی اور جاودان زندگی ہے، ہم نے آگے بھیجی ہوتی۔ لیکن یہ آرزو بے نتیجہ ہوگی۔

اس کے بعد دو مختصر جملوں میں اس دن کے عذاب کی شدت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس دن حرا اس قسم کی سزا دے گا کہ اس جیسی سزا کوئی بھی نہیں دے سکے گا" (فيميدلا يعذب عذابه احد)۔

جی ہاں! یہ سرکش جو اپنی قوت کے وقت بدترین جرائم اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اس دن انکو اس قسم کی سزا ملے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہوگی، جیسا کہ نیکو کار اس قسم کی جزا پائیں گے جو کسی کے خیال و گمان میں بھی نہیں گزری ہوگی، اس لیے کہ خدا رحم الراحمین بھی ہے اور اشد المعاقبین بھی۔ نیز اس دن کوئی بھی خدا کی طح کسی کو قید و بند کی سزا نہیں دے گا۔

(ولا يوثق و شاقه احد)۔ نہ اس کی قید و بند و زنجیر کی کوئی مثال ہے، نہ اس کے عذاب کی کوئی مثل و

نظیر ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ انہوں نے اس دنیا میں خدا کے مظلوم بندوں کو جتنا ان سے ممکن تھا قید و بند میں رکھا اور ان کو سخت تکالیف پہنچائیں۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
 ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
 فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝
 وَادْخُلِي جَنَّاتِي ۝

ترجمہ

تُو اے سکون و اطمینان یافتہ نفس۔
 اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تُو بھی اس سے راضی ہے
 اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔
 اور میرے بندوں کی صف میں شامل ہو جا۔
 اور میری جنت میں وارد ہو جا۔

تفسیر

اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ!
 اس وحشتناک عذاب کے تذکرے کے بعد جو سرکشوں اور دنیا پرستوں پر قیامت میں نازل ہوگا، زیر بحث آیات میں اس کے برعکس جو صورت حال ہے اس کو پیش کرتا ہے۔ اب نفسِ مطمئنہ اور ان مومنین کی طرف جو ان عظیم طوفانوں میں مکمل سکون و اطمینان سے بہرہ ور رہے، متوجہ ہوا ہے۔ انہیں نہایت لطف و محبت سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:
 ”اے نفسِ مطمئنہ! ریا ایتھا النفسِ المطمئنۃ۔“ اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ، اس حالت میں کہ تُو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ ”ارجعی الی ربکِ راضیۃ مَرْضیۃ۔“ اور میرے بندوں کی صف میں داخل ہو جا۔ ”فادخلی فی عبادی۔“ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ”وادخلی جنتی۔“ کیا ہی پرکشش، دل خوش کن اور روح پرور تعبیریں ہیں، جن سے لطف و صفا اور اطمینان کی خوشبو آتی ہے۔

پروردگار کی دعوتِ مستقیم ایسے نفوس کے لیے، جو ایمان کے سائے میں اطمینان و سکون کی حالت کو پہنچے ہوتے ہیں، انہیں اپنے پروردگار، اپنے مالک و مربی اور مصلح کی طرف بازگشت کی دعوت دیتا ہے ایسی دعوت جو طوفانِ زندگی رضامندی لیے ہوتے ہے۔ دلدادہ عاشق کی رضامندی معشوق کے لیے اور محبوب و مہبودِ حقیقی کی رضامندی۔ اس کے بعد افتخارِ عبودیت کا تاج اس کے سر پر رکھنا اور لباسِ زندگی سے اُسے مفتخر کرنا اور اپنے خاصانِ بارگاہ کی سلک میں انہیں پروانا اور جگہ دینا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں ورود کی دعوت دینا اور وہ بھی "میری جنت میں داخل ہو جا" کی تعبیر کے ساتھ جو بتاتی ہے کہ اس مہمان کا میزانِ صرف اور صرف خدا کی ذاتِ پاک ہے عجیب و غریب مہمان اور عجیب مہمانی جو نفس سے مراد یہاں وہی انسان ہے اور مطنہ کی تعبیر اس سکون و اطمینان کی طرف اشارہ ہے جو ایمان کے پرتو کے سائے میں پیدا ہوا ہے جیسا کہ قرآن کتا ہے: (الابد کو اللہ تظلمن القلوب) "جان لو کہ صرف اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے" (رعد - ۲۸) اس قسم کا نفس اللہ کے وعدوں پر چلنے والا اطمینان رکھتا ہے اور جو راہ اس نے اختیار کی ہے اس پر بھی مطمئن ہوتا ہے۔ دنیا اس کی طرف بڑھے تب بھی اور اسکے منہ موڑے تب بھی، طوفانوں میں بھی اور حوادث و بلا میں بھی اور سب سے بالاتر خوف و وحشت اور قیامت کے عظیم اضطراب میں بھی۔

پروردگار کی طرف بازگشت سے مراد ہنرمند کی ایک جماعت کے نظریہ کے مطابق، اس کے ثواب و رحمت کی طرف بازگشت ہے یعنی اس کے جوار و قرب میں جگہ پانا، معنوی و روحانی بازگشت پانا نہ کہ مادی و جسمانی۔ کیا پروردگار کی طرف بازگشت کی یہ دعوت صرف قیامت میں ہوگی یا جان دینے اور عمر کے لمحات کے ختم ہونے سے متعلق ہے؟ آیات کا سابق تو اہل قیامت سے مربوط ہے اگرچہ خود اس آیت کی تعبیر مطلق و وسیع ہے۔ راضیہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ثوابِ خداوندی کے تمام وعدوں کو، اس سے زیادہ کہ جتنا وہ تصور کر سکتا تھا، وہ حقیقی طور پر دیکھ گیا اور اس طرح خدا کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہو گا کہ وہ جسمِ رضا بن جائے گا۔ باقی رہی مرضیہ کی تعبیر تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ مورد قبول و رضائے دوست واقع ہوا ہے۔

اس قسم کا بندہ اس طرح کے اوصاف کے ساتھ اور مکمل رضا و تسلیم کے مقام پر پہنچنے کے ساتھ جس نے عبودیت کی اس حقیقت کو جو عبود کی راہ میں ہر چیز کو چھوڑ دینا ہے، پایا ہے اور اس نے خدا کے بندگانِ خاص کے دائرہ میں قدم رکھا ہے۔ یقیناً اس کے لیے جنت کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ یہ آیتیں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ گئی ہے یہ حقیقت میں ایک قسم کی تطبیق ہے، نہ کہ شانِ نزول، جیسا کہ امام حسینؓ کے بارے میں بھی ہم نے سورہ کے آغاز میں پڑھا ہے۔ قابلِ توجہ یہ کہ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ایک روایت میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ کے ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مومن اپنی روح کے قبض ہو جانے سے غم نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا:

”نہیں خدا کی قسم! جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو وہ ناخوشی و ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت موت کا فرشتہ اس سے کہتا ہے: اے ولی خدا! پریشان نہ ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو مبعوث کیا ہے، میں تجھ پر مہربان باپ سے زیادہ شفیق ہوں۔ ٹھیک طرح سے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لے۔ وہ دیکھے گا: رسول خدا، امیر المؤمنین، فاطمہ الزہراء، حسن و حسین اور ان کی ذریت میں سے باقی ائمہ کو، تو فرشتہ اس سے یہ کہے گا: یہ رسول خدا، امیر المؤمنین، حضرت فاطمہ الزہراء، حسن و حسین اور باقی ائمہ تیرے دوست و محبوب ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھولے گا اور دیکھے گا۔ اچانک ایک کمنے والا پروردگار کی طرف سے کہے گا: یا ایہذا النفس المطمئنة! اے وہ شخص جو حضرت محمدؐ اور ان کے اہلبیت پر ایمان رکھتا ہے، پلٹ آ اپنے پروردگار کی جانب، اس حالت میں کہ تو ان کی ولایت پر راضی ہے اور وہ اپنے ثواب پر تجھ سے راضی ہیں۔ داخل ہو جا میرے بندوں یعنی محمدؐ اور ان کی اہلبیت کے درمیان اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ تو اس موقع پر اس مومن کے لیے کوئی اور چیز زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔ وہ چاہے گا کہ جس قدر جلد ہو روح بدن سے رہا ہو اور اس منادی کے ساتھ مل جائے۔“

خداوندا! ہمیں اس قسم کے اطمینان و سکون سے متغیر فرماتا کہ ہم اس عظیم خطاب کے لائق و شائستہ نہیں۔ پروردگار! اس مقام تک پہنچنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اپنے لطف و کرم سے نواز۔

خداوندا! یقیناً کوئی چیز تیرے کرم سے کم نہیں ہوگی، اگر ہمیں صاحبانِ نفوس مطمئنہ میں سے قرار دے۔ ہم پر احسان و کرم فرما۔

بارالہ! ہم جانتے ہیں کہ یہ سکون و اطمینان تیرے ذکر کے سانسے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو ہمیں اپنے ذکر کی خود توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین

(اختتام سورہ فجر اور جلد ۲۶ تفسیر نمونہ کا اختتام)

۷ رمضان المبارک / ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ بتاریخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۸۸ء بوقت ۹ بجکر ۲۰ منٹ شب
برمکان سیٹھ نواز شمس علی، ۸۱- E، ماڈل ٹاؤن لاہور، بدست حقیر پرتھویر سید صفدر حسین نجفی فرزند
سید غلام سرور مرحوم۔

سُورَةُ بَلَدٍ

- ❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوئی۔
- ❖ اس کی بیس آیات ہیں۔

سُورَةُ بَلَدٍ كِي فَضِيلَتِ اَوْر اِس كَا مَضْمُون

- یہ سُورہ مختصر ہونے کے باوجود عظیم حقائق اپنے اندر لیے ہوئے ہے :-
- ۱۔ اس سُورہ کے پہلے حصہ میں پُر معنی قسموں کے ذکر کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ انسان کی زندگی اس عالم میں مشکلات اور تکلیفوں کے ساتھ توأم ہوتی ہے، تاکہ وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو مشکلات سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرے اور دوسری طرف اس دُنیا میں راحت و آرام اور مطلق آسودگی کی توقع اپنے ذہن سے نکال دے، کیونکہ مطلق آسودگی و راحت تو صرف آخرت کی زندگی میں ہی ممکن ہے۔
 - ۲۔ یہ سورہ دوسرے حصہ میں انسان پر اللہ کی کچھ اہم ترین نعمتوں کو شمار کرتا ہے، اور اس کے بعد ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس کی ناشکری اور کُفرانِ نعمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
 - ۳۔ اس سُورہ کے آخری حصہ میں لوگوں کو دو گروہوں "اصحابِ میمنہ" اور "اصحابِ مشئمہ" میں تقسیم کرتا ہے، اور پہلے گروہ (صالح مومنین) کے صفاتِ اعمال کے ایک گوشہ کو اور پھر ان کی سرفروشت کو بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد ان کے نقطہٴ مقابل یعنی کفار و مجرّمین اور ان کی سرفروشت کو پیش کرتا ہے۔
- اس سُورہ کی آیات کی تعبیریں بہت ہی قاطع اور دو ٹوک اور چُھینے والی ہیں، اس کی جملہ بندیاں مختصر اور زور دار ہیں الفاظ بہت ہی مؤثر اور انتہائی فصیح ہیں، آیات کی صورت اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ سُورہ مکی سُورتوں میں سے ہے۔
- اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :
- " من قرأها اعطاه الله الامن من غضبه ليوم القيامة "

” جو شخص سورہ بلد کو پڑھے گا خدا اُسے قیامت میں اپنے غضب سے امان
میں رکھے گا۔“

نیز ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ :
” جو شخص نماز واجب میں سورہ لا اقسو بھذا البلد“ کو پڑھے گا وہ
دُنیا میں صالحین میں شمار ہوگا اور آخرت میں ایسے لوگوں میں سے پہچانا جائے گا جو
بارگاہِ خدا میں مقام و منزلت رکھتے ہیں، اور وہ انبیاء، شہداء اور صلحاء کے دوستوں
میں سے ہوگا۔“

۱۔ ” مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۲۹۰

۲۔ ” ثواب الاعمال“ مطابق نقل تراشستین جلد ۵ ص ۵۷۸۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝
- ۲- وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝
- ۳- وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ۝
- ۴- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝
- ۵- اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝
- ۶- يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَا لَّا لَبَدًا ۝
- ۷- اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱- قسم ہے اس شہر مقدس (مکہ) کی۔
 - ۲- وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے!
 - ۳- اور قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی (ابراہیم خلیل و اسمعیل ذبیح)۔
 - ۴- کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔ (اور اس کی زندگی رنج و الم سے پُر ہے)۔

- ۵- کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟!
- ۶- وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال (اچھے کاموں میں) تلف کر دیا ہے!
- ۷- کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ (اور نہ ہی دیکھتا ہے؟)

تفسیر اس شہر مقدس کی قسم

بہت سے موارد میں قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اہم حقائق کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔
ایسے قسمیں جو بھی انسانی عقل اور فکر و نظر کے شکر کا سبب بنتی ہیں، ایسی قسمیں جو اس مورد نظر مطلب کے ساتھ ایک خاص
رابطہ تعلق میں یہاں بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے کہ دنیا میں انسان کی زندگی دکھ درد اور رنج و الم کے ساتھ تو آتی ہے
اور نیک قسم کی شروع کرتا ہے اور فرماتا ہے:

”قسم ہے اس شہر مقدس مکہ کی“ (لا اقسو بھذا البلد)
”وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے“ (وانت حل بھذا البلد)

اگرچہ ان آیات میں مکہ کا نام صراحت کے ساتھ نہیں آیا، لیکن ایک طرف تو اس سورہ کے کئی ہونے کی طرف
توجہ دینی اور دوسری طرف اس مقدس شہر کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد مکہ ہی ہے۔ اور
مفسرین کا اجماع بھی اسی پر ہے۔

یقیناً سرزمین مکہ کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا اس کی قسم کھائے، کیونکہ توحید اور پروردگار
کی عبادت کا پہلا مرکز یہیں بنایا گیا تھا، اور عظیم پیغمبروں نے اس گھر کے گرد طواف کیا ہے۔ لیکن ”وانت حل بھذا البلد“ کا جملہ
ایک نئے مطلب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، جو یہ کہتا ہے کہ یہ شہر تیرے وجود کے فیض و برکت سے اس قسم کی عظمت کا
حامل ہو گیا ہے کہ وہ اس قسم کے لائق ہو گیا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سرزمینوں کی قدر و قیمت ان میں مقیم انسانوں کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے۔
کیسے ایسا نہ ہو کہ کفار یہ تصور کرنے لگیں کہ قرآن نے جو اس سرزمین کی قسم کھائی ہے تو وہ ان کا وطن ہونے، یا ان کے بتوں کا مرکز
ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت کا قائل ہو گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اس شہر کی قدر و قیمت (اس کے مخصوص تاریخی حالات سے قطع نظر)
خدا کے خاص بندے

یہاں ”لا“ زائد ہے، جو تاکید کے لیے آیا ہے۔ البتہ ایک دوسری تفسیر کے مطابق احتمال ہے کہ ”لا“ نافیہ ہو (اس

سورہ قیامت کی ابتدا میں دی گئی ہے۔)

حصہ خاص
بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود فیجود کی بنا پر ہے :

اے کعبہ را زمین قدم تو صد شرف
دی مروہ را ز مقدم پاک تو صد صفا
بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ

یشراب ز خاک پائے تو بارونق و نوا

اے وہ کہ تیرے قدم مہینت لزوم سے کعبہ کا شرف سوگنا ہو گیا ہے۔

اور تیرے پاک قدم کے آنے سے مروہ کو صفائی حاصل ہو گئی ہے۔

بطحانے تیرے نور کی چمک سے روشنی حاصل کی ہے۔

اور یشراب تیرے پاؤں کی خاک کی وجہ سے بارونق اور خوشحال ہو گیا ہے۔

یہاں ایک اور تفسیر بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ : " میں اس شہر مقدس کی قسم نہیں کھاتا، جب کہ انہوں نے تیرے احترام

کی ہتک کی ہے، اور تیری جان و مال اور عزت و آبرو کو حلال اور مباح شمار کر لیا ہے۔ "

اور یہ کفار قریش کے لیے ایک شدید سزائش اور توہین ہے کیونکہ وہ خود کو حرم مکہ کے خادم اور محافظ سمجھتے تھے اور وہ اس زمین

کے احترام کے اس قدر قائل تھے کہ اگر ان کے باپ کا قاتل بھی اس میں آجاتا تو وہ بھی امان میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ جو لوگ

مکہ کے درختوں کا پھلکا بھی لے کر اپنے بدن سے باندھ لیتے تھے تو وہ بھی اس کی وجہ سے امان میں ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود

انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان تمام آداب و سنن کو پاؤں تلے کیوں روند ڈالا !!

اور آپ کے اور آپ کے اصحاب کے بارے میں ہر قسم کے آزار اور اذیت کو جائز کیوں سمجھ لیا، یہاں تک کہ ان کے

خون کو بھی مباح سمجھنے لگے !!

یہ تفسیر ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: " قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی۔ (ووالد وما ولد)۔

اس بارے میں کہ اس باپ اور بیٹے سے کون مراد ہے؟ کئی تفسیر بیان کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ "والد" سے مراد "ابراہیم خلیل" اور "ولد" سے مراد "اسمعیل ذبیح" ہیں۔ اور اس بات کی طرف توجہ

کرتے ہوئے کہ گزشتہ آیت میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کعبہ اور شہر مکہ کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام

اور ان کے فرزند اسمعیل علیہ السلام ہی تھے، یہ تفسیر بہت ہی مناسب نظر آتی ہے، خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور ان کے فرزند کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے، اور ان پر فخر کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اپنا نسب ان دونوں تک پہنچاتے تھے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹے ہیں۔

قیسمیں
ہوتی ہیں
یک نئی قسم

توجہ کرتے
سین کا اہم

رک کی عبادت کا
ایک نئے
عامل ہو گیا ہے

ہا ایسا نہ ہو کہ
سنے کی وجہ سے
مرا کے خاص

میں مزید وضاحت

تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت میں سے جو پیغمبر اور انبیاء مبعوث ہوئے وہ مراد ہیں چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے ہر باپ اور بیٹا مراد ہیں کیونکہ مختلف زمانوں میں تولد اور نسل انسانی کی بنی کا سلسلہ خلقت کی آفرینش کے حیرت انگیز ترین مسائل میں سے ہے، اور خدا نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قسم کھائی ہے۔ ان چاروں تفسیروں کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اس کے بعد اس چیز کو بیان کرتا ہے جو ان قسموں کا اصل مقصد ہے فرماتا ہے: "یقیناً ہم نے انسان کو رنج اور تکلیف میں چیر چیر کر کیا ہے، (لقد خلقنا الانسان في كبد)۔"

"کبد" جمع البیان" میں طبری کے قول کے مطابق اصل میں شدت کے معنی میں ہے، اسی لیے جب دودھ کھا رہا ہو جاتا ہے تو اسے "تکبد اللب" کہتے ہیں۔

لیکن "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق "کبد" (بروزن حمد) اس درد کے معنی میں ہے جو انسان کو کبد (سیاہ جگر) کو عارض ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی مشقت اور دکھ تکلیف کے لیے اطلاق ہونے لگا۔ اس لفظ کی اصل چاہے جو کچھ بھی ہو اس کا اس مقام پر مفہوم وہی رنج و تکلیف اور دکھ درد ہی ہے۔ ہاں انسان آغاز زندگی سے ہی، یہاں تک کہ اسی لمحہ سے جب اس کا لطفہ قرار گاہ رحم میں واقع ہوتا ہے، مشکلات اور درد و کجی کے بہت سے مرحلے طے کرتا ہوا متولد ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بچپن میں، اور اس کے بعد جوانی میں، اور سب سے زیادہ بڑھاپے میں، طرح طرح کی زحمتوں، مشقتوں اور تکلیفات سے روبرو ہوتا ہے۔ دنیا کی زندگی کا مزاج یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور موقع رکھنا غلطی ہی غلطی ہے۔ ایک شاعر عرب کے قول کے مطابق:

طبع علی کدر وانت تریدها

صفا عن الاكدار والاقذار؟

و مکلف الايام ضد طباعها

متطلب في الماء جدوة نار؟

جہاں کی طبیعت کدورت اور گندے پن پر ہے اور تو چاہتا ہے کہ

ہر قسم کی کدورت اور ناپاکی سے صاف ہو،

تو جو شخص دنیا کے دور کو اس کے مزاج کے برخلاف طلب کرے گا،

وہ اس شخص کی مانند ہے جو پانی کی موجوں کے درمیان آگ کا شعلہ طلب کرے۔

انبیاء اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کی طرف نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے آفرینش کے ان سرسبز پھولوں کی زندگی بھی انواع و اقسام کے غیر مناسب امور اور درد و تکلیف میں گھری ہوئی تھی۔ جب دنیا ان کے لیے اس طرح ہے تو دوسروں کے لیے اس کی وضع و کیفیت

بعض تفاسیر میں والد سے مراد امیر المؤمنین اور اولاد سے مراد ان کے فرزند ان گرامی ہیں، اور شاید وہ جناب اس کے بہترین مصداق ہوں لہذا

زیادہ مناسب تھا (مترجم)

فرامیج ہے۔

اور اگر ہمیں کچھ افراد یا معاشرے ایسے نظر آتے ہیں جنہیں بظاہر کوئی دکھ اور تکلیف نہیں ہوتی تو وہ یا تو ہمارے سطحی مطالعہ کی وجہ سے ایسا دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے جب ہم اور زیادہ نزدیک ہوتے ہیں تو انہیں مرفرا الحال زندگی والوں کے درد و رنج کے عمق اور گہرائی سے آشنا ہو جاتے ہیں، اور یا پھر وہ ایک محدود مدت اور استثنائی زمانہ کے لیے ہوتا ہے، جو عالم کے قانون کلی کو نہیں توڑتا۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”کیا یہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی بھی اس پر دست رسی کی قدرت نہیں رکھتا“ (ایحسب ان ان یتدر علیہ احد)۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی کی ان تمام درد، دکھ اور تکالیف کے ساتھ آمیزش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بالکل کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

لیکن غرور و تکبر کے گھوڑے پر سوار ہے اور ہر قسم کے غلط کام گناہ مجرم اور حد سے بڑھ جانے کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، گویا وہ خود کو امن و امان میں سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو سزاؤں کی قلم رو سے دور خیال کرتا ہے۔ جب اُسے قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو تمام خُلقی احکام کو پاؤں کے نیچے روند ڈالتا ہے، جیسے مطلقاً خدا کا بندہ نہیں ہے۔ کیا واقفاً وہ یہی خیال کرتا ہے کہ پروردگار کے عذاب کے چنگل سے رہائی حاصل کر لے گا؟ کتنا بڑا اشتباہ اور غلط فہمی ہے!

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دولت مند ہیں جو یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی ان کی دولت و ثروت کو ان سے چھین لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے اعمال کی کوئی بھی باز پُرس نہیں کرے گا۔

لیکن آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ان تمام تفاسیر کو شامل ہو سکتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اُوپر والی آیت قبیلہ ”جمع“ کے ایک شخص کی طرف جس کا نام ”الوالاسد“ تھا اشارہ ہے وہ اس قدر طاقت ور تھا کہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر بیٹھ جاتا تھا اور دس آدمی اُسے اس کے نیچے سے کھینچنا چاہتے تھے تو نہیں کھینچ سکتے تھے وہ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا بلکہ۔

لیکن آیت کا اس قسم کے منفرد شخص یا اشخاص کے بارے میں بیان اس مفہوم کی عمومیت و وسعت سے مانع نہیں ہے۔ اس کے بعد اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ”وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال تباہ کر دیا ہے“ (یقول اهلکت ما لا لی)۔

یہ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہیں کار خیر میں مال صرف کرنے کو کہتے تھے تو وہ غرور و نخوت کی بنا پر یہ کہتے تھے: ہم نے بہت زیادہ مال ان کاموں میں صرف کیا ہے، حالانکہ انہوں نے خدا کی راہ میں کوئی چیز خرچ نہیں کی تھی۔ اور اگر انہوں نے کسی کو کچھ مال دیا بھی تھا تو وہ دکھا دے، ریا کاری اور شخصی اغراض کی بنا پر تھا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہ ”ان“ اس جملہ میں ”مشق سے مخفف ہے“ اور تقریر میں ”انہ لن یتدر علیہ احد“ ہے۔

ع ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۴۹۳

اقسام کے
توضیح ہے
سیر کو ذکر کرنا

کی دشمنی اور اسلام کے برخلاف سازشوں میں صرف کیا تھا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حنبلہ خندق کے دن جب علی علیہ السلام نے عمر بن عبدود کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس نے جواب میں کہا:

”فاین ما انفقت فیکو ما لالیبدا“

”پس وہ سارا مال جو میں نے تمہاری مخالفت میں صرف کیا ہے اس کا کیا بنے گا۔“

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت ”حارث بن عامر جیسے بعض سرداران قریش کے بارے میں ہے، جو ایک کفن کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کفارہ دینے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا: جب سے میں دین اسلام میں داخل ہوا ہوں میرا تمام مال و دولت کفاروں اور نفقات میں ناپود ہو گیا ہے۔ ان تینوں تفاسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے اگرچہ پہلی تفسیر آیت کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔ ”اہلکت“ کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے اموال درحقیقت نابود ہی ہوئے ہیں، اور اُسے رن سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

”لبد“ (بروزن لغت) تہ بہ تہ اور انبوه کثیر کے معنی میں ہے اور یہاں بہت زیادہ مال کے معنی میں ہے اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ”کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا، اور نہ ہی دیکھے گا؟“ (ایحسب

لم یسألہ احد)۔

وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ نہ صرف اس کے ظاہری اعمال کو غلوت و جلوت میں دیکھتا ہے، بلکہ اس کے دل اور روح کی گہرائیوں سے بھی آگاہ ہے، اور اس کی نیتوں سے باخبر ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خدا جس کا غیر متناہی و جو ہر چیز کا مدبّر اور ناظر ہے، اسے غافل اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے خود کو ہر درگاہ کی دائمی نگرانی سے باخبر خیال کر رہے ہیں۔

ہاں! خدا کو علم ہے کہ انہوں نے یہ سوال کہاں سے حاصل کیے ہیں اور انہیں کس راہ میں صرف کیا ہے؟ ایک حدیث میں ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لا تزول قدم العبد حتی یسأل عن اربعۃ: عن عمره فیما افشاء وعن ماله من

این جمعه، و فیما ذانفقہ؟ وعن عملہ ماذا عمل بہ؟ وعن حبنا اهل البیتنا

”قیامت میں کوئی شخص اپنے قدم سے قدم نہیں اٹھائے گا، مگر یہ کہ چار چیزوں کے بارے

میں اس سے سوال ہوگا: اس کی عمر کے بارے میں کہ اُسے کس راہ میں فنا کیا، اس کے مال کے

بارے میں کہ اسے کہاں سے جمع کیا، اور کس راہ میں اُسے صرف کیا، اور اس کے عمل کے بارے

۱۔ ”نور الشفیعین جلد ۵ ص ۵۸۰ حدیث ۱۰

۲۔ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۶۹۳

میں کہ اس نے کون کون سا عمل انجام دیا، اور ہم اہل بیت کی محبت و مودت کے بارے میں یہ
 خلاصہ یہ ہے کہ انسان کس طرح سے مغرور ہو جاتا ہے اور قدرت و طاقت کا دعویٰ کیسے کرتا ہے، حالانکہ اس کی زندگی درود و رنج
 اور تکلیفات کے ساتھ خمیر ہوئی ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ مال ہے تو ایک رات کے لیے ہے، اور اگر جان رکھتا ہے تو ایک بنجار تک ہے
 اور پھر وہ یہ دعویٰ کیسے کرتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے جب کہ وہ اس کی نیت سے آگاہ ہے، اور
 ان اموال کے غیر شرعی حصول کی کیفیت سے بھی آگاہ ہے، اور ریا کاری اور مفرضانہ طور پر صرف کرنے کی کیفیت سے بھی باخبر ہے۔

- ۸۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۙ
 ۹۔ وَّلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۙ
 ۱۰۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۙ

ترجمہ

- ۸۔ کیا ہم نے اس (انسان) کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں ؟
 ۹۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ (اُسے نہیں دیے) ؟
 ۱۰۔ اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں

تفسیر

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

گزشتہ آیات کے بعد جن میں سرکشی کرنے والے انسانوں کے غرور و غفلت کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی زیر بحث آیات میں انسان پر خدا کی اہم ترین مادی و معنوی نعمتوں کا کچھ حصہ بیان کرتا ہے۔ تاکہ ایک طرف تو اس کے غرور و غفلت کو توڑے اور دوسری طرف اُسے ان نعمتوں کو خلق کرنے والے میں تفکر اور غور و غوض کرنے پر آمادہ کرے اور اس کے دل و جان کے انور و شکر گزار کی کے احساس کو بیدار کر کے اُسے خالق کی معرفت کی طرف چلائے۔

پہلے فرماتا ہے: "کیا ہم نے اس انسان کے لیے دو آنکھیں قرار نہیں دیں؟" (الَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ) اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)؟! (وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ)۔

اور ہم نے اُسے اس کی بھلائی اور بُرائی کی دونوں راہیں دکھا دیں۔ (وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ)۔

اس طرح ان چند مختصر جملوں میں تین اہم مادی نعمتوں اور ایک عظیم معنوی نعمت کی طرف، جو سب کی سب خدا کی

عظیم ترین نعمتیں ہیں اشارہ کیا ہے۔ ایک طرف تو آنکھوں، زبان اور لبوں کی نعمت ہے اور دوسری طرف خیر و شر کی معرفت و ہدایت کی نعمت ہے

(اس بات کی طرف توجہ رہے کہ "نجد" اصل میں مرتفع اور بلند مقام کے معنی میں ہے، "تھا صمدہ" کے مقابلہ

زینوں پر بولا جاتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں "بلند جگہ" اور "پست جگہ" اور یہاں خیر و شر اور سعادت و شقاوت کی راہ سے کنایہ ہے۔
اوپر والی نعمتوں کی اہمیت کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ :

"آنکھ" بیرونی دنیا سے انسان کے رابطہ کے لیے ایک اہم ترین ذریعہ ہے آنکھ کے عجائبات اس قدر ہیں کہ وہ واقعی طور پر انسان کو خالق کے مقابلہ میں خضوع کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں آنکھ کے سات طبقے جو صلبیہ (قرنیہ) مشیمیہ، عینیہ، جلدیہ، زلالیہ، زجاجیہ اور شکیہ کے نام سے موسوم ہیں، ان میں سے ہر ایک عجیب و غریب اور عمدہ ساخت رکھتا ہے جن میں نور روشنی اور آئینوں سے مربوط طبیعیاتی اور جسمانی قوانین کا بہت ہی باریک بینی کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔ اس طرح سے کہ تصویر کشی کی ترقی یافتہ ترین دور میں بھی اس کے مقابلہ میں بے قدر قیمت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا میں انسان کے سوا، اور سارے وجود انسانی میں آنکھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی، تو اس کی عجائبات کا مطالعہ پروردگار کے عظیم علم و قدرت کی شناخت کے لیے کافی تھا۔

باقی رہی "زبان" تو وہ انسان کے لیے دوسرے انسانوں سے ارتباط، اور ایک قوم سے دوسری قوم، اور ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف اطلاعات و معلومات کے نقل ہونے، اور مبادلہ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ اور اگر یہ ارتباط کا ذریعہ نہ ہوتا تو انسان ہرگز علم و دانش اور مادی تمدن اور معنوی مسائل میں اس حد تک ترقی نہ کر سکتا۔

باقی رہے "لب" "تو" "اولاً" بول چال میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ بہت سے حروف لبوں ہی کے ذریعے ادا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہونٹ کے چبانے، اور منہ کی رطوبت کو محفوظ رکھنے اور پانی کے پینے میں بہت زیادہ مدد کرتے ہیں، اور اگر یہ نہ ہوتے تو انسان کے کھانے پینے کا مسئلہ، یہاں تک کہ اس کے چہرہ کا منظر، اس کے لعاب دہن کے باہر کی طرف بہنے کی وجہ سے، اور بہت سے حروف کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھنے کی بنا پر افسوس ناک ہوتا۔

اور چونکہ حقائق کا ادراک پہلے درجہ میں آنکھ اور زبان سے ہوتا ہے۔ ان کے بعد "عقل" اور فطری ہدایت آتی ہے، یہاں تک کہ آیت کی تعبیر "ہدایت تشریحی" کو بھی جو انبیاء و اولیاء کے ذریعے ہوتی ہے شامل ہے۔

ہاں! اس نے دیکھنے والی آنکھ اور زبان کو بھی انسان کے اختیار میں رکھا ہے، اور "راہ اور چاہ" کی بھی اسے نشان دہی کرادی ہے۔
"تا آدمی نگاہ کند پیش پائے نولیش" تاکہ انسان اپنے سامنے کی ہر چیز کو دیکھ لے۔
لیکن ان روشن چراغوں کے باوجود، جو اس کے راستے میں موجود ہیں، اگر پھر بھی کوئی راستہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر کہنا چاہیے:
"گزار تا بینتد و بیند سزای نولیش" اُسے گرنے دو تاکہ وہ اپنی سزا پالے۔

"وہدیناہ الذجدین" (ہم نے اُسے بھلائی اور بُرائی کے دونوں راستے دکھا دیے) کا جملہ علاوہ اس کے کہ وہ انسان کے ارادہ کی آزادی اور اختیار کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے، اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "نجد" اونچی جگہ کو کہتے ہیں لہذا یہ اس بات

لہ یہ تفسیر ایک حدیث میں امیر المؤمنین علیؑ سے نقل ہوئی ہے (مجموع البیان زیر بحث آیات کے ذیل میں) اور یہ جو بعض نے ماں کے درپستانوں سے جو سینہ پراہرے ہوئے ہوتے ہیں تفسیر کی ہے بہت ہی بعید ہے۔ ہمیں طور پر "نجد" کی تعبیر خیر کے بارے میں اس کی عظمت کی وجہ سے ہے اور شر کے بارے میں باپ تغلیب سے ہے۔

یرب بحث آیات
رے اور
اندر شکر گزاری

زین نمونہ جلد ۱۵
یں جو بیت

کی طرف اشارہ ہے کہ خیر اور بھلائی کی راہ کو طے کرنا مشکلات، زحمت اور رنج سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اونچی زمینوں کی طرف جانا مشکل ہے یہاں تک کہ شر اور بُرائی کی راہوں کو طے کرنا بھی مشکلات رکھتا ہے لہذا کیسی اچھی بات ہے کہ انسان سعی و کوشش سے خیر کی راہ کو اختیار کرے۔

لیکن اس کے باوجود راستہ کا انتخاب کرنا خود انسان کے اختیار میں ہے۔ یہ وہی ہے جو اپنی آنکھ اور زبان کو ملال یا صرکے گراستہ میں گردش دے سکتا ہے اور خیر و شر کی دونوں راہوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

لہذا ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے خداوند تعالیٰ آدم علیہ السلام کی اولاد سے کہا ہے

”یا بن آدم! ان نازعک لسانک فیما حرمت علیک فقد اعنتک علیہ بطبقتین فاطبق، وان نازعک بصرك الی بعض ما حرمت علیک فقد اعنتک علیہ بطبقتین فاطبق...“

”اے اولادِ آدم! اگر تیری زبان تجھے کسی فعلِ حرام پر ابھارنا چاہے، تو میں نے اُسے روکنے کے لیے دو ہونٹ تیرے اختیار میں دیے ہیں۔ پس تو ہونٹوں کو بند کرنے اور اگر تیری آنکھ تجھے حرام کی طرف لے جانا چاہے تو میں نے پلکیں تیرے اختیار میں دے دی ہیں تو انہیں بند کر لے...“

اس طرح سے خدا نے ان عظیم نعمتوں پر کنٹرول کے وسائل و ذرائع بھی انسان کے اختیار میں دیے ہیں اور یہ ایک دوسرا عظیم نطفہ ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اُپر والی آیات میں زبان کے بارے میں تو لبوں کی طرف اشارہ ہوا ہے، لیکن آنکھوں کے بارے میں پلکیوں کی طرف اشارہ نہیں ہوا۔ اس کے ظاہراً دو اسباب ہیں، ایک تو یہ ہے کہ لبوں کا کام بات کرنے، کھانا کھانے اور سنا کر پہنچانے میں پلکیوں کی نسبت آنکھوں کے لیے کام کرنے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ زبان کا کنٹرول کرنا آنکھوں کے کنٹرول سے کئی درجے زیادہ اہم ہے، اور زیادہ نجات ساز ہے۔

چند نکات

۱۔ آنکھ کی حیرت انگیزیاں

آنکھ کو عام طور پر کیمرے کی دوربین سے تشبیہ دیتے ہیں، جو اپنی بہت ہی چھوٹی سی پتلی کے ساتھ مختلف مناظر کے فوٹو تیار کر کے ایسی تصویریں جو فلم کی بجائے ”شیکہ چشم“ (آنکھ کی سکرین) پر منعکس ہوتی ہیں اور وہاں سے بینائی کے اعصاب کے ذریعے دماغ میں منتقل ہوتی ہیں۔

تصویر کشی کا یہ حد سے زیادہ لطیف و دقیق کارخانہ، شب و روز میں کسی ہزار تصویریں مختلف مناظر کی آمار سکتا ہے، لیکن تصویر کشی در فلمیں بنانے کی ترقی یافتہ ترین مشینوں پر بھی اس کا بہت سے پہلوؤں سے قیاس نہیں ہو سکتا، کیونکہ :

- ۱۔ اس مشین میں روشنی کو منظم کرنے والا دریچہ وہی آنکھ کی پستی ہے جو خود کار طریقہ سے زیادہ قوی روشنی کے مقابلہ میں زیادہ تنگ اور کمزور روشنی کے مقابلہ میں زیادہ کُشادہ ہو جاتی ہے حالانکہ کیمیرے کی مشین کو اشخاص کے ذریعے منظم کرنا پڑتا ہے۔
- ۲۔ آنکھ کا عدسہ ان تمام شیشوں کے برخلاف، جو دنیا کے تصویر کشی کے کیمروں میں استعمال ہوتے ہیں، ہمیشہ اپنی شکل بدلتا رہتا ہے، اس طور پر کہ کبھی تو اس کا قطر ۵ ملی میٹر ہو جاتا ہے اور کبھی ۸ ملی میٹر تک پہنچ جاتا ہے تاکہ وہ دور اور نزدیک کے مناظر کی تصویریں بنا سکے۔ اور یہ کام ان عضلات کے ذریعے، جنہوں نے عدسہ کو گھیرا ہوا ہے، اور وہ کبھی اُسے کھینچ لیتے ہیں اور کبھی چھوڑ دیتے ہیں، انجام پاتا ہے، اس طرح سے آنکھ کا ایک عدسہ تنہا سینکڑوں عدسوں کا کام انجام دیتا ہے۔
- ۳۔ تصویر کشی کی یہ مشین چار مختلف سمتوں کی طرف حرکت کرتی ہے، یعنی آنکھ کے عضلات کی مدد سے جس طرف چاہے حرکت کر سکتی ہے اور تصویر بنا سکتی ہے۔

- ۴۔ یہاں ایک اور اہم نکتہ بھی ہے کہ تصویر کشی کے کیمروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی فلموں کو تبدیل کرتے رہیں اور جب فلم کی ایک ریل ختم ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ریل رکھنی پڑتی ہے۔ لیکن انسان کی آنکھیں زندگی بھر تصویریں آمارتی رہتی ہیں اور اس میں کوئی چیز تبدیل نہیں کرنی پڑتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ کی سکریں کا وہ حصہ جس پر تصویریں منعکس ہوتی ہیں، اس میں دو قسم کے سلول ہوتے ہیں :

- ۱۔ مخروطی سلول ، ۲۔ عمودی سلول ، جو روشنی کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ حساس مادہ رکھتے ہیں اور روشنی کی قوتوں کی سیچک سے ہی ان کا تجزیہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسی لہریں پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ دماغ کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور سکریں دوبارہ نئی تصویر کھینچنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے۔

- ۵۔ تصویریں کھینچنے والی دُور بینیں بہت ہی محکم اور مضبوط مادوں سے بنائی گئی ہیں، لیکن آنکھ کی تصویر کھینچنے کی مشین اتنی لطیف ہے کہ جس میں معمولی سی چیز سے بھی خراش آجاتی ہے، اسی وجہ سے اس کو ایک مضبوط ہڈیوں سے بنی ہوئی حفاظت گاہ میں رکھا گیا ہے۔ لیکن اتنی ظرافت و نزاکت کے باوجود یہ لہجے اور فولاد سے بھی زیادہ چلنے والی چیز ہے۔

- ۶۔ فلمیں بنانے والوں اور تصویریں کھینچنے والوں کے لیے " روشنی کے منظم ہونے " کا مسئلہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے، اور اس مقصد کے لیے کہ تصویریں صاف ہوں، بعض اوقات کئی کئی گھنٹے روشنی اور اس کے مقدمات کو منظم کرنے میں مشغول رہنا پڑتا ہے، جبکہ آنکھ تمام حالات میں چاہے روشنی قوی ہو یا درمیانی یا کمزور، یہاں تک کہ تاریکی میں بھی، بشرطیکہ معمولی اور خفیف سی روشنی بھی وہاں پر موجود ہو تصویر لے لیتی ہے۔ اور یہ چیز آنکھ کے عجائبات میں سے ہے۔

- ۷۔ بعض اوقات ہم روشنی سے تاریکی کی طرف جلتے ہیں، یا بجلی کے بلب اچانک بجھ جاتے ہیں، تو ہم اس وقت کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن چند ہی لمحے گزر جانے کے بعد ہماری آنکھ خود کار طور پر اپنی کیفیت کو اس کمزور روشنی کے ساتھ منطبق کر لیتی ہے، اس طرح سے کہ جب ہم اپنے ارد گرد نظر کرتے ہیں کہ ہماری آنکھ تاریکی کی عادی ہو گئی ہے اور یہ عادت والی تعبیر جو سادہ اور عام زبان

اس کا

بارے

رقم پہلو

کے کنٹرول

فولڈ آؤٹ

دماغ میں

میں ادا ہو جاتی ہے۔ ایک بہت ہی پیچیدہ مکالمہ (طرزِ ساخت) کا نتیجہ ہے جو آنکھ میں رکھی گئی ہے، اور وہ خود کو بہت ہی وقت سے وقت میں نئے حالات پر منطبق کر سکتی ہے۔

اس کے برخلاف جب ہم تاریکی سے روشنی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی ابتدا میں ہماری قوی روشنی کو برداشت نہیں کرتی، لیکن چند لمحات کے بعد وہ اس سے منطبق ہو جاتی ہے اور اصطلاح کے مطابق عادی ہو جاتی ہے۔ یہ امور تصویر بنانے والے کیمروں میں ہرگز موجود نہیں ہیں۔

۸۔ تصویر بنانے والے کیمرے محدود فضا سے تصویر بنا سکتے ہیں جب کہ انسان کی آنکھ تمام افق کا نیم دائرہ جو اس کے سامنے ہوتا ہے دیکھ لیتی ہے، اور دوسرے لفظوں میں ہم اپنے اطراف کے تقریباً ۱۸۰ درجے کے دائرے کو دیکھ لیتے ہیں، جب کہ تصویر کشی کا کیمرا ایسا نہیں ہے۔

۹۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ انسان کی دونوں آنکھیں جن میں سے ہر ایک ایک مستقل مشین ہے، اس طرح منظم ہوتی ہیں کہ ان دونوں سے لیے گئے فوٹو ایک ہی نقطہ پر جا کر پڑتے ہیں۔ اس طرح سے اگر یہ تنظیم تھوڑی سی بھی خراب ہو جائے تو انسان اپنی دونوں آنکھوں سے ایک ہی جسم کو دو جسم دیکھتا ہے، جیسا کہ اصول (جسے دو دو نظر آتے ہوں) اشخاص میں یہ معنی مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ وہ تمام مناظر جن کی آنکھ تصویر کشی کرتی ہے۔ آنکھ کی سکریں پر اُلٹے پڑتے ہیں، حالانکہ ہم کسی چیز کو الٹا نہیں دیکھتے، آنکھ کے عساد اور چیزوں کی ایک دوسرے سے نسبت کو محفوظ رکھنے کی بنا پر یہ ہے۔

۱۱۔ آنکھ کی سطح ہمیشہ مرطوب ہوتی رہتی ہے، کیونکہ اگر وہ چند ساعت بھی خشک رہ جائے تو اس پر شدید ضرب پڑے۔ یہ رطوبت ہمیں آنسوؤں کے غدودوں سے حاصل ہوتی ہے جو آنکھ میں ایک طرف سے وارد ہوتے ہیں اور بہت ہی باریک اور ظریف رگوں سے جو آنکھوں کے کناروں پر ہوتی ہیں، باہر نکلتے ہیں اور ناک کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور اُسے بھی مرطوب رکھتے ہیں۔

اگر آنکھ کے غدود خشک ہو جائیں تو آنکھ خطرے میں پڑ جاتی ہے اور پیکوں کی حرکت غیر ممکن ہو جاتی ہے، اور اگر اس کا فعل صدمے زیادہ بڑھ جائے تو ہمیشہ چہرے پر آنسو بہتے رہیں، یا اگر آنکھ کے فاضل پانی کو خشک کرتے رہیں اور یہ کتنا بڑا درد سزا ہے۔

۱۲۔ آنسوؤں کی ترکیب ایک پیچیدہ ترکیب ہے، اور اس میں دس سے زیادہ عناصر ہوتے ہیں، اور وہ مجموعاً آنکھ کی نگہداشت کے لیے ایک بہترین اور مناسب ترین مائع یا مرکب ہوتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ آنکھ کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بارے میں کسی دن تک بیٹھ کر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، اور ان کی کئی کتابیں لکھنی پڑیں، اور ان تمام چیزوں کے باوجود اگر ہم اس کے اصلی مادہ کو دیکھیں تو وہ تقریباً چربی کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اپنی ایک قابلِ قدر گفتگو میں فرماتے ہیں :

”اعجبوا لهذا الانسان ينظر بشحم، ويتكلم بلحم، ويسمع بعظم“

”ويتنفس من خرم!“

”تعب ہے اس انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے سے دیکھتا ہے، اور گوشت کے ایک ٹکڑے سے

سے بولتا ہے ہڈی سے سنتا ہے سوراخ سے سانس لیتا ہے اور وہ ان بزرگ حیاتی کاموں کو ان چھوٹے سے وسائل کے ذریعے انجام دیتا ہے۔

زبان کی حیرت انگیز باتیں

زبان ہی اپنی جگہ پر انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز اعضا میں سے ہے اور اس کے ذمے بہت ہی سخت ذمہ داریاں ہیں۔ کوٹھنے میں مدد دینے کے علاوہ اس کو چبانے میں بھی اہم کام انجام دیتی ہے، اور بار بار غذا کے لقمہ کو دانتوں کی ہتھوڑی کے نیچے رہتی ہے، لیکن اس کام کو اتنے ماہرانہ انداز میں انجام دیتی ہے کہ اپنے آپ کو دانتوں کی ضربوں سے محفوظ رکھتی ہے، حالانکہ ہیشمان اس اور ان سے چپٹی ہوئی رہتی ہے۔

بعض اوقات اتفاقی طور پر کھانے کو چباتے وقت ہم اپنی زبان کو بھی جھالیتے ہیں تو ہماری چیخ نکل جاتی ہے اور ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ اگر زبان ہمیں وہ مہارت نہ ہوتی تو ہم پر کتنی مصیبت آن پڑتی۔

مضمی طور پر غذا کھانے کے بعد منہ کی فضا اور دانتوں کو پاک و صاف کرتی اور جھاڑ دیتی ہے۔

اور ان سب کاموں سے زیادہ اہم بات کرنے کا مسئلہ ہے، جو زبان کی تیزی کے ساتھ منظم طور پر پے درپے حرکات اور پھرتوں کو انجام دیتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدانے بات کرنے اور تکلم کے لیے ایک ایسا وسیلہ انسانوں کے اختیار میں دیا ہے جو بہت ہی سہل آسان، اور سب کی دسترس میں ہے، نہ کچھ تھکان ہوتی ہے اور نہ ہی رنج و ملال حاصل ہوتا ہے، اور نہ ہی کچھ خرچ ہوتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات انسان میں گفتگو کرنے کی استعداد کا مسئلہ ہے، جو انسان کی روح میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اور ان اپنے طرح طرح کے حد سے زیادہ مقاصد کو بیان کرنے کے لیے بے حد مختلف صورتوں میں زیادہ سے زیادہ جملہ بندیاں کر سکتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ اہم، مختلف زبانوں کی وضع کی استعداد ہے، اور ان ہزاروں زبانوں کے مطالعہ سے جو دنیا میں موجود ہیں، اس کی حیرت واضح ہو جاتی ہے، واقعاً "العظمة لله الواحد القہاس!" (عظمت و بزرگی واحد و قہار خدا کے لیے ہی ہے)۔

۳۔ نجدین کی طرف ہدایت

"نجد" جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، بلندی یا بلند سرزمین کے معنی میں ہے اور یہاں "خیر" و "شر" کی راہ مراد ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"يا ايها الناس! هما نجدان: نجد الخير ونجد الشر فما جعل نجد الشر احب اليكم من نجد الخير"

"اے لوگو! دو بلند سرزمینیں موجود ہیں، خیر کی سرزمین اور شر کی سرزمین

تمہارے لیے خیر کی سرزمین سے ہرگز زیادہ محبوب قرار نہیں دی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ "مکلیف" اور "مستولیت" معرفت و آگاہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اوپر والی آیت کے مطابق خدا نے انسانوں کے اختیار میں دے دی ہے۔

یہ آگاہی

یہ آگاہی تین طریقوں سے انجام پاتی ہے:

۱۔ عقلی اور اکات اور استدلال کے طریق سے،

۲۔ فطرت و وجدان کے طریق سے، جس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی،

۳۔ وحی اور انبیاء و اوصیاء کی تعلیمات کے طریق سے اور تکامل کی راہ کو طے کرنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی

ہوتی ہے، ان کی خدا نے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے یا بہت سے موارد میں ان تینوں ہی طریقوں سے اسے تعلیم

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا طے کرنا انسان کی

طبیعت اور مزاج کے لیے دوسرے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور یہ بات حقیقت میں اس عمومی تصور کی کہ انسان برائیوں کی طرف

میلان رکھتا ہے اور شر کے راستے کو طے کرنا اس کے لیے زیادہ آسان ہے نفعی کرتی ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ اگر غلط تربیتیں اور فاسد ماحول نہ ہو تو انسان کو نیکیوں کے ساتھ لگاؤ اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور شر

(بلند سرزمین) کی تعمیر نیکیوں کے بارے میں اسی بنا پر ہے، کیونکہ بلند زمینیں بہتر اور زیادہ عمدہ فضا رکھتی ہیں، اور شرور کے بارے میں

کی بنا پر ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تعبیر خیر و شر کے راستے کے ظاہر نمایاں اور آشکار ہونے کی طرف اشارہ ہے، جس طرح سے طریق

بلند سرزمین مکمل اور پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۶۹۴ و تفسیر تطبی جلد ۱ ص ۴۱۵۵۔

۲۔ جیسا کہ چاند اور سورج کو "سمران" (دو چاند) کہا جاتا ہے۔

- ۱- فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝
- ۲- وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝
- ۳- فَكُّ رَقَبَةٍ ۝
- ۴- أَوْ اطْعَمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْنَبَةٍ ۝
- ۵- يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝
- ۶- أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
- ۷- ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
- ۸- وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝
- ۹- أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝
- ۱۰- وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝
- ۱۱- عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ۝

ترجمہ

۱۱- لیکن وہ (ناشکرا انسان) اس اہم گھاٹی سے اوپر نہیں گیا۔

- ۱۲- اور تجھے کیا معلوم کہ وہ گھائی کیا ہے ؟
- ۱۳- غلام کو آزاد کرنا ہے ۔
- ۱۴- یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے ۔
- ۱۵- رشتہ داروں میں سے کسی یتیم کو ۔
- ۱۶- یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ۔
- ۱۷- پھر اسے ایسے لوگوں میں سے ہونا چاہیے جو ایمان لائے ہیں اور جو ایک دوسرے کو صبر و شکیبائی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ۔
- ۱۸- وہ اصحاب الیمین ہیں (اور ان کے نامہ اعمال کو ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے)
- ۱۹- اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا ، وہ شوم اور بد بخت لوگ ہیں اور ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۔
- ۲۰- ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ، (جس سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے)

تفسیر دشوار گزار گھائی

ان عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد، جو گزشتہ آیات میں آئی تھیں، زیر نظر آیات میں ناشکر گزار بندوں کو مورد ملامت و سرزنش قرار دیتا ہے، کہ ان تمام وسائل سعادت کے ہوتے ہوئے انہوں نے نجات کی راہ کیوں طے نہیں کی، پہلے فرماتا ہے:-
 ”یہ ناشکر انسان اس عظیم گھائی سے اُد پر نہیں گیا؟ (فلا اقتحم العصبۃ)
 اس بارے میں کہ یہاں عقبہ سے کیا مراد ہے، بعد والی آیات اس کی تفسیر کرتی ہیں۔

لہ ظاہر یہ ہے کہ اس جملہ میں ”لا“ ”نافیہ“ اور ”خبریہ“ ہے اور یہ جو بعض نے اسے نفی یا استفہام کے معنی میں سمجھا ہے بہت بعید
 نظر آتا ہے وہ واحد اعتراض جو یہاں موجود ہے یہ ہے کہ جب فعل ماضی پر ”لا“ آتا ہے تو عام طور پر اس کا تکرار ہوتا ہے، جیسا کہ سورہ قیامت کی آیت ۳
 میں آیا ہے کہ
 (۱) اے مصلح

فرماتا ہے: " تو نہیں جانتا وہ گھائی کیا ہے؟ " (وما ادرك ما العنقبة)۔
" غلام کو آزاد کرنا ہے۔ " (فك رقبة)۔

" یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ " (او اطعام في يوم ذي منفعة)۔
" قریبیوں میں سے کسی یتیم کو " (یتیمًا ذا مقربة)۔

" یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو " (او مسکینًا ذا متربة)۔

اس طرح یہ دُشوار گزار گھائی جس سے گزرنے کے لیے ناشکرے انسانوں نے ہرگز خود کو تیار نہیں کیا ہے، اعمال خیر کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ارادی طور پر خدمت خلق اور کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کرنے کے گرد گھومتا ہے، اور اس صحیح اور خالص مفاد کا مجموعہ بھی ہے جن کی طرف بعد والی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے، کہ اس شدید لگاؤ کو دیکھتے ہوئے، جو عام طور سے لوگ مال و ثروت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس دُشوار گزار گھائی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اسلام اور ایمان صرف دعویٰ اور باؤں سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر مومن مسلمان کے سامنے ایسی دُشوار گزار گھائیاں ہیں جن سے یکے بعد دیگرے، تحمل و قوتہ خدا اور روح ایمان و اخلاص سے مدد طلب کرتے ہوئے گزرنا پڑتا ہے۔

بعض نے یہاں "عقبہ" کی تفسیر ہوائے نفس کے معنی میں کی ہے، جس سے جہاد کرنے کو، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشہور حدیث کے مطابق، "جہاد اکبر" کا نام دیا ہے۔

البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں آیات نے "عقبہ" کی تفسیر کی ہے تو اس تفسیر سے مراد اس طرح ہونا چاہیے کہ اصلی گھائی ہوائے نفس کی گھائی ہے، لیکن غلاموں کو آزاد کرنا، اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، اس سے مبارزہ کرنے کے واضح مصداق ہیں بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس "عقبہ" سے مراد قیامت میں ایک دُشوار گزار گھائی ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں آیا ہے:

" ان امامك عقبة كؤدا لا يبوزها الا الشفون، وانا اريد ان اخفف

عنكم لتلك العقبة؟

" تمہارے سامنے ایک دُشوار گزار گھائی ہے، جس سے بھاری بوجھ والے نہیں گزر سکیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھائی سے عبور کرنے کے لیے تمہارے بوجھ کو ہلکا کر دوں۔ "

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) فلا صدق ولا صلی: (نہ تو اس نے صدقہ دیا اور نہ ہی نماز پڑھی) جبکہ زیر بحث آیت میں "لا" کا تکرار نہیں ہوا، لیکن جیسا کہ مروجہ "طبری" نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ بعض اوقات یہ تکرار کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے "غیر لازمی" اور "قرطبی" نے اپنی تفسیر میں بعض عربی ادب کے بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اگر "لا" "لم" کے معنی میں ہو تو پھر تکرار کی ضرورت نہیں ہے، یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں تقدیر میں تکرار ہوا ہے: فلا اقتحم العقبة

ولا فك رقبة ولا اطعام في يوم ذي منفعة

لمجمع البيان جلد ۱۰ ص ۲۶۵

کے کو

نامہ اعمال

ن قرار

آنا ہے
میں ایک
ہوگا

البتہ یہ حدیث جو پیغمبر سے نقل ہوئی ہے زیر بحث آیت کی تفسیر کے عنوان سے نہیں ہے، لیکن مفسرین نے اس سے یہی سمجھا ہے۔ لیکن ایسا سمجھنا اُس تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو صراحت کے ساتھ آیات میں آئی ہے، مناسب دکھائی نہیں دیتا، مگر یہ کہ سرادیم ہو کہ قیامت کی دشوار گزار گھاٹیاں اس جہان کی سخت اور سنگین اطاعتوں کا تجسم ہیں، اور ان سے عبور کرنا ان اطاعتوں سے عبور کرنے کی منجھی ہے (غور کیجئے)۔

یہاں پر "اقتحام" کی تعبیر جو "اقتحام" کے مادہ سے ہے، قابل توجہ ہے، جو اصل میں سخت اور خوفناک کام میں داخل ہونے کے معنی میں ہے۔ (مفرداتِ راغب) یا کسی چیز میں داخل ہونا یا اس کے پاس سے شدت و مشقت سے گزرنا ہے (تفسیر کشاف) اور یہ چیز بتائی ہے کہ اس گھاٹی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور یہ اس بات پر ایک تاکید ہے جو سورہ کے آغاز میں آئی ہے صمیم فرمایا ہے: "ہم نے انسان کو دکھ اور تکلیف میں پیدا کیا ہے، اور اس کی زندگی بھی دکھ درد اور رنج و تکلیف سے توأم ہے اور پروردگار کی اطاعت کرنا بھی بہر حال کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ایک ارشاد میں آیا ہے:

"ان الجنة حفت بالمكاره وان النار حفت بالشهوات"

"بے شک جنت سختیوں کے درمیان گھری ہوئی ہے، اور دوزخ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔"

چند قابل توجہ نکات

۱۔ "فك رقبة" سے مراد ظاہراً وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم کیجئے کہ جو مجھے جنت میں داخل کرے، آپ نے فرمایا:

"ان كنت اقصررت الخطبة لقد عرضت المسألة"

"اگرچہ تُو نے بات تو مختصر کی ہے، لیکن ایک بہت بڑے مطلب کا سوال کیا ہے۔" (یا

یہ کہ اگرچہ تُو نے مختصر سی بات کی ہے، لیکن تُو نے اپنے مقصود کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اعتق النمة وفك رقبة"

"غلاموں کو آزاد کر اور گردنوں کو (طوقِ غلامی سے) رہائی دے۔"

راہی سوال کرتا ہے، کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں! پہلے سے میری مراد یہ ہے کہ تو غلام کو مستقل طور پر آزاد کر دے، اور دوسرے سے

میری مراد یہ ہے کہ تو اس کی قیمت کی ادائیگی میں امداد کرے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا :

”والقی علی ذی الرحم الظالم، فان لم یکن ذالک فاطعم الجائع، واسق الظمآن، وامر بالمعروف وانہ عن المنکر، فان لم تطق ذالک فکف لسانک الامن الخیر۔“

”ان رشتہ داروں کی طرف جنہوں نے تجھ سے قطع رحمی کی ہے اور تجھ پر ظلم کیا ہے، لوٹ جا۔ (اور ان سے نیکی کر) اور اگر اس قسم کا کام ممکن نہ ہو تو پھر بھوکوں کو کھانا کھلا اور پیاسوں کو پانی پلا، اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کر اور اگر تجھ میں اس کام کے کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو کم از کم اپنی زبان نیکی کے علاوہ کسی چیز کے لیے نہ کھول۔“

۲۔ بعض مفسرین نے ”فک رقبتہ“ کو، اپنی گردن کو گناہوں کے بارے سے توبہ کے ذریعے آزاد کرنے، یا خود کو اطاعتوں کے ذریعے عذاب الہی سے آزاد کرنے کے معنی میں سمجھا ہے، لیکن ان آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو اس کے بعد آئی ہیں، اور یتیم دمسکین کے بارے میں وصیت کر رہی ہیں، ظاہراً اس سے مراد وہی غلاموں کو آزاد کرنا ہی ہے۔

۳۔ ”مسغبہ“ ”سغب“ (بروزن غضب) کے مادہ سے بھوک کے معنی میں ہے، اس بنا پر ”یوم ذی مسغبہ“ بھوک کے دن کے معنی میں ہے، اگرچہ بھوک کے افراد انسانی معاشرہ میں رہتے ہیں لیکن یہ تعبیر قسط رسانی اور خشک سالی اور اسی قسم کے دنوں میں کھانا کھلانے کی ایک تاکید ہے، جو اس موضوع کی اہمیت کی بنا پر ہے، ورنہ تو بھوکوں کو کھانا کھلانا ہمیشہ افضل اعمال سے رہا ہے اور ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من اشبع جائعاً فی یوم سغب ادخلہ اللہ یوم القیامۃ من باب من ابواب الجنۃ لا یدخلہا الا من فعل مثل ما فعل۔“

”جو شخص کسی بھوکے کو تھوک کے دنوں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا تو خدا اس کو قیامت میں جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے سے داخل کرے گا جس سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس جیسا عمل انجام دیا ہوگا۔“

۴۔ ”مقربۃ“ قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں ہے اور یتیم رشتہ داروں کے بارے میں تاکید بھی ان کی اولویت کی بنا پر ہے، ورنہ تمام یتیموں کو کھانا کھلانا اور ان پر نوازش کرنا چاہیے۔ یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ رشتہ دار اپنے خاندان کے یتیموں کے بارے میں زیادہ سخت دہم داری رکھتے ہیں۔

اس سے قطع نظر وہ غلط فائدے، جو خاص طور پر اس زمانے میں رشتہ دار یتیموں کے اموال سے اٹھائے جاتے تھے، تقاضا کرتے ہیں کہ

اس دُشوار گزار گھائی کے بارے میں ایک خاص قسم کی تشبیہ کی جائے۔ ابو الفتح رازی کا نظریہ یہ ہے کہ ”مقربۃ“ ”قربت کے مادے سے نہیں ہے بلکہ قرب کے مادہ سے ہے اور ایسے قیوں کی طرف اشارہ ہے جن کے پہلو بھوک کی شدت سے ایک دوسرے سے چپٹے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے۔ ۵۔ ”متربۃ“ مصدر میسی ہے ”ترب“ (بروزن طرب) کے مادہ سے جو اصل میں ”تراب“ یعنی ”خاک“ سے لیا گیا ہے اور اس شخص پر بولا جاتا ہے جو فقر و فاقہ کی شدت کی بنا پر خاک نشین ہو گیا ہو۔ پھر یہاں یہ تاکید اس قسم کے مساکین کے لیے ان کی اولیت کی بنا پر ہے ورنہ تمام مساکین کو کھانا کھلانا اعمالِ حسنہ میں سے ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

”امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام جب کھانا کھانا چاہتے تھے تو یہ حکم دیتے تھے کہ ایک بہت بڑی سینی دسترخوان کے پاس رکھ دی جائے، اور دسترخوان پر جتنے کھانے ہوتے تھے ان میں سے بہترین کھانا اٹھا کر اس سینی میں ڈال دیتے تھے، اور پھر یہ حکم دیتے تھے کہ وہ حاجت مندوں کو دے دیں۔ پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے : فلا اقتحم العقبة ... اس کے بعد مزید فرماتے : خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ سب لوگ غلاموں کو آزاد کرنے پر قادر نہیں ہیں لہذا اپنی بہشت کی طرف ایک اور راستہ بھی قرار دیا ہے“۔

بعد والی آیت میں، اس تفسیر کو جاری رکھتے ہوئے، جو اس دُشوار گزار گھائی کے لیے یہاں فرمائی ہے، مزید کہتا ہے: ”پھر وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں، اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں“۔ (شوکان من الدین ص ۱۷۰) و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمة۔

اس طرح سے وہ لوگ اس دُشوار گزار گھائی سے عبور کر لیں گے جو صاحبِ ایمان بھی ہوں اور صبر کی دعوت کرنے اور عوام الناس کی جیسے اعلیٰ اخلاق بھی رکھتے ہوں اور انہوں نے غلاموں کو آزاد کرنے اور قیوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے جیسے اعمالِ صالحہ بھی انجام دیتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں وہ تین میدانوں، ایمان، اخلاق اور عمل میں قدم رکھیں اور اس سے سر بلند و سرفراز ہو کر نکلیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اس قسم کی دُشوار گزار گھائی کو عبور کر لیں گے۔

”شو“ (بعد) کی تفسیر ہمیشہ ہی تاخیرِ زمانی کے معنی میں نہیں ہوتی کہ اس کلام کا لازمہ یہ ہو کہ پہلے کھانا کھلائیں اور انفاق کریں اور اس کے بعد ایمان لائیں، بلکہ اس قسم کے موارد میں۔ جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے۔ مقام کی برتری کے بیان کے لئے یہ ہے۔ کیونکہ مسلمہ طور پر ایمان کا رتبہ، اور صبر و مرحمت کی وصیت کرنے کا رتبہ، حاجت مندوں کی مدد کرنے کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ مکملہ اعمالِ صالحہ کا سرچشمہ ایمان اور اخلاق ہی ہیں، اور ان سب کی جڑ بنیاد اعتقادات اور اعلیٰ اخلاق میں ہی تلاش کرنا چاہیے۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ ”شو“ یہاں تاخیرِ زمانی کے معنی میں ہے، کیونکہ بعض اوقات اعمالِ صالحہ ایمان کی طرف جھکاؤ کا سرچشمہ بن جاتے ہیں اور خاص طور پر اخلاق کی بنیادوں کو محکم کرنے میں موثر واقع ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کا خلق و خو پہلے ”فعلی“ کی صورت میں

۱۔ ”تفسیر ابو الفتح رازی، جلد ۱۲، ص ۹۶

۲۔ کافی مطابق نقل تفسیر المیزان جلد ۲۰، ص ۲۲۲

ہوتا ہے، اس کے بعد "حالت" کی صورت میں اور پھر "عادت" بن جاتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک "ملکہ" کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ "تواصو" کی تفسیر جس کا مفہوم ایک دوسرے کو وصیت اور سفارش کرنا ہے، ایک اہم نکتہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور وہ یہ ہے کہ پروردگار کی اطاعت کی راہ میں صبر و استقامت اور ہوائے نفس سے مبارزہ و مقابلہ جیسے اہم مسائل، اور اسی طرح اصل محبت و مرحمت کو تقویت دینا معاشرے میں انفرادی صورت میں نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ اسے ایک عمومی صورت میں سارے معاشرے میں جاری ہونا چاہیے، اور سب افراد ہی ایک دوسرے کو اس "اصول" کی رعایت و حفاظت کرنے کی وصیت کریں تاکہ اس طریقہ سے اجتماعی تعلقات اور زیادہ محکم سے محکم ہوں۔

بعض نے کہا ہے کہ "حسب" یہاں فرمانِ خدا کی اطاعت میں استقامت اور اس کے ادا میں اہتمام کرنے کے معنی میں ہے اور "مرحمت" مخلوق خدا کے لیے محبت کی طرف اشارہ ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ خالق و مخلوق سے ارتباط ہی دین کی اساس و بنیاد ہے۔ بہر حال صبر و استقامت ہی ہر قسم کی اطاعت و بندگی اور گناہ و عصیان کے ترک کرنے کی اصل و بنیاد ہے۔ اور ان اوصاف کے آخر میں ان اوصاف کے حاملین کے مقام کو اس طرح بیان فرماتا ہے: "وہ اصحاب یسین ہیں" (اولیٰ اصحاب الیمینۃ)۔

اور ان کا نام اعمال بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہونے کی نشانی اور علامت کے طور پر ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "میمنہ" "یسین" کے مادہ سے ہے یعنی وہ صاحبانِ برکت ہیں اور ان کا وجود خود ان کے لیے بھی برکت اور معاشرے کے لیے بھی۔

اس کے بعد اس گروہ کے نقطہ مقابل یعنی ان لوگوں کا بیان کرتے ہوئے، جو اس دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرے، فرماتا ہے: وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا، ایسے بد بخت اور شوم ہیں کہ ان کا نام اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (والذین کفروا بآیاتنا ہم اصحاب المشئمۃ)۔

اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کا ہاتھ حسنت اور نیکیوں سے خالی ہے اور ان کا نام اعمال سیئات اور برائیوں سے سیاہ ہے۔ "مشئمۃ" "شوم" کے مادہ سے "میمنۃ" کا جو "یسین" کے مادہ سے ہے، نقطہ مقابل ہے۔ یعنی یہ کافر گروہ شوم، بد بخت اور نامبارک افراد ہیں جو اپنی بد بختی کا سبب بھی ہیں اور معاشرے کی بد بختی کا بھی، لیکن چونکہ قیامت میں بد بخت و شوم ہونا اور مبارک ہونا اس چیز سے پہچانا جائے گا کہ ان کا نام اعمال ان کے بائیں یا دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ لہذا بعض نے اس تفسیر کو اسی وجہ سے پسند کیا ہے، خصوصاً جب کہ شوم کا مادہ لغت میں بائیں طرف کے جھکاؤ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں آخری گروہ کی سزا کی طرف ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کے اوپر آگ ہے، جو انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے۔ (علیہم ناس مؤصدة)۔ "مؤصدة" "ایصاڈ" کے مادہ سے دروازہ کو بند کرنے اور اسے محکم کرنے کے معنی میں ہے۔ یہ بات کے بغیر واضح ہے کہ انسان اس کمرے میں جس کی فضا گرم ہو یہ چاہتا ہے کہ اس کے دروازوں کو کھول دے، تاکہ تازہ ہوا آئے اور فضا کی گرمی کو معتدل کر دے۔

تفسیر الواضح رازی جلد ۱۲ ص ۹۷ اور المنجد مادہ "شام"

میں ہے
تفسیر
بر اس
پنا ہے

لوگوں
امنا
لف انسان
ام دین
وہ لوگ

تکریں اڈ
ان کے لیے
اعمال

جھکاؤ کا
نورت میں

اب سوچنا چاہیے کہ دوزخ کی جلانے والی بھٹی میں، جب کہ تمام دروازے بند ہو جائیں، کیا حالت پیدا ہوگی؟
خداوند! ہمیں اس قسم کے جانگداز عذاب سے اپنے لطف و کرم کی پناہ میں محفوظ رکھنا۔
پروردگارا! ان گھاٹیوں سے گزرنا جو ہمارے سامنے ہیں، تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو اپنی توفیق کو ہم سے
نہ روکنا۔

بار الہا! ہمیں اصحابِ میمنہ کی صف میں جگہ دینا اور نیک اور ابرار لوگوں کے ساتھ محشور فرمانا۔

آمین یا رب العالمین
سورہ "بلد" کا اختتام

سُورَةُ الشَّمْسِ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۱۵ آیات ہیں

سورہ اشس اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو حقیقت میں "تہذیبِ نفس" اور دلوں کو آلائشوں اور ناپاکیوں سے پاک کرنے والا سورہ ہے، اسی معنی کے محور میں گزرتا ہے البتہ اس سورہ کے آغاز میں اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے کرفلاح و درست گاری تہذیبِ نفس کی مرہونِ منت ہے عالمِ خلقت کے گیارہ اہم موضوعات اور خدا کی ذاتِ پاک کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور قرآن مجید کی بیشتر قسموں کو مجموعی طور پر اپنے اندر سمولیا ہے اور سورہ کے آخر میں باغی اور سرکش قوموں میں سے ایک کا ذکر، جو تہذیبِ نفس کو ترک کرنے کی بنا پر ابدی اور دائمی شہادت و بدبختی میں ڈوب گئی تھی، اور خدا نے اُسے شدید عذاب میں گرفتار کیا تھا، یعنی قوم "نمود"۔ بطور نمونہ پیش کرتا ہے، اور ایک مختصر میں اسے رے کے ساتھ ان لوگوں کی سرنوشت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حقیقت میں یہ مختصر سا سورہ بشر کی زندگی کے سرنوشت ساز مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ کو موضوع بنا رہا ہے اور انسانوں کے لیے اسلام کے قابلِ قدر نظام کو شخص کرتا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے

"من قرأها فکانما تصدق بکل شیء طلعت علیہ الشمس والقمر"

"جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا تو گویا اس نے ان تمام چیزوں کی تعداد میں جن پر سورج اور چاند طلوع کرتے ہیں صدقہ دیا ہے۔"

اور مسلمہ طور پر یہ عظیم فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس پھوٹے سے سورہ کے عظیم مطالب پر دل و جان سے عمل کرے

اور تہذیبِ نفس کو اپنا قلعی وظیفہ سمجھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝
- ۲۔ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ۝
- ۳۔ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ۝
- ۴۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝
- ۵۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝
- ۶۔ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝
- ۷۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝
- ۸۔ فَالْهَمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝
- ۹۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَرَكَهَا ۝
- ۱۰۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم۔

در پر گردش
عالم خلقت
بت و بہ
اشارے

در انسانوں

ہے

ے اور

- ۲- اور چاند کی جب کہ وہ اس کے پیچھے آئے۔
- ۳- اور دن کی جب کہ وہ صفحہ زمین کو روشن کرے۔
- ۴- اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ صفحہ زمین کو ڈھانپ لے۔
- ۵- اور قسم ہے آسمان کی اور جس نے اُسے بنایا۔
- ۶- اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔
- ۷- اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور جس نے اسے درست کیا۔
- ۸- پھر اُسے فجر و تقویٰ (خیر و شر) کا الہام کیا۔
- ۹- کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پاگیا (اور رست گار ہوا)۔
- ۱۰- اور جس نے اپنے نفس کو معصیت اور گناہ سے آلودہ کیا وہ ناامید اور محروم۔

تفسیر تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

وہ پلے در پلے اور اہم قسمیں جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں ایک حساب سے "گیارہ" قسمیں ہیں اور دوسرے حصے سے سات" قسمیں ہیں، اور قرآن کی بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ یہ چیز اس بات کی کبھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ یہاں کوئی بہت ہی اہم مطلب درپیش ہے، ایسا مطلب جو آسمانوں، زمین، سورج اور چاند کی عظمت کے برابر ہے اور ایک ایسا مطلب ہے جو سر نوشت ساز اور حیات بخش ہے۔

پہلے ضروری ہے کہ ہم ان قسموں کی تشریح و تفسیر پیش کریں اور اس کے بعد اس نہایت اہم مطلب پر غور کریں جس کے لیے یہ سب قسمیں کھائی گئی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: "سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم" : (والشمس وضحاها)۔
جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں قرآن کی قسموں کے عام طور پر دو مقصد ہوتے ہیں، پہلا مقصد اس مطلب کی اہمیت جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے اور دوسرا ان امور کی اہمیت جن کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم ہمیشہ اہم موضوعات کی کھائی جاتی ہے۔ اس بنا



یہ تین قسمیں انسان کو غور و فکر کی طرف مائل کر دیتی ہیں تاکہ وہ عالم خلقت کے اُن اہم موضوعات کے بارے میں غور و فکر کریں، اور ان سے خدا کی طرف راستہ نکالیں۔

”سُورج“ کا انسان اور تمام زندہ زمینی موجودات کی زندگی میں اہم ترین اور پائندہ ترین نقش و اثر ہے، کیونکہ اس بات کے علاوہ کوئی اور روشنی اور حرارت کا منبع ہے، اور یہ دونوں انسانی زندگی کے اصلی عوامل ہیں سے شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے حیاتی منابع بھی اسی کے سبب سے وجود میں آتے ہیں۔ ہواؤں کا چلنا، بارش کا برسا، نباتات کی پرورش، دریاؤں اور آبشاروں کا چلنا، یہاں تک کہ قوت پیدا کرنے والے منابع کا ظاہر ہونا، جیسا کہ تیل و پٹرول اور پتھر کا کوئلہ وغیرہ، اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صورت میں سُورج کی روشنی سے ارتباط رکھتا ہے اس طرح سے کہ اگر کسی دن یہ حیات بخش چراغ خاموش ہو جائے تو تاریکی و سکوت اور خاموشی و موت ہر جگہ کو گھیر لے۔

”ضحیٰ“ اصل میں سُورج کی روشنی کے پھیلنے کے معنی میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سُورج اُفق سے اُپر آجائے اور اس کی روشنی ہر جگہ کو گھیر لے۔ اس کے بعد دن کے اس موقع پر بھی ”ضحیٰ“ کا اطلاق ہونے لگا۔

خصوصیت کے ساتھ ”ضحیٰ“ پر تکیہ اس کی اہمیت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ زمین پر سُورج کی روشنی کے تسلط کا وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیسری قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”قسم ہے چاند کی جب کہ وہ سُورج کے پیچھے پیچھے آئے“ (والقمر اذا تلاھا)۔ یہ تعبیر جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے۔ حقیقت میں چاند کے بدرِ کامل ہونے یعنی چودھویں رات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چودھویں رات کا چاند غروب آفتاب کے ساتھ ہی اُفق مشرق سے نمودار ہوتا ہے اور اپنے روشن چہرے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا تسلط آسمان پر جما لیتا ہے۔ اور چونکہ یہ اس وقت ہر زمانہ سے زیادہ عمدہ اور زیادہ پُر شکوہ ہوتا ہے لہذا اس کی قسم کھائی ہے۔ مفسرین نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ اُپر والی تعبیر چاند کے دائمی طور پر سُورج کے تابع ہونے اور اس منبج نُور سے روشنی حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس صورت میں ”اذا تلاھا“ کا جملہ قید تو ضیحی ہوگا۔

بعض نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ اور احتمال بھی دیے ہیں جو توجہ کے لائق نہیں ہیں، لہذا ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔ چوتھی قسم میں مزید کہتا ہے: اور دن کی قسم ہے جب کہ وہ صفحہ زمین کو روشن کر دے۔ (والنہار اذا جلاھا)۔

”جلاھا“ تجلیتہ کے مادہ سے، انہار و ابراز کے معنی میں ہے۔ اس بارے میں کہ جلاھا کی ضمیر کس طرف لوٹتی ہے، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے اسے زمین یا دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم نے اُپر بیان کیا ہے)۔ یہ ٹھیک ہے کہ گزشتہ آیات میں ”زمین“ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں تھی، لیکن یہ بات قرینہ مقام سے واضح ہو جاتی ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ یہ ضمیر ”سُورج“ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی قسم ہے دن کی جب کہ وہ سُورج کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

بہر حال اس اہم آسمانی مخلوق کی قسم اس کی نوع بشر اور تمام زندہ موجودات کی زندگی میں اس کی حد سے زیادہ تاثیر کی بنا پر ہے، کیونکہ دن حرکت، جنبش اور حیات کا مظہر ہے، اور زندگی کی تمام جدوجہد، کشش اور کشش عام طور پر دن کی روشنی میں ہی صورت پذیر ہوتی ہے۔ پانچویں قسم میں فرماتا ہے: ”رات کی قسم جب کہ وہ صفحہ زمین (یا سُورج) کو ڈھانپ دیتی ہے“ (واللیل اذا اغشاھا)۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے حجاب ہے کہ یہاں غلب ہے یہ سب ہیبت جس ہے۔ اسی بنا

رات اپنی تمام برکات و آثار کے ساتھ ایک طرف تو سورج کی دن کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف تمام زندہ موجودات کے آرام و سکون اور راحت پانے کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اگر رات کی تاریکی نہ ہوتی، اور مسلسل سورج ہی چمکتا رہتا تو آرام و سکون کا وجود ہی نہ ہوتا، کیونکہ سورج کی جلانے والی حرارت ہر چیز کو نابود کر دیتی۔ یہاں تک کہ اگر شب و روز کا نظام موجود نہ ہوتا تو کائنات کے خلاف ہوتا تو ہی عقل پیش آتی، جیسا کہ چاند میں جس کی راتیں گزرتی ہیں اور دن بھی دوپہننے کے برابر ہوتے ہیں۔ وہاں دوپہننے کی حرارت تقریباً تین سو درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے، جس میں کوئی بھی زندہ موجود جسے ہم پہچانتے ہیں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور آدھی رات کے وقت اس کا درجہ حرارت صفر سے نیچے چلا جاتا ہے کہ اگر وہاں پر کوئی زندہ موجود ہو تو یقینی طور پر برف ہو کر نابود ہو جائے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں افعال "ماضی" کی صورت میں آئے تھے اور اس آیت میں مضارع کی صورت میں آئے ہیں تفسیر کا یہ فرق ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شب و روز کے ظہور مثلاً حوادث کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے وہ گزشتہ اور آئندہ سب کو شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے بعض فعلی ماضی کی صورت میں اور بعض مضارع کی صورت میں آئے ہیں، تاکہ ان حوادث کی عمومیت کو زمانہ کے ضمن میں واضح کریں۔

پھٹی اور ساتویں قسم میں آسمان اور خالق آسمان کی طرف توجہ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے: "قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے آسمان کو بنایا" (والسما و ما بناہا)۔

ایسی خیرہ کرنے والی عظمت کے ساتھ آسمان کی اصل خلقت، عالم خلقت کے عظیم عجائبات میں سے ہے، اور ان تمام نامدار و اجرام سماوی اور ان پر عالم نظام ایک تعجب خیز چیز ہے۔ اور ان سب سے زیادہ اہم اس آسمان کا خالق ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ لفظ "ما" عربی لغت میں عام طور پر "غیر ذمی العقول موجود" کے لیے آتا ہے۔ لہذا خداوند عالم حکم پر رس کا اطلاق کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے بعض علماء یہاں "ما" کو مصدریہ "مراد لینے پر مجبور ہوئے ہیں نہ کہ "موصولہ" اور میں آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا: قسم ہے آسمان کی اور اس کی بنا کی۔

لیکن آیات "ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقواہا" کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن کی تفسیر عنقریب بیان کی جائے گی، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ "ما" "موصولہ" ہو اور خدا کی ذات پاک کی طرف اشارہ ہو جو تمام آسمانوں کا خالق ہے، اور عربی زبان میں افراد ذمی العقول کے بارے میں بھی "ما" کا استعمال ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ سورہ نساء کی آیت ۲ میں آجے فانکوا ما طاب لکم من النساء: جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔

مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ، یہ ہے کہ "ما" (جس چیز) کی تفسیر یہاں اس بنا پر ہے کہ مبدأ جہان کو پہلے مہم فلور میں (مادی برزخ صغیر) اس بارے میں کہ "یعناہا" کی تفسیر کس چیز کی طرف لوٹتی ہے؟ یہاں بھی دو نظریے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ "زمین" کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ رات ایک پردہ کی مانند ہے جو صغیر زمین پر گرتا ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ یہ "سورج" کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ رات سورج کے پردہ کی مانند ہے جو سورج کے پھرے پر پڑتا ہے، البتہ اس صورت میں اس کا مفہوم مجازی ہوگا، کیونکہ رات حقیقت میں سورج پر پردہ نہیں ڈالتی۔ بلکہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ حقیقت میں اگر گزشتہ آیت میں ضمیر "ارض" کی لفظ تریاں ہی ایسا ہی ہونا چاہیے اور اگر "شمس" کی طرف لوٹے تو پھر یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

اگر کیا گیا ہو، تاکہ بعد میں غور و تحقیق اور مطالعہ کے ساتھ اس کے علم و حکمت سے آشنا ہوں، اور "جس چیز" اس ذات کے ساتھ تبدیل ہو جائے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

پھر آٹھویں اور نویں قسم میں "زمین" اور "زمین کے خالق" کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے، "قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے زمین کو بچھایا" (والارض وما طحاها)۔

زمین جو انسان اور تمام زندہ موجودات کی زندگی کا گوارا ہے۔ زمین جو اپنی تمام حیرت انگیز چیزوں: پہاڑوں، سمندروں، دروں، جنگلوں، چشموں، دریاؤں، معاون اور اس کے گرانہما مناج کے ساتھ، کہ ان میں سے ہر ایک اکیلا بھی حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور اس سے برتر و بالاتر اس زمین کا خالق اور وہ ذات ہے کہ جس نے اُسے بچھایا ہے۔

"طحاها" "طحو" (ہڑون سھو) کے مادہ سے، بچھانے اور پھیلانے کے معنی میں بھی آیا ہے اور دھکیلنے، اور دُور کرنے اور ختم کرنے کے معنی میں بھی، اور یہاں بچھانے کے معنی میں ہے، کیونکہ اولاً زمین ابتدا میں پانی کے نیچے غرق تھی۔ بتدریج آہستہ آہستہ پانی زمین کے گڑھوں میں قرار پایا اور خشکیوں نے سر نکال لیا اور زمین پھیلتی چلی گئی اور اس کو "دحو الارض" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

ثانیاً زمین ابتدا میں پستیوں اور بلندیوں اور ناقابل سکونت گڑھوں کی صورت میں تھی جس پر مسلسل موسلا دھار بارشیں برسیں جنہوں نے زمین کی بلندیوں کو دھو دیا اور گھاٹیوں میں پھیلا دیا۔ اور آہستہ آہستہ انسانی زندگی اور زراعت کے لیے قابل استفادہ ہوا زمینیں وجود میں آگئیں۔ بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ اس تعبیر میں زمین کی حرکت کی طرف ایک اجمالی اشارہ موجود ہے، کیونکہ "طحو" کے معانی میں سے ایک معنی دھکیلنا بھی ہے، جو سورج کے گرد زمین کی انتقالی حرکت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، یا اس کی محوری حرکت، یا دونوں قسم کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔

اور آخر میں "دسویں" اور "گیارہویں" قسم کو پیش کرتے ہوئے جو اس سلسلہ کی آخری قسم ہے، فرماتا ہے: "قسم ہے انسان کے نفس کی، اور اس ذات کی، جس نے اُسے مرتب و منظم کیا ہے" (ونفس وما سواها)۔

دہی انسان جو عالم خلقت کا خلاصہ، جہان ملک و ملکوت کا بخور اور عالم آفرینش کا نکل سرسبد ہے۔ یہ عجیب مخلوق جو عجائبات اور اسرار سے پُر ہے اس قدر اہم ہے کہ خدائے خود اس کی اور اس کے خالق کی ایک ہی جگہ قسم کھائی ہے۔ اس بارے میں کہ یہاں "نفس" سے مراد انسان کی رُوح ہے یا جسم و رُوح دونوں؟ مفسرین نے کئی احتمال دیے ہیں۔

اگر مراد رُوح ہو تو پھر "سواها" سے مراد (جو تسویہ کے مادہ سے ہے) انسان کے رُوحی قومی اور استعدادوں کی، جو اس ظاہری سے لے کر ادراک، حافظہ، انتقال، تخیل، ابتکار، عشق، ارادہ، نصیحت اور اسی قسم کے قوامی جو "علم النفس" کے مباحث میں بیان ہوئے ہیں، تنظیم و تبدیل ہے۔

اور اگر رُوح و جسم دونوں مراد ہوں تو پھر بدن کے تمام حیرت انگیز نظاموں اور اس کے مختلف کارخانوں کو۔ جن کے بارے میں علم "تشبیح الاعضاء" اور "فزیالوجی" (افعال الاعضاء) میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ شامل ہوگا۔

البتہ قرآن مجید میں نفس کا دونوں معانی پر اطلاق ہوا ہے:

روح کے بارے میں سورہ زمر کی آیت ۴۲ میں آیا ہے: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا: "خدا موت کے

وقت درودِ احوال کو لے لیتا ہے۔"

اور جسم کے بارے میں سورہ قصص کی آیت ۳۳ میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں: "قال رب انی قتلت ممنہم نفساً فاخاف ان یقتلون: موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں نے ان (ظالم فرعونیوں) میں سے ایک کو قتل کر دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

لیکن یہاں مناسب یہ ہے کہ دونوں کو شامل ہو، کیونکہ خدا کی قدرت کی حیرت انگیزیاں جسم میں بھی موجود ہیں اور روح میں بھی اور دن میں سے کسی ایک کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں "نفس" نکرہ کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات نفسِ انسانی کی اہمیت و عظمت کی طرف اشارہ ہو، ایسی عظمت جو تصور سے مافوق اور ابہام سے بلی ہوئی ہو، جو اس کے انجانے موجود کی صورت میں تعارف کراتی ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ کے ایک عظیم ترین عالم نے انسان کو اسی عنوان سے تعبیر کیا ہے، اور انسان کا موجودنا شناختہ "نام رکھا ہے۔ بعد والی آیت میں انسان کی خلقت سے مربوط ایک اہم ترین مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "انسان کے قوی اور جسم و روح کی تنظیم کرنے کے بعد اُسے "فجور" و "تقویٰ" کا الہام کیا" (فالہمھا فجورھا و تقواھا)۔

ہاں! جب اس کی خلقت کی تکمیل ہوگئی اور اس کی "ہستی" وجود میں آگئی تو خدا نے اُسے "بایدھا و نبایرھا" (جو کام کرنے چاہئیں اور جو کام نہیں کرنے چاہئیں) کی تعلیم دی۔ اور اس طرح سے وہ ایک ایسا وجود بن گیا۔ جو خلقت کے لحاظ سے سڑھی ہوئی گیلی مٹی اور روحِ الہی کا مجموعہ ہے، تعلیمات کے لحاظ سے "فجور و تقویٰ" سے آگاہ ہے اور نتیجے کے لحاظ سے وہ ایک ایسا وجود ہے جو قوسِ صعودی میں فرشتوں سے برتر ہو سکتا ہے، فرشتوں سے بھی آگے پرواز کر سکتا ہے، اور جو بات وہم میں بھی نہ آئے وہ بن سکتا ہے قوسِ نزولی میں درندہ جانوروں سے بھی پست تر ہو جائے اور "بل ہوا ضل" کے مرحلہ تک جا پہنچے، اور یہ چیز اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔

"الہمھا" "الہام" کے مادہ سے اصل میں تو کسی چیز کے نکلنے یا پینے کے معنی میں ہے، اور اس کے بعد پروردگار کی طرف سے انسان کی روح میں کسی مطلب کے القا کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ گویا انسان کی روح اس مطلب کو اس کے سارے وجود کے ساتھ لپی لیتی ہے اور نکل جاتی ہے۔ اور کبھی وحی کے معنی میں بھی آیا ہے لیکن بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ "الہام" اور "وحی" میں فرق یہ ہے کہ وہ شخص جسے الہام ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مطلب اُسے کہاں سے حاصل ہوا ہے، جب کہ وحی کے وقت وہ جانتا ہوتا ہے کہ یہ کس سے اور کس ذریعے سے پہنچتی ہے۔

"فجور" "فجر" کے مادہ سے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ وسیع شکاف کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ صبح کی سفیدی رات کے پردہ کو چاک کر دیتی ہے، لہذا اسے "فجر" کہا گیا ہے۔ اور چونکہ گناہوں کا ارتکاب بھی دیانت کے پردے کو چاک کر دیتا ہے لہذا اس پر "فجر" کا اطلاق ہوا ہے۔

البتہ زیر بحث آیت میں "فجر" سے مراد وہی اس کے اسباب، عوامل اور طریقے ہیں۔

اور "تقویٰ" سے مراد، جو "وقایہ" کے مادہ سے نگہداری کے معنی میں ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قباحتوں بڑائیوں، آلودگیوں اور گناہوں سے محفوظ اور دور رکھے۔

یہ بات بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ اس آیت (فَالهٰمھَا فِجورھَا وَتَقْوَاھَا) کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ خدا نے فجور و تقویٰ کے عوامل انسان کی روح کے اندر ایجاد کر دیے ہیں، ایسے عوامل جو اُسے فجور و آلودگی اور حیا کے پردوں کو چاک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ایسے عوامل جو اُسے خیرات اور نیکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور آیت کو انسان کے وجود میں تضاد کے موجود ہونے کی دلیل سمجھا ہے۔

بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے ان دو حقیقتوں کا اُسے الہام کیا اور تعلیم دی، یا زیادہ سادہ اور آسان زبان میں اُس کو راہ اور چارہ کی نشان دہی کر دی، جیسا کہ سورہ بلد کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: "وھدیناھ النجدین: "ہم نے انسان کو خیر و شر کی ہدایت کر دی ہے اور دوسرے لفظوں میں خدا نے اسے تشخیص کی ایسی قدرت اور بیدار عقل و وجدان عطا کیا ہے کہ وہ "فجور" و "تقویٰ" کو عقل و "فطرت" کے طریق سے معلوم کر لیتا ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حقیقت میں "حسن و قبح عقلی" کے مسئلہ کی طرف ایک اشارہ ہے کہ خدا نے ادراک کی توانائی انسانوں کی عطا کی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں سے یہاں مسئلہ فجور و تقویٰ اور حسن و قبح کے ادراک پر تکیہ کیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ انسان کی زندگی کے مسائل میں سے زیادہ قسمت کو بنانے یا بگاڑنے والا مسئلہ ہے۔ انجیل پر کار ان تمام اہم اور پے در پے قسموں کے بعد ان کے نتیجہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ان چیزوں کی قسم ہے کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ نجات پائے گا" (قد افلح من زکّھا)۔

"زکّھا" "تزکیۃ" کے مادہ سے اصل میں، جیسا کہ راغب نے مفردات میں بیان کیا ہے، رشد و نمو کے معنی میں ہے اور زکات بھی اصل میں نشو و نما اور رشد کے معنی میں ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے آیا ہے:

"المال تنفصہ النفقۃ والعلم بیزکوا علی الانفاق"

"مال تو خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے"

اس کے بعد یہ لفظ طہارت اور پاک کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے، شاید اس مناسبت سے کہ آلودگیوں سے پاک کرنا رشد و نمو کا سبب ہوتا ہے، اور زیر بحث آیت میں دونوں معانی کا اسکان ہے۔

ہاں! رست گاری اور نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے نفس کی تربیت اور نشو و نما کرے اور اسے شیطانی اخلاق و عادات کا گناہ و عصیان اور کفر سے پاک رکھے۔

حقیقت میں انسان کی زندگی کا اصلی مسئلہ بھی یہی "تزکیہ" ہی ہے کہ اگر یہ ہو تو وہ سعادت مند ہے ورنہ بد بخت و بے لواء ہے اس کے بعد گروہ مخالف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "نا امید و بد بخت ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو معصیت و گناہ سے

آلودہ کیا۔ (وقد خاب من دساها)۔

”خاب“ ”خبیثہ“ کے مادہ ہے، مطلوب تک نہ پہنچنے، محروم ہونے، اور نقصان اٹھانے کے معنی میں ہے۔
 ”دساها“ ”دس“ کے مادہ سے، اصل میں کسی چیز کو کراہت و ناپسندیدگی تک کے ساتھ داخل کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ
 قرآن مجید عرب جاہلوں کے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں فرماتا ہے، ام ید مسہ فی التراب: ”اسے کراہت و نوزت
 سے مٹی میں پہنا کر دیتا ہے“ (نخل - ۵۹) اور ”دسہستہ“ نقصان دہ معنی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے۔

زیر بحث آیت کے ساتھ اس معنی کی مناسبت کے بارے میں مفسرین نے مختلف بیان دیے ہیں۔
 کبھی تو یہ کہا گیا کہ یہ تعبیر گناہ اور فسق سے کنایہ ہے، کیونکہ اہل تقویٰ و صلاح خود کو آشکار کرتے ہیں، جب کہ آلودہ اور گنہگار لوگ خود
 کو چھپاتے ہیں، جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ عربوں میں جو لوگ زیادہ سخی ہوتے تھے وہ اپنے خیمے اونچی جگہ پر نصب کرتے تھے اور رات کو آگ
 جلا دیا کرتے تھے تاکہ حاجت مند دن رات میں جب چاہیں ان کے پاس آسکیں اور ان سے مالوس ہو سکیں، لیکن بخیل اور جنوس لوگ
 نشیبی زمینوں میں خیمے لگاتے تھے تاکہ کوئی شخص ان کے پاس نہ آسکے۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگار خود کو صالح لوگوں میں پہنا کر لیتے ہیں۔

یا اپنے نفس یا اپنی ہیئت انسانی کو معاصی و گناہ میں چھپا لیتے ہیں۔

یا معاصی و گناہ کو اپنے نفس کے اندر چھپا لیتے ہیں۔

بہر حال یہ گناہ و معصیت اور شیطانی عادات سے آلودگی سے ایک کنایہ ہے، اور یہ ٹھیک ترکیب کا نقطہ مقابل ہے۔

اس آیت کے وسیع مفہوم میں ان تمام معانی کو جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اس طرح سے دنیاوی زندگی کے میدان میں کامیاب ہونے والے اور شکست کھانے والے مشتعل ہو جاتے ہیں اور ان دونوں
 گروہوں کی قدر و قیمت کا معیار ”تذکیر نفس اور روح تقویٰ و اطاعت خداوندی نمودار شد“ یا ”انواع و اقسام کے معاصی اور گناہوں سے آلودگی
 کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

اور اس سے وہ بات واضح ہو جاتی ہے، جو امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل ہوئی ہے
 کہ آپ نے فرمایا:

”قد افلح من اطاع و خاب من عصی“:

”جن نے اطاعت کی وہ نجات پرا گیا اور جس نے نافرمانی کی وہ ناامید اور محروم ہو گیا۔“

یہ حقیقت میں تیجہ کا بیان اور مقصود کا حاصل ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت آیہ ”قد افلح من زکاها“ کی تلاوت کی تو

توقف فرمایا اور اس طرح دعا کی:

۱۔ ”مفوات“ راجب و ”قاموس اللغہ“

۲۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۴۹۸

"اللہ صرّات نفسی تقرّأھا ، انت ولیمها ومولأھا . وزکھا انت خیر من

زکأھا"

"خداوند! میرے نفس کو اس کا تنہی عطا فرما ، تو اس کا ولی و مولا ہے ، اور اس کا تزکیہ فرما کیونکہ تو بہترین تزکیہ کرنے والا ہے۔"

یہ گفتگو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس پر بیچ و خم راہ کو عبور کرنا اور اس دشوار گزار گھاٹی سے گزرنا پیغمبر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ، یعنی بندوں کی طرف سے قدم اٹھا۔ نہ اور خدا کی طرف سے تائیدات کے ذریعے تلقیناً ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو آیات کی تفسیر میں فرمایا :

"افلحت نفس زکأھا اللہ ، وخابت نفس خبیھا اللہ من کل خیر!"

"جس نفس کا خدا نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا ، اور جس نفس کو خدا نے خیر سے محروم کر دیا

وإنّا نسید و خدیوم ربّنا"

چند نکات

۱۔ قرآنی قسموں کا ان کے نتائج کے ساتھ ربط

ان گیارہ انتہائی اہم قسموں کا ، اس حقیقت کے ساتھ جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے ، کیا رابطہ ہے ؟ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ میں نے تم انسانوں کی سعادت و خوش بختی کے لیے تمام مادی و معنوی وسائل فراہم کیے ہیں۔

ایک طرف تو سورج اور چاند کے نور اور روشنی سے تمہاری زندگی کے میدان کو روشن کر دیا ہے اور تمہارے رات دن کے حرکت سکون کے نظام کو منظم کر کے زمین کو تمہاری زندگی کے لیے بہتریت سے آمادہ کیا ہے۔

دوسری طرف تمہاری روح کو تمام صلاحیتوں کے ساتھ خلق کیا ہے۔ بیاد و جان تمہیں عطا کیا ہے ، اور اشیا کے حسن و قبح کا تمہیں الہام کیا ہے۔ اس بنا پر سعادت کی راہ کو سٹے کرتے کے لیے تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس حال میں تم اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے ؟ اور شیطان کے ، کائنات میں کیوں آتے ؟

۲۔ سورج کا عالم حیات میں نقش و اثر

سورج کے بارے میں جو نظام شمسی کا مرکز ہے اور اس کے کوکب کا زہرہ ، مریخ ، عطارد ، اور مباحث ہیں ، ایک تو اس کے عظیم

ط "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۹۸

ط درالمنثور جلد ۶ ص ۲۵۷

ہونے کی بحث جس کے بارے میں ہم پہلے بحث کر چکے ہیں اور دوسری بحث اس کی برکتوں اور آثار کے بارے میں ہے، جس کیلئے خلاصہ کے طور پر اس طرح کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ انسان اور دوسرے تمام زندہ موجودات کی زندگی کے لیے پہلے مرحلہ میں حرارت اور روشنی کی ضرورت ہے، زندگی کے یہ دونوں امور اس آتشیں گڑھ کے ذریعے کامل طور پر اعتدال کے ساتھ مہیا ہوتے ہیں۔

۲۔ تمام غذائی اشیاء سورج کی روشنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موجودات جو سمندروں کی گہرائیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ایسی نباتات سے استفادہ کرتے ہیں جو سمندروں کی سطح پر نور آفتاب کے سایہ میں اور پانی کی موجوں کے درمیان پر روشنی پاتے ہیں اور نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ یا اگر زندہ موجودات ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں تو پھر بھی ان میں سے ایک گروہ کی غذائیات ہی ہے، جو سورج کی روشنی کے بغیر پرورش نہیں پاتی۔

۳۔ وہ تمام رنگ، زیبائیاں اور جلوے، جنہیں ہم عالم طبیعات میں دیکھتے ہیں، ایک طرح سے سورج کی چمک کے ساتھ ارتباط رکھتے ہیں اور یہ معنی مختلف علوم کے ذریعے خصوصاً فزکس میں ثابت ہو چکے ہیں۔

۴۔ حیات بخش بارشیں بادلوں سے برستی ہیں اور بادل وہی بخارات ہیں جو سمندروں کی سطح پر سورج کے چمکنے سے وجود میں آتی ہیں اس بنا پر پانی کے تمام منابع جو بارش سے غذا حاصل کرتے ہیں، چاہے وہ دریا ہوں یا چشمے، نہریں ہوں یا کھال، یا گہرے کنوئیں سب سورج کی روشنی کی برکات سے ہیں۔

۵۔ وہ ہوائیں جن کا کام فضا کو معتدل کرنا، بادلوں کو مختلف جگہوں تک پہنچانا، نباتات کی تلقیح اور بیوند لگانا، اور گرمی اور سردی کو گرم علاقوں سے سرد علاقوں کی طرف، اور سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف منتقل کرنا ہے۔ آفتاب کے نور اور روشنی کو زمین پر رُوئے زمین کے مختلف منطقوں کے درجہ حرارت کے بدلنے سے وجود میں آتی ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بھی سورج کے سکے کرمانیہ حاصل کرتی ہیں۔

۶۔ انرجی پیدا کرنے والے مادے اور منابع، چاہے وہ آبشاریں ہوں، یا فہ بڑے بڑے بند ہوں، جنہیں کوہستانی علاقوں میں بنایا جاتا ہے، پیڑوں اور تیل کے منابع، اور پتھر کے کونکے کی کانیں، یہ سب کے سب ایک طرح سے سورج کے ساتھ بیوند رکھتے ہیں، کہ اگر وہ نہ ہوتا تو ان منابع میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا اور صفحہ زمین میں تمام حرکتیں سکون میں بدل جاتیں۔

۷۔ نظام شمسی کی بقا، جاذبہ و دافعہ کے اعتدال کی بنا پر ہے، جو ایک طرف تو گڑھ آفتاب کے درمیان اور دوسری طرف ان سیاروں کے درمیان، جو اس کے گرد گردش کرتے ہیں، وجود رکھتا ہے۔ اس طرح سے سورج ان سیاروں کے اپنے مداروں میں محفوظ رہنے میں بہت ہی مؤثر نقش و اثر رکھتا ہے۔

اس ساری گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ اگر خدا نے پہلی قسم کی ابتدا سورج سے کی ہے، تو اس کی کیا وجہ تھی؟ اسی طرح سے چاند اور دن کی روشنی، اور رات کی تاریکی گڑھ زمین میں سے ہر ایک انسان اور غیر انسان کی زندگی میں ایک اہم نقش و اثر رکھتے ہیں اسی بنا پر ان کی قسم کھائی گئی ہے اور ان سب سے بڑھ کر انسان کی روح اور اس کا جسم ہے، جو ان سب سے زیادہ اسرار آمیز اور حیرت انگیز ہے تہذیب نفس کے بارے میں ہم اس سورہ کے آخر میں ایک بحث کریں گے۔

- ۱۱۔ كَذَّبَتْ ثَمُودَ بِطَغْوَيْهَا ۝
- ۱۲۔ اِذَا نُبِعَثَ اَشْقٰىهَا ۝
- ۱۳۔ فَقَالَ لَهُمُ رَسُوْلُ اللّٰهِ نٰقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝
- ۱۴۔ فَكَذَّبُوْهُ فَفَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمُ رَبُّهُمْ
- بِذُنُوْبِهِمْ فَسَوَّٰهَا ۝
- ۱۵۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

ترجمہ

- ۱۱۔ قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔
- ۱۲۔ جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔
- ۱۳۔ اور خدا کے بھیجے ہوئے رسول (صالح) نے ان سے کہا : اللہ کے ناقے کو اس کے پانی پینے کے لیے چھوڑ دو (اور اس کی مزاحمت نہ کرو)۔
- ۱۴۔ لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی ، اور ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں ، اور اُسے ہلاک کر دیا ، لہذا ان کے خدا نے انہیں اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے تباہ کر دیا ، اور ان کی زمین کو ہموار کر دیا۔
- ۱۵۔ اور وہ ہرگز اس کام کے انجام دینے سے نہیں ڈرتا۔

تا
لیے
دن
سر
پوش
ہ کی
ماہنامہ
نتیجہ
بہترین
سودی
نے پڑھ
رسایہ
لاقول
کے
نہیں
دوسرے
میں
تھے ہیں
یہ

تفسیر

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

اس تہذیب کے بعد، جو گزشتہ آیات میں ان لوگوں کے انجام کے بارے میں آئی تھی، جو اپنے نفس کو آلودہ کرتے ہیں ان آیات میں نمونہ کے طور پر اس مطلب کی ایک واضح تاریخی مثال کو پیش کیا ہے اور سرکش قوم (نمود) کی سرنوشت کو ذرا اور پُر معنی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "قوم نمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔ (کذبت نمود بطغواھا) "طفوی" اور "طفیان" دونوں ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ حد اور سرحد سے تجاوز کرنا ہے اور یہاں حدودِ الہی سے تجاوز کرنا اور اس کے فراہم کردہ مقابلہ میں سرکشی کرنا مراد ہے۔

قوم نمود، جن کے پیغمبر کا نام "صالح" تھا، قدیم ترین اقوام میں سے ہے، جو "حجاز" اور "شام" کے درمیان ایک کوہستانی علاقے میں رہتی تھی۔ ان کی زندگی مرزا بحال تھی، زمینیں آباد، ہموار میدان اور زراعت کے لیے عمدہ مٹی، شان و شوکت والے محلات اور مضبوط و مستحکم گھر رکھتے تھے۔ لیکن نہ صرف یہ کہ ان سب نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے، بلکہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کے لیے گمراہ ہو گئے، آیات الہی کا مذاق اڑایا اور آخر کار خدا نے انہیں ایک آسمانی بجلی کے ذریعے نابود کر دیا۔ اس کے بعد اس قوم کی ایک ظاہری سرکشی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اکھوٹھو (ہوا) (اذا نبعت اشقاھا)۔

"اشقی" اس قوم کے شقی ترین اور سنگ دل ترین آدمی کے معنی میں ہے جو اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس نے ناقص صالح کو ہلاک کیا تھا، وہی ادنیٰ (ناقص) جو ایک معجزہ کے طور پر اس قوم کے درمیان ظاہر ہوئی تھی اور اس کو ہلاک کرنا اس پیغمبر اللہی کے ساتھ اعلانِ جنگ تھا۔

مفسرین اور مورخین کے قول کے مطابق اس شخص کا نام "قدار بن سالت" تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم نے علیؑ سے فرمایا: "من اشقی الاولین؟" "پہلی قوموں میں سب سے زیادہ شقی اور سنگ دل کون تھا؟"

علی علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا: "عاقراً ناقۃ"

"وہ شخص جس نے ناقہ نمود کی کوچیوں کا ٹکڑا کر ہلاک کر دیا تھا؟"

پیغمبر نے فرمایا:

۱ بعض علماء لغت کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ "طفیان" ناقص وادی کی صورت میں بھی آیا ہے اور ناقص پانی کی صورت میں بھی۔ طفوی

ناقص وادی کے مادہ سے لیا گیا ہے، اور "طفیان" ناقص پانی سے (غور کیجئے)

” صدقت ، فمن اشقى الآخرين ؟ “ :

” تم نے سچ کہا۔ آخری اقوام کا شقی ترین آدمی کون ہے ؟
 علی علیہ السلام کہتے ہیں : میں نے کہا اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے معلوم نہیں ہے ، تو پیغمبر نے فرمایا :

” الذی یضربک علی ہذہ ، و اشار الی یا فوخہ “

” جو شخص تیرے سر کے اس مقام پر تلوار کی ضرب لگائے گا ، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 آپ کی پیشانی کے اوپر والے حصہ کی طرف اشارہ کیا : ”

بعد والی آیت میں قوم ثمود کی سرکشی کے بارے میں مزید تشریح پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : ” اللہ کے رسول (حضرت صالح) نے ان سے کہا : خدا کے نافرک اس کا پانی پینے کے لیے آزاد چھوڑ دو اور اس کی مزاحمت نہ کرو۔ (فقال لہو رسول اللہ ناقة اللہ وسقیاھا) ”

یہاں ” رسول اللہ “ سے مراد قوم ثمود کے پیغمبر ، حضرت صالح * ہیں ، اور ناقة اللہ (وہ اونٹنی جو خدا کی طرف منسوب ہے) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اونٹنی کوئی معمولی اونٹنی نہیں تھی بلکہ صالح علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت کی ایک گویا و ناطق سند اور معجزہ کے عنوان سے بھیجی گئی تھی۔ مشہور روایت کے مطابق اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مذکورہ اونٹنی پہاڑ کے ایک پتھر کے اندر سے نکلی تھی تاکہ وہ ہٹ دھرم منکرین کے لیے ایک گویا و ناطق معجزہ ہو۔

قرآن مجید کی دوسری آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ بستی کے پینے کا پانی ان کے اور نافرک کے درمیان تقسیم ہو۔ ایک دن تو نافرک کے لیے ہوگا اور ایک دن بستی والوں کے لیے ہوگا ، اور ان میں سے ہر ایک اپنی باری پر پانی سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور ایک دوسرے کے لیے مزاحم نہیں ہوگا :

” ونبئھم ان الماء قسمۃ بینھم کل شرب محتصر “ (قر - ۲۸)

اور انہیں خصوصیت کے ساتھ بتلادیا گیا : اگر تم نے اس نافرک کو ہاتھ لگایا تو عذاب الہی تمہارے دامن گیر ہو جائے گا :

ولا تصوھا بسوء فیاخذکوعذاب یوم عظیم “ (شعرا - ۱۵۶)

اور بعد والی آیت میں فرماتا ہے : اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کے کلمات اور اس کی تنبیہات کی کوئی پرواہ نہ کی ، اس کی تکذیب

کی اور نافرک کو ہلاک کر دیا “ (فکذبوہ فعضروھا)۔

” عضروھا “ ” عمر “ کے نافرک سے (جو ظلم کے وزن پر ہے) کسی چیز کی اصل اور جڑ بنیاد کے معنی میں ہے ، اور عمر نافرک کا

۱۔ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۶۹۹ ، یہی معنی کچھ متفق ضرورت میں تفسیر قرطبی میں بھی آیا ہے ، جلد ۶ ص ۶۶۸

۲۔ ” یا فوخ “ سر کے اس نلگے حصہ کو کہا جاتا ہے ، جو بچوں میں بالکل نرم ہوتا ہے ، اور آہستہ آہستہ ٹہنی کی صورت اختیار کرتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے ،

اور وہ سر کا حساس ترین مقام ہے۔

۳۔ ” ناقة اللہ “ منسوب ہے ، ایک فعل محذوف سے اور تقدیر میں اس طرح ہے ، ذروا ناقة اللہ وسقیاھا ، اس کے مشابہ کہ جو سورہ

اعراف کی آیہ ۷۳ اور سورہ صافات کی آیہ ۶۴ میں آیا ہے۔

معنی اس کی جڑ کاٹنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اس کی کوئی چیز یعنی اس جانور کے پاؤں کے نچلے حصہ کو کاٹنا اور اسے زمین پر پھینکا ہے

کہ اس کا نتیجہ بھی اس حیوان کی موت ہی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص نے نافر کو ہلاک کیا تھا وہ صرف ایک ہی تھا جسے قرآن نے "اشقی" سے تعبیر کیا ہے لیکن اوپر والی آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمل کی قوم ثمود کے تمام سرکشوں اور ظالموں کی طرف نسبت دی گئی ہے اور "عقروہا" جمع کی صیغہ کی صورت میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس طرح سے اس کام میں حصہ دار تھے، کیونکہ اولاد اس قسم کی سازشیں عموماً گروہ اور جمعیت کے توسط سے پیش ہوتی ہیں۔ اس کے بعد معین آدمی یا چند افراد کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً چونکہ دوسروں کی رضا اور خوشنودی سے انجام پاتی ہیں تو وہ ان کی اس کام میں شرکت کا سبب بن جاتا ہے، یعنی رضامندی نتیجہ میں شرکت کا سبب بنتی ہے۔

اسی لیے امیرالمومنین علی علیہ السلام کے فصیح و بلیغ کلام میں آیا ہے:

"انما عقرونا قۃ ثمود رجل واحد فعمھو اللہ بالعذاب، لہما عمھو بالرضی،

فقال سبحانہ۔"

فعمقروہا فاصبحوا نادمین :

"ناقر ثمود کو صرف ایک ہی شخص نے ہلاک کیا تھا، لیکن خدا نے عذاب میں سب کو

شامل کیا ہے کیونکہ وہ سب اس امر پر راضی تھے، اسی لیے فرماتا ہے :

"ان (سب نے) نافر کو ہلاک کیا، اور اس کے بعد وہ سب سے سب اپنے کیے

پر نادم ہوئے۔" (لیکن اس وقت جب پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں تھا)۔

اس تکذیب اور شدید مخالفت کے بعد خدا نے انہیں ایسی سزا دی کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، جیسا کہ اسی آیت کو جاری

رکھتے ہوئے فرماتا ہے: "ان کے پروردگار نے ان کے اس گناہ کی بنا پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے سب کو نابود کر دیا اور ان کی

سرزمین کو صاف اور ہموار بنا دیا۔" (فدمدم علیہم بھویذنیہم وفتواھا)۔

صاعقہ یعنی اسی عظیم آسمانی پرچنے نے چند ہی لمحہ کے اندر اندران کی سرزمین کو ہلاک کر رکھ دیا اور ایسا زلزلہ پیدا کیا کہ ان کے سارے

سارے مکانات زمین بوس ہو گئے، اور ان کے گھروں کو ان کی قبروں میں بدل کر رکھ دیا۔

"دمدم" "دمدمۃ" کے مادہ سے، کبھی تو ہلاک کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی عذاب اور مکمل سزا کے معنی میں

بعض اوقات کوٹنے اور نرم کرنے کے معنی میں آیا ہے، اور کبھی جڑ سے اکھاڑنے کے معنی میں، اور کبھی غضب ناک ہونے کے معنی

میں یا احاطہ کرنے اور گھیر لینے کے معنی میں، اور زیر بحث آیت میں یہ سب معانی صادق آتے ہیں کیونکہ اس وسیع عذاب کا نتیجہ

۱۔ نوح البلاغہ خطبہ ۲۰۱۔

۲۔ مفردات راغب، لسان العرب، مجمع البیان اور تفسیر کی دوسری کتابیں۔

غضب الہی ہے، اور ان سب کی اس نے سرکوبی کی، انہیں کمزور کیا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔
 ”سواھا“ ”تسویہ“ کے مادہ سے، ممکن ہے کہ صحیحہ عظیم اور صاعقہ و زلزلا کی وجہ سے ان کے گھروں کا صفایا کرنے اور
 ان کی زمینوں کو صاف کرنے کے معنی میں ہو، یا اس گروہ کو ایک طرف ٹھکانے لگانے کے معنی میں ہو، یا ان سب کی سزا و عذاب میں سادہ
 کے لیے ہو اس طرح سے کہ ان میں سے کوئی بھی اس ماجرے سے صحیح و سالم نہ بچا۔

ان معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔
 ”سواھا“ میں ضمیر ”قبیلہ“ ثمود کی طرف لوٹتی ہے، یا ان کے شہروں اور آبادیوں کی طرف، جنہیں خدا نے سٹی میں ہلا کر یکساں کر دیا۔
 بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ”دمدم“ کی طرف لوٹتی ہے جو بعد والے جملہ سے معلوم ہوتی ہے، یعنی خدا نے اس خشم و غضب و
 ہلاکت کو ان کے درمیان یکساں قرار دیا، اس طرح سے کہ تمام کو اس نے گھیر لیا۔

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔
 ضمنی طور پر اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا اور عذاب ان کے گناہ کا نتیجہ اور اس کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا
 اور یہ عین عدالت و حکمت ہے۔

بہت سی اقوام کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ آثارِ عذاب کے ظہور کے وقت پشیمان ہو گئیں، اور توبہ کی راہ اختیار کر لی، لیکن
 تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت صالح علیہ السلام کی قوم نے عذاب کی نشانیاں دیکھیں تو وہ صالح علیہ السلام
 کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ جہاں کہیں بھی وہ مل جائیں انہیں ہلاک کر دیں۔ اور یہ خدا و پیغمبر کے مقابلہ میں ان کے عصیان و سرکشی
 کے شدید ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن خدا نے صالح علیہ السلام کو نجات دی اور اس قوم کو ہلاک کر دیا، اور ان کی زندگی کے دفتر کو کلی طور پر
 لپیٹ دیا۔

انجام کار آفری آیت میں ان تمام لوگوں کو جو اسی راستہ پر چلتے ہیں، سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اور خدا کو اس کام
 کے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے: (ولا یخاف عقباہا)۔

بہت سے ایسے حاکم ہیں جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں، لیکن وہ ہمیشہ اس کے نتیجہ اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں،
 ان کے رد عمل اور عکس العمل سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اسی بنا پر اپنی قدرت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور زیادہ صحیح تعبیر میں ان کی
 قدرت ضعف و ناتوانی کے ساتھ اور ان کا علم ہمالت کے ساتھ بڑا ہوا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان میں اس
 کے بڑے نتائج کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو۔

لیکن خداوند قادر و متعال جس کا علم ان تمام امور اور ان کے عواقب و آثار پر احاطہ رکھتا ہے، اور اس کی قدرت میں حوادث
 کے بڑے نتائج کے مقابلہ میں کسی قسم کے ضعف و ناتوانی کی آمیزش نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر انتہائی قدرت اور قاطعیت کے ساتھ
 جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے انجام دے دیتا ہے۔
 سرکشوں کو بھی اپنے کیسے کی سزا بھگتنی پڑے گی، لہذا انہیں اپنے اعمال کی وجہ سے خدا کے خشم و غضب کا مشمول ہونے سے

خود کو بچانا چاہیے۔

”عقبی“ اختتام، انتہا اور انجام کار کے معنی میں ہے اور ”عقبابھا“ کی ضمیر ”دمدمہ“ اور ہلاکت کی طرف لوتی ہے۔

چند نکات

۱۔ قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

قوم ”ثمود“ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، مدینہ اور شام کی درمیانی سرزمین میں (جس کا نام وادی القرظی ہے) زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کا دین و مذہب بت پرستی تھا۔ اور وہ انواع و اقسام کے گناہوں میں ملوث تھے۔ خدا کے عظیم پیغمبر صالحؑ ان میں سے تھے اور ان کی ہدایت اور نجات کے لیے مکرہمت باندھی، لیکن نہ تو یہ لوگ بت پرستی سے دست بردار ہوئے اور نہ ہی انہوں نے سرکش اور گناہ کے بارے میں اپنا نظریہ بدلا۔

جب انہوں نے مجرہ کا تقاضا کیا تو خدا نے ایک ناقہ (اونٹنی) اعجاز آمیز اور خارق العادہ طریقے سے پہاڑ کے اندر سے نکالی۔ لیکن اس بنا پر کہ اس بارے میں ان کی آزمائش سے یہ حکم دیا کہ اس بستی کا ایک دن کا سارا پانی اس اونٹنی کے لیے رہے گا اور دوسرے دن کا پانی وہ خود استعمال کریں گے، یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس دن وہ پانی سے محروم ہوتے تھے تو اس اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن عظیم مجرہ بھی ان کی ہٹ دھرمی اور فتنہ و فحور میں کمی نہ کر سکا۔ لہذا انہوں نے ناقہ کو نالود کرنے کا منصوبہ بنایا اور حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا بھی، کیونکہ وہ انہیں اپنی خواہشات اور ہوا و ہوس میں مزامم سمجھتے تھے۔

ناقہ کی نالودی کا منصوبہ ایک بہت ہی بے رحم اور شقی آدمی ”قدار بن سالف“ کے ذریعے عمل میں آیا اور اس نے کئی ضربوں کے ساتھ ناقہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔

یہ بات حقیقت میں خدا کے ساتھ اعلان جنگ تھی، کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ناقہ کو ختم کر دینے سے، جو صالحؑ کا مجرہ تھی، نذر ہدایت کر خاموش کر دیں گے۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ تین دن تک اپنے گود میں جس نعمت سے لذت حاصل کرنا چاہیں کر لیں، لیکن وہ اچھی طرح جان لیں کہ تین دن کے بعد عذاب الہی سب کو گھیر لے گا (عورۃ) یہ تین دن آخری غور و فکر کے لیے ایک نفلت تھی، اور توبہ و بازگشت کے لیے ایک آخری فرصت۔ لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ تمہید و فکر نہیں کی، بلکہ ان کے لطفیان و سرکش میں اضافہ ہو گیا۔ اس موقع پر عذاب الہی ان پر نازل ہوا اور ”صیحہ آسمانی“ نے ان کی سرزمین کو درہم و درہم کر کے رکھ دیا اور وہ سب کے سب اپنے گھروں میں زمین پر اوندھے گر پڑے اور مر گئے۔ ”واخذ الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی دیارہم جاثمین“ (ہود - ۶۷)۔

۱۔ صیحہ آسمانی جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے ”صاعقہ“ کے معنی میں ہے جو ایک عظیم آواز بھی رکھتی ہے اور سخت قسم کا زلزلہ بھی پیدا کرتی ہے اور آگ اور جلانے کے ساتھ توام ہوتی ہے اور علمی نظریہ کے مطابق ایک عظیم برقی شعلہ ہے، جو بادلوں کے درمیان جو مثبت برقی بار کے حامل ہوتے ہیں اور زمین جو منفی بار رکھتی ہے، وجود میں آتا ہے۔

وہ ایسے نابود ہوئے، اور ان کی سرزمین اس طرح خاموش ہوئی کہ گویا ہرگز ان گھروں میں کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ لیکن خدا نے صالحؑ اور ان کے مومن اصحاب کو اس ہمکنہ سے نجات بخشی۔ (هود - ۶۶)۔

۲۔ "اشقی الاولین" و "اشقی الاخرین" شیعہ و سنی بزرگ علما کی ایک جماعت منجملہ ثعلبی، واحدی، ابن مردیہ، خطیب بغدادی، طبری موصلی اور احمد حنبلؒ وغیرہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ عمار یاسرؒ، جابر بن سمرہ اور عثمان بن صہیب کی وساطت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آپ نے علی علیہ السلام سے فرمایا،

"یا علی! اشقی الاولین عاقرا لناقہ، و اشقی الاخرین قاتلک، و فی

روایۃ من یحضب ہذہ من ہذا :

"اے علی! پہلے لوگوں میں سے بد بخت ترین شخص وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا، اور پچھلے لوگوں میں سے بد بخت ترین آدمی تیرا قاتل ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو اس کو اس سے رنگین کرے گا، (جو اس طرف اشارہ ہے کہ تیری دائرہ کو تیرے سر کے خون سے خضاب کرے گا)۔"

حقیقت میں ناقہ صالحؑ کی کوئی نہیں کاٹنے والے "قدار بن یوسف" اور امیر المؤمنین کے قاتل "عبدالرحمن بن ملجم مرادی" کے درمیان ایک شباہت موجود تھی، ان دونوں میں سے کسی کو بھی ذاتی رنجش نہیں تھی۔ بلکہ دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ نور حق کو خاموش کر دیں۔ اور جس طرح ناقہ صالح کے ماجرے کے بعد اس طامنی اور سرکش قوم کو عذاب الہی نے گھیر لیا تھا، مسلمان بھی امیر المؤمنین علیؑ کی دماغ شہادت کے بعد جابر اور بیدار گزینی امیہ کی حکومت کے زیر تسلط دردناک ترین عذابوں کے شاہد ہوئے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ "حاکم جسکانی" نے "مشواہد التنزیل" میں اس سلسلے میں بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، جو مضمون و مطالب کے لحاظ سے اوپر والی روایت کے مشابہ ہیں۔

۳۔ تہذیب نفس ایک عظیم خدائی وظیفہ ہے

جس قدر قرآنی قسمیں کسی چیز کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ محکم ہوں وہ اس موضوع کی اہمیت کی دلیل ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ زیادہ طولانی اور زیادہ تاکید کی قسمیں اسی شورہ میں ہیں، خصوصاً خدا کی ذات پاک کی قسم کا اس میں تین مرتبہ تکرار ہوا ہے۔ اور انجام کار اس مسئلہ پر ہیکہ ہوا ہے کہ فلاح و رست گاری تزکیہ نفس میں ہے۔ اور محرومیت اور شکست و بد بختی تزکیہ کے ترک کر دینے میں ہے۔ حقیقت میں انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ بھی یہی مسئلہ ہے۔ اور حقیقتاً قرآن نے اوپر والے معنی کے ساتھ مفہوم کو واضح کر دیا ہے کہ

۱۔ "تفسیر نور الثقلین" جلد ۵ ص ۵۸۴

۲۔ "مشواہد التنزیل" جلد ۲ ص ۲۳۵ تا ۲۴۲

انسان کی نجات و درست گامی تصورات اور خیالوں کی مرہون منت نہیں ہے، نہ ہی مال و ثروت اور مقام و منصب کے سایہ میں اور نہ ہی دوسرے اشخاص کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ (جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں کہ ہر شخص کی نجات عیسیٰ مسیح کی فداکاری کی مرہون منت ہے اور نہ ہی اس قسم کی دوسری باتوں میں۔

بلکہ نجات انسانی ایمان و عمل صالح کے سایہ میں رُوح و جان کی پاکیزگی اور بلندی کی مرہون منت ہے۔

انسان کی بدبختی اور شکست بھی نہ تو اجباری قضا و قدر میں ہے، اور نہ ہی الزامی سرزشتوں میں، اور نہ ہی دوسروں کے گئے ہوئے کاموں میں، بلکہ وہ صرف اور صرف گناہ کی آلودگی سے بچے رہنے میں ہے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے میں ہے۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے، جب یوسفؑ فرانوں کے مالک اور سرزمین مصر کے حاکم بن گئے ان سے ملاقات کی اور کہا:

"ان الحرص والشهوة تصير المملوك عبداً، وان الصبر والتقوى يصير العبيد مملوكاً، فقال يوسف قال الله تعالى: انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين"

"حرص و شہوت بادشاہوں کو غلام بنا دیتے ہیں اور صبر و تقویٰ غلاموں کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ یوسف نے اس کی بات کی تصدیق کی، اور یہ کلام الہی اُسے یاد دلایا: "جو شخص تقویٰ اور صبر و شکیبائی اختیار کرے گا تو خدا نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

یہی مطلب ایک دوسری عبارت میں نقل ہوا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی ایک راہ گزر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یوسفؑ کی سواری وہاں سے گزری، تو زلیخا نے کہا:

"الحمد لله الذي جعل المملوك بمعصيته م عبداً، وجعل العبيد بطاعتهم مملوكاً"

"سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے بادشاہوں کو معصیت اور نافرمانی کی بنا پر غلام بنا دیا، اور غلاموں کو اطاعت و فرماں برداری کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا۔"

ہاں نفس کی بندگی انسان کی غلامی کا سبب ہے، اور تقویٰ و تہذیب نفس عالم ہستی پر حکومت کرنے کا سبب ہے۔

ایسے افراد کتنے زیادہ ہیں جو خدا کی بندگی اور اطاعت کی وجہ سے ایسے بلند مقام تک پہنچے ہیں کہ ولایت مگربی کے مالک بن گئے۔ خدا کے اذن سے اس عالم کے حوادث میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اور کرامات و خوارق عادات پر دسترس رکھ سکتے ہیں۔

خداوند! ہوائے نفس کے ساتھ مبارزہ کرنے میں تو ہماری مدد اور نصرت فرما۔

پروردگارا! تو نے ہمیں "فجور" و "تقویٰ" کا الہام کیا ہے۔ ہمیں اس الہام سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرما یا

بار النبا! شیطان کے مکر و فریب انسان کے نفس میں مخفی و پوشیدہ ہیں، ہمیں ان مکرروں کی شناخت سے آشنا کر دے!
اے مین یا رب العالمین
سورہ "الشمس" کا اختتام

اختتام ترجمہ قسم منزل خود
۸ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ ۸ بجے صبح

سُورَةُ اللَّيْلِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس کی ۲۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْاٰیٰتِ الْكٰرِيْمَةِ کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ جو مکی سُورتوں میں سے ہے اور مکی سُورتوں کی خصوصیات کا حامل ہے، مختصر آیات کے ٹکڑوں میں ہے، لیکن ان کے مضامین گرم اور تیز ہیں، اور زیادہ ترقیامت، خدائی جزا و سزا اور اس کے عوامل و اسباب کے بارے میں ہیں۔

ابتداء میں تین قسموں کو ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے،

۱۔ تقویٰ کے ساتھ انفاق کرنے والے۔

۲۔ وہ بخیل جو قیامت کے اجر و پاداش کے منکر ہیں۔ پہلے گروہ کا انجام کارِ خوش بختی اور راحت و آرام ہے جب کہ دوسرے گروہ کا

انجام کارِ سختی، تنگی اور بد بختی ہے۔

اس سُورہ کے دوسرے حصہ میں اس معنی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ بندوں کو ہدایت کرنا خدا کا کام ہے، سب لوگوں کو دوزخ کی

بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔

اور آخری حصہ میں، ان لوگوں کے، جو اس آگ میں جلیں گے، اور اس گروہ کے، جو اس سے نجات پائیں گے، اوصاف بیان کرتے

ہوئے تعارف کرایا ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”من قرأها اعطاہ اللہ حتی یرضی، و عافاہ من العسر و لیسر لہ الیسر“ :

”جو شخص اس سُورہ کی تلاوت کرے گا خدا اُسے اس قدر عطا کرے گا کہ وہ راضی اور خوش

ہو جائے گا، اور اُسے سختیوں سے نجات دے گا اور زندگی کی راہوں کو اس کے لیے آسان

کر دے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

- ۱- وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝
- ۲- وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝
- ۳- وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝
- ۴- إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۝
- ۵- فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝
- ۶- وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۷- فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَى ۝
- ۸- وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝
- ۹- وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝
- ۱۰- فَسَنِيَرُهُ لِلْعُسْرَى ۝
- ۱۱- وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱- قسم ہے رات کی جب کہ وہ عالم کو ڈھانپ لے۔
 - ۲- اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ تجلی کرے۔
 - ۳- اور قسم ہے اس کی جس نے مذکر و مؤنث پیدا کیے۔
 - ۴- کہ تمہاری سعی و کوشش مختلف ہے۔
 - ۵- پس وہ شخص کہ جو (راہِ خدا میں اتفاق کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔
 - ۶- اور (خدا کی نیک جزا کی تصدیق کرے۔
 - ۷- ہم اس کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔
 - ۸- لیکن جو شخص کج عمل کرے، اور اس طریقہ سے بے نیاز ہونا چاہے۔
 - ۹- اور (خدا کی) اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے۔
 - ۱۰- ہم عنقریب اس کی راہوں کو دشوار بنا دیں گے۔
 - ۱۱- اور جس وقت وہ (جہنم یا قبر میں) گرے گا تو اس کے اموال اس کی حالت کے لیے
- مُفید نہیں ہوں گے۔

سُورَةُ الْاٰلِیْلِ کا شانِ نزول

مفسرین نے اس سالم سُورہ کے لیے ابن عباسؓ سے ایک شانِ نزول نقل کی ہے۔ ہم اس شانِ نزول کو مرحوم طبرسیؒ کی "معجم البیان" سے نقل کرتے ہیں:

مسلمانوں میں سے ایک شخص کے کھجور کے درخت کی ایک شاخ ایک فقیر عیال دار کے گھر کے اوپر پہنچی ہوئی تھی۔ کھجور والا جب

خرمے اتارنے کے لیے درخت پر بڑھتا تو بعض اوقات خرمے کے کچھ دلنے اس فقیر آدمی کے گھر میں جا گرتے، اور اس کے بچے انہیں اٹھا لیتے۔ وہ شخص کھجور کے درخت سے اتر کر خرمے ان سے چھین لیتا، (اور وہ اتنا بخیل اور سنگدل تھا کہ) اگر ان میں سے کسی کے منہ میں بھی فرمے کا دانہ دیکھتا تو اس کے منہ میں اٹھکی ڈال کر نکال لیتا۔ اس مرد فقیر نے پیغمبر کی خدمت میں شکایت کی۔ حضور نے فرمایا تم جاؤ میں تمہارا یہ کام کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کھجور والے سے ملاقات کی اور فرمایا یہ درخت جس کی شاخیں فلاں گھر کے اور کبھی کبھی مجھے دے دے تاکہ اس کے مقابلہ میں جنت میں ایک درخت ہو۔ اس نے کہا میرے پاس کھجور کے بہت سے درخت ہیں تین کسی کے فرمے اس درخت جیسے اچھے نہیں ہیں۔ (لہذا میں یہ سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں)۔

اصحاب پیغمبر میں سے کسی نے یہ گفتگو سُن لی۔ اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں جا کر یہ درخت رس شخص سے خرید لوں اور آپ کو دے دوں تو آپ وہی چیز جو اس کو دے رہے تھے مجھے عطا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں اس شخص نے جا کر درخت والے سے ملاقات کی اور اس سے اس سلسلہ میں بات کی۔ کھجور کے مالک نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بدلے میں جنت میں کھجور کا ایک درخت مجھے دینے کے لیے تیار تھے۔ (لیکن میں نے قبول نہیں کیا اور میں نے انہیں یہ کہہ دیا کہ میں اس کے خرموں سے بہت لذت اندوز ہوتا ہوں، میرے پاس بہت سے کھجور کے درخت ہیں لیکن کسی کے خرمے اتنے اچھے نہیں ہیں۔

خریدار نے کہا: کیا تو اسے بیچنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں اسے نہیں بیچوں گا، مگر صرف اس صورت میں کہ رتن رقم مجھے دے کہ کوئی بھی اتنی رقم نہیں دے گا۔ اس نے کہا: تو کتنی رقم لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت خریدار نے تعجب کرتے ہوئے کہا: تو ایسے کھجور کے درخت کی جو ٹیڑھا ہو چکا ہے بہت ہی بھاری قیمت مانگتا ہے چالیس کھجور کے درخت!

پھر تھوڑے سے سکوت کے بعد اس نے کہا: بہت اچھا، میں خرمے کے چالیس درخت تجھے دیتا ہوں۔ بیچنے والے (لاہجی) نے کہا: اگر تو سچ کہتا ہے تو کچھ آدمیوں کو گواہی کے لیے بلا لے! اتفاقاً کچھ لوگ وہاں سے گزر رہے تھے اس نے انہیں آواز دی اور انہیں اس معاملہ پر گواہ بنایا۔

اس کے بعد وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "اے رسول خدا! وہ کھجور کا درخت میری ملکیت میں آیا ہے اور میں اُسے (آپ کی بارگاہ مبارک میں) پیش کرتا ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر کے گھر والوں کے پاس گئے اور صاحب خانہ سے کہا: "یہ کھجور کا درخت تیرا اور میرا ہے۔ اس موقع پر سورہ واللیل" نازل ہوئی۔ (اور بخیلوں اور سخیوں کے بارے میں ان کے لائق بائیں کہیں)۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس خریدار کا نام "الوالادراخ" تھا۔

تفسیر

تقویٰ اور خدائی امدادیں

اس سورہ کے آغاز میں ہم پھر تین فکر انگیز (مخلوقات اور خالق عالم کی) قسموں کا سامنا کر رہے ہیں، فرماتا ہے:

”یقیناً یہ رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“: (واللیل اذا یغشی)۔
 ”یقیناً یہ رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“: (واللیل اذا یغشی)۔
 ”یقیناً یہ رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“: (واللیل اذا یغشی)۔
 ”یقیناً یہ رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے“: (واللیل اذا یغشی)۔

اس کے بعد دوسری قسم کو بیان کرتا ہے اور مزید کہتا ہے: ”اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ آشکار و ظاہر ہو“ (والظہار اذا یجلی)۔
 اور یہ اس لمحہ کی بات ہے جب سپیدہ صبح رات کے ظلماتی پردہ کو چیر دیتا ہے اور تاریکیوں کو پیچھے دھکیل کر سارے صفحہ آسمانی پر حاکم بن جاتا ہے۔ اور ہر چیز کو نور اور روشنی میں نہلا دیتا ہے۔ وہی نور روشنی جو حرکت و حیات کی رمز اور تمام زندہ موجودات کی پرورش کا سبب قرآن مجید میں ”نور“ و ”ظلمت“ کے نظام کے مسئلہ اور ان کی انسانی زندگی پر تاثیر کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے، کیونکہ یہ دو عظیم دائمی نعمتیں پروردگار کی اہم آیات میں سے دو آیتیں ہیں۔

اس کے بعد آخری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مذکر و مؤنث کی جنس کو پیدا کیا“ (وما خلق الذکر والانشی)۔

کیونکہ عالم ”انسان“ و ”حیوان“ اور ”نبات“ میں ان دونوں جنسوں کا وجود، اور وہ تغیرات جو انعقاد لطف سے لے کر تولد تک رونما ہوتی ہیں اور وہ خصوصیات و صفات جو دونوں جنسوں میں ان کی فعالیتوں اور پروگراموں کی نسبت سے پائی جاتی ہیں اور وہ بہت سے اسرار جو جنسیت کے مفہوم میں چھپے ہوئے ہیں، یہ سب عظیم عالم آفرینش کی نشانیاں اور آیات ہیں جن کے ذریعے ان کے پیدا کرنے والے سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لے قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”یعنی“ فعل مضارع ثنویہ میں ذکر ہوا ہے۔ لیکن ”تجلی“ فعل ماضی ثنویہ میں ہے۔ اس صورت میں یہ اس بنا پر ہے کہ اس زمانہ میں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت کا آغاز تھا تو جاہلیت کی تاریکی نے ہر جگہ کو گھیر رکھا تھا۔ لیکن اس صورت میں ایسی ظلمت و تاریکی کی قسم کھانا کچھ اچھا دکھائی نہیں دیتا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ فعل ماضی چونکہ ”اذا“ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے، لہذا فعل مضارع کا معنی دیتا ہے، یا یہ کہ اصل میں ”تجلی“ تھا اور اس کی ایک ”تا“ حذف ہو گئی ہے، لیکن اس صورت میں فعل مؤنث ہو جائے گا، اور پھر ”فصاں“ (دن) اس کا فاعل نہیں ہو سکتا بلکہ پھر تقدیر میں اس طرح ہونا چاہیے۔ ”اذا تجلی الشمس فیہ“ (جب اس میں سورج آشکار و ظاہر ہو)۔

”ما“ (وہ چیز) کی تعبیر یہاں خدا کے بارے میں اس کی ذات پاک کی حد سے زیادہ عظمت سے کنایہ ہے اور یہ وہ ابہام ہے جو اس لحاظ سے یہاں اس طرح حکم فرما ہے کہ وہ اُسے خیال و قیاس و گمان و وہم سے برتر کر دیتا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”ما“ یہاں مصدریہ ہے، تو اس بنا پر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا: قسم ہے مذکورہ مونت کی خلقت کی لیکن یہ احتمال بہت ضعیف نظر آتا ہے۔

حقیقت میں پہلی اور دوسری دو قسمیں آیات آفاقی کی طرف اشارہ ہیں، اور تیسری قسم آیات انفسی کی طرف اشارہ ہے۔ آخر کار ان قسموں کے ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”زندگی کے لیے تمہاری سنی دکوشش مختلف اور گونا گویا ہے (ان سعیکولشٹی)۔“

ان دکوششوں کی سمت، اور ان کے نتائج بھی مکمل طور پر مختلف اور متفاوت ہیں، جو اس طرف اشارہ ہے کہ تم بہر حال زندگی میں سکون و آرام سے نہیں رہو گے، اور یقینی طور پر سعی و دکوشش کے لیے ہاتھ پاؤں مارو گے، اور خدا داد قوتوں اور توانائیوں کو جو تمہارے وجود کا سرمایہ ہیں، کسی نہ کسی راستے میں خرچ کر دو گے۔ لہذا اب تم خود دیکھو گے کہ تمہاری سعی و دکوشش کس راستے کس سمت اور کس نتیجہ کی حامل ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تمام سرمایوں اور صلاحیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالو، یا فضول صفت میں ضائع کر بیٹھو۔ ”نشٹی“ ”نشیت“ کی جمع ہے جو ”شت“ (برفان شط) کے مادہ سے جمعیت کو پرانہ کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں کیفیت مقصد کے حصول اور ان کے نتیجہ کے لحاظ سے لوگوں کی دکوششوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی خصوصیات کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”پس وہ رہے شیعہ جو راہ خدا میں بخشش کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے“ (فاما من اعطی واتقی)۔

”اور خدا کی اچھی جزا پر ایمان رکھتا ہو“ (و صدق بالحق)۔ ”ہم اس کے لیے راستے کو آسان بنا دیں گے اور ہر شے جاوداں کی طرف ہدایت کریں گے“ (فسنیرہ للسر) ”اعطی“ سے مراد وہی راہ خدا میں خرچ کرنا اور حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔

اور اس کے بعد تقویٰ کے لیے تاکید ممکن ہے کہ پاک نیت، اور خرچ کرتے وقت قصیدہ خالص، اور مشروع طریقہ سے اس کا حصول اور انہیں مشروع و جائز طریقہ سے خرچ کرنا، اور ہر قسم کا احسان جتانے اور اذیت و آزار پہنچانے سے خالی ہونے سکون و آرام کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان اوصاف کا مجموعہ تقویٰ کے عنوان میں جمع ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”اعطی“ مالی عبادتوں کی طرف اشارہ ہے، اور ”اتقی“ باقی تمام عبادتوں کی طرف اور واجبات کو انہی دینے اور محرمات کو چھوڑنے کی طرف، لیکن پہلی تفسیر ظاہر آیت کے ساتھ بھی سازگار ہے، اور اس شان نزول کے ساتھ کس حجم نے اور بیان کی ہے۔

”حسبی“ کی تصدیق کرنا۔ (”حسبی“ ”احسن“ کی مونت ہے ”جو زیادہ اچھے کے معنی میں ہے)۔

یہ خدا کی اچھی جزاؤں پر ایمان رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا ہے کہ ”الوالد الحماح“ نے خدا کی جزاؤں پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے اموال خرچ کیے۔ سورہ نسا کی آیہ ۹۵ میں آیا ہے: ”و کلاً وعد اللہ الحسبی“؛ خدا نے ان میں سے

ہر ایک کو اچھے اجر اور جزاؤں کا وعدہ دیا ہے۔ (اس آیت میں بھی حسنیٰ اور اچھی جزا کے معنی میں ہے)۔
 بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد "شریعت حسنیٰ" یعنی دین اسلام پر ایمان ہے، جو بہترین دین ہے۔
 اور بعض نے اس کی کلمہ لا الہ الا اللہ یا شہادتین کے ساتھ تفسیر کی ہے۔
 لیکن سیاق آیات، شان نزول، اور بہت سی آیات قرآنی میں حسنیٰ کا اچھی جزا کے معنی میں ہونے کے ذکر کی طرف توجہ کرتے ہوئے
 پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

"فنیسیرہ للیسری" کا جملہ ممکن ہے توفیق الہی، اور ایسے اشخاص پر امر اطاعت کے آسان کرنے کی طرف اشارہ ہو، یا
 ان کی طرف جنت کی راہ کھولنے اور توجیت و سلام کے ساتھ ملائکہ اور فرشتوں کے استقبال کرنے، یا ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہو۔
 یہ بات یقینی ہے کہ جو لوگ انفاق و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور عظیم خدائی جزاؤں پر گرم جوشی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، ان
 کے لیے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور وہ دنیا و آخرت میں ایک خاص قسم کے سکون و آرام کے حامل ہوتے ہیں۔
 ان سب سے قطع نظر ممکن ہے کہ مالی انفاق ابتداء میں انسان کی طبیعت و مزاج کے لیے شاق اور مشکل ہو، لیکن تکرار کرنے اور
 مسلسل جاری رکھنے سے اس پر راستہ اس طرح آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اس سے لذت اٹھاتا ہے۔
 کتنے ہی سخی لوگ ایسے ہیں جو اپنے دسترخوان پر ہمان کی موجودگی سے خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر کسی دن ان کے پاس
 ہمان نہ آئے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور یہ بھی مشکلات کے ان کے لیے آسان کرنے کی ایک قسم ہے۔

اور اس نکتہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے کہ اصلی طور پر خدائی عظیم جزاؤں پر ایمان، انسان کے لیے انواع و اقسام کی مشکلات کی برداشت
 کو آسان اور سہل بنا دیتا ہے، نہ صرف مال بلکہ وہ اپنی جان کو بھی اخلاص کے مطابق گزارتا ہے اور عشق شہادت میں میدان جہاد میں شرکت
 کرتا ہے، اور اپنی اس قربانی اور ایثار سے لذت حاصل کرتا ہے۔

"یسری" "یسر" کے مادہ سے اصل میں گھوڑے پر زین کئے، اُسے لگام دینے اور سواری کے لیے آمادہ دنیا کرنے کے
 معنی میں ہے۔ اس کے بعد اس کا ہر سہل اور آسان کام کے لیے اطلاق ہوا ہے۔
 بعد والی آیات میں اس گروہ کے نقطہ مقابل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "لیکن وہ شخص جو نجھل کرے اور اس طریقے سے
 بے نیازی چاہے" (وامامن بخل واستغنیٰ)۔

"اور خدا کی اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے" (وکذب بالحنیٰ)۔
 "ہم عنقریب راستوں کو اس پر دشوار اور مشکل بنا دیں گے" (فنیسیرہ للعسری)۔
 "بخل" یہاں "اعطاء" کا نقطہ مقابل ہے، جو پہلے گروہ (سعادت مند سخیوں کے گروہ) میں بیان ہوا ہے۔ "واستغنیٰ"
 (بے نیازی چاہے) یا تو نجھل کرنے کے لیے ایک بہانہ ہے، یا مال جمع کرنے کے لیے ایک وسیلہ ہے، اور یا یہ اس بات کی طرف اشارہ
 کہ وہ خدائی جزاؤں سے اپنے آپ کو بے نیاز شمار کرتا ہے، پہلے گروہ کے برعکس، جن کی آنکھ ہمیشہ لطف خدا پر لگی رہتی ہے یا وہ اپنے آپ
 کو خدا کی اطاعت سے بے نیاز سمجھتا ہے، اور ہمیشہ گناہ میں آلودہ رہتا ہے۔

اللیل
 اور
 توشٹ کی
 ہے
 گول ہے
 بر حال زندگی
 کو، جو تمہارے
 کس سمت
 مانع کر بیٹھو
 اور یہاں کشیدگی
 شخص جو راہ خدائی
 لیسری
 سے اسرار حاصل
 مزدوم کی طرف اشارہ
 در واجبات کو انجام
 بھی جو ہم نے
 نے خدا کی جزاؤں
 نے ان میں سے

ان تینوں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اگرچہ تینوں تفاسیر کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ "حسنی" کی تکذیب سے مراد وہی قیامت کی جڑوں کا انکار ہے، یا پیغمبروں کے دین و آئین اور نیک روش کا انکار ہے۔ "فنیسیرہ للعسری" کی تعبیر جو واقعی طور پر دو ظاہر متضاد تعبیریں ہیں (ہم ان کی راہ کو مشکلات کی طرف آسان کرنا ہے) "فنیسیرہ للیسری" کا نقطہ مقابل ہے، اس طرح سے کہ خدا پہلے گروہ کو تو اپنی توفیقات کا مشمول قرار دے گا اور ان کی اطاعت و انفاق کی راہ کو طے کرنا آسان بنا دے گا تاکہ وہ زندگی کی مشکلات سے رہائی حاصل کر لیں۔ لیکن دوسرے گروہ کی راہ کو مشکل بنا دے گا، لہذا ان کے لیے راستہ کو طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور انہیں دنیا و آخرت میں سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان بے ایمان بخیلوں کے لیے نیک اعمال کو انجام دینا، خصوصاً راہِ خدا میں انفاق کرنا سخت اور دشوار کام ہے، جب کہ پہلے ان کی نشاط آور اور روح افزا ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں ان دل کے اندھے بخیلوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: "جب وہ قبر باہنم میں جاوے گا تو اس کے اموال اس کے کچھ کام نہ آئیں گے" (وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی)۔ نہ تو وہ ان اموال کو دنیا سے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے اور اگر وہ لے بھی جائے تو وہ اس کے جہنم کی آگ میں جلانے میں نہیں ہوں گے۔

"ما" اس آیت کے آغاز میں ممکن ہے "نافیہ" ہو (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے) یا استفہام انکاری کے لیے ہو۔ اس کے اموال قبر یا دوزخ میں جانے یا گرنے کے وقت اس کو کیا فائدہ دیں گے؟ "تردی" "ردائت" اور "ردی" کے مادہ سے ہلاکت کے معنی میں ہے اور بلندی سے گرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ "تردی" کا سبب ہو۔ بلکہ بعض تو اس کی اصل ہی سقوط کے معنی میں سمجھتے ہیں اور چونکہ بلند جگہ سے گرنے کا سبب ہوتا ہے، لہذا ہلاکت کا سبب بھی آیا ہے اور زیر بحث آیت میں ممکن ہے کہ قبر یا دوزخ میں گرنے کے معنی میں ہو یا ہلاکت عذاب کے معنی میں ہو۔ اس طرح قرآن ان آیات میں دو گروہوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، ایک گروہ مومن، متقی اور سخی، اور دوسرا گروہ بے تقویٰ اور بخیل، اور ان دونوں گروہوں کا نمونہ شانِ نزول میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

پہلا گروہ توفیقاتِ الہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اپنی راہ کو سہولت کے ساتھ طے کرتا ہے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کا بڑھا چلا جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ زندگی میں بے شمار مشکلات میں گھرا ہوا ہوتا ہے، بہت سامان جمع کرتا ہے اور یہیں پر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، اور سوائے حسرت، اندوہ و ہلال اور خدائی عذاب کے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور وہ اس سے کوئی چیز نہیں

❖

❖

❖

۱۔ "یسری" و "عسری" دونوں تہمت کے صیغہ ہیں (ان کا فکڑ "یسر" و "عسر") اور ان دونوں کا تہمت کے صیغہ کی ضرورت میں ذکر کرنا یا تو اس بنا پر ہے کہ ان دونوں کا مجموعہ ہے اور تقریباً اس طرح ہوگا۔ فنیسیرہ الاعمال یسری - او۔ لاعمال عسری یا تمام مسائل اور زندگی میں پیش آنے والے حالات اور اگر اس کا موصوف مفرد ہو تو ممکن ہے کہ "طریقۃ" یا "خلۃ" یا اس قسم کا کوئی لفظ ہو۔

- ۱۲۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۙ
- ۱۳۔ وَاِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْاٰوَّلَةَ ۙ
- ۱۴۔ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ۙ
- ۱۵۔ لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقٰى ۙ
- ۱۶۔ الَّذِى كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۙ
- ۱۷۔ وَسَيَجْزِيْهَا الْاَتْقٰى ۙ
- ۱۸۔ الَّذِى يُؤْتِى مَالَهُ يَتَزَكٰى ۙ
- ۱۹۔ وَمَا لِاِحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ۙ
- ۲۰۔ اِلَّا ابْتِغَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۙ
- ۲۱۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۙ

ترجمہ

- ۱۲۔ یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔
- ۱۳۔ اور دنیا و آخرت ہمارے لیے ہے۔
- ۱۴۔ اور میں تمہیں شعلہ نکلنے والی آگ سے ڈراتا ہوں۔

- ۱۵۔ بد بخت ترین لوگوں کے سوا کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوگا۔
- ۱۶۔ وہی شخص جس نے آیات (خدا کی) تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی۔
- ۱۷۔ اور زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے عنقریب اس سے دُور رہیں گے۔
- ۱۸۔ وہی شخص جو اپنے مال کو (خدا کی راہ میں) بخش دیتا ہے تاکہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔
- ۱۹۔ اور کسی شخص کا اس کے پاس کوئی حق نعمت نہیں ہے تاکہ وہ (اس انفاق کے ذریعے)
- اس کا بدلہ دے۔ ۲۰: سوائے اپنے بلند و بڑے پروردگار کی رضامندی چاہنے کے
- ۲۱۔ اور وہ عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا۔

تفسیر

انفاق اور جہنم کی آگ سے دُوری

گزشتہ آیات میں لوگوں کی دو گروہوں: مومن سخاوت مند اور بے ایمان بخیل، میں تقسیم کرنے، اور ان میں سے ہر ایک کی سرنوشت بیان کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں پہلے اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہمارا کام ہدایت کرنا ہے کسی کو مجبور کرنا نہیں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ مردانہ وار راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ علاوہ ازیں اس راستہ کو طے کرنا خود تمہارا ہی نفع میں ہے اور ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فرماتا ہے: "یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔" (ان علینا للہدیٰ)۔

چاہے تکوین (فطرت و عقل) کے طریق سے ہدایت ہو، اور چاہے تشریح (کتاب و سنت) کے طریق سے ہو۔ اس سلسلے میں جو کچھ ضروری تھا وہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

"اور یقینی طور پر آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہے۔" (وان لنا للآخرۃ والاولیٰ)۔

ل "للآخرۃ" کا "لام" اور اسی طرح (گزشتہ آیت میں) "للہدیٰ" کا "لام" ظاہر لام تاکید ہے جو بیان "اسم ان" کے اُد پر آئی ہے، اگرچہ عام طور پر خبر کے اُد پر داخل ہوا کرتی ہے، یہ اس بنا پر ہے کہ بعض اُدب کی کتابوں کی تصریح کے مطابق جب "ان" کی خبر مقدم ہو تو اس کے اسم پر لام داخل ہوتی ہے۔

ہمیں تمہارے ایمان و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ تمہاری اطاعت ہمیں کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ ہی تمہاری نافرمانی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ یہ تمام پروگرام تمہارے فائدے کے لیے ہیں اور خود تمہارے لیے ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق یہاں ہدایت "اراعہ طریق" کے معنی میں ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ان دو آیات کا ہدف سخاوت کرنے والے مومنین کو شوق دلانا اور اس معنی پر تاکید ہو کہ ہم انہیں مزید ہدایت کا مشمول قرار دیں گے، اور اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی راستہ کو ان پر آسان کر دیں گے، اور چونکہ دنیا و آخرت ہماری ہی ملکیت ہے لہذا ہم اس کام کو انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے دنیا آخرت پر مقدم ہے، لیکن اہمیت اور ہدف اصلی کے لحاظ سے مقصود اصلی آخرت ہے، اسی بنا پر اُسے مقدم رکھا گیا ہے۔

اور چونکہ ہدایت کے شعبوں میں سے ایک خبردار کرنا اور ڈرانا ہے، لہذا بعد والی آیت میں مزید کتا ہے: اب جب کہ یہ بات ہے تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلہ ور ہوگی" (فانذر نکم نارا تالطی)۔

"تالطی" "لطی" (بروزن قضا) کے مادہ سے، خالص شعلہ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خالص شعلوں میں جو ہر قسم کے دُشویں سے خالی ہوں زیادہ گرمی اور حرارت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات لفظ "لطی" کا خود جہنم پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس گروہ کی طرف، جو اس بھڑکتی ہوئی اور جلانے والی آگ میں داخل ہوں گے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "بدبخت ترین آدمی کے سوا اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ (لا یصلھا الا الاشقی)۔

اور اشقی کی توصیف میں فرماتا ہے: "وہی شخص جو آیات خدا کی تکذیب کرتا ہے اور ان سے پیٹھ پھیر لیتا ہے۔" (الذی کذب وتول)۔

اس بنا پر خوش بختی اور بدبختی کا معیار وہی کفر و ایمان ہے یا وہ عملی نتائج جو ان دونوں کے ہوتے ہیں، اور وہ واقفاً جو شخص ہدایت کی ان تمام نشانیوں، اور ایمان و تقویٰ کے امکانات و وسائل کو نظر انداز کر دے، تو وہ "اشقی" کا مصداق، اور بدبخت ترین شخص ہے۔ "الذی کذب وتول" کے جملہ میں ممکن ہے کہ "تکذیب" تو کفر کی طرف اشارہ ہو، اور "تونی" اعمال صالح کے ترک کرنے کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ کفر کا لازمہ یہی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہی ترک ایمان کی طرف اشارہ ہوں۔ اس طرح سے کہ پہلے تو پیغمبر خدا کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے بعد پیٹھ پھیر کر ہمیشہ کے لیے اس سے دُور ہو جاتے ہیں۔

بہت سے مفسرین نے یہاں ایک اعتراض پیش کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوپر والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ جہنم کی آگ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات اس چیز کے مخالف ہے جو قرآن کی دوسری آیات اور مجموعہ روایات اسلامی سے معلوم ہوتی ہے کہ گنہگار مومن بھی جہنم کی آگ میں حصہ دار بنیں گے، لہذا منحرف گروہوں میں سے بعض نے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچاتا انہوں نے اپنے مقصود پر ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ (اس گروہ کا نام "موجعہ") اس کے جواب میں دو نکاتوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے: پہلا یہ کہ یہاں جہنم میں درود سے مراد وہی "خلود" یعنی ہمیشہ رہنا ہے۔

۱۔ "تالطی" اصل میں "تالطی" تھا، "دو" "تا" میں سے ایک "تا" تخفیف کے لیے گر گئی ہے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ خلود کفار کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس بات کا قرینہ وہ آیات ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ غیر کفار بھی جہنم میں وارد ہوں گے۔

دوسرا یہ کہ اُپر والی آیات اور بعد والی آیات یہ کہتی ہیں کہ جہنم کی آگ سے دُوری "التقی" (زیادہ متقی افراد) سے مخصوص ہے، یعنی مجموعی طور پر وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف دو گروہوں کی حالت بیان کرے: (۱) بے ایمان بخیل گروہ اور (۲) زیادہ تقویٰ رکھنے والے سخاوت مند مومن۔ ان دونوں گروہوں میں سے صرف پہلا گروہ جہنم میں وارد ہوگا، اور دوسرا گروہ بہشت میں داخل ہوگا، اور اس طرح سے تیسرے گروہ یعنی گنہگار مومنین کے بارے میں تو اصلاً کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہاں "حصر" "حصر اضافی" ہے۔ گویا جنت صرف دوسرے گروہ کے لیے، اور جہنم صرف پہلے گروہ کے لیے پیدا کی گئی ہے، اس بیان سے ایک دوسرے اعتراض کا جواب بھی، جو زیر بحث آیات اور ان آئندہ آنے والی آیات کے رابطہ سے ہوا ہے، جو نجات کو "التقی" سے مخصوص کرتی ہیں، واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو اس جلائے والی شعلہ بار آگ سے دُور ہے، فرماتا ہے: "عنقریب سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا آدمی اس بھڑکتی ہوئی آگ سے دُور رکھا جائے گا"۔ (وسیع جنبھا الا لتقی)۔ وہی آدمی جو اپنے مال کو راہ خدا میں انفاق کرتا ہے اور اس کا مقصد رضائے خدا کا حصول، تزکیہ نفس، اور اموال کو پاک کرنا ہوتا ہے، (الذی یؤتی مالہ یتزکی)۔

"یتزکی" کی تعبیر حقیقت میں تصدق قربت اور نیتِ خالص کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ جملہ معنوی و روحانی رشد و نمو کے حصول کے معنی میں ہو یا اموال کی پاکیزگی کے حاصل کرنے کے معنی میں، کیونکہ "تزکیہ" "نمودینے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اور "پاک کرنے" کے معنی میں بھی۔ سورہ توبہ کی آیہ ۱۰۳ میں آیا ہے: خذ من اموالہم صدقۃ نظفہم و تزکیہم بہا وصل علیہم وان صلاتک سکن لہم: "ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر لے تاکہ اس کے ذریعے تو انہیں پاک کرے اور ان کی پرورش کرے، اور (زکوٰۃ لیتے وقت) ان کے لیے دُعا کر کیونکہ تیری دعا ان کے سکون و آرام کا باعث ہے۔"

اس کے بعد ان کے خلوص نیت کے سلسلہ پر، جو وہ خرچ کرنے میں رکھتے ہیں، تاکید کے لیے مزید فرماتا ہے: "کبھی شخص کا اس کے اُپر حق نعمت نہیں ہے کہ اس انفاق کے ذریعے اس کی جزا دی جائے"؛ (وما لاحد عنده من نعمۃ تجزی)۔ بلکہ اس کا مقصد تو اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے۔ (الابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ)۔

دوسرے لفظوں میں لوگوں کے درمیان بہت سے انفاق ایسے ہوتے ہیں جو ویسے ہی انفاقوں کا جواب ہوتے ہیں جو طرف مقابل کی طرف سے پہلے سے کیے ہوئے ہوتے ہیں، البتہ حق شناسی اور احسان کا احسان کے ساتھ جواب دینا ایک اچھا کام ہے، لیکن اس کا حساب پرہیزگاروں کے مخلصانہ انفاق سے جدا ہے۔ اُپر والی آیات کہتی ہیں کہ پرہیزگار مومنوں کا دوسروں پر خرچ کرنا نہ تو ریاکاری کی وجہ سے ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کی سابقہ خدمات کے جواب کے طور پر، بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف خدا کی رضا کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور یہی چیز ان انفاقوں کو خدا سے زیادہ قدر و منزلت عطا کرتی ہے۔

"وجہ" کی تعبیر یہاں "ذات" کے معنی میں ہے اور اس سے مراد اس کی پاک ذات کی رضا و خوشنودی ہے۔

”ربہ الاعلیٰ“ کی تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ انفاق پوری معرفت کے ساتھ صورت پذیر ہوتا ہے، اور اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پروردگار کی ربوبیت سے بھی آشنا ہوتا ہے، اور اس کے مقام اعلیٰ سے بھی باخبر ہوتا ہے۔
ضمنی طور پر یہ استثنا ہر قسم کی انحرافی نیتوں کی بھی نفی کرتا ہے، مثلاً نیک نامی، لوگوں کی توجہ مبذول کرنے، اور معاشرے میں مقام و حیثیت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا، کیونکہ اس کا مفہوم ان اموال کے انفاق کا محرک، پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے میں ہے۔
انجام کار اس سورہ کی آخری آیت میں اس گروہ کی عظیم و بے نظیر جزاؤں کو پیش کرتے ہوئے ایک مختصر سے جملہ میں فرماتا ہے:
”اور ایسا آدمی عنقریب راضی و خوشنود ہو جائے گا۔“ (ولسوف یرضی)۔

ہاں! جس طرح سے وہ رضائے خدا کے لیے کام کرتا ہے، خدا بھی اس کو راضی کرے گا، ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہوگی، ایسی رضا جو وسیع و غیر محدود ہوگی، ایسی پُر معنی رضا جس میں تمام نعمتیں جمع ہوں گی، ایسی رضا جس کا تصور کرنا بھی آج ہمارے لیے غیر ممکن ہے اور وہ کون سی نعمت ہوگی جو اس سے برتر و بالاتر ہوگی۔
بعض مفسرین نے بھی یہی احتمال دیا ہے کہ ”یرضی“ میں ضمیر خدا کی طرف لوثی ہے، یعنی عنقریب خدا اس گروہ سے راضی ہو جائے گا کہ وہ بھی ایک عظیم و بے نظیر انعام ہے کہ خدائے بزرگ اور پروردگار برتر اس قسم کے بندے سے راضی و خوشنود ہو جائے۔ وہ بھی ایسی رضا جو مطلق اور بے قید و شرط ہو، اور یقینی طور پر اس رضائے الہی کے پیچھے اس باایمان اور با تقویٰ بندہ کی رضایت ہے، کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ سورہ بینہ کی آیہ ۸ میں آیا ہے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، یا سورہ فجر کی آیہ ۲۸ میں آیا ہے راضیة مرضیة، لیکن تفسیر اول زیادہ مناسب ہے۔

ایک نکتہ

سورہ واللیل کے شان نزول کے بارے میں ایک بات

فخر رازی کہتا ہے: ”مفسرین اہل سنت عموماً یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ”سیجنہا الاتقی“ میں ”اتقی“ سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں اور شیعہ عام طور پر اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔“
اس کے بعد وہ اپنے مخصوص انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: اُمت اسلامی (عام اس سے کہ اہل سنت ہوں یا شیخ) اس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل ترین شخص یا ابوبکرؓ ہے یا علیؓ، اور اس آیت کو علیؓ پر منطبق
”الابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ“ کے جملہ میں استثنا، استثنا منقطع ہے، البتہ پہلی آیت میں ایک تقدیر ہے جو اس طرح ہے۔ وما لاحد عنده من نعمة تجزی فلا ینفق مالہ لنعمة الابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ، کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے لہذا وہ اپنا مال کسی احسان کے بدلے میں خرچ نہیں کرتا مگر اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی کے لیے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ استثنا متصل ہو، ایک مفرد کو نظر میں رکھتے ہوئے اور تقدیر میں اس طرح ہو: لا ینفق لنعمة عنده ولا لغير ذلک الابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ (غور کیجئے)۔

نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قرآن اس فرد اتقی کے بارے میں کہتا ہے: وما لاحد عنده من نعمۃ تجزی کوئی شخص اس پر کوئی حق اور احسان نہیں رکھتا، کہ جس کی جزا دی جائے اور یہ صفت علی علیہ السلام پر تطبیق نہیں کرتی کیونکہ پیغمبران پر حق نعمت رکھتے تھے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف یہ کہ ابو بکرؓ پر کوئی مادی حق نعمت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتفاق کرتے تھے اور حق نعمت رکھتے تھے!

اس کا نتیجہ یہ بنتا ہے کہ "اتقی" کا مصداق ابو بکرؓ نہیں ہے، اور چونکہ اتقی کا معنی سب لوگوں سے زیادہ پرہیزگار ہے، لہذا اس کی افضلیت ثابت ہے۔

اگرچہ ہم اس تفسیر کے مباحث میں، اس قسم کے مسائل میں، وارد ہونے کی طرف زیادہ مائل نہیں ہیں لیکن بعض مفسرین کا پہلے سے کیے ہوئے فیصلہ کو قرآن کی آیات کے ذریعے ثابت کرنے پر اصرار اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ وہ ایسی تعبیریں کرنے لگے ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ اور بلند مقام کے لائق نہیں ہے۔ لہذا اسی سبب سے ہم بھی یہاں چند نکات کا ذکر کرتے ہیں۔ اولاً: یہ جو فخر رازی کہتا ہے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت ابو بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس چیز کے برخلاف ہے جسے اہل سنت کے مشہور و معروف مفسرین نے صراحت کے ساتھ نقل کیا ہے، منجملہ "قرطبی" اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے ایک روایت میں نقل کرتا ہے کہ یہ سارا سورہ (سورۃ اللیل) "ابوالدھراح" کی شان میں نازل ہوا ہے۔ (جن کی داستان ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کر دی ہے)۔

خاص طور پر جب وہ آیت وسیدجینھا الاتقی پر پہنچتا ہے تو پھر دوبارہ کہتا ہے کہ اس سے مراد "ابوالدھراح" ہے۔ اگرچہ اکثر مفسرین سے اس نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ (ان کے نزدیک) یہ ابو بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن خود اس نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا۔

ثانیاً: یہ جو اس نے کہا ہے کہ شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ بہت سے مفسرین نے وہی ابوالدھراح کی داستان ہی بیان کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ البتہ بعض روایات میں امام جعفر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ "اتقی" سے مراد ان کے پیروکار اور شیعہ ہیں اور الذی لیؤتی مالہ یتزکی سے مراد امیر المؤمنین علیؓ ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ باتیں شان نزول کا پہلو نہیں رکھتیں، بلکہ یہ واضح اور روشن مصداق کی تطبیق کی قبیل سے ہیں۔

مثلاً: اس میں شک نہیں کہ اوپر والی آیت میں لفظ "اتقی" لوگوں میں سے زیادہ تقویٰ رکھنے والے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم وہی تقویٰ ہونا ہے، اور اس بات کا واضح گواہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں "اشقی" لوگوں میں سے بدبخت ترین کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اتفاق سے بچل کرتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے، تو کیا ابو بکرؓ کو پیغمبر سے بھی مقدم رکھا جاسکتا ہے؟ ہم پہلے سے کیے ہوئے فیصلوں اور ذہنیاتوں کی بنا پر ایسی تعبیریں کیوں کریں جو پیغمبرؐ کے مقام بلند کو بھی ضرب لگائیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کا معاملہ الگ ہے، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آیت وما لاحد عنده من نعمۃ تجزی میں ان کے معاملے

کو کیوں اگک نہیں رکھا گیا اور علی علیہ السلام کو آیت کے مورد سے خارج کرنے کے لیے کیوں کہا گیا کہ چونکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادی نعمتوں کے مشمول ہیں لہذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔

رابعاً : ایسا کون سا آدمی ہے جس سے اس کی زندگی میں کسی نے محبت کی ہی نہ ہو اور کسی نے بھی اُسے نہ ہدیہ دیا ہو نہ کبھی دعوت کی ہو۔ کیا واقعاً ایسا ہوا ہے کہ ابو بکرؓ اپنی ساری عمر میں نہ تو کسی کی ہمائی پر گئے اور نہ ہی کبھی کسی کا کوئی ہدیہ قبول کیا اور نہ ہی کوئی ادا دوسری مادی خدمت کس سے قبول کی کیا یہ چیز باور کرنے کے لائق ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ آیہ وما لاحد عنده من نعمۃ تجزئی سے مراد یہ نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کا اس پر کوئی حق نعمت ہے ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا اتفاق کرنا کسی حق نعمت کی بنا پر نہیں ہے۔

یعنی اگر وہ کسی پر اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف خدا کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ وہ کسی خدمت کی بنا پر اسے اجر و پاداش دینا چاہتے ہیں۔
خامساً : اس سورہ کی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ سورہ ایک ایسے ماجرے کے بارے میں، جس کے دو قطب ہیں نازل ہوا ہے، ایک "اشقی" کے قطب میں تھا اور دوسرا "اشقی" کے قطب میں۔ اگر ہم "ابوالدحاح" کی داستان کو شان نزول سمجھیں تو مسئلہ حل شدہ ہے، لیکن اگر ہم کہیں کہ مراد ابو بکرؓ تھے تو "اشقی" کی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اس سے مراد کون شخص ہے؟ شیعوں کو اس بات پر کوئی اصرار نہیں ہے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ علیؑ ہی کے بارے میں ہے۔ ان کی شان میں آیات بہت زیادہ ہیں، لیکن اگر اس کی تطبیق علیؑ پر کی جائے تو "اشقی" کی مشکل حل ہے، کیونکہ سورہ شمس کی آیہ ۱۲ (اذ انبعث اشقاها) کے ذیل میں اہل سنت کے طرق سے کافی روایات نقل ہوئی ہیں کہ "اشقی" سے مراد علی بن ابی طالب کا قاتل ہے۔ (ان روایات کو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، حاکم حرکانی نے شواہد التنزیل میں جمع کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فخر رازی کی گفتگو اور اس آیت کے بارے میں اس کی تحلیل بہت ہی کمزور اور بہت سے اشتباہات پر مشتمل ہے۔ اسی لیے اہل سنت کے بعض مشہور مفتخرین مثلاً آلوسی تک نے بھی رُوح المعانی میں اس تجزیہ کو پسند نہیں کیا، اور اس پر اعتراض کیا ہے، جیسا کہ وہ کہتا ہے :

"واستدل بذالك الامام علي انه (البوكري) افضل الاممة وذكر ان في الايات ما ياتي قول الشيعة انها في علي واطال الكلام في ذلك واتى بما لا يخلو عن قبيل وقال :

"امام فخر رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ابو بکرؓ افضل امت ہیں اور زمین کا، کہ آیات میں بعض قرآن ایسے ہیں جو شیعوں کے قول کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ اور یہاں گفتگو کو طول دیا ہے اور ایسے مطالب بیان کیے ہیں جو قبیل و قال (اور اشکال) سے خالی نہیں ہیں۔"

۲۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

راہ خدا میں اتفاق اور بخشش کرنا، اور محروم، خصوصاً آبرو مند لوگوں کی مالی امداد کرنا، جو خلوص نیت سے ملی ہوئی ہو، ایسے امور میں سے ہے

جس کا قرآن مجید کی آیات میں بار بار ذکر ہوا ہے، اور اس کو ایمان کی نشانیوں میں سے کہا گیا ہے۔
اس بارے میں اسلامی روایات بھی تاکید سے بھری ہوئی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اسلامی معاشرے اور تمدن میں مالی انفاق کرنا، بشرطیکہ اس کا محرک پروردگار کی رضا کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، اور وہ ہر قسم کی ریا کاری، احسان جتانے اور آزار سے خالی ہو، تو بہترین اعمال میں سے ہے۔

ہم اس بحث کو چند معنی نیز احادیث کے ذکر کے ساتھ مکمل کرتے ہیں۔

۱۔ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

” ان احب الاعمال الى الله ادخال السرور على المؤمن، شعبة مسلم او قضاء دينه “
” خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کے دل کو خوش کرنا ہے، اس طرح سے کہ اُسے سیر کیا جائے یا اس کا قرض ادا کیا جائے۔“

۲۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

” من الایمان حسن الخلق، واطعام الطعام، و ابراقۃ الدماء “ :

” حسن خلق، کھانا کھلانا، اور خون بہانا (راہ خدا میں قربانی دینا) ایمان کے اجزا میں سے ہیں۔“

۳۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

” ما اری شیئاً يعدل زيارۃ المؤمن الا اطعامه، وحق على الله ان يطعم من اطعم موعوداً من طعام الجنة “ :

” میرے نزدیک کوئی چیز مومن کے دیدار اور زیارت کے برابر نہیں ہے سوائے اس کو کھانا کھلانے کے۔ اور جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلائے خدا پر لازم ہے کہ وہ اُسے جنت کے کھانوں میں سے کھانا کھلائے۔“

۴۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی تہاڑ پکڑ لی اور عرض کیا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ای اعمال افضل؟ تمام اعمال میں کون سا عمل افضل؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

” اطعام الطعام، واطیاب الکلام “ :

” لوگوں کو کھانا کھلانا اور خوش کلام ہونا۔“

۱۔ ”بجاریانوار“ جلد ۴، حدیث ۳۵ ص ۳۶۵

۲۔ ”ذہبی مدرک“ حدیث ۳۸

۳۔ ”اصول کافی“ جلد ۲، باب اطعام المؤمن حدیث ۱۷

۴۔ ”بجاریانوار“ جلد ۴، ص ۳۸۸ حدیث ۱۱۳

۵۔ اور آخر میں ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے :

” من عال اهل بیت من المسلمین یوممہم ویلتھم وغفر اللہ ذنوبہ :
 ” جو شخص مسلمانوں کے کسی گھرانے کی ایک رات دن پذیرائی کرے تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے ۔“

خداوند! ہم سب کو توفیق دے تاکہ ہم اس عظیم کار خیر میں قدم رکھیں ۔
 پروردگارا! تمام اعمال میں ہمارے خلوص نیت میں اضافہ فرما ۔
 بارالہا! ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمیں اپنی نعمت و رحمت کا اس طرح سے مشمول قرار دے کہ تو بھی ہم سے خوش ہو
 اور ہم بھی خوش اور راضی ہوں۔

آمین یا رب العالمین
 اختتام سورۃ اللیل

سُورَةُ صٰحٰی

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

سُورَةُ "الضحیٰ" کے مضامین اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ جو مکی سُورتوں میں سے ہے، اور بعض روایات کے مطابق اس وقت نازل ہوا جب پیغمبرِ وحی کے وقتی طور پر منقطع ہو جانے اور تاخیر سے پریشان تھے، اور دشمنوں کی زبان کھلی ہوئی تھی، تو یہ سُورہ نازل ہوا، اور بارانِ رحمت کی طرح پیغمبر کے قلب پاک پر اترا، اور انہیں نئی تاب و توان بخشی اور بد زبانوں کی زبان کو بند کر دیا۔

اس سُورہ کی دو قسموں کے ساتھ ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبر کو بشارت دیتا ہے کہ خدا نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد آپ کو یہ خوش خبری دیتا ہے کہ خدا آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ اور آخری مرحلہ میں، پیغمبر کی گزشتہ زندگی کو آپ کی نظر میں مجسم کرتا ہے کہ خدا نے ہمیشہ آپ کو کس طرح سے اپنی انواع و اقسام کی رحمت کا مشمول قرار دیا ہے، اور زندگی کے سخت ترین لمحات میں اُس نے آپ کی حمایت کی ہے۔ اور اسی لیے آخری آیات میں آپ کو حکم دیتا ہے کہ (خدا کی ان عظیم نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر) یتیموں اور حاجت مندوں پر مہربانی کریں اور خدا کی نعمت کو یاد کرتے رہیں۔

اس سُورہ کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے :

” من قرأها کان ممن یرضاه اللہ، ولحمدا (ص) ان یشفع له وله عشر حسنات بعدد

کل یتیم وسائل !

” جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ ایسے لوگوں میں سے ہو گا جن سے خدا راضی ہوگا، اور وہ اس لائق ہوگا کہ خدا اس کی شفاعت کریں اور ہر یتیم اور سوال کرنے والے مسکین کے برابر دس دس حسنات اس کے لیے ہوں گے۔“

اور یہ سب فضائل اس کے لیے ہیں جو اُسے پڑھے اور اس پر عمل کرے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ متعدد روایات کے مطابق یہ سُورہ اور اس کے بعد والا سُورہ (سورۃ المولشوح) ایک ہی اور چونکہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک مکمل سُورہ پڑھنا چاہیے، لہذا ان دونوں سُورتوں کو اکٹھا ملا کر پڑھنا چاہیے، (یہی بات سورۃ اور لایلاف کے بارے میں بھی کہی گئی ہے)۔

اور اگر ہم صحیح طور پر ان دونوں سُورتوں کے مطالب میں غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ یقینی طور پر ایک کا دوسرے کے ساتھ تسلسل قائم ہے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان "بِسْمِ اللّٰهِ" کا فاصلہ ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں سُورتیں ہر لحاظ سے ایک ہی ہیں؟ یا انہیں خصوصیت کے ساتھ نماز میں ایک سُورہ کے میں شمار کرنا چاہیے؟ اس میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل کا فرقہ کی کتابوں میں (قرابت نماز کی بحث میں) مطالعہ کرنا چاہیے۔ بہر حال علماء کا اجماع اس بات پر ہے کہ قرابت نماز میں ان میں سے ایک سُورہ پر قناعت نہیں کرنا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالضُّحٰ ۙ
- ۲۔ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ
- ۳۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۙ
- ۴۔ وَلَا اٰخِرَةَ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاَوَّلٰی ۙ
- ۵۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۙ

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے

- ۱۔ قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے (اور ہر جگہ کو گھیر لے)۔
- ۲۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے۔
- ۳۔ کہ ہرگز نہ تو خدا نے تجھے پھوڑا ہے اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے۔
- ۴۔ اور یقینی طور پر تیرے لیے آخرت دُنیا سے بہتر ہے۔
- ۵۔ اور عنقریب تیرا رب تجھے اس قدر دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

شان نزول

اس سورہ کے شان نزول کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جن میں سب سے زیادہ واضح ذیل کی روایت ہے۔

”ابن عباسؓ“ کہتے ہیں: پندرہ دن گزر گئے اور پیغمبرؐ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ مشرکین نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے اُسے چھوڑ دیا ہے اور اس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اُس کی یہ بات سچ ہے کہ اس کی ماموریت خدا کی جانب سے ہے تو پھر اس پر مسلسل وحی نازل ہوتی۔ اس موقع پر اُوپر والی سُورت نازل ہوئی (اور ان کی باتوں کا جواب دیا)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق جب یہ سُورہ نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے جبریل سے فرمایا: ”تُو نے دیر لگا دی حالانکہ میں شدت سے تیرا مشتاق تھا“ تو جبریل نے کہا:

وانا كنت اشد اليك شوقا : ”میں تو خود آپ کا بہت زیادہ مشتاق تھا، لیکن میں بندۂ مامور ہوں اور پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتا“

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئی اور ”ذی القربین“ و ”اصحابِ کہف“ اور ”روح“ کی خلقت کے بارے میں سوال کیا: پیغمبرؐ نے فرمایا:

”میں کل تمہیں بتاؤں گا، اور انشاء اللہ نہ کہا، لہذا اسی وجہ سے وحی الہی کئی دن تک منقطع رہی

اور دشمنوں کی زبانِ شہادت سے کھل گئی، اور اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہو گئے۔ تو یہ سُورہ نازل ہوا تاکہ پیغمبرؐ کے دل کی تسلی کا باعث ہو (لیکن یہ شانِ نزول بعید نظر آتی ہے، کیونکہ یہودیوں کا پیغمبرؐ سے آکر ملنا اور اس قسم کے سوالات کرنا عام طور پر مدینہ میں تھا نہ کہ مکہ میں)۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے عرض کیا، اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر وحی کیوں نازل نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا:

”كيف ينزل على الوحي وانت لولا تنقون براجمكم ولا تقلمون
اظفاركم“

”مجھ پر وحی کیسے نازل ہو جب کہ تم اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو پاک و صاف نہیں رکھتے اور ناخن نہیں کترواتے!؟“

اس بارے میں کہ انقطاعِ وحی کی مدت کس قدر تھی؟ مختلف روایات ہیں۔ بعض نے بارہ دن، بعض نے پندرہ دن، بعض نے پچیس دن اور بعض نے چالیس دن تک نقل کیے ہیں، اور ایک روایت میں صرف دو تین شب و روز بھی نقل ہوئے ہیں۔

تفسیر

تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا

اس سُورہ کے آغاز میں بھی دو قسمیں کھائی گئی ہیں:

لے ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۰۴، (تقریباً سی تلخیص اور اقتباس کے ساتھ)۔

۱۔ "نور" (روشنی) کی قسم
 ۲۔ "ظلمت" (تاریکی) کی قسم، فرماتا ہے:
 "قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے اور ہر جگہ کو گھیر لے" (والضحیٰ)۔
 "اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے اور ہر جگہ کو سکون و آرام میں غرق کر دے" (واللیل اذا سبج)۔
 "ضحیٰ" دن کے پہلے حصہ کے معنی میں ہے جب کہ سورج آسمان پر اُڑنچا ہو جائے، اور اس کی روشنی ہر جگہ مسقط ہو جائے، اور یہ درحقیقت دن کا بہترین وقت ہوتا ہے۔

اور بعض کی تعبیر کے مطابق یہ فصل جوانی کے حکم میں ہے، جب کہ گرمیوں کی ہوا ابھی گرم نہیں ہوتی، اور سردیوں میں ہوا کی سردی ٹٹی ہوئی ہوتی ہے اور انسان کی رُوح و جان اس موقع پر ہر قسم کی فعالیت کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔
 "سبجی" "سججو" (بروزن سرد، اور بروزن غلو) کے مادہ سے اصل میں سکون و آرام کے معنی میں ہے، اور "چھپانے" اور "تاریک ہونے" کے معنی میں بھی آیا ہے، اسی لیے جب "میت" کو کفن میں لپیٹ دیتے ہیں تو اُسے "سبجی" کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں یہ وہی اصلی معنی دیتا ہے جو سکون و آرام ہے۔ اسی وجہ سے ان راتوں کو جن میں ہوا نہ چلے "لیلۃ ساجیۃ" (آرام و سکون کی رات) کہتے ہیں، اور طوفان اور امواجِ خروشال سے خالی سمندر کو "بحر ساج" (پُر سکون سمندر) کہا جاتا ہے۔
 بہر حال جو چیز رات کے سلسلہ میں اہم ہے وہی سکون و آرام ہے جو اس پر حکم فرما ہے، اور طبیباً انسان کے اعصاب اور رُوح کو سکون و آرام میں ڈبو دیتی ہے اور کل اور آئندہ آنے والے دنوں میں سعی اور کوشش کے لیے آمادہ و تیار کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بہت ہی اہم نعمت ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

ان دونوں قسموں اور آیت کے مضمون کے درمیان شباهت اور ایک قریبی ربط موجود ہے۔ دن تو پیغمبر کے پاک دل پر وحی کے نذر کے نزول کی مانند ہے اور رات وقتی طور پر وحی کے انقطاع کے مانند ہے جو بعض مقاطع اور اوقات میں ضروری ہے۔ ان دونوں عظیم قسموں کے بعد نتیجہ اور جواب قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تیرے پروردگار نے ہرگز تجھے چھوڑا نہیں ہے اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے" (ماودعک ربک وما قلی)۔

"ودع" "تودیع" کے مادہ سے، چھوڑنے اور وداع کر دینے کے معنی میں ہے۔
 "قلی" "قلا" (بروزن صدا) کے مادہ سے شدتِ بغض و عداوت کے معنی میں ہے، اور مادہ "قلو" (بروزن سرد) پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

راغب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی سے دشمنی کرتا ہے تو گویا دل اسے دھکا دے دیتا ہے، اور اُسے قبول نہیں کرتا۔

بہر حال یہ تعبیر پیغمبر کی ذات کے لیے ایک دلداری اور تسلی کے طور پر ہے کہ وہ اچھی طرح یہ جان لیں کہ اگر کبھی نزولِ وحی میں تاخیر ہے تو یہ مادہ "ناقص بالی" کی صورت میں بھی آیا ہے اور "ناقص وادی" کی صورت میں بھی، پہلی صورت میں بغض و عداوت کے معنی میں ہے اور دوسری صورت میں پھینکنے اور دھکا دینے کے معنی میں ہے، اور جیسا کہ اُد پر بیان کیا گیا ہے دونوں معنی ایک ہی جڑ اور ریشہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

ہو جائے تو وہ کچھ مصالح کی بنا پر ہوتی ہے جسے خدا ہی جانتا ہے، اور ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دشمنوں کے قول مطابق خدا اس سے خوشمگن اور غصہ ہو گیا ہے، یا اس کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی خدا کے خاص لطف و کرم اور عنایات کے مستحق ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس کی خاص حمایت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "بے شک عالمِ آخرت تیرے لیے اس دنیا سے بہتر ہے" (وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّكَ الْأُولَىٰ)۔ اور تو اس دنیا میں بھی اس کے الطاف کا مشمول ہے، اور آخرت میں اس سے بیشتر و بہتر ہو گا۔ نہ تو تجھ پر یہاں کی فتنوں میں پروردگار کا غضب ہو گا اور نہ ہی آخرت کی دراز مدت میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا میں بھی محترم ہے آخرت میں بھی محترم ہے، البتہ دنیا میں عزیز و محترم ہے اور آخرت میں عزیز تر و محترم تر ہے۔

بعض مفسرین نے "آخرت" اور "اولیٰ" کو پیغمبر کی عمر کے آغاز و انجام کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے یہ ہے کہ تو اپنی آخری عمر میں زیادہ موافق اور زیادہ کامیاب ہو گا۔ اور یہ اسلام کی وسعت اور پھیلاؤ اور مسلمانوں کی دشمنوں پر بار بار کامیابیوں اور جنگوں میں ان کی فتوحات اور اسلام کے پودے بارور ہونے اور شرک و بت پرستی کے آثار کے مٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

ان دونوں تفاسیر کے درمیان جمع میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں پیغمبر کو افضل و برتر خوش خبری دیتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "عنقریب تیرا پروردگار تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا" (وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ)۔

یہ خدا کا اپنے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بالاترین احترام و اکرام ہے کہ فرماتا ہے: اس قدر تجھے بخشے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ دنیا میں تو دشمنوں پر کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دین عالمگیر ہو جائے گا، اور آخرت میں بھی تو عظیم ترین نعمتوں کا مشمول ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتمِ انبیاء اور عالمِ بشریت کا رہبر ہونے کی حیثیت سے صرف اپنی ہی نجات پر خوش نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ اس وقت راضی اور خوش ہوں گے جب آپ کی شفاعت آپ کی امت کے بارے میں بھی قبول ہو جائے گی۔ اس بنا پر روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت امید بخش ترین آیت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت امین العابدین علیہ السلام سے انہوں نے اپنے چچا "محمد بن حنفیہ" سے انہوں نے اپنے باپ امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن میں موقفِ شفاعت میں کھڑا ہو جاؤں گا اور گناہ گاروں کی اس قدر شفاعت

کروں گا، کہ خدا فرمائے گا:

ارضیت یا محمد!؟ " اے محمد کیا تم راضی ہو گئے؟! "

تو میں کہوں گا، رضیت، رضیت: "میں راضی ہو گیا، میں راضی ہو گیا!" اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے اہل کوفہ کی ایک جماعت کی طرف رخ کیا اور مزید فرمایا: تمہارا یہ نظریہ ہے کہ قرآنی آیات میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسکم ولا تقنطوا من رحمة اللہ" ہے (یعنی اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔

اس جماعت نے کہا: جی ہاں! ہم اسی طرح کہتے ہیں: آپ نے فرمایا: "لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی میں سب سے زیادہ اُمید بخش آیت "ولسوف یعطیک ربک فخرضی" ہے۔

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ پیغمبر کی شفاعت کے لیے کچھ شرائط ہیں، نہ تو آپ ہر شخص کے لیے شفاعت کریں گے اور نہ ہی ہر گنہگار اس کی توقع رکھ سکتا ہے۔ (اس بحث کی تفصیل جلد اول سورہ بقرہ کی آیت ۴۸ میں مطالعہ فرمائیے)۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ کے گھر میں داخل ہوئے، جب کہ آپ کی بیٹی اُوٹ کی اُون کا سخت لباس پہنے ہوئے تھیں، ایک ہاتھ سے چکی پیس رہی تھیں، اور دوسرے ہاتھ سے اپنے فرزند کو دودھ پلا رہی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا، بیٹی! دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کے مقابلہ میں برداشت کر، کیونکہ خدا نے تجھ پر یہ نازل کیا ہے کہ تیرا پروردگار اس قدر تجھے دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔" (ولسوف یعطیک ربک فخرضی)۔

ایک نکتہ

انقطاع وحی کا فلسفہ

اوپر والی آیات کے مجموعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے، یہاں تک کہ نزول وحی میں بھی آپ اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتے، جس وقت خدا چاہے وحی کو منقطع کر دے، اور جس وقت چاہے بقرار کر دے اور شاید انقطاع وحی بھی اسی مقصد کے لیے تھا، تاکہ ان لوگوں کا جواب ہو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے من مانے اور اپنے میلان کے مطابق معجزوں کا تقاضا کرتے تھے، یا آپ سے فرمائش کرتے تھے کہ فلاں حکم یا فلاں آیت کو بدل دیجئے، اور آپ ان سے یہ فرماتے کہ میں ان امور میں اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا، (جیسا کہ سورہ یونس کی آیہ ۱۵ میں آیا ہے)۔

- ۶۔ اَلْمَرْجِدُكَ يَتِيْمًا فَاوِي ۞
- ۷۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ۞
- ۸۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاغْنَى ۞
- ۹۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُقَهِّرْ ۞
- ۱۰۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞
- ۱۱۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

ترجمہ

- ۶۔ کیا تجھے یتیم نہیں پایا تو پھر پناہ دی ؟
- ۷۔ اور تجھے گم شدہ پایا تو رہنمائی کی ۔
- ۸۔ اور تجھے فقیر پایا تو بے نیاز کیا ۔
- ۹۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو یتیم کو حقیر نہ سمجھ ۔
- ۱۰۔ اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار ۔
- ۱۱۔ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کر ۔

الطاف ال
اکرم صلی ان
فر
میں پرورش
ت
کے دل
ت
حمایت
ہا
ب
یہ ہے کہ
اس جملہ کا
د
ا
ا
جیسا کہ آ
من
لیکن ہم
ہدایت ذ

تفسیر

ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو خدا نے تجھے دی ہیں

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس سورہ میں ہفت اور مقصد یہ تیسرا اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلگیری اور آنحضرتؐ کے لیے الطاف الہی کا بیان ہے۔ لہذا گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جن میں اس مطلب کو بیان کیا گیا تھا، زیر بحث آیات میں پہلے تو تیسرا اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی تین خاص نعمتوں کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد انہی سے مربوط تین اہم حکم نہیں دیتا ہے۔ فرماتا ہے: کیا خدا نے تجھے یتیم نہیں پایا تو تجھے اس نے پناہ دی؟ (المریجیدک یتیمًا فالوی)۔ تو ابھی شکم مادر میں ہی تھا کہ تیرا باپ عبد اللہ اس دنیا سے چل بسا، تو میں نے تجھے تیرے جد عبد المطلبؑ (سرور مکہ) کی آغوش میں پرورش کرائی۔

تو چھ سال کا تھا کہ تیری ماں دنیا سے چل بسی اور اس لحاظ سے بھی تو اکیلا رہ گیا، لیکن ہم نے تیرے عشق و محبت کو عبد المطلبؑ کے دل میں زیادہ کر دیا۔

تو آٹھ سال کا ہوا تو تیرا دادا "عبد المطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گیا"، تو ہم نے تیرے چچا "ابوطالب" کو تیری خدمت و حمایت کے لیے مقرر کر دیا، تاکہ تجھے جان شیریں کی طرح رکھے اور تیری حفاظت کرے۔ ہاں! تو یتیم تھا اور میں نے تجھے پناہ دی۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے کچھ اور دوسرے معنی بیان کیے ہیں جو اس کے ظاہر کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، مگر ان کے یہ ہے کہ یتیم سے مراد وہ شخص ہے جو شرافت و فضیلت میں اپنا مثل و نظیر نہ رکھتا ہو، جیسا کہ بے نظیر سوتلی کو "در یتیم" کہتے ہیں، لہذا اس جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا نے تجھے شرافت و فضیلت میں بے نظیر پایا۔ اس لیے تجھے انتخاب کیا اور مقام نبوت بخشا۔ دوسرا یہ ہے کہ تو خود ایک دن یتیم تھا لیکن آخر کار تو یتیموں کی پناہ گاہ اور انسانوں کا رہبر ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلا معنی ہر لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اور ظاہر آیت کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔

اس کے بعد دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اور تجھے گم شدہ پایا تو تیری رہنمائی کی۔" (ووجدک ضالًا فهدا) ہاں! تو ہرگز نبوت و رسالت سے آگاہ نہیں تھا، اور ہم نے یہ نور تیرے دل میں ڈالا، تاکہ تو اس کے ذریعہ انسانوں کو ہدایت کئے جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: ما کنتم تدہری ما لکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہ من لذناب من عبادنا۔ نہ تو تو کتاب ہی کو جانتا تھا اور نہ ہی ایمان کو (یعنی نزول وحی سے پہلے تو اسلام و قرآن کے مطالب سے آگاہ نہیں تھے) لیکن ہم نے اس کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت کرتے ہیں (شوریٰ - ۵۲) یہ بات واضح ہے کہ بیوقوفی کے پاس مقام نبوت و رسالت تک پہنچنے سے پہلے یہ الہی فیض نہیں تھا۔ خدا نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت فرمائی اور اس مقام تک پہنچا دیا، جیسا کہ سورہ یوسف کی آیہ ۳ میں آیا ہے: نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا

۲۱
عائلاً ذ
جن
میں دے
مال ہائے
ایک

۱۱
بک
یا آپ کے
اس کے آ
لطف و محب
ہو جاتی ہ
رسول اللہ
(فاما

۱

۲

الیک هذا القرآن وان كنت من قبله لمن النافلين: "ہم نے قرآن کی وحی کے ذریعے ایک بہترین داستان تیرے لیے بیان کی ہے، اگرچہ تو اس سے پہلے اس سے آگاہ نہیں تھا۔"

یقیناً اگر ہدایت الہی اور غیبی امدادیں پیغمبر کے ہاتھ کو نہ پکڑتیں تو وہ ہرگز منزل مقصود کا راستہ نہ پاتے۔ اس بنا پر یہاں "ضلالت" سے مراد ایمان، توحید، پاکیزگی اور تقویٰ کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان آیات کے قرینہ سے جن کی اہمیت اور پر اشارہ ہوا ہے، اسرار نبوت اور قوانین اسلام سے آگاہی کی نفی، اور ان حقائق سے عدم آشنائی تھی، جیسا کہ بہت سے مفسرین نے کہا ہے لیکن بعثت کے بعد پروردگار کی مدد سے ان تمام امور سے واقف ہو گئے اور ہدایت پائی، (غور کیجئے)۔

سورہ بقرہ کی آیہ ۲۸۲ میں قرضوں کی سند لکھنے کے مسئلہ میں متعدد گواہوں کے فلسفہ کو ذکر کرتے وقت فرماتا ہے: ان تضل احد اہما فتذکر احد اہما الاخری: "یہ اس بنا پر ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک گمراہ ہو جائے اور بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔"

اس آیت میں "ضلالت" صرف بھول جانے کے معنی میں آیا ہے "فتذکر" کے جملہ کے قرینہ سے۔ یہاں اس آیت کے لیے اور کئی دوسری تفاسیر بھی بیان ہوئی ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تو بے نشان تھا، خدا نے تجھے اس قدر بے نظیر نعمتیں عطا کیں کہ تو ہر جگہ پہچانا جانے لگا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے بچپن میں کئی مرتبہ گم ہوا۔ (ایک دفعہ مکہ کے دروں میں جب کہ تو عبدالمطلب کی پناہ میں تھا، اور دوسری مرتبہ اس وقت جب تیری رضاعی ماں "علیہ سعید" دودھ پلانے کی مدت کے اختتام پر تجھے مکہ کی طرف لارہی تھی تاکہ تجھے عبدالمطلب کے سپرد کرے تو راستہ میں گم ہو گیا، اور تیسری مرتبہ اس وقت جب تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ اس قافلہ میں جو شام کی طرف جا رہا تھا، ایک تاریک اور اٹھیری رات میں گم ہو گیا تھا) اور خدا نے ان تمام موارد میں تیری رہنمائی کی، اور تجھے تیرے جد یا چچا کی محبت تیری آغوش تک پہنچا دیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ضال" لغت کے لحاظ سے دو معانی کے لیے آیا ہے: ۱۔ "گم شدہ" اور ۲۔ "گم راہ" مثلاً کہا جاتا ہے کہ: الحکمة ضالة المؤمن: "حکمت و دانش مومن کی گم شدہ چیز ہے؟" اور اسی مناسبت سے معنی اور غائب کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ سورہ سجدہ کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے: منکران معاد کہا کرتے تھے: اذا اضلنا فی الامراض انا لفی خلق جدید: کہ جب ہم زمین میں پنہاں اور غائب ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی خلقت اختیار کریں گے؟۔

اگر زیر بحث آیت میں "ضال" "گم شدہ" کے معنی میں ہو تو پھر کوئی مشکل پیش نہیں آتی، (یعنی تو گم شدہ تھا لوگ تیری عظمت و شرافت سے ناواقف تھے، پس ہم نے انہیں تیری طرف ہدایت کی، - مترجم)

اور اگر یہ "گمراہ" کے معنی میں ہو تو اس سے مراد بعثت سے پہلے راہ نبوت و رسالت تک دسترس نہ رکھنا ہوگی، یا دوسرے لفظوں میں پیغمبر اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں رکھتے تھے، جو کچھ تھا وہ خدا کی طرف سے تھا، اس بنا پر دونوں ہی صورتوں میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

اس کے بعد تیسری نعمت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے : خدا نے تجھے فقیر پایا تو غنی دے بے نیاز کر دیا۔ (ووجدك عائلاً فاغني) ۱

جناب "خدیحجہ" جیسی مخلص و با وفا خاتون کی توجہ تیسری طرف مبذول کی، تاکہ وہ اپنی عظیم ثروت و دولت کو تیسرے اختیار میں دے دے اور تیسرے عظیم اہداف و مقاصد کے لیے وقف کر دے۔ اور اسلام کے غلبہ کے بعد جنگوں میں بکثرت مال ہائے غنیمت تجھے عطا کیے، اس طرح سے کہ تو اپنے عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لیے بے نیاز ہو گیا۔

ایک روایت میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں اس طرح فرمایا :
 "لم یرجدك یتیمًا فاوی قال : فردًا لامثل لك فی المخلوقین : قاوی الناس الیک ،
 ووجدك ضالًا ای ضالًا فی قوم لا یعرفون فضلك فهداهم الیک ،
 ووجدك عائلاً تقول اقواماً بالعلم فاغناهم بک ؛"

"کیا ہم نے تجھے اپنی مخلوق کے اندر یتیم یعنی بے نظیر فرد نہیں پایا تو ہم نے لوگوں کو تیسری پناہ میں دے دیا، اور تجھے اپنی قوم کے درمیان گمشدہ اور نا پہچانا ہوا پایا، جو تیسرے مقامِ فضل کو نہیں پہچانتے تھے، تو خدا نے انہیں تیسری طرف ہدایت کی اور تجھے علم و دانش میں اقوامِ عالم کا سرپرست قرار دیا اور انہیں تیسرے ذریعے بے نیاز کر دیا، ۲

البتہ یہ حدیث آیت کے بطون کو بیان کرتی ہے ورنہ آیت کا ظاہر وہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

لیکن یہ تصور نہیں ہونا چاہیے کہ یہ امور جو آیت کے ظاہر میں بیان ہوئے ہیں پیغمبر کے مقام بلند میں کمی اور نقص کا سبب ہیں یا آپ کے بارے میں پروردگار کی طرف سے منفی توصیف ہے۔ بلکہ یہ تو حقیقت میں الطافِ الہی اور اس عظیم پیغمبر کے بارے میں اس کے اکرام و احترام کا بیان ہے، جب محبوبِ دلِ باختر عاشق کے بارے میں اپنے لطف و کرم کی بات کرتا ہے تو یہ خود ایک لطف و محبت ہے اور اس کے لطفِ خاص کی دلیل ہے اور اسی بنا پر محبوب کی طرف سے ان الفاظ کے سُننے سے اس کی رُوح تازہ ہو جاتی ہے، اور اس کی جان میں صفا پیدا ہوتی ہے، اور اس کے دل کو آرام و سکون حاصل ہوتا ہے۔

بعد والی آیات میں گزشتہ آیات سے نتیجہ نکالتے ہوئے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین احکام دیتا ہے، اگرچہ ان میں مخاطب رسول اللہ کی ذات گرامی ہے، لیکن یقیناً وہ سب کو شامل ہیں، پہلے فرماتا ہے: "جب معاملہ یہ ہے تو پیغمبرِ یتیم کی تحقیر و تذلیل نہ کر" (فاما الیتیم فلا تقهر)۔

"تقهر" "قهر" کے مادہ سے "مفروات" ہیں "راغب" کے قول کے مطابق، اس غلبہ کے معنی میں ہے جس کے ساتھ لہ "عائل" اصل میں عیال دار شخص کے معنی میں ہے، چاہے وہ غنی و توخیر ہو، لیکن یہ لفظ فقیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور زبردست آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ "راغب" کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "عال" اجوف یا بی ہو تو فقیر کے معنی میں ہے اور اجوف ہی ہو تو کثیر العیال کے معنی میں ہوتا ہے، (لیکن ان دونوں کا لازم و ملزوم ہونا بعید نہیں ہے)۔

والمحروم
بھی آیا ہے
اور
ربك فخذ
نعمہ

اور برتری کے
کی نشان دہی
یہ نسخہ
اور ان کا عمل
بھی انہیں دہ
عمل بھی فقر و
یہ ا

اس
تو بھی نعمت
لیکن
اس کی تبلیغ
یہ ا
لہذا

تختیر ہو، لیکن ان دو معانی میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہاں مناسب ذہنی تختیر ہی ہے۔
یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ یتیموں کے بارے میں اگرچہ اطعام و انفاق کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن اس سے
بھی زیادہ اہم دل جوئی و نوازش اور شفقت کی کمی کو رفع کرنا ہے۔ اسی لیے ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ارشاد فرمایا:

"من مسح على رأس یتیم كان له بكل شعرة تمر على يده نور
يوم القيامة"

"جو شخص نوازش و مہربانی کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو ہر بال کی تعداد کے
مطابق جس پر اس کا ہاتھ پھرے گا قیامت میں ایک نور ہوگا۔"

گویا خدا پیغمبر سے فرماتا ہے: تو خود بھی یتیم تھا، اور تُو نے بھی یتیمی کا رنج اور تکلیف اٹھائی ہے، تو اب تو دل دہان
سے یتیموں کی نگہبانی کر، اور ان کی پیاسی رُوح کو محبت کے ساتھ سیراب کر۔
بعد والی آیت میں دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:
"اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار" (واما السائل فلا تنهر)۔

"لا تنهر" "نہر" کے مادہ سے "سنحی" کے ساتھ دھتکارنے کے معنی میں ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ اس کی
اصل "نہر" ہو اور جاری پانی کی نہر کے معنی کے ساتھ ایک ہو، کیونکہ وہ بھی پانی کو شدت کے ساتھ دھکیلتی ہے۔
اس بارے میں کہ یہاں "سائل" سے کون مراد ہے؟ چند تفسیریں موجود ہیں، پہلی یہ کہ اس سے ایسے افراد مراد ہیں جو علمی،
اعتقادی اور دینی مسائل میں سوالات رکھتے ہیں، اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ یہ حکم اس چیز پر جوگزشتہ آیات میں آیا ہے مقرر ہے،
"ووجدك ضالاً فهدى" "خدا نے تجھے گم شدہ پایا تو تجھے ہدایت کی، پس اس ہدایت الہی کے شکر کرنے کے طور پر تو بھی
ہدایت کے نیاز مندوں کے لیے کوشاں رہ، اور کسی ہدایت کا تقاضا کرنے والے کو اپنے پاس سے نہ دھتکار۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو مادی لحاظ سے فقیر ہیں اور وہ تیرے پاس آتے ہیں، تو جتنی تمہیں
طاقت ہے اس کے مطابق عمل کرو اور انہیں مال سے نہ کرادو اور اپنے پاس سے نہ دھتکار۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ فقر علمی اور فقر مادی دونوں کو بیان کر رہی ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر قسم کا سوال کرنے والے
کو مثبت جواب دے، یہ معنی پیغمبر کے لیے خدا کی ہدایت کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے، اور ان کی یتیمی کے زمانے میں ان
کی سرپرستی سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

تجربہ کی بات یہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سائل سے مراد یہاں صرف علمی مسائل کے بارے میں
سوال کرنے والا ہے، یہ کہا ہے کہ "سائل کی تعبیر قرآن مجید میں ہرگز مالی تقاضا کرنے والوں کے لیے نہیں آئی۔"

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۰۶

۲ "تفسیر عبده"، جزء عم ص ۱۱۳

حالانکہ یہ قرآن میں بارہا اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ سورہ ذاریات کی آیت ۱۹ میں آیا ہے: **وفي اموالهم حق للسائل والمحروم**: "ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے اور یہی معنی سورہ معارج کی آیت ۲۵ اور سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں بھی آیا ہے۔

اور آخر میں تیسرے اور آخری حکم میں فرماتا ہے: **اور باقی رہیں تیرے پروردگار کی نعمتیں تو تو ان کو بیان کر** (واما بئمة ربك فحدث)۔

نعمت کو بیان کرنا کبھی تو زبان سے ہوتا ہے اور ایسی تعبیروں سے جو انتہائی شکر و سپاس کی ترجمان ہوتی ہیں، ذکر غرور و مجتہر اور برتری کے خیال سے، اور کبھی عمل سے بھی ہوتا ہے، اس طرح کہ اس سے راہِ خدا میں انفاق و بخشش کرے، ایسی بخشش جو اس بات کی نشان دہی ہو کہ خدا نے اُسے فراوان نعمت عطا کی ہے۔

یہ سخی اور کریم لوگوں کی سُنت ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اُسے بیان کرتے ہیں اور خدا کا شکر بجالاتے ہیں۔ اور ان کا عمل بھی اس حقیقت کی تائید و تاکید کرتا ہے، بہت ہمت بخلیوں کے برعکس جو ہمیشہ نالہ و فریاد کرتے ہیں، اور اگر ساری دنیا بھی انہیں دے دیں، تو بھی نعمتوں پر پروردہ پریشی ہی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا چہرہ فقیرانہ اور ان کی باتیں آہ و زاری کے ساتھ، اور ان کا عمل بھی فقر و فاقہ کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ اس حالت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ان الله تعالى اذا انعم على عبد لعمه يحب ان يري اثر النعمة عليه:"

"خداوندِ عالم جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے، تو وہ اس بات کو دوست رکھتا ہے

کہ اس پر نعمت کے آثار دیکھے"۔

اس بنا پر آیت کے معنی کا حاصل اس طرح ہے: اس بات کے شکر لانے میں کہ توفیق تھا اور خدا نے تجھے بے نیاز کیا ہے، تو بھی نعمت کے آثار کو آشکار کر، اور گرفتار و عمل سے اس خدائی نعمت کو بیان کر۔

لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں "نعمت" سے مراد صرف معنوی نعمتیں ہیں، منجملہ ان کے نبوت یا قرآن مجید ہے کہ پیغمبر

اس کی تبلیغ کے ذمہ دار تھے، اور نعمت کو بیان کرنے سے مراد یہی ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ تمام مادی و معنوی نعمتوں کو شامل ہو۔

لہذا ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ آیت کا معنی اس طرح ہے:

حدث بما اعطاك الله، وفضلك، ورزقك، واحسن اليك وهداك:

"جو کچھ خدا نے تجھے بخشا ہے، برتری دی ہے، روزی عطا کی ہے، اور تیرے ساتھ

نیکی اور احسان کیا ہے اور تجھے ہدایت کی ہے، ان سب کو بیان کر"۔

۱ "منج الفصاحة" حدیث ۶۸۳

۲ "مجمع البيان" جلد ۱۰ ص ۵۰۷

اور بالآخر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دستور کلی کے عنوان سے آیا ہے :

”من اعطی خیراً فلعیر علیہ ، سحی یفیض اللہ معادیاً لنعم اللہ“

”جس شخص کو کوئی خیر و نعمت دی جائے ، لیکن اس کی شخصیت میں اس کے آثار نظر آئیں تو اُسے خدا کا دشمن اور اس کی نعمتوں کا مخالف شمار کرنا چاہیے۔“

ہم اس گفتگو کو : امیر المؤمنینؑ کی ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں ، آپ نے فرمایا :

”ان اللہ جمیل یحب الجمال ، ویحب ان یرى اثر النعمة علی عبده۔“

”خدا جمیل ہے اور وہ جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے ، اور اسی طرح سے وہ اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے آثار دیکھے۔“

چند نکات

۱۔ مصائب و آلام کے درمیان سے مبعوث ہونے والا پیغمبر اُردو والی آیات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی نعمتوں کی تشریح و تفصیل کو بیان کرتی ہیں ، ضمنی طور پر اس نکتہ کو بھی بیان کرتی ہیں کہ آپ بچپن کے آغاز سے ہی یتیم تھے ، مادی لحاظ سے سخت و شدید حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے ، مصائب و آلام میں گھرے ہوئے تھے اور انہیں مصائب میں مبعوث ہوئے تھے اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔

ایک خدائی اور انسانی رہبر کو زندگی کی تلخیوں کو چکھنا ، پریشانیوں کو ذاتی طور پر لمس کرنا ، اور اپنے سارے وجود کے ساتھ تلخیوں کا احساس کرنا چاہیے۔ تاکہ معاشرے کے محروم طبقات کی صحیح طور سے قدر کر سکے ، اور ایسے لوگوں کے حالات سے جو مصائب و آلام میں مبتلا ہیں باخبر ہو سکے۔

پھر بچپن میں ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو جائے ، تاکہ اپنے یتیم بچوں کی مصیبت سے باخبر رہے ، دن اس کے بھوک میں گزریں ، اور راتوں کو بھوکا سوئے تاکہ بھوکوں کے درد اور تکلیف کو اپنے سارے وجود کے ساتھ محسوس کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ کسی یتیم کو دیکھتے تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اُسے اپنی گود میں بٹلاتے تھے اس پر نلازش و شفقت کرتے تھے ، اور اپنی جان شریں کی طرح اپنی آغوش میں لے لیتے تھے۔

اور پھر اس نے معاشرے کے تمدن میں فقر کو اچھی طرح سے درک کیا ہو ، تاکہ جو لوگ علم و دانش کے حصول کے لیے اس کی خدمت میں آئیں ان کا احترام کرے ، اور کھلی آغوش کے ساتھ اُن کی پذیرائی کرے۔

نہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ شاید تمام کے تمام انبیاء مصائب اور محرومیوں کے پروردہ تھے ، اور نہ صرف انبیاء بلکہ تمام سچے اور موفق رہبر ایسے ہی ہوئے ہیں اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے۔

۱۔ ”تفسیر قرطبی“ جلد ۱۰ ص ۱۹۲ ، اسی معنی کے قریب قریب کافی جلد ۶۔ کتاب الزی والتجمل حدیث ۲ میں بھی آیا ہے۔

۲۔ فروع کافی جلد ۶ ص ۲۳۸ حدیث

جر
بھی کوئی خواہ
اور تمہیں
بڑھ سکتا
ایک

یعنی
مادہ کی آغوش
ایک
قدرت جو
سے کہا
اسی بنا پر
دلیل ہے
۲۔

چھ
اجتناب
ش
اور بہت
طرف سے
ممکن ہے
رکھنا چاہیے
اور ذرا

جس شخص نے ناز و نعمت کے درمیان پرورش پائی ہو، شان و شوکت والے عملوں میں مبتلا ہو سکتی ہو، اس سبب بھی کوئی خواہش کی ہو وہ پوری ہوگئی ہو، وہ محروم لوگوں کے درد و تکلیف کو کس طرح سے درک کر سکتا ہے، اور فقرا و مساکین کے کاشانی اور یتیموں کے گھروں کا منظر اس کی نظروں میں کیسے مجسم ہو سکتا ہے اور وہ ان کی کمک اور مدد کے لیے بنے تابی کے ساتھ کیسے آگے بڑھ سکتا ہے؟

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

”ما بعث الله نبيا قط حتى ليسترعيه الغنم ليعلمه بذلك رحمة الناس“

خدا نے ہرگز کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا جب تک اس سے بھیڑ بکریوں کی چوپائی

کا کام نہیں کرایا، تاکہ وہ اس طریقہ سے انسانوں کی نگہبانی کا طریقہ سیکھ سکیں۔

یعنی ایک تورنج و تکلیف برداشت کیا، دوسرے کم شعور افراد کے مقابلہ میں صبر و تحمل کا تجربہ کیا اور کوہ و صحرا اور فطرت و مادہ کی آغوش میں توحید و عرفان کے عظیم سبق حاصل کیے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”موسیٰ بن عمران“ نے اپنے خدا سے سوال کیا کہ میں کس بنا پر اس مقام تک پہنچا؟ خطا قدرت ہوا، کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب گوسفند کا ایک بچہ تیرے گلے سے بھاگ گیا تھا، تو اس کے پیچھے گیا اور اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا: اے حیوان! تُو نے اپنے آپ کو کیوں تھکا لیا؟ پھر تُو اس کو دوش پر اٹھا کر گوسفندوں کے گلدے میں واپس لے آیا، میں نے اسی بنا پر تجھے مخلوق کا سرپرست بنا دیا ہے۔ ایک جانور کے مقابلہ میں تیرا یہ عجیب و غریب تحمل و حوصلہ، تیری عظیم روحی قدرت کی دلیل ہے۔ لہذا تو اس عظیم مقام کے لائق ہے۔

۲. یتیموں پر نوازش و شفقت

چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کا وجود، جو بچپن میں اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہو چکے ہوں، ہر معاشرے میں اجتناب ناپذیر ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی کئی جہات سے حمایت ہونی چاہیے۔

شفقت و مہربانی کے لحاظ سے بہت سی محرومیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان کے وجود کا خلا اس لحاظ سے پر نہ ہو تو غیر صحیح و غیر سالم اور بہت سے مواقع پر سنگ دل، مجرم اور خطرناک بچے پروان چڑھتے ہیں۔ علاوہ ازیں عواطف انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام لوگ ان کی طرف معاشرے کے تمام بچوں کی طرح توجہ اور حمایت کریں۔ اور ان تمام باتوں سے قطع نظر لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں جو ممکن ہے انہیں حالات سے دوچار ہو جائیں، مطمئن ہوں۔

بہت سے موارد میں یتیم بچے ایسے مال کے مالک ہوتے ہیں جسے وقت و امانت کے ساتھ ان کے مستقبل کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اور بہت سے موارد میں ان کے ہاں مالی امکانات و وسائل کا فقدان ہوتا ہے۔ لہذا انہیں اس لحاظ سے بھی مورد توجہ ہونا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو، مہربان ماں باپ کی طرح، ان کی رُوح سے یتیمی کے رنج اور تکلیف کو دُور کرنا چاہیے اور تنہائی کے گرد و غبار کو ان کے

پھر سے ہٹا دینا چاہیے۔

اسی لیے قرآن مجید کی آیات، اور بہت سی اسلامی روایات میں اس مسئلہ پر تنبیہ ہو چکی ہے جس میں اخلاقی پہلو بھی معاشرتی اور انسانی پہلو بھی۔

یہ حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معروف ہے کہ آپ نے فرمایا:

”ان الیتیم اذا بکی اهتذلبکاتہ عرش الرحمن!“

”جب یتیم روتا ہے تو خدائے رحمان کا عرش لرز اٹھتا ہے۔“

”خدا اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ

مٹی میں رُوپوش ہو گیا ہے، کس نے رُلادیا؟ فرشتے کہتے ہیں: خدایا تو زیادہ بہتر

طور سے جانتا ہے۔ خدا فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کرکتا ہوں

کہ جو شخص اس کو رونے سے خاموش کرے گا، اور اس کے دل کو خوش کرے گا، میں

قیامت کے دن اسے خوش کروں گا۔“

اس سے بالاتر ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”اذا بکی الیتیم وقعت دموعہ فی کف الرحمن۔“

”جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو خدائے رحمان کے ہاتھ میں پڑتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنة اذا اتقی اللہ عزوجل وانشاء

بالسباۃ والوسطی۔“

”میں اور یتیم کا سرپرست ان دو کی طرح جنت میں ہوں گے، بشرطیکہ وہ خوف خدا

اور تقویٰ رکھتا ہو۔ پھر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔“

اس موضوع کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں یتیموں کی طرف توجہ

اور دھیان دینے کو نماز و قرآن کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”اللہ اللہ فی الایتام فلا تقبوا افواہہم ولا یضیعوا بحضرتکم۔“

”خدا کو یاد رکھو، خدا کو یاد رکھو! یتیموں کو کبھی سیر اور کبھی بھوکا نہ رکھو، اور تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں۔“

۱۔ ”مجمع السیاق“ جلد ۱۰ ص ۵۰۶۔

۲۔ ”تفسیر فخر رازی“ جلد ۳۱ ص ۲۱۹۔

۳۔ ”نور الثقلین“ جلد ۵ ص ۵۹۷ حدیث ۲۳۔

۴۔ ”نہج البلاغہ خط نمبر ۴۷ حصہ خطوط۔“

ایک حد
آپ کی خدمت
نے آپ کو کھا۔
نے کہ آپ
پیغمبر صلی

”معاذہ
(یتیم بچہ ہاجرین
پیغمبر صلی

آپ صلی

البتہ ایسے
ذکر کریں، بلکہ انہیں
اور انہیں اسلامی

۳۔ نعمتوں

وہ حکم جو
دکھانے اور فقر
اثرات رکھتا ہے

۱۔ ”مجمع السیاق

ایک حدیث میں پیغمبر کے ایک صحابی سے آیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم رسول خدا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: "میں ایک یتیم بچہ ہوں، میری ایک یتیم بہن ہے، اور ایک بیوہ ماں ہے، جو کچھ خدا نے آپ کو کھانے کے لیے دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلائیے تاکہ خدا کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے وہ آپ کو اس قدر دے کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں!"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹا تم نے کتنی اچھی بات کہی ہے! پھر آپ نے حضرت بلالؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا: جاؤ اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ لے آؤ۔ بلال اکیس خرے کے دانے لے آئے پیغمبر نے فرمایا: سات دانے تیرے لیے، سات دانے تیری بہن کے لیے اور سات دانے تیری ماں کے لیے۔"

"معاذ بن جبلؓ" اٹھے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا: خدا تیری یتیمی کی تلافی کرے اور تجھے اپنے باپ کا اچھا جانین بنائے۔ (یتیم بچہ ماہرین کی اولاد میں سے تھا)۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "معاذ" کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"تیرے اس کام کا کیا سبب تھا؟" اُس نے عرض کیا: محبت اور رحمت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص تم میں سے کسی یتیم کی سرپرستی اپنے ذمہ لے، اور اس کا حق ادا کرے، اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو خدا ہر مال کی تعداد میں اس کے لیے ایک نیکی تحریر کرے گا، اور ہر مال کی تعداد میں اس کی بُرائیوں کو محو کر دے گا، اور ہر مال کے بدلے اس کو ایک درجہ عطا کرے گا۔"

البتہ ایسے وسیع معاشروں میں جیسا کہ آج کے معاشرے میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں انفرادی کاموں پر قناعت نہ کریں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنی توانائیوں کو یکجا طور پر استعمال کرتے ہوئے یتیموں کو اقتصادی، علمی اور تربیتی پروگراموں کے ذریعے کارآمد بنائیں اور انہیں اسلامی معاشرے کے لائق افراد بنائیں۔ اور یہ اہم کام عمومی تعاون کا محتاج ہے۔

۳۔ نعمتوں کو بیان کرنا

وہ حکم جو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات میں بیان ہوا ہے، اگر وہ خدا کے شکر و سپاس کے عنوان سے ہو، اور خود کو بڑا کر کے دکھانے اور فخر کے عنوان سے نہ ہو، تو وہ نہ صرف انسان کو پروردگار کے مقام عبودیت میں تکامل و ارتقا بخشتا ہے اور اجتماعی مثبت اثرات رکھتا ہے، بلکہ خود انسان کی روح و جان میں بھی آرام بخش اثر چھوڑتا ہے۔

خدا کی نعمتوں کے ذکر کرنے سے انسان اپنے پاس کسی چیز کے کم ہونے کا احساس ہی نہیں کرتا، بیماری کا شکار نہ ہونے کا شعور نہ ہونے کا شعور، دوسرے اعضاء کی سلامتی پر شکر گزار ہوتا ہے، کسی چیز کے کھوئے جانے پر جزع و فزع نہ کرنے سے وہ اپنے باقی امکانات کو بیان کرتا ہے۔

اس قسم کے افراد زندگی کی سختیوں اور طوفانوں میں یاس و نا اُمیدی میں گرفتار نہیں ہوتے اور نہ ہی مضطرب و پریشان ہوتے ہیں۔ ان کی روح سکون و آرام میں، اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ اور مشکلات سے مقابلہ کرنے میں ان میں زیادہ توانائی ہوتی ہے۔ خداوند! تیری نعمتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انہیں بیان کیا جاسکے، ان کو ہم نے سلب نہ کرنا، اور اپنے فضل و کرم سے ان میں اضافہ فرماتا۔

پروردگارا! ہم اس دنیا میں تیرے احسان میں غرق ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اُس جہان میں بھی اسی طرح ہوں۔ بارالہ! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم ہمیشہ محروم لوگوں کے پشتیبان اور یتیموں کے حقوق کے محافظ ہوں۔

آمین یا رب العالمین
سورہ "والضحیٰ" کا اختتام

اختتام ترجمہ

قم عکس بر مکان حقیر

۱۳ رمضان ۱۴۰۸ھ بروز ہفتہ

گیارہ بج کر اکتالیس منٹ صبح

سُورَةُ الْمُرْشِحِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا

❖ اس میں ۸ آیات ہیں

حال دشادمان۔
لیکن یہ استدلال
میں ہی مشکلات کو
تجربہ اور مشکلات سے
بہر حال ان دو
روز قریش میں بھی آ۔
اس بار سے
ازل ہوا ہے، لیکن آ
یہ مدینہ میں نازل ہوا۔
یہ ہے کہ یہ دلیل اطمینان
پہنچی تھی، اور تمام محفلوں
ذریعے یہ شہرت حجاز۔
اس سورہ کی تلاوت

سورہ "الم نشرح" کے مضامین اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ، سورہ والضحیٰ کے بعد نازل ہوا ہے اور اس کے مضامین بھی اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ اس سورہ میں بھی پھر سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی نعمتوں کے ایک حصہ کو شمار کیا گیا ہے۔ حقیقت میں تین قسم کی عظیم نعمتیں سورہ والضحیٰ میں آئی تھیں، اور تین ہی عظیم نعمتیں سورہ الم نشرح میں آئی ہیں۔ گزشتہ نعمتوں میں تو بعض مادی اور بعض معنوی تھیں، لیکن اس سورہ کی تمام نعمتیں معنوی پہلو رکھتی ہیں اور یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین موردوں کے گرد گردش کرتا ہے:

ایک تو انہی تینوں نعمتوں کا بیان ہے، دوسرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقبل میں ان کی دعوت کی مشکلات کے برطرف ہونے کے لحاظ سے بشارت ہے، اور تیسرا خداوند یگانہ کی طرف توجہ اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف توجہیں و ترغیب۔

اسی بنا پر روایات اہل بیت ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی سورہ شمار ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرأت نماز میں اس بنا پر کہ ایک مکمل سورت پڑھی جائے، دونوں کو اکٹھا پڑھتے ہیں۔

اہل سنت میں بھی بعض حضرات اسی نظریہ کے طرف دار ہیں جیسا کہ فخر رازی نے طاووس اور عمر بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورت ہیں اور وہ ایک رکعت میں دونوں کو تلاوت کیا کرتے تھے، البتہ وہ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ کو حذف کر دیتے تھے۔ (لیکن ہمارے فقہاء کے مطابق بسم اللہ دونوں میں ہونا چاہیے، اور یہ جو مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ ہمارے فقہاء بسم اللہ کو حذف کرتے ہیں درست نظر نہیں آتا۔)

تعجب کی بات یہ ہے کہ فخر رازی ان لوگوں کا قول نقل کرنے کے بعد جو ان دونوں کو ایک سورہ کہتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سورہ والضحیٰ اس وقت نازل ہوا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی اذیت رسانی سے پریشان تھے اور سختی اور غم و اندوہ میں بسر کر رہے تھے، حالانکہ دوسری سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ پیغمبر

خوش حال و شادمان تھے، تو یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟
لیکن یہ استدلال عجیب ہے کیونکہ دونوں سورتیں پیغمبر کی گزشتہ زندگی کی بات کر رہی ہیں، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ
بہت سبب مشکلات کو دیکھے چھوڑ چکے تھے، اور آپ کا پاک دل امید و سرور میں غرق تھا۔ یہ دونوں سورتیں خدا کی نعمتوں کی بات کر رہی ہیں، اور
سنجی اور مشکلات سے پر ماضی کی یاد دلا رہی ہیں، تاکہ پیغمبر کے دل کی تسلی اور زیادہ سے زیادہ کامل امید کا باعث ہو۔
بہر حال ان دونوں سورتوں کے مضامین کا قریبی تعلق ایسی چیز نہیں ہے جو شاک اور تروید کے قابل ہو، اسی معنی کی نظیر سورہ فیل اور
سورہ قریش میں بھی آئے گی۔ انشاء اللہ:

اس بارے میں کہ یہ سورہ (الم نشرح) مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، اوپر والے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مکہ میں
نازل ہوا ہے، لیکن آیہ ورفعلنا لک ذکرک ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ کی طرف توجہ کرتے ہوئے بعض کا نظریہ یہ ہے کہ
یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے، اس وقت جب کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ لیکن انسان
یہ ہے کہ یہ دلیل اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ پیغمبر کی شہرت، ان تمام مشکلات کے باوجود، جو آپ کو مکہ میں درپیش تھیں، ہر طرف پھیل
چکی تھی، اور تمام محفلوں میں آپ کے قیام، رسالت اور دعوت کے بارے میں چرچے ہو رہے تھے اور حج کے سالانہ اجتماع کے
ذریعے یہ شہرت حجاز کے دوسرے علاقوں خصوصاً مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

” من قرأها اعطی من الاجر کمن لقی محمداً ص مغتماً ففرج عنه “

” جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا، جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کو ملگین دیکھا اور آپ کے قلب مبارک سے غم و اندوہ کو دور کیا ہو۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَلْمُنْشَرِحُ لَكَ صَدْرَكَ ۝
- ۲۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝
- ۳۔ الَّذِيْ اَقْرَضَ ظَهْرَكَ ۝
- ۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
- ۵۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
- ۶۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
- ۷۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝
- ۸۔ وَاِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

ترجمہ

- ۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۲۔ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟
- ۳۔ اور تجھ سے بھاری بوجھ برطرف نہیں کیا؟
- ۴۔ وہی بوجھ جو تیری پشت کو جھکائے دے رہا تھا۔

۴-

۵-

۶-

۷-

۸-

تلف

ہم

آیات

رکھتا ہے۔

پہلی آ

(الم نشرح)

"نشر"

اور زیادہ نازک

کے ذریعے ا

نقعی معانی کی د

وہ پیغمبر صلی اللہ

کے طریق سے

کے تحمل و ا

اسی-

"فرعون کے

میرے سینہ

دوسر

- ۴- اور تیرے ذکر کو ہم نے بلند کیا۔
 ۵- اس بنا پر یقینی طور پر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
 ۶- اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
 ۷- پس جب تو ایک اہم کام سے فارغ ہو جائے تو دوسری ہم کو شروع کر دے۔
 ۸- اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ اور رغبت کر۔

تفسیر ہم نے تجھے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں

آیات کاتب و لہجہ پروردگار کے حد سے زیادہ لطف و محبت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی و دلداری کے پہلو رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں خدا کی اہم ترین نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟" (الم نشرح لك صدرک)۔

"نشرح" "شرح" کے ماوہ سے، مفردات میں راغب کے قول کے مطابق اصل میں گوشت کے ٹکڑوں کو کشادہ کرنے اور زیادہ نازک اور پتلے ورق بنانے کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ شرح صدر سے مراد نور الہی اور خدا داد سکون آرام کے ذریعے اس کو دلچ کرنا ہے، اور اس کے بعد کہتا ہے: گفتگو اور کلام کی مشکلات کی شرح کرنا، اس کو پھیلانے اور اس کے معنی معانی کی وضاحت کرنے کے معنی میں ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں شرح صدر سے مراد اس کا کٹائی معنی ہے۔ اذ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح و فکر کو وسعت دینا ہے اور یہ وسعت ممکن ہے کہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہو جو وحی و رسالت کے طریق سے پیغمبر کے وسعت علم کو بھی شامل رکھتا ہو اور دشمنوں اور مخالفین کی ہٹ دھرمیوں اور کارکنوں کے مقابلہ میں آپ کے تحمل و استقامت میں وسعت و کشادگی کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہو۔

اسی لیے جب موسیٰ علیہ السلام بن عمران فرعون جیسے سرکش کی دعوت پر مامور ہوئے، اذہب الی فرعون انه ظنی فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے، تو بلا فاصلہ عرض کرتے ہیں: رب اشح لی صدري و لیستر لی امری پروردگار میرے سینہ کو کشادہ کر دے اور میرے کام کو آسان کر دے۔ (ظلا - ۲۵ - ۲۶)

دوسرے مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الموت

اب جب کہ یہ حال ہے تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہو، اور استقامت اور صبر و شکیبائی اختیار کر اور یونس کی طرح (جو ضروری و لازمی صبر و شکیبائی کو ترک کرنے کی بنا پر ان تمام مشکلات اور تلخیوں میں گرفتار ہوا)۔ (قم - ۲۸)

شرح صدر حقیقت میں ضیق صدر کا نقطہ مقابل ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیت ۹۷ میں آیا ہے۔ ولقد لعننا انک صدرک بما یقولون : ” ہم جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی (مغرضانہ) باتوں سے تنگ ہو جاتا ہے۔“ اصولی طور پر اگر رہبر شرح صدر کے بغیر مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور وہ شخص جن کی رسالت سب سے زیادہ عظیم ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر علیہ وآلہ وسلم کی تھی) تو اس کا شرح صدر سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ابتلاؤں کے طوفان اس کی رُوح کے سمندر کے سکون کو درہم و برہم نہ کریں، اور مشکلات سے اس کے گھٹنے نہ بھک جائیں، دشمنوں کی کارشکنیاں اسے مایوس نہ کریں، پیچیدہ کے سوالات اُسے ہر طرف سے مجبور کر کے لاجواب نہ کر دیں، اور یہ خدا کا رسول اللہ کے لیے ایک عظیم ترین ہدیہ تھا۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”میں نے اپنے پروردگار سے ایک درخواست کی، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ یہ درخواست نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے پہلے پیغمبروں میں سے بعض کو ہوا کہ چلنے پر اختیار دیا، بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خدا نے مجھ سے فرمایا : کیا تُو تئیم نہیں تھا تو میں نے تجھے پناہ دی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا : کیا تُو گشادہ نہیں تھا، میں نے تجھے ہدایت کی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار! فرمایا : کیا میں نے تیرے سینہ کو کشادہ اور تیری پشت کے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار! ۱۰

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ”شرح صدر“ کی نعمت انبیاء کے معجزات سے مافوق تھی، اور واقعاً اگر کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے اور آپ کے شرح صدر کا اندازہ آپ کی زندگی کے فُور کے سخت اور پیچیدہ حوادث سے لگائے، تو وہ یقین کر لے گا کہ یہ چیز عام طریقہ سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تاسیہ الہی اور توفیق ربانی ہے۔

اس مقام پر بعض نے یہ کہا ہے کہ اس شرح صدر سے مراد وہی حادثہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن یا جوانی میں پیش آیا تھا کہ آسمان سے فرشتے اُترے، آپ کا سینہ شکافتہ کیا، آپ کے دل کو باہر نکال کر اُسے پاک و صاف کیا، اور اس کو علم و دانش اور رافت و رحمت سے بھر دیا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ جسمانی دل نہیں ہے، بلکہ یہ روحانی اور پیغمبر کے عزم و ارادہ کی تقویت اور اس کی ہر قسم کے اخلاقی نقائص اور دوسرے شیطانی سے پاک سازی کے لحاظ سے، خدائی امدادوں کی طرف، ایک کنایہ اور اشارہ ہے۔ لیکن بہر حال ہمارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ زیر بحث آیت خاص طور پر اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، بلکہ

کا ایک وسیع مضمون ہے کہ یہ داستان بھی اس کا ایک مصداق شمار ہو سکتی ہے۔

اسی شرح صدر کی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی مشکلات کو اعلیٰ ترین صورت میں برداشت کیا اور اس طریقہ میں بی ذمہ داریوں کو بھی طرح سے نبھایا۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ”کیا ہم نے میرے سنگین بوجھ کو اٹھا نہیں لیا؟“ (ووضعنا عنک وزرک)۔

”دہی بوجھ جو تیری پشت پر سخت گرانی کر رہا تھا“ (الذی انقض ظھرك)۔

”وزر“ لغت میں بوجھ کے معنی میں ہے۔ ”وزیر“ کا لفظ بھی اسی معنی سے مشتق ہوا ہے چونکہ وہ حکومت کے سنگین بوجھ اپنے کندھے پر اٹھاتا ہے۔ اور گناہوں کو بھی اسی بنا پر ”وزر“ کہتے ہیں، کیونکہ وہ گنہگار کے دوش پر ایک سنگین بوجھ ہوتا ہے۔ ”انقض“ ”نقض“ کے مادہ سے، رسی کی گرہ کو کھولنے کے معنی میں ہے، یا کسی عمارت کے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے حصوں کو الگ کرنے کے معنی میں ہے، اور ”انتقاض“ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی عمارت کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے وقت کان میں پڑتی ہے۔ یا مکر کے مہروں کی اس آواز کو کہتے ہیں جو سنگین بوجھ کے زیر بار آنے کے وقت آتی ہے۔

یہ لفظ عہد و بیمان اور معاہدوں کو توڑنے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے نقض عہد کیا۔

اس طرح اوپر والی آیت یہ کہتی ہے کہ: ”خدا نے وہ سنگین اور کمزور کرنے والا بوجھ تجھ سے اٹھالیا“

یہ کون سا بوجھ تھا جو خدا نے پیغمبر کی پشت سے اٹھالیا؟ آیات کے قرائن اس بات کی اچھی طرح نشان دہی کرتے ہیں کہ اس مراد وہی رسالت و نبوت اور توحید و یکتا پرستی کی طرف دعوت کی مشکلات، اور اس آلودہ ماحول سے فساد کے آثار کو ختم کرنا ہے، نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ سارے کے سارے انبیاء کا دعوت کے آغاز میں اس قسم کے عظیم مشکلات سے سامنا رہا، اور وہ صرف ندرائی امدادوں سے ہی ان پر کامیاب ہوتے تھے، البتہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماحول اور زمانہ کے حالات کئی بہت سے زیادہ سخت اور زیادہ سنگین تھے۔

بعض نے ”وزر“ کی تفسیر آغاز نزول میں وحی کے بار سنگین کے معنی میں بھی کی ہے۔

بعض نے مشرکین کی ضلالت و گمراہی اور عناد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ بھی۔

اور بعض نے ان کی حد سے زیادہ اذیت و آزار سے۔

اور بعض نے اس غم و اندوہ سے جو آپ کے چچا حضرت ابوطالب اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ کی وفات سے پیدا ہوا تھا۔

اور بعض نے گناہ سے عصمت و پاکیزگی کے سلسلے سے تفسیر کی ہے۔

لیکن ظاہراً وہی پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے اور یہ سب اس کے شاخ و برگ ہیں۔

اور تیسری نعمت کے بارے میں فرماتا ہے: ”ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا“ (ورفعنا لک ذکرک)۔

”رفع“ کا ثبیر ”وضع“ کے بعد اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہاں ایک خاص لطف دیتی ہے۔

تیرا نام اسلام اور قرآن کے نام کے ساتھ ہر جگہ پہنچا، اور اس سے بہتر یہ ہے کہ تیرا نام ہر صبح و شام اذان کے گزرتوں پر اور اذان کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور تیری رسالت کی شہادت خدا کی توحید و یگانگت کی شہادت کے ساتھ اسلام کا نشان اور اس پاک دین کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور رفعت مقام کا اس سے بالاتر تصور اور کیا ہوگا؟
ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”جبرئیل نے مجھ سے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس وقت میرا نام لیا جاتا ہے تو اس وقت تیرا نام بھی میرے ہی ساتھ لیا جاتا ہے۔“ (اور تیرے مقام کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے)

”لن“ (تیرے لیے) کی تعبیر اس بات کی تاکید کے لیے ہے کہ ہم نے تیرے نام اور شہرت کو ان تمام کارکنینوں اور دشمنیوں کے باوجود بلند کیا۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے، جب کہ اسلام کا پھیلنا اور پیغمبر کے کاندر سے رسالت کے بوجھ کا ہلکا ہونا اور اطراف عالم میں آپ کے نام کا بلند ہونا اندیز میں ہوا ہے۔

اس سوال کے جواب میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی بشارت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے دے دی گئی تھی، اور اسی چیز نے آپ کے دل سے غم و اندوہ کا بوجھ ہٹا دیا تھا۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ یہاں فعل ”ماضی“ ”مستقبل“ کا معنی دیتا ہے، اور یہ آئندہ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ ان امور میں سے بعض، مکہ میں ہی، خصوصاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیرہ سالہ دور کے آخری حصہ میں ہی، جب کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں لوگوں کو دعوت دینے میں مشغول تھے، پورے ہو چکے تھے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایمان و اسلام نفوذ کر چکا تھا اور مشکلات نسبتاً کم ہو چکی تھیں، اور پیغمبر اکرم کا نام اور کام ہر جگہ پہنچ چکا تھا، اور آئندہ کی عظیم کامیابیوں کی تمہید فراہم ہو چکی تھی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ”حسان بن ثابت“ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور شاعر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اس آیت کے مضمون کی طرف بڑے خوبصورت انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”وَضَمَّ الْإِلَٰهَ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ

إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَدَّنِ اشْهَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْلَهُ

فَذَوَّالْعَرْشِ ”مُجْمُودٌ“ وَهَذَا ”مُحَمَّدٌ“

”خدا نے پیغمبر کا نام اپنے نام کے ساتھ ضم کر دیا ہے“

جب کہ مؤذن پانچ مرتبہ اشہد... کہتا ہے۔

بعد
کتاب ہے
اس
غم
نازی محروم
جو
جس دن
راہ حق کو
اگر
کے مفہوم
اختصاص
اور یہ تمار
یہاں تک
ہا
کے ساتھ
=
کو انسان

اس نے اپنے نام سے اس کے نام کو مشتق کیا ہے تاکہ اس کا احترام برقرار رکھے۔
لہذا صاحب عرش خدا تر "محمود" ہے اور وہ "محمد" ہے۔
"سیمرغ فہم ہیچس از انبیاء زلفت
آنجا کہ تو بہ بال کرامت پریدہ امی"
"ہر یک بقدر خویش بجائی رسیدہ اند
آنجا کہ جائے نیست بجائی رسیدہ امی"

انبیاء میں کسی کا بھی طائر فکر و فہم وہاں تک نہیں پہنچا
جہاں آپ کرامت و بزرگی کے پر وبال سے پہنچے ہیں
ان میں سے ہر ایک اپنی قدر و منزلت کے ایک مقام تک پہنچا ہے
جہاں کسی کے لیے کوئی مقام نہیں ہے آپ اس مقام پر پہنچے ہیں
بعد والی آیت میں اپنے پیغمبر کو اہم ترین بشارت دیتا ہے اور آپ کے قلب پاک میں اُمید کے انوار کی روشنی پیدا
کرتا ہے اور فرماتا ہے: "یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے" (فان مع العسر یسرًا)۔
اس کے بعد پھر تاکید کرتا ہے: "یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے" (ان مع العسر یسرًا)۔
غم نہ کھاؤ یہ مشکلات اور سختیاں ایسی شکل میں باقی نہیں رہیں گی، دشمنوں کی کارکنیاں ہمیشہ کے لیے جاری نہیں رہیں گی اور
نازی محرومیاں، مآقتضادی مشکلات اور مسلمانوں کا فقر و فاقہ اس صورت میں باقی نہیں رہے گا۔
جو شخص مشکلات کو برداشت کرتا ہے، اور طوفانوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا ہے، وہ ایک دن اس کا میٹھا پھل بھی کھاتا ہے۔
جس دن دشمنوں کی چیخ و پکار بند ہو جائے گی، اور ان کی کارکنیاں ختم ہو جائیں گی، ترقی و تکامل کے راستے صاف ہو جائیں گے اور
راہِ حق کو طے کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگرچہ بعض مفسرین نے ان آیات کو ظہور اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کے عمومی فقر و فاقہ کی طرف اشارہ شمار کیا ہے لیکن آیات
کے مفہوم کی وسعت تمام مشکلات کو شامل ہے۔ یہ دونوں آیات اس طرح سے پیش کی گئی ہیں کہ نہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ
اختصاص رکھتی ہیں اور نہ ہی آپ کے زمانہ سے، بلکہ یہ ایک قاعدہ کلی کی صورت میں اور سابقہ مباحث کی ایک علت کے طور پر پیش کی گئی ہیں
اور یہ تمام مخلص مومن اور سعی و کوشش کرنے والے انسانوں کو نوید اور خوش خبری دیتی ہیں کہ ہمیشہ سختیوں کے ساتھ آسانیاں ہوتی ہیں،
یہاں تک کہ "بعد" کی تعبیر نہیں کرتا بلکہ "مع" (ساتھ) کی تعبیر کرتا ہے، جو ہمراہ ہونے کی علامت ہے۔
ہاں! اسی طرح ہے، ہر مشکل کے ساتھ آسانی ملی ہوئی ہے اور ہر سختی کے ساتھ سہولت ہے، یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے
کے ساتھ رہے ہیں اور رہیں گے۔

یہ ایسی نوید اور وعدہ الہی ہے، جو دل کو نور و صفا بخشتا ہے، اور کامیابیوں کا اُمیدوار بناتا ہے، اور یاس و نا اُمیدی کے گرد و غبار
کو انسان کے صفحہ رُوح سے صاف کر دیتا ہے۔
حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”واعلموا ان مع العسر لیسرًا، وان مع الصبر النصر، وان الفرج مع الكرب“:

”جان لو کہ سختیوں کے ساتھ آسانی ہے، اور صبر کے ساتھ کامیابی ہے، اور غم و اندوہ کے ساتھ کشائش و خوش حالی ہے۔“

ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے:

”ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ وہ مجھے کوئی خرچہ نہیں دیتا، جب کہ اس کا شوہر واقعتاً تنگ دست تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے شوہر کو زنداں میں ڈالنے کی بجائے اس کے جواب میں فرمایا: ان مع العسر لیسرًا (اور اُسے صبر کی تلقین کی)۔“

ہاں!

صبر و ظفر ہر دو دوستان قدیمند

بر اثر صبر نوبت ظفر آید

”صبر اور کامیابی دونوں قدیمی دوست ہیں

صبر کے بعد ہی کامیابی کی نوبت آتی ہے“

اس کے بعد اس سورہ کی آفری آیت میں فرماتا ہے، ”پس جب تم کسی اہم کام سے فارغ ہو جاؤ تو دوسرے کام میں لگنا“ (فاذا فرغت فانصب)۔

ہرگز بھی بیکار نہ رہو، تلاش و کوشش کو نہ چھوڑو، ہمیشہ جدوجہد میں مشغول رہو، اور ہر اہم کام کو ختم کرنے کے ساتھ ہی دوسرے اہم کام کو شروع کر دیا کرو۔

اور ان تمام حالات میں خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ رکھو۔ (والی سربك فاصغب)۔

اس کی رضا و خوشنودی طلب کر اور اس کے قرب و جوار کی طرف جلدی کرو۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو ہر نم سے فارغ ہونے اور دوسری اہم کام کو شروع کرنے

کو شامل ہے، اور تمام کوششوں کا رخ پروردگار کی طرف کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن بہت سے مفسرین نے اس آیت کے لیے محدود معانی ذکر کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اس کے ایک مصداق کے عنوان سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

عاجز و ضعیف (مجاہد و قسطلانی) جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ ”العسر“ میں الف و لام جنس کے لیے ہے، اور حمد کے لیے نہیں ہے اور ”لیسر“ کا لفظ اگرچہ نکرہ کی صورت میں ذکر ہوا ہے لیکن وہ بھی جنس کے معنی دیتا ہے، اور ایسے مقام پر نکرہ ہونا عظمت کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ۱۱۱
۱۳، ۱۱ حدیث ۶۰۴

۱۳، ۱۱ حدیث ۶۰۴ ص ۶۰۴

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تو واجب نماز سے فارغ ہو جائے تو دعائیں مشغول ہو جا، اور خدا سے درخواست کر کہ وہ تیری حاجت کو پورا کر دے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو فرض سے فارغ ہو جائے تو نافلہ شب کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دنیا کے کاموں سے فارغ ہو جائے تو آخرت کے امور، عبادت اور اپنے پروردگار کی نماز میں مشغول ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو واجبات سے فارغ ہو جائے، تو ان سختیوں کی طرف توجہ کر جن کا خدا نے حکم دیا جائے۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو دشمن سے جہاد کرنے سے فارغ ہو جا۔ تو جہاد نفس کے لیے کھڑا ہو جا۔

یا یہ کہا ہے کہ جب تو ادائے رسالت سے فارغ ہو جائے تو شفاعت کی درخواست کرنے کے لیے کھڑا ہو جا۔

متعدد روایات میں 'جنہیں اہل سنت کے مشہور عالم حافظ "حاکم حرکانی" نے "شواہد التنزیل" میں نقل کیا ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یعنی: "جب تو فارغ ہو جائے تو علیٰ کی ولایت کے لیے نصب کر دے؛"

قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں بعض سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تو فارغ ہو جائے تو اس امام کو جو تیرا جانشین ہے نصب کر دے؛ (اگرچہ مفتر مذکور نے خود اس معنی کو قبول نہیں کیا)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیہ شریفہ میں فراغت کا موضوع معین نہیں ہوا ہے، اور "فانصب" نصباً

کا مادہ سے انصب کے وزن پر تعب اور زحمت کے معنی میں ہے، یہ آیت ایک ہمہ گیر اصل کلی کو بیان کرتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر کو کسی امر مهم کے ختم ہونے کے بعد آرام سے بیٹھ جانے سے روکے اور انہیں ایک نمونہ اور مثال کے طور پر زندگی میں ہمیشہ مسلسل طور پر سعی و کوشش میں مصروف رہنے کی تلقین کرے۔

اس معنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ اُد پر والی تمام تفاسیر صحیح ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک اس وسیع ادا

عام معنی کے ایک مصداق کے عنوان سے ہے۔

اور کیا ہی اصلاحی اور مؤثر پروگرام ہے، جس میں کامیابی اور تکامل و ارتقا کی رمز چھپی ہوئی ہے۔ اصولی طور پر بیکار رہنا اور

مکمل طور پر فارغ ہو کر بیٹھ رہنا تھکاوٹ، خوشی کے کم ہونے اور سستی و فرسودگی کا سبب ہوتا ہے، اور بہت سے مواقع میں فساد و تباہی اور انواع و اقسام کے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اعداد و شمار اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی تعطیلات کے زمانے میں بعض

اوقات فتنہ و فساد کی تعداد سات گنا تک پہنچ جاتی ہے۔

بہر حال یہ سورہ مجموعی طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی خاص عنایت اور مصائب و آلام میں تسلی اور رسالت کے

۱۔ شواہد التنزیل جلد ۲ ص ۳۴۹ (احادیث ۱۱۱۶ تا ۱۱۱۹)۔

۲۔ قرطبی جلد ۱۰ ص ۱۹۹

کام کی مشکلات اور نشیب و فراز کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کی تائید و نصرت کا وعدہ ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تائید اور راہ حق پر چلنے والوں کے لیے ایک امید بخش، اصلاحی اور حیات آفرین مجموعہ ہے۔

چند نکات

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، متعدد روایات میں آیا ہے کہ (ایک اہم مصداق کے بیان کے عنوان سے) "خاندانِ حضرت فاطمہؑ کی آیت سے مراد کارِ رسالت کی انجام دہی کے بعد امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام کو خلافت کے لیے نصب کرنا ہے۔" "آلوسی" "روح المعانی" میں بعض امامیہ (شیعہ) کی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، انہوں نے "خانص" کو "ص" کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو بھی تو وہ اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ اس سے علی بن ابی طالبؑ کو نصب کرنا مراد ہو۔ اس کے بعد وہ زخمشیری کی کشف سے نقل کرتا ہے کہ اگر شیعہوں کے لیے اس قسم کی تفسیر ممکن ہو تو "ناصبی" (دُشمنانِ علیؑ) بھی اس کی نصب کے دستور کے عنوان سے (بعض علی بن ابی طالبؑ کے معنی میں) تفسیر کر سکتے ہیں۔

کیونکہ "انصب" (ص کی زبر کے ساتھ) خود کو مشقت میں ڈالنے اور جدوجہد کرنے کے معنی میں آیا ہے، جب کہ انصب (ص کی زیر کے ساتھ) نصب کرنے، اُپر لے جانے اور قائم کرنے کا حکم دینے کے معنی میں ہے۔

ان مفسرین نے یہ خیال کر لیا ہے کہ شیعہ مسئلہ ولایت پر استدلال کرنے کے لیے آیت کی قرأت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی تبدیلی کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مذکورہ تفسیر کے لیے وہی مشہور اور جانی پہچانی قرأت ہی کافی ہے کیونکہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسالت کے اہم امر سے فارغ ہو جانے کے بعد دوسرے اہم امر کے لیے جیسا کہ ولایت ہے، سعی و کوشش کر اور یہ ایک اعتبار سے مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ پیغمبرؐ مشہور حدیث غدیر اور دوسری بہت سی احادیث کے مطابق، جو تمام علماء اسلام کی کتابوں میں آئی ہیں، ہمیشہ مسلسل طور پر کوشش کرتے رہتے تھے، لیکن کتنی قابل افسوس اور دکھ دینے والی بات ہے کہ زخمشیری جیسا عالم جو علیؑ علیہ السلام کو پیغمبرؐ کا چوتھا جانشین اور اسلام کا عظیم پیشوا سمجھتا ہے، یہ کہنے کے لیے تیار ہو گیا کہ "ناصبی بھی یہ حق رکھتے ہیں کہ آیت کو علی بن ابی طالبؑ کے بعض کے ساتھ تفسیر کریں، یہ کتنی رکیک اور چھپنے والی تعبیر ہے؟ وہ بھی ایسے مفسر سے؟

واقعاً تعصب بھی کیسے کیسے گل کھلاتا ہے؟

۲۔ مشہور معترضی عالم "ابن ابی الحدید" نے "نجم البلاغہ" کی شرح میں "زبیر بن بکر سے جو اس کے قول کے مطابق نہ شیعہ تھا اور نہ ہی معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا، بلکہ علیؑ سے جدا ہو کر گوشہ گیر ہو گیا تھا، اور آپ کے مخالفین سے جا ملا تھا، روایت کی ہے کہ وہ مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے سے نقل کرتا ہے کہ میرا باپ "مغیرہ" معاویہ کی عقل اور سمجھ کے بارے میں بہت باتیں کیا کرتا تھا اور اس کے طرز فکر پر حیران ہوا کرتا تھا، لیکن ایک رات وہ اس کے پاس سے بہت ہی غمگین اور پریشانی کی حالت میں آیا، میں سمجھ گیا کہ کوئی اہم سلسلہ پیش آ گیا ہے، میں نے اس سے سوال کیا تو اس نے معاویہ کو سخت بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا

آج رات جب میں اور وہ خلوت میں تھے تو میں نے اس سے کہا، تو جس مقام اور تہذیب کا خواہش مند تھا وہ تو نے حاصل کر لیا ہے۔ اب تو عدل و انصاف اور نیکی کرنے میں کوشش کر، کیونکہ تیری عمر بھی اب بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ لہذا بنی ہاشم کے بارے میں بھی نیکی کر، کیونکہ اب تجھے ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اور یہ بات تیرے لیے نیک نامی کا سبب بن جائے گی۔

تو اس نے جواب میں کہا، ہیہات اب میرے لیے کون سی نیک نامی باقی رہ جائے گی، خلیفہ اول و دوم نے کتنے کام کیے تو ان کا کون سا نام باقی رہ گیا، لیکن تم "ابن ابی کبشہ" (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھو کہ لوگ اس کا نام ہر روز پانچ مرتبہ پکارتے اور ان پر "اشھد ان محمدًا رسول اللہ" کی صورت میں لیتے ہیں، اے بیچارے! اب اس کے بعد کون سا کام باقی رہ گیا ہے اور ہمارا کون سا نام باقی رہ جائے گا، نہیں خدا کی قسم نہیں، سوائے اس صورت کے کہ یہ حالت بدل جائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دفن ہو جائے۔

لیکن ورفعنالك ذکرک کے مقتضی کے مطابق خدا نے چاہا کہ یہ مبارک نام ساری دُنیا کے تاریخ اور تمام عالم بشریت میں بلند اور مشہور رہے، چاہے دوسرے لوگ پسند کریں یا پسند نہ کریں؟ خوش ہوں یا ناخوش؟ اگر ہم ان تعبیرات کو کھول کر دیکھیں تو ان کا کیا معنی ہوگا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

خداوند! ہمارے دل کو حجت ذات سے خالی کر دے اور اپنے عشق و محبت سے پُر کر دے۔

پروردگارا! تو نے خود وعدہ دیا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ راحت اور آسودگی ہے، اس زمانہ کے مسلمانوں کو ان عظیم اور سخت مشکلات سے جو دشمنوں کی طرف سے انہیں پہنچ رہی ہیں، آسودہ کر دے۔

بارالہا! تیری نعمتیں اور مواہب ہم پر بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں ان کی شکر گزاری کی توفیق مرحمت فرما۔

آمین یا رب العالمین

سورہ "المشرح" کا اختتام

اختتام ترجمہ تم مقصد برکان حقیر

پرنے چھ بجے شام پودہ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

احقر صفدر حسین نجفی

۱ شرح نہج البلاغہ جلد ۵ ص ۱۲۹۔ (ابن ابی الحدید کی عبارت یہاں اس طرح ہے: "فای عمل یبقی؟ وای ذکر یدوم بعد هذا؟

لا ایاک، لا واللہ الا دفنک دفناً! "

آشرف نگارش
اہلِ تسلیم کی ایک جماعت

زیرِ نظر
استاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ

جلد ۱۵

ترجمہ
حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی حیدرآبادی مدظلہ

زیرِ سرپرستی
حضرت آیت اللہ العظمیٰ الحاج سید علی رضائستانی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

10/10/10

سُورَةُ التِّينِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں

کے شرف
اور خدا کی
ایک

گئی ہے

لہ

سُورَةُ التِّينِ کے مطالب اور فضیلت

یہ سُورہ حقیقت میں انسان کی خلقتِ زیبا، اور اس کے تکامل و ارتقا اور انحطاط و پستی کے گرد گھومتا ہے اور یہ تطلبِ سُورہ کے شروع میں پُر معنی قسموں کے ساتھ شروع ہوا ہے، اور انسان کی نجات اور کامیابی کے عوامل کو شمار کرنے کے بعد آخر میں سکہ معاد اور خدا کی حاکمیتِ مطلقہ کی تاکید پر ختم ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها اعطاه الله نخصلتين : العافية واليقين مادام في دار الدنيا“

فاذا مات اعطاه الله من الاجر بعدد من قرأ هذه السورة صيام يوم !“

” جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا جب تک وہ دنیا میں رہے گا خدا اس کو دو نعمتیں عطا

کرنے گا : سلامتی اور یقین، اور جب دنیا سے رخصت ہو جائے گا، تو ان تمام لوگوں

کی تعداد کے برابر جنہوں نے اس سُورہ کو پڑھا ہے، اُن سب کے ایک دن کے روزہ کا

ثوابِ اجر کے طور پر اُسے عطا کرے گا۔“

یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور آیت ”وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“ جس میں اسمِ اشارہ قریب کے ساتھ مکہ کے شہر کی قسم کھائی

گئی ہے اس کی دلیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱-۳
۲-۴
۳-۵
۴-۶
۵-۷
۶-۸

تفسیر

ہم

اس سورہ

فرماتا ہے

" اور طور

اور اس ا

"تین"

اس بارے

اگرچہ بعض

بعض کا نظریہ یہ ہے

اور خدا کے بزرگ ہیں

بعض نے "د

ہیں ہے، تو

نے یہ کہا ہے

- ۱- وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۝
- ۲- وَطُورِ سِينِينَ ۝
- ۳- وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝
- ۴- لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝
- ۵- ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝
- ۶- إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ
- غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝
- ۷- فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدَ الْدِّينِ ۝
- ۸- أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱- انجیر اور زیتون کی قسم (یا سرزمین شام اور بیت المقدس کی قسم)۔
- ۲- اور طور سینین کی قسم۔

- ۱۔ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم۔
- ۲۔ کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہترین نظام میں پیدا کیا ہے۔
- ۵۔ پھر ہم نے اُسے پست ترین مرحلہ کی طرف لوٹا دیا۔
- ۶۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے، تو ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔
- ۷۔ پس ان تمام چیزوں کے باوجود تیرے روزِ جزا کے تکذیب کرنے کا کیا سبب ہے؟
- ۸۔ کیا خدا بہترین حکم کرنے والا نہیں ہے؟

تفسیر

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

اس سورہ کے آغاز میں بھی چار پُر معنی قسمیں بیان کی گئی ہیں جو بہت ہی اہم معنی کے بیان کا مقدمہ ہیں۔
 فرماتا ہے: "انجیر اور زیتون کی قسم" (والتین والزیتون)۔

"اور طور سینین کی قسم" (و طور سینین)۔

اور اس امن و امان والے شہر کی قسم (و هذا البلد الامین)۔

"تین" لغت میں انجیر کے معنی میں ہے اور "زیتون" وہی معروف زیتون ہے جس سے ایک مفید روغنی مادہ حاصل کیا جاتا ہے۔
 اس بارے میں کہ کیا اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی قسم مراد ہے یا کسی اور چیز کی، مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اگرچہ بعض اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، جو حد سے زیادہ غذائی اور دوائی خواص کے حامل ہیں، لیکن

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جن پر شہر دمشق اور بیت المقدس واقع ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات بہت سے انبیاء

اور خدا کے بزرگ پیغمبروں کے قیام کی سرزمین ہیں، اور یہ دونوں قسمیں تیسری اور چوتھی قسموں کے ساتھ، جو مقدس سرزمینوں کی قسمیں ہیں،

بعض نے "سینین" کو "سینہ" کی جمع سمجھا ہے جو درخت کے معنی میں ہے، اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "طور" پہاڑ کے معنی

میں ہے، تو اس کا معنی درختوں سے پُر پہاڑ ہوگا، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "سینین" ایک زمین کا نام ہے کہ جس پر وہ پہاڑ واقع ہے، بعض

نے یہ کہا ہے کہ "سینین" پُر برکت اور خوبصورت کے معنی میں ہے اور یہ اہل حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۰ ص ۱۷۲)

ہم آہنگ ہیں۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کو تین اور زیتون اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک پر انجیر کی درخت اُگتے ہیں اور دوسرے پر زیتون کے درخت۔

اور بعض نے ہمیں کو آدم علیہ السلام کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ وہ لباس جو آدم علیہ السلام اور حوا نے پہنے ہیں پہنا تھا وہ انجیر کے درختوں کے پتوں کا تھا، اور زیتون کو نوح کے زمانہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، کیونکہ طوفان کے آخر میں نوحؑ نے ایک کبوتر اس مقصد سے چھوڑا تھا۔ تاکہ پانی کے نیچے سے خشکی کے ظاہر ہونے کو معلوم کرے وہ کبوتر زیتون کی ایک شاخ لے کر واپس آیا تو نوحؑ سمجھ گئے کہ طوفان ختم گیا ہے، اور خشکی پانی کے نیچے سے ظاہر ہو گئی ہے۔ (اس لیے زیتون صلح و امنیت کی رمز ہے)۔

بعض "تین" کو اس مسجد نوحؑ کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو کہ جوہی پر تعمیر کی گئی تھی۔ اور زیتون کو بیت المقدس کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

ابتدائی نظریں تو آیت کا ظاہر وہی دو مشہور پھیل ہیں؛ لیکن بعد والی قسموں کی طرف توجہ کرتے ہوئے دو پہاڑ یا موردا تزام دو مقدس مراکز ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ خدا نے شہروں میں سے چار شہروں کو منتخب کیا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا ہے: **والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین:**

"تین" مدینہ ہے، اور "زیتون" بیت المقدس، "طور سینین" کوفہ ہے اور

"ھذا البلد الامین" مکہ۔" ۱

"طور سینین" سے مراد ظاہراً وہی "طور سینا" ہے جسے مفسرین نے اسی مشہور کوہ "طور" کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور صحرائے سینا میں ہے، اور وہاں زیتون کے پربار درخت موجود ہیں۔

"سینا" کو برکنوں والا یا درختوں سے پُر یا خوبصورت پہاڑ سمجھتے ہیں اور یہ وہی پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام مناجات کے وقت گئے تھے۔

بعض نے اسے کوفہ کے نزدیک سرزمین نجف کا ایک پہاڑ بھی سمجھا ہے۔

اور بعض نے تصریح کی ہے کہ "سینین" اور "سینا" ایک ہی چیز ہے، اور اس کا معنی پُر برکت ہے۔

باقی رہا "ھذا البلد الامین" تو یہ یقیناً سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے، وہ سرزمین جو زمانہ جاہلیت میں بھی منظر امن اور حرم خدا سمجھی جاتی تھی، اور کوئی شخص وہاں دوسرے پر تعرض کا حق نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ مجرم اور قاتل بھی جب اس سرزمین میں

۱۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۶۰۶ حدیث ۴۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ ایک بڑا شہر نہیں تھا، لیکن اس سرزمین سے دلالت فرات کے گزرنے کی وجہ سے یقینی طور پر بہت سی آبادیاں اس زمانہ میں بھی وہاں ہی موجود تھیں۔ (تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی وہاں پر ایک شہر آباد تھا)۔ (دائرة المعارف مصاحب جلد ۲ مادہ کوفہ)۔

جاتے تھے تو وہ
یہ سرزمین
برصیت کے ساتھ
یہ نکتہ بھی قات
حت کے ساتھ
مدن و صبیغ
ہے۔ (موسو
اب اگر ان
معی قسم ہے، کہ
"انجیر" ہسنا
ن میں چمکا۔ گھٹل
غذا کے ماہ
انجیر کو بچوں
وری میں مبتلا لوگ
کتے ہیں کہ
پہل کو فائدہ مند
"بالیتوس"
جے جاتے تھے۔
غذا شناس
دوا کے طور پر ف
یہ ہے۔ خشک انج
ن میں اعتدال کا سب
ایک حدیث
لفظ "امین"
سرزمین جس

جاتے تھے تو وہ بھی امن میں ہوتے تھے۔

یہ سرزمین اسلام میں حد سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اور انسان تو رہے ایک طرف اس کے جانور، درخت اور پرنسے بھی شرمیت کے ساتھ امن سے رہنے چاہئیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "زیتون" صرف اسی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جب کہ لفظ زیتون قرآن مجید میں چھ مرتبہ آیت کے ساتھ آیا ہے۔ اور ایک دفعہ اشارہ کی صورت میں جہاں فرماتا ہے: "وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنَ طُورِ مَدْيَنَ تَبْتَاطِحٌ لِّأَهْلِ الْيَمَامَةِ" اور وہ درخت جو طور مدینا میں اگتا ہے، اس سے کھانے والوں کے لیے روغن اور سائیں فراہم کرتا ہے۔ (مؤمن - ۲۰)

اب اگر ان دونوں قسموں (زیتون) کو ان کے ابتدائی معنی پر محمول کریں، یعنی معروف انجیر و زیتون پر، تو پھر بھی یہ ایک معنی قسم ہے، کیونکہ:

"انجیر" بہت زیادہ غذائی قدر و قیمت کا حامل ہے، اور ہر سن و سال کے لیے ایک مقوی اور غذا ستھ پھر پور فوائد دینے میں چھلکا، گٹھلی اور کوئی زائد چیز نہیں ہوتی۔ غذا کے ماہرین کہتے ہیں کہ:

انجیر کو بچوں کے لیے طبعی شکر کے طور پر استعمال کرایا جاسکتا ہے اور درزش یا محنت مشقت کرنے والے اور بڑھاپے اور گردی میں مبتلا لوگ اپنی غذا کے لیے انجیر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ "افلاطون" انجیر کو اس قدر دوست رکھتا تھا کہ بعض نے اس کا نام ہی فلسفیوں کا دوست رکھ دیا ہے اور مستحفاظ میں پھل کو فائدہ مند اجزا کو جذب کرنے والا اور نقصان دہ مادوں کو دفع کرنے والا سمجھتا تھا۔

"جالینوس" نے انجیر سے پہلوؤں کے لیے ایک خاص قسم کی غذا تیار کی تھی، روم اور قدیم یونان کے پہلوؤں کو بھی انجیر سے پلے جاتے تھے۔

غذا شناس ماہرین کہتے ہیں کہ انجیر میں مختلف قسم کے بہت سے دوائی اور شکر موجود ہے۔ اور بہت سی بیماریوں میں اس کا دوا کے طور پر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر جب انجیر اور شہد کو سادی طور سے مخلوط کر دیں تو زخم و دست سبب سے تھکے ہوئے خشک انجیر کا کھانا داغ کو تقویت دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انجیر میں معدنی عناصر کے وجود کی بنا پر وہ انسان کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ ان میں اعتدال کا سبب بنتے ہیں انجیر ہر سن و سال اور ہر قسم کے حالات میں غذا کے طور پر بہترین پھل ہے ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے:

"التین یذهب بالبخر ویشد اللحم والذم والظلم، وینبت الشجر بالحق والعدل، ولا یحتاج معه الی دواء، وقال علیہ السلام: التین سبب شئی"

لفظ "امین" ممکن ہے کہ یہاں "فعلی" معنی "فاعل" ہو اور اس کا معنی "ذوالہ انشا" ہو اور "انجیر" معنی "مغول" ہو۔ سرزمین جس میں لوگ امن میں ہیں۔

بنات الجنة :

” انجیر منہ کی بربو کو دُور کرتا ہے، سوسڑھوں اور بڑیوں کو مضبوط بناتا ہے، بالوں کو اگاتا ہے درد اور تکلیف کو بظرف کرتا ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انجیر جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔“

باقی رہا ”زیتون“ تو اس کے بارے میں غذا شناس اور بڑے بڑے ماہرین جنہوں نے ساہا سال تک پھلوں کے نخلت خواص کا مطالعہ کرنے میں اپنی عمریں صرف کی تھیں، زیتون اور اس کے تیل کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، اور وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بزرگ ہمیشہ صبح و سالم رہنا چاہیں انہیں اس حیاتی اکسیر سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

روضن زیتون انسان کے جگر کا رنگ اور مخلص دوست ہے۔ اور گردوں کی بیماریوں، صفراوی پتھریوں اور دردِ جگر کو دُور کرنے اور خشکی کو رفع کرنے کے لیے بہت ہی مؤثر ہے۔

اسی بنا پر زیتون کے درخت کو قرآن مجید میں شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے۔

روضن زیتون بھی انواع و اقسام کے دوائیوں سے سرشار ہے اور اس میں فاسفورس، سلفر، کیلشیم، فیوم، پوٹاشیم اور منگنیز بھی پائی جاتی ہے۔

وہ مرہم جو روضن زیتون اور لہسن کے ساتھ بنائی جاتی ہے گھٹیا کے دردوں کے لیے مفید بتائی جاتی ہے، پتھر کی پتھری روضن زیتون کے کھانے سے ختم ہو جاتی ہے۔

ایک روایت میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

” ما افقر بیت یا تدمون بالخل والنزیت و ذالک ادام الانبیاء “

” وہ گھر جس میں سرکہ اور زیتون سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، وہ کبھی کھانے سے

خالی نہ ہوگا اور یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔“

اور ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے :

” نعم الطعام الزيت : یطیب الذکھة ، ویذهب بالبلغم ، ویصفی

اللون ، ویشد العصب ویذهب الوصب ، ویطفیء الغضب “ :

” روضن زیتون ایک اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار کرتا ہے، بلغم کو دُور کرتا ہے، چہرے

۱ ” کانی “ جلد ۶ ص ۳۵۸ - مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۶۶ ص ۱۸۲ میں انجیر کے خواص کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں ۔

۲ ” اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر “ جلد ۹ ص ۹۰ سے آگے ۔

۳ ” اولین دانش گاہ و آخرین پیغمبر “ جلد ۹ ص ۱۳۰ کے بعد ۔

۴ ” بحار الانوار “ جلد ۶۶ ص ۱۸۰ حدیث ۶

ہم اس
ان چاروں
صورت اور نظام
(لفظ
” تقویم “
بات کی طرف اشارہ
سے بھی، کیونکہ ۳۱
کیا گیا ہے، اور
اور شائستگیاں بخند
خلقت کے لائق
بزرگ و برتر اور بڑے
لیکن یہی ا
کر ” اسفل اللہ
دیتے ہیں۔“ (۱)
کتے پیر
ہی ایک وحشت
ان سے صلاح و
پر ڈال دے تو ا
لیکن بعد
اس سے مستثنیٰ ہ
فلہو اجرہ
۱ ” بحار الانوار “
۲ وہی ما

کے رنگ کو صاف کرتا ہے۔ اور تروتازہ بنا آتا ہے، اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بیماری، درد اور ضعف کو دور کرتا ہے، اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔

ہم اس بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

”کلوا الزيت وادھنوا بہ فانہ من شجرة مبارکة“

”روغن زیتون کھاؤ اور بدن پر اس کی مالش کرو کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے۔“

ان چاروں پر معنی قسموں کو ذکر کرنے کے بعد جواب قسم پیش کرتے ہوئے اس طرح فرماتا ہے: ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت اور نظام میں پیدا کیا ہے۔“

(لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم)

”تقویم“ کا معنی کسی چیز کو مناسب صورت، معتدل نظام اور شائستہ کیفیت میں لانا ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے انسان کو ہر لحاظ سے موزوں اور شائستہ پیدا کیا ہے، جسم کے لحاظ سے بھی، اور روحانی و عقلی لحاظ سے بھی، کیونکہ اس کے وجود میں ہر قسم کی استعداد رکھی گئی ہے اور اُسے ایک بہت ہی عظیم قوس صعودی کو طے کرنے کے لیے آمادہ کیا گیا ہے، اور اس کے باوجود کہ انسان ایک ”جرم صغیر“ ہے، ”عالم کبیر“ کو اس میں جگہ دی گئی ہے، اور اُسے اس قدر استعدادیں اور شائستگیاں بخشی ہیں کہ وہ ولقد کرمنا بنی آدم ” ہم نے بنی آدم کو کرامت و عظمت بخشی ہے۔“ (سورۃ اسراء آیہ ۷۰) کی خلقت کے لائق ہو گیا ہے۔ وہی انسان جس کی خلقت کی تکمیل پر فرماتا ہے: فتبارک الله احسن الخالقین ” پس وہ خدا بہت ہی بزرگ و بڑا اور بڑی برکتوں والا ہے جو بہترین خلق کرنے والا ہے!“

لیکن یہی انسان ان تمام امتیازات و اعزازات کے ہوتے ہوئے اگر حق کے راستے سے منحرف ہو جائے تو اس طرح سقوط کرنا ہے کہ ”اسفل السافلین“ میں جا پہنچتا ہے، اس لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ”پھر ہم اُسے پست ترین مراحل میں لوٹا دیتے ہیں“ (شورہ دنناہ اسفل سافلین)۔

کہتے ہیں کہ ہمیشہ بلند پہاڑوں کے ساتھ بہت ہی گہری گھاٹیاں ہوتی ہیں اور انسان کی اس تکامل و ارتقا کی قوس صعودی کے ساتھ ہی ایک وحشت ناک قوس نزولی بھی نظر آتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ایسا موجود ہے جو ہر قسم کی استعدادیں رکھتا ہے۔ اگر وہ ان سے صلاح و درستی کے لیے فائدہ اٹھائے تو افتخار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر ان تمام استعدادوں کو فساد اور خرابی کی راہ پر ڈال دے تو اس سے عظیم ترین مفسدہ پیدا کر دیتا ہے، اور طبعی طور پر وہ ”اسفل السافلین“ کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔

لیکن بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ ان کے لیے ایسا اجر و ثواب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔ (الا الذین امنوا و عملوا الصالحات فالہم اجر غیر ممنون)۔“

”ممنون“ ”من“ کے مادہ سے یہاں ختم ہونے یا کم ہونے کے معنی میں ہے۔ اسی بنا پر ”غیر ممنون“ دائمی اور ہر قسم کے نقص سے خالی اجر و ثواب کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ منت و احسان سے خالی مراد ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

بعض نے شعر دناہ اسفل سافلین کے جملہ کی بڑھا پے کے دور کے ضعف و ناتوانی اور حد سے زیادہ ہوش کی کمی کے معنی میں تفسیر کی ہے، لیکن اس صورت میں یہ بعد والی آیت کے استثناء کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ اس بنا پر قبل اور بعد کی آیات کے مجموعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے وہی پہلی تفسیر ہی درست نظر آتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس ناشکرے اور معاد کے دلائل اور نشانیوں سے بے اعتناء انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا سبب ہے کہ تو ان تمام دلائل کے باوجود روز جزا کی تکذیب کرتا ہے؟! (فما یحکذک بعد بالذین)۔

ایک طرف تو خود تیرے وجود کی ساخت اور دوسری طرف اس وسیع و عریض عالم کی عمارت اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ دنیا کی چند روزہ زندگی تیری خلقت اور اس عظیم جہان کی خلقت کا اصل ہدف نہیں ہو سکتی۔

یہ سب کچھ وسیع تر اور کامل تر جہان کے لیے ایک مقدمہ ہے اور قرآن کی تعبیر میں ”نشأۃ اولیٰ“ خود ”نشأۃ اخریٰ کی خبر دیتی ہے۔ تو پھر انسان متذکر کیوں نہیں ہوتا۔ ولقد علمتوا النشأۃ الاولیٰ فلولا تذکرون۔ (واقعہ ۶۲) بطور

عالم نباتات ہمیشہ اور ہر سال نئے ہرے سے موت و حیات کے منظر کو انسان کی آنکھ کے سامنے مجسم کرتا ہے اور جنینی دور کی پے در پے خلقتیں ہر ایک معاد اور ایک نئی زندگی شمار ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود یہ انسان روز جزا کا کس طرح انکار کرتا ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب نوع انسان ہے، اور یہ احتمال کہ یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے اور مراد یہ ہے کہ معاد کے دلائل کے باوجود کون کون سی چیز تیری تکذیب کر سکتی ہے، بعید نظر آتا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ”دین“ سے مراد یہاں آئین و شریعت نہیں ہے، بلکہ وہی جزا اور روز جزا ہے۔ اس کے بعد والی آیت بھی اسی معنی کی گواہ ہے۔

جیسا کہ فرماتا ہے: ”کیا خدا بہترین حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا نہیں ہے؟“ (الذین اللہ با حکم الحاکمین) اور اگر ہم دین کو کل شریعت اور آئین کے معنی میں لیں تو پھر آیت کا مفہوم و معنی اس طرح ہوگا، ”کیا خدا کے احکام و فرامین سب سے زیادہ حکیمانہ اور قابل یقین نہیں ہیں؟“ یا یہ کہ انسان کے لیے خدا کی خلقت ہر لحاظ سے حکمت، علم اور تدبیر کے ساتھ آئی ہے۔

۱۳ جلد ۱۳ ص ۳۶ سے آگے سورۃ واقعہ کی آیات سے استفادہ کرتے ہوئے سات دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔

لیکن جیسے
ایک حد
”الذین اللہ

خداوند! خداوند!
پروردگار!
بہترین صورت
بار الہا!
لطف و کرم فرما

آخر
۱۴ رمضان
تم مقدس
بروز منگل بوقت
احقر:

طہ ”مجمع ال
آیت کے

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔
 ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ "التین" کی تلاوت فرماتے تھے تو جیسے ہی
 یہ آیتیں اللہ باحکوم الحاکمین پر پہنچتے تھے تو فرماتے تھے:

" بلی وانا علیٰ ذالک من الشاہدین "

" ہاں خدا احکوم الحاکمین ہے، اور میں اس بات کا گواہ ہوں۔ "

خداوند! ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ تو احکوم الحاکمین ہے۔

پروردگارا! تُو نے ہماری خلقت کو بہترین صورت میں قرار دیا ہے۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارا عمل اور ہمارے اخلاق

بہترین صورت میں ہوں۔

بارہالہا! ایمان و عمل صالح کی راہ کو طے کرنا تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہم پر اس راہ میں اپنا

لطف و کرم فرما۔

آر میں یا سرِّ العالین سورہ التین کا اختتام

اختتام ترجمہ

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

قم مقدس برکان حقیہ

باز منگل بوقت بارہ بج کر آٹھ لیس منٹ

احقر: صفدر حسین نجفی

۱۔ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۱۲۔ یہی مضمون تفسیر "روح البیان" و "قرطبی" اور "فی ظلال" میں بھی زیر بحث آیت کے ذیل میں آیا ہے۔

سُورَةُ الْعَلَقِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

منفرد

اور یہ بات جو لیا

یہ سور

قیمت قطرہ خوار

اور لیا

کے بارے میں

اور ۳۱

کیا وہ اختیار کر

اور آؤ

اور سو

اس

سورہ اعلق کے مطالب اور فضیلت

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ سورہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر گرامی اسلام پر نازل ہوا اور اس کے مطالب بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ بات جو بعض نے کہی ہے کہ پہلا سورہ، سورہ "حمد" یا سورہ "مدثر" ہے، یہ بات قطعی مشہور نہیں ہے۔

یہ سورہ پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرأت و تلاوت کا حکم دیتا ہے اور اس کے بعد اس با عظمت انسان کی ایک بے قدر و قیمت قطرہ خون سے خلقت کی بات کرتا ہے۔

اور بعد کے مرحلہ میں پروردگار کے لطف و کرم کے ساتھ میں انسان کے تکامل و ارتقا اور اس کی علم و دانش اور قلم سے آشنائی بارے میں بحث ہوتی ہے۔

اور اس کے بعد کے مرحلہ میں ان ناشکرے انسانوں کے بارے میں جو ان تمام خدائی نعمتوں اور الطاف الہی کے باوجود سرکشی راہ اختیار کرتے ہیں، گفتگو کرتا ہے۔

اور آخر میں ان لوگوں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتا ہے جو لوگوں کو ہدایت اور نیک اعمال سے روکتے ہیں۔

اور سورہ کو "سجدہ" اور بارگاہ پروردگار میں تقرب حاصل کرنے کے حکم پر ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی قرأت کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من قرأ فی یومہ اولیٰئہ اقرأ باسم ربک ثومات فی یومہ اولیٰئہ مات شہیداً ولعثنہ اللہ شہیداً، واحیاء کمں ضرب بسیفہ فی سبیل اللہ مع رسول اللہ۔"

"جو شخص دن میں یا رات کو سورہ اقرأ باسم ربک پڑھے گا اور وہ اس رات یا دن کو مر جائے گا

تو وہ دنیا سے شہید جائے گا اور خدا اُسے شہید مبعوث کرے گا اور شہیدوں کی صف

میں اُسے جگہ دے گا، اور وہ قیامت میں اس شخص کی مانند ہوگا جس نے راہ خدا میں

پیغمبر اکرم ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں شمشیر سے جہاد کیا ہو۔
 یہ سورہ ان مختلف تعبیروں کی مناسبت سے جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں سورہ "علق" یا سورہ "اقراء"
 یا سورہ "قلو" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝
- ۲۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
- ۳۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝
- ۴۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
- ۵۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے

- ۱۔ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔
- ۲۔ وہی جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔
- ۳۔ پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت ہے۔
- ۴۔ وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔
- ۵۔ اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے سورہ کے مطالب کی تشریح میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے، بلکہ بعض کے قول کے مطابق تو اوپر والی پانچ آیات سب ہی مفسرین کے نزدیک آغاز وحی میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور ان کا مضمون بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز پرگئے ہوئے تھے کہ جبریل آئے اور کہا: اے محمد پڑھ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جبریل نے انہیں آغوش میں لے کر دیا اور پھر دوبارہ کہا: پڑھ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اسی جواب کو دیا۔ اس کے بعد جبریل نے پھر وہی کام کیا اور وہی جواب سنا، اور تیسری بار کہا: اقرأ باسم ربك الذي خلق... پانچوں آیات کے آخر تک۔

جبریل یہ بات کہہ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی کی پہلی شاع کو حاصل کرنے کے بعد بہت تھکے ہوئے تھے خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا: "زملونی و دثرونی": مجھے اڑھا دو اور کوئی کپڑا میرے اوپر ڈال دو تاکہ میں آرام کروں۔

"طبری" بھی مجمع البیان میں یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ سے فرمایا: "جب میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔"

حضرت خدیجہ نے عرض کیا: خدا آپ کے بارے میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کرے گا۔ کیونکہ خدا کی قسم آپ امانت کو ادا کرتے ہیں اور صلہ رحم بجالاتے ہیں، اور جو بات کرتے ہیں اس میں سچ بولتے ہیں۔ "خدیجہ کہتی ہیں: اس واقعہ کے بعد ہم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے (نوفل خدیجہ کا چچا زاد بھائی اور عرب کے علماء میں سے تھا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ "ورقہ سے بیان کیا۔" ورقہ نے کہا: جس وقت وہ پیکارنے والا آپ کے پاس آئے تو غور سے سنو کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد مجھ سے بیان کرنا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خلوت گاہ میں سنا کہ وہ کہہ رہا ہے:

لے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو: بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم مالك يوم الدين اياك نعبد و اياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم
صراط الذين انعمت عليهم غير المنضوب عليهم ولا الضالين.

۱ "ابراہیم رازی" جلد ۱۱ ص ۹۶، (تھوڑی سی تلخیص کے ساتھ، اسی مطلب کو بہت سے مفسرین عامہ و خاصہ نے بہت سے شاخ و برگ اور پھول بٹے لگا کر نقل کیا ہے، جن میں سے بعض بالکل قابل قبول نہیں ہے۔)

مورہ
عیسیٰ بن مرث
آج
جب
یقینی
ناموزوں مطالب
نزول وحی کے
کا بختہ ارادہ
اور نہ ہی پیغمبر
تاریخوں میں
ایسا
کو بھی مورد
کرتے ہو۔
تف
اچھا
پہلی
جس نے سا
بعض
ط "تف
ط "را
اسی

اور کہو لا الہ الا اللہ، اس کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے اور اس ماجرے کو بیان کیا۔

”ورقہ نے کہا: آپ کو بشارت ہو، پھر بھی آپ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے، آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت ہیں اور پیغمبرِ مرسل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ آج کے بعد بہت جلد جہاد کے لیے مامور ہوں گے اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کروں گا؛ جب ”ورقہ“ دنیا سے رخصت ہو گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میں نے اس روحانی شخص کو بہشت (برزخی جنت) میں دیکھا ہے کہ وہ جسم پریشی لباس پہنے ہوئے تھا، کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھی۔“

یقینی طور پر مفسرین کے بعض کلمات یا تاریخ کی کتابوں میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو سلسلہ طور پر جعلی، وضعی، گھڑی ہوئی روایات اور اسرائیلیات سے ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزل وحی کے پہلے واقعہ کے بعد بہت ہی ناراحت ہوئے اور ڈر گئے کہ کہیں یہ شیطانی القات نہ ہوں، یا آپ نے کئی مرتبہ اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا کہ خود کو پہاڑ سے گرا دیں، اور اسی قسم کے فضول اور بے ہودہ باتیں جو نہ تو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ سازگار ہیں اور نہ ہی پیغمبر کی اس عقل اور حد سے زیادہ دانش مندی، مدبریت، صبر و تحمل و شکیبائی، نفس پر تسلط اور اس اعتماد کو ظاہر کرتی ہیں جو تاریخوں میں مثبت ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس قسم کی ضعیف و رکب روایات دشمنانِ اسلام کی ساختہ و پرداختہ ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو بھی مورد اعتراض قرار دے دیں اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بھی۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ

پہلی آیت میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کتاب ہے: ”اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے سارے جہان کو خلق کیا ہے۔“ (اقراء باسم ربك الذي خلق)۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اُوپر والے جملہ میں مفعول محذوف ہے اور اصل میں اس طرح تھا اقرأ القرآن باسم ربك اپنے

ط ”تفسیر مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۱۴

لہ ”راغب“ ”مفردات“ کتاب ہے ”قرأت“ حروف و کلمات کو ایک دوسرے میں ملانے اور ضم کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے ایک حرف کو قرأت نہیں کہتے۔

پروردگار کے نام سے قرآن مجید پڑھ، اور اسی بنا پر بعض علمائے اس آیت کو اس پر دلیل بنایا ہے کہ بسم اللہ قرآن کی سورتوں کا جو حصہ اور بعض نے "با" کو زائد سمجھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے پروردگار کے نام کو پڑھ ہے، لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، کیونکہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے اپنے پروردگار کے نام کو یاد کر۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے پروردگار کی "ربوبیت" کے مسئلہ پر تکیہ ہوا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ "رب" "مالک مصلح" کے معنی میں ہے، یعنی وہ ہستی جو کسی چیز کی مالک بھی ہے اور اس کی اصلاح و تربیت بھی کرتی ہو۔

اس کے بعد پروردگار کی ربوبیت کو ثابت کرنے کے لیے عالم ہستی کی خلقت و آفرینش پر تکیہ ہوا ہے، کیونکہ اس کی ربوبیت کی بہترین دلیل اس کی خالقیت ہے، اور عالم کی تدبیر وہی کر سکتا ہے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔

یہ حقیقت میں عرب کے مشرکوں کا جواب ہے جو خدا کی خالقیت کو تو قبول کرتے تھے لیکن ربوبیت اور تدبیر کے ضمن میں بتل کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ نظام ہستی میں خدا کی ربوبیت اور اس کی تدبیر اس کی ذات مقدس کو ثابت کرنے کی بہترین دلیل ہے۔

اس کے بعد تمام مخلوقات میں سے عالم خلقت کے اہم ترین موجود اور آفرینش کے گل سرسبد یعنی انسان پر تکیہ کرتا ہے اور اس کی آفرینش کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہی خدا جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔" (خلق الانسان من علق)۔

"من علق" اصل میں کسی چیز کے چپک جانے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے جسے ہوئے خون کو اور اسی طرح "جو تک" کو جو خون پوسنے کے لیے بدن سے چپک جاتی ہے "علق" کہتے ہیں، اور چونکہ نطفہ عالم جنین کا پہلا دور گزارنے کے بعد جسے ہوئے اور چپکے ہوئے خون کے ٹکڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو ظاہر میں بہت ہی کم قدر و قیمت رکھتا ہے لہذا اس آیت میں انسان کی خلقت کا مبداء اسی ناچیز موجود کو شمار کرتا ہے تاکہ پروردگار کی عظیم قدرت نمائی واضح ہو جائے جس نے اس قسم کی بے قدر قیمت

موجود سے ایسی قابل قدر اور قیمتی مخلوق پیدا کر دی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ علق سے مراد یہاں آدم علیہ السلام کی مٹی ہے جو چپکنے کی حالت بھی رکھتی تھی، اور یہ بات واضح ہے کہ وہ خدا جو اس عجیب مخلوق کو اس "چپکی ہوئی مٹی" کے ایک ٹکڑے سے وجود میں لایا ہے وہی ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔

کبھی "علق" کو "صاحبِ علق" وجود کے معنی میں لیا ہے، جو انسان کی اجتماعی روح اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی طرف ایک اشارہ ہے، اور یہ حقیقت میں محال بشر اور تمدنوں کی پیش رفت کا پایہ اصلی ہے۔

بعض "علق" کو نر کے نطفہ (سپرم) کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو "جو تک" کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے یہ خوردبینی موجود نطفہ کے پانی میں تیرتا ہے، رحم میں عورت کے نطفہ کی طرف بڑھتا ہے، اس کے ساتھ چپک جاتا ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے انسان کا کامل و مکمل نطفہ وجود میں آتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں یہ مسائل تحقیق و دریافت نہیں ہوئے تھے، لیکن قرآن مجید نے علمی اعجاز کے طریق سے ان سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان چاروں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، اگرچہ چاروں تفسیروں کے درمیان جمع کرنے سے

اس صورت میں "با" ملاہست کے لیے ہے۔

بھی کوئی مانع نہ
ہم
میں ہے او
دوبار

اور باعزت -

بعض ا

یہ کہا ہے کہ،

لیکن تاکید زیادہ

بہر حال

ہیں ہوں۔ یعنی

اس کے

"وہی

" اور ا

یہ آیات

نہیں جانتا تھا۔

رکھتا ہے۔

"الذی

اس عظیم کام کی

دوسرا

خلاصہ

انسان تک پہنچ

بہر حال

لے "وریک

کی کوئی مانع نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "انسان" ایک تفسیر کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے معنی میں ہے اور دوسری تین تفسیر کے مطابق مطلق انسانوں کے معنی میں ہے۔

دوبارہ تاکید کے لیے مزید کہتا ہے: "پڑھ کر تیرا پروردگار ہر کریم سے زیادہ کریم اور ہر بزرگوار اور باعزت سے بڑھ کر بزرگوار و باعزت ہے" (اقراً وربك الاكرم)۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ دوسرا "اقراً" اسی "اقراً" کی ایک تاکید ہے جو اس سے پہلی آیات میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس سے مختلف ہے۔ پہلے جملہ میں پیغمبر کا اپنے لیے پڑھنا مراد ہے، اور دوسرے جملہ میں لوگوں کے لیے پڑھنا۔ ان تاکید زیادہ مناسب نظر آتی ہے کیونکہ اس فرق پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بہر حال اس آیت کی تعبیر حقیقت میں پیغمبر کی اس گفتگو کا جواب ہے جو جبرئیل کے جواب میں آپ نے کہی تھی کہ میں پڑھا ہوا ہوں۔ یعنی پروردگار کی برکت سے جو حد سے زیادہ کریم و بزرگوار ہے تو قرأت و تلاوت کی طاقت و توانائی رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس خدا کی توصیف کرتے ہوئے جو سب کریموں سے بڑھ کر کریم و بزرگوار ہے، فرماتا ہے:

"وہی ہستی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی" (الذی علم بالقلم)۔

"اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا" (علم الانسان ما لم يعلم)۔

یہ آیات بھی درحقیقت پیغمبر کی اسی گفتگو کا جواب ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

"میں قرأت کرنے والا نہیں ہوں۔ یعنی وہی خدا جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور جو کچھ انسان کو جانتا تھا اُسے سکھایا ہے، وہ اس بندے کو بھی جس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا ہے قرأت و تلاوت سکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔"

"الذی علم بالقلم" کے جملہ کے دو معنی نکلتے ہیں، ایک یہ کہ: خدا نے انسان کو لکھنا اور کتابت کرنا سکھایا، اور عظیم کام کی قدرت و توانائی، جو تاریخ بشر کا مبداء اور تمام علوم و فنون اور تمدنوں کا سرچشمہ ہے، اس میں ایجاد کی۔

دوسرا یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس طریق سے اور اس وسیلے سے علوم و فنون سکھائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تفسیر کے مطابق تو لکھنے کی تعلیم مراد ہے، اور دوسری تفسیر کے مطابق وہ علوم مراد ہیں جو کتابت کے ذریعے ان تک پہنچے ہیں۔

بہر حال یہ ایک ایسی پُر معنی تعبیر ہے، جو نزولِ وحی کے ان حساس لمحات میں ان عظیم اور پُر معنی آیات میں منعکس ہو گئی ہے۔

"وربك الاكرم" کا جملہ، جملہ اسمیہ استثنائیہ ہے اور "مبتدا" اور "خبر" سے مرکب ہے۔

چند نکات

۱۔ وحی کا آغاز ایک حرکت علمی کے آغاز کے ساتھ ہوا

یہ آیات ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ، اکثر مفسرین یا تمام کے تمام مفسرین کے نظریہ کے مطابق وہ سب سے پہلی آیات ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوئی تھیں اور وحی کی پہلی شعاعوں کی روشنی سے تاریخ بشریت میں ایک نئی فصل کا آغاز ہوا ، اور نوع انسانی ایک عظیم ترین الطاف الہی کی مشمول ہوئی ، اور خدا کا وہ اکل ترین دین جو سارے دینوں کا نقطہ اختتام تھا ، نازل ہوا ، اور تمام احکام اور اسلامی تعلیمات کے نزول کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ۔ (ماہ ۳) کے مطابق دین الہی کی تکمیل ہوئی اور اس کی نعمت حد کمال کو پہنچ گئی اور اسلام خدا کا پسندیدہ دین قرار پایا ۔

یہاں ایک بہت ہی عمدہ موضوع ہے (اور وہ یہ ہے) کہ باوجود اس بات کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " اُمّی تھے اور آپ نے کسی سے درس نہیں لیا تھا ، اور حجاز کے ماحول کو سراسر جہالت و نادانی کے ماحول نے گھیر رکھا تھا ، وحی کی پہلی آیات میں " علم " اور " قلم " کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی ، جو ان آیات میں خلقت و آفرینش جیسی عظیم نعمت کے فوراً بعد بلافاصلہ ذکر ہوا ہے ۔ حقیقت میں یہ آیات پہلے انسانی جسم کی ایک بے قدر و قیمت لوتھڑے " علقہ " جیسے موجود سے تکامل و ارتقا کی خبر دیتی ہیں ، اور دوسری طرف سے روح کے تکامل کی ، تعلیم و تعلم کے ذریعے ، خصوصاً قلم کے ذریعے بات کرتی ہیں ۔ جس دن یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس دن نہ صرف حجاز کے ماحول میں ، جو جہالت کا ماحول تھا ، کوئی شخص قلم کی قدر و منزلت کا قائل نہ تھا بلکہ اس زمانہ کی تمدن دُنیا میں بھی قلم کی کم ہی قدر کی جاتی تھی ۔

لیکن آج کے زمانہ میں ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام تمدن ، علوم و فنون اور ترقیاں جو ہر میدان میں نوع بشر کو نصیب ہوئی ہیں ، قلم کے محور کے گرد ہی گردش کرتی ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ " ملاد علماء " (علماء کے قلم کی سیاہی) " دما شہدا " (شہدائے خون) کی سبقت لے چکی ہے کیونکہ شہید کے خون کی بنیاد اور اس کی پشتپایاں علماء کے قلموں کی سیاہی ہی ہے ، اور اصولی طور پر انسانی معاشرہ ان کی سرنوشت پہلے درجہ میں قلم کی نوک سے ہی لکھی گئی ہے ۔

انسانی معاشروں کی اصلاحی باتیں مومن و متہمد قلموں سے لکھی جاتی ہیں ، اور معاشروں کے فساد اور تباہیوں کی باتیں بھی مومن اور فاسد قلموں سے ہی تحریر میں آتی ہیں ۔

یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ قرآن مجید نے قلم کی اور جو کچھ قلم سے لکھتے ہیں ، اس کی قسم کھائی ہے ۔ یعنی " آلمہ " کی قسم کی ہے اور جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے اس کی قسم بھی ، جیسا کہ فرماتا ہے : " ن والقلم وما یسطرون " (قلم - ۱) ہم جانتے ہیں کہ بشر کی زندگی کے ادوار کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں ۔

۱۔ تاریخ کا دور

۲۔ قبل از تاریخ کا دور

تاریخ کا دور وہ ہے جس میں قلم، پڑھنے اور لکھنے کا زمانہ شروع ہوا، اور انسان اس قابل ہو گیا کہ قلم کے ذریعے اپنی زندگی کی کوئی چیز لکھ سکے، اور آنے والے لوگوں کے لیے بطور یادگار چھوڑ جائے۔ اس طرح تاریخ بشر قلم اور خط کی تاریخ کے برابر ہے۔ ہم نے انسانوں کی زندگی میں قلم کے اثرات کے بارے میں تفسیر نمونہ کی جلد ۱۴ میں سورہ قلم کے آغاز میں ایک مفصل اور مبسوط تشریح پیش کی ہے۔

اسی بنا پر ابتدا سے ہی اسلام کی بنیاد علم و قلم پر رکھی گئی ہے، اور یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ اس قسم کی پس ماندہ قوم علوم و فنون میں اس قدر ترقی کر گئی کہ، دوست و دشمن کے اعتراف کے مطابق، انہوں نے ساری دنیا میں علم و دانش کو پھیلایا اور یورپ کے نورضین کے اعتراف کے مطابق یہ مسلمانوں کا نور علم و دانش ہی تھا جو قرون وسطیٰ میں تاریک یورپ کے صفر پر چمکا اور انہیں تمدن عصر میں داخل کر گیا۔

اور اس سلسلہ میں خود انہیں کی طرف سے بہت سی کتابیں "تاریخ تمدن اسلام" یا "میراث اسلام" کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔

کس قدر نامناسب بات ہے کہ اس قسم کی ہمت اور ایسا دین علم و دانش کے میدان میں پیچھے رہ جائے اور دوسروں کا محتاج ہو جائے، یہاں تک کہ ان سے وابستہ ہو جائے۔

۲۔ ہر حال میں ذکر خدا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا آغاز خدا کے نام کے ذکر سے شروع ہوا "اقرأ باسم ربك" اور قابل غور بات یہ ہے کہ آپ کی بھرپور زندگی ذکر خدا اور یاد خدا سے ملی ہوئی تھی۔ آپ کا ہر سانس ذکر خدا کے ساتھ وابستہ تھا۔ کھڑے ہوتے، بیٹھتے، سوتے، چلتے، سواز ہوتے، پیادہ چلتے یا توقف کرتے سب یاد خدا کے ساتھ اور "اللہ" کے نام کے ساتھ تھا۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تھے تو فرماتے تھے:

"الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماننا واليه النشور"

"حمد کے لائق وہی ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی جانب ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے"

"ابن عباس" کہتے ہیں کہ ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں سویا ہوا تھا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر کر بلند کیا اور سورہ آل عمران کی آفری دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار۔۔۔

پھر عرض کیا:

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ... اللَّهُمَّ
لَكَ اسْلَمْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَالْيَكِ ائِنْتُ

"خدا یا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے،
سب کا نور ہے۔۔۔۔۔ خدا یا میں تیرے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہوں، تجھ پر ایمان
لا چکا ہوں، تجھ پر توکل کر چکا ہوں اور تیری طرف لوٹ چکا ہوں۔"
جس وقت آپ گھر سے نکلتے تو فرماتے:

"بِسْمِ اللَّهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ،
أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزِلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ، أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ"

"اللہ کے نام سے، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، خدا یا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ
ہو جاؤں، یا کسی کی گمراہی کا سبب بنوں، یا میں پھسل جاؤں، یا کسی پر ظلم کروں یا ظلم کیا
جاؤں، یا جہالت سے کام لوں، یا مجھ سے جہالت کا بڑا دکھایا جائے۔"
جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے:

"أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ"

"میں عظیم خدا سے اور اس کی کریم ذات سے اور اس کی قدیم سلطنت کے ذریعہ زندہ
درگاہ شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جس وقت آپ نیا لباس زیب تن کرتے تو فرماتے:

"اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ اسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صَنَعَ لَهُ وَ
أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صَنَعَ لَهُ"

"خدا یا سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو نے ہی یہ لباس مجھے پہنایا ہے۔ میں
تجھ سے اس کی خیر چاہتا ہوں اور جس خیر کے لیے یہ بنا ہے اور تجھ سے اس کے شر سے
پناہ مانگتا ہوں اور جس شر کے لیے یہ بنا ہے۔"

اور جب گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے:

"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَانِي وَأَوَانِي وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي وَأَسْقَانِي"

"حمد ہے اس اللہ کی جس نے میری کفایت کی اور مجھے پناہ دی اور حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے کھلایا اور پلایا۔"

اور اسی طرح آپ کی تمام زندگی یا خدا، نام خدا اور الطاف خدا کے تقاضوں سے گونجی ہوئی اور ملی ہوئی تھی۔

- ۶۔ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٌ ۝
- ۷۔ اِنَّ تَرَاهُ اسْتَكْبَرًا ۝
- ۸۔ اِنَّ اِلَىٰ رَبِّكَ الرَّجْعُ ۝
- ۹۔ اَرَعَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝
- ۱۰۔ عَبْدًا اِذَا صَلَّىٰ ۝
- ۱۱۔ اَرَعَيْتَ اِنْ كَانَ عَلٰى الْهُدٰى ۝
- ۱۲۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝
- ۱۳۔ اَرَعَيْتَ اِنْ كَذَبَ وَتَوَلٰى ۝
- ۱۴۔ الْمُلِعَلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝

ترجمہ

- ۶۔ ایسا نہیں ہے کہ انسان حق شناس ہو، یقیناً وہ سرکش کرتا ہے۔
- ۷۔ اس وجہ سے کہ وہ خود کو بے نیاز سمجھتا ہے۔
- ۸۔ یقینی طور پر سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔

- ۹۔ مجھے بتا کیا وہ شخص جو نہیں کرتا ہے۔
- ۱۰۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (کیا وہ مستحق عذاب الہی نہیں؟)
- ۱۱۔ مجھے بتا اگر یہ بندہ طریق ہدایت پر ہو۔
- ۱۲۔ یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے (کیا اُسے نہیں کرنا مناسب ہے؟)
- ۱۳۔ مجھے بتا اگر (یہ سرکش) حق کی تکذیب کرے اور اس کی طرف سے پشت پھیر لے (تو اس کی کیسی دردناک سرنوشت ہوگی؟)
- ۱۴۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

تفسیر

کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تیرے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے لیے پروردگار کی مادی و معنوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا تھا، اور ایسی دین نعمتوں کا لازمہ یہ ہے کہ انسان شکر ادا کرے اور خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، لہذا زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: "ایسا نہیں ہے کہ خدائی نعمتیں ہمیشہ ہی انسان میں شکرگزاری کی روح بیدار کرتی ہوں، بلکہ وہ یقینی طور پر طغیان و سرکشی کرتا ہے" (کلا ان الانسان لیطغی)۔

"اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے" (ان راہ استغنی)۔

یہ عام لوگوں کی فطرت ہے، ان لوگوں کی فطرت اور عادت جنہوں نے عقل و وحی کے مکتب میں پرورش نہ پائی ہو۔ جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتے ہیں تو سرکشی و طغیان شروع کر دیتے ہیں۔ نہ تو وہ خدا کا بندہ بنتے ہیں، نہ اس کے احکام کو قبول کرتے ہیں، نہ وجدان کی پکار پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے "کلا" اس چیز کو رکھنے کے لیے ہے جو گزشتہ آیات کے مضمون کا لازمہ ہے، اور بعض نے اس کے معنی میں بھی لیا ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

۱۴ "ان راہ استغنی" کا جملہ مفعول لاجلہ ہے اور تقدیر میں لان... ہے، اور روایت یہاں علم کے معنی میں ہے، لہذا اس کے ہونے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ روایت جسی کے معنی میں ہو اور "استغنی" بمنزلہ "حال" کے ہو۔

تفسیر نمونہ

عزت کا خیال
انسان
محتاج اور نیاز مند
فنا ہو جائیں۔ ا!
طرف اشارہ ہے
بعض کا
کی دعوت کے آ
جیسے افراد اس
بہر حال!
ہی ان کی دعوت
یہ جان لیں کہ ایک
اس کے
الی ربك الرجعی
اور وہی
اصولی طور
ذات کے لیے رہ
اس بات کی گنجائش
اس کے بل
بیان کرتے ہوئے
"بندہ کو ج
کیا ایسا آ
اعادیت
ٹکا پر پیرے کو
میں گاتو اپنے
ابوہل چلا
علوم دینا تھا جیسے
سننے کہا: نہیں

عدالت کا خیال کرتے ہیں۔

انسان اور کوئی بھی دوسری مخلوق ہرگز بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تمام ممکن موجودات ہمیشہ خدا کے لطف اور نعمتوں کے محتاج اور نیازمند رہتے ہیں۔ اور اگر ایک لحم کے لیے بھی اس کا فیض و کرم منقطع ہو جائے تو ٹھیک اسی لحم سب کے سب نابود و فنا ہو جائیں۔ البتہ انسان بعض اوقات غلطی سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے، اور آیت کی تعبیر لطیف بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے، جو یہ کہتی ہے کہ: "وہ خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے۔" یہ نہیں کہتی کہ وہ بے نیاز ہو جاتا ہے۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں "انسان" سے مراد خصوصیت کے ساتھ "الوجہل" ہے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے آغاز ہی سے مخالفت کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن مسلمہ طور پر یہاں "انسان" ایک مہنوم کلمی رکھتا ہے، اور "الوجہل" جیسے افراد اس کے مصداق ہیں۔

بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ لوگ فوراً ہی ان کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ خود کو سرکش مستکبرین کے انکار اور مخالفت کے لیے آمادہ و تیار رکھیں اور یہ جان لیں کہ ایک نشیب و فراز سے بھرا ہوا راستہ ان کے سامنے ہے۔

اس کے بعد ان مستکبر سرکشوں کو تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یقیناً سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔" (ان الی ربک الرجعی)۔

اور وہی سرکشوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔

اصولی طور پر جس طرح کہ ہر چیز کی بازگشت اس کی طرف ہے اور سب مرجائیں گے، اور آسمان و زمین کی میراث اس کی پاکت کے لیے رہ جائے گی؛ واللہ میراث السماوات والارض (آل عمران - ۱۸۰)۔ ابتدا میں ہی تمام چیزیں اسی کی طرف سے تھیں، اور بات کی گنجائش نہیں ہے کہ انسان خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جائے، اور مغرور ہو کر سرکش بن جائے۔

اس کے بعد مغرور سرکشوں کے کاموں کے ایک حصہ، یعنی راہ حق پر چلنے اور ہدایت و تقویٰ کے طریق کو طے کرنے سے روکنے کو کہتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "مجھے بتا کیا وہ شخص جو منع کرتا ہے۔" (ارہیت الذی یمنہی)۔

"بندہ کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔" (عبداً اذا صلی)۔

کیا ایسا آدمی عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟! اعاذیث میں آیا ہے کہ "الوجہل" نے اپنے اطراف میں سے سوال کیا! کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے بھی (بجھ کیلئے) پرچہ سے کو رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس کی ہم قسم کھاتے ہیں، اگر میں اُسے اس حالت میں ان کا تو اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو کچل کر رکھ دوں گا۔ انہوں نے اس سے کہا: وہ دیکھو! وہ اس جگہ نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔

الوجہل پہلا تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلے۔ لیکن جب وہ قریب پہنچا تو پیچھے ہٹ گیا اور ایسا دیتا تھا جیسے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اس سے کہا، ہم تیری یہ کیا حالت دیکھ رہے ہیں؟

یہ کہا: میں نے اچانک اپنے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق دیکھی ہے، اور ایک وحشت ناک منظر اور کچھ پر وبال مشاہدہ

کیے ہیں!

اس موقع پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر وہ میرے قریب آجاتا تو خدا کے فرشتے اس کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور اس کے ایک ایک عضو کو اچک کر لے جاتے!^۱
اس موقع پر اُدپر والی آیات نازل ہوئیں،^۲

ان روایات کے مطابق اُدپر والی آیات آغازِ بعثت میں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی دعوت بر ملا ہو چکی تھی۔ اسی لیے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس سورت کی صرف پہلی پانچ آیات ہی آغازِ بعثت میں نازل ہوئی تھیں، اور باقی کافی مدت کے بعد نازل ہوئیں۔

لیکن بہر حال یہ شانِ نزول آیت کے مفہوم کی وسعت سے مانع نہیں ہے۔

بعد والی آیت میں اور زیادہ تاکید کے لیے مزید کتاب ہے: ”مجھے بتا اگر یہ نماز گزار بندہ طریق ہدایت پر ہو“ (ارایت ان کان علی الہدی)۔

”یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے۔“ (او امر بالتقوی)۔ کیا اس کو منع کرنا مناسب ہے، اور کیا اس قسم کے شخص کی سزا جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے؟!

”مجھے بتا اگر یہ سرکش آدمی جو راہ حق کے راہ روا فراد کو نماز، ہدایت اور تقویٰ سے روکتا ہے اگر حق کی تکذیب کرے، اور اس سے روگردانی کرے، تو اس کی کیسی دردناک سزا ہوگی؟“ (ارایت ان کذب و قوٹی)۔^۳
”کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے، اور ان سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے ثبت و ضبط کر رہا ہے۔“ (المرید علو بان اللہ یلہی)۔

اُدپر والی آیات میں تفسیرِ شرطیہ کی تیسری اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مغرور سرکش کو کم از کم یہ احتمال تو دینا چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طریق ہدایت پر ہیں، اور ان کی دعوت تقویٰ کی طرف دعوت ہے، یہی احتمال اس کی سرکشی کو روکنے کے لیے کافی ہے۔ اس بنا پر ان آیات کا مفہوم، پیغمبر کی تقویٰ کی طرف دعوت، اور ہدایت میں تردید نہیں ہوگا، بلکہ یہ اُدپر والے باریک گشتی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے ”کان“ و ”امر“ کی ضمیر کو اسی نہی کرنے والے شخص کی طرف لٹایا ہے، جیسا کہ ”ابو جہل“ نے کیا۔ اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہو جائے گا، اگر وہ ہدایت کو قبول کر لے اور نماز سے منع کرنے کی بجائے تقویٰ کی دعوت کو قبول کرے، اس کی حالت کے لیے یہ کتنا مفید ہوگا؟

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

۱۔ تفسیر ”مجمع السببان“ جلد ۱۰ ص ۵۱۵

۲۔ بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق اُدپر والی تینوں آیات میں ”رأیت“ کے جملے ”اخبرنی“ کے معنی میں ہیں، جس کا ہم ”مجھے بتاؤ“ کے ساتھ ترجمہ کرنا چاہیے۔
آیات میں جو شرطیں آئی ہیں ان کے جواب مندرج ہیں اور تقدیر میں اس طرح ہے کہ کیوں کیوں حالہ و معازاتہ و عذابہ؟: ایسے انسان کی سزا سزا اور سزا

ایک

عالم

اس واقعہ

میں ہے اور ان

زیادہ اثر انداز ہو

ایک قطعی یقین کہ

ایک حد

کہتے ہیں

کیا تو نہیں جانتا

نے مجھے گناہ کرنے

ایک نکتہ

عالم ہستی محضر خدا میں ہے

اس واقعیت کی طرف توجہ کہ انسان جو کام بھی انجام دیتا ہے، وہ خدا کے سامنے ہے، اور اصولاً "تمام عالم ہستی محضر خدا میں ہے" اور انسان کے اعمال میں سے کوئی بھی چیز، یہاں تک کہ اس کی نیت بھی خدا سے پنہاں نہیں ہیں، انسان کی زندگی کے پروگرام پر ان اثر انداز ہو سکتی ہے، اور اس کو غلط کاریوں سے روک سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعی اس مطلب پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے اس قطعی یقین کی صورت اختیار کر لی ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے :

"اعبد الله كأنك تراه فان لم تکن تراه فانه یراک"

"خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اُسے نہیں دیکھ سکتا

تو وہ تجھے اچھی طرح سے دیکھ رہا ہے۔"

کہتے ہیں کہ ایک بیدار دل نے گناہ کے بعد توبہ کر لی تھی، لیکن ہمیشہ روتا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو اتنا کیوں روتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ بخشنے والا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! ممکن ہے کہ وہ معاف کر دے، لیکن یہ نجات و شرمساری کس کو اسے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟ اس کو اپنے سے کیسے دُور کر دوں؟

گیرم کہ تو از ستر گنہ در گزری

زان شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چکنم؟

میں نے مانا کہ تو میرے گناہ کو ضرور معاف کر دے گا۔

لیکن اس شرم کا کیا کروں کہ تو نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے؟

- ۱۵۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ
- ۱۶۔ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۙ
- ۱۷۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ
- ۱۸۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ
- ۱۹۔ كَلَّا ۙ لَا تَطِئُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۙ

ترجمہ

- ۱۵۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، اگر وہ اپنے کام سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کی ناصیہ (اس کے سر کے اگلے حصہ کے بال) پکڑ کر (عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے)
- ۱۶۔ وہی دروغ گو اور خطا کار ناصیہ (پیشانی)
- ۱۷۔ پھر وہ جسے چاہے پکارتا رہے (کہ وہ اس کی مدد کرے)
- ۱۸۔ ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکارتیں گے۔
- ۱۹۔ جیسا کہ وہ سمجھتا ہے، ایسا نہیں ہے، ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اور سجدہ کر، اور خدا کا تقرب حاصل کر۔

سچ

اس کے بارے

(وہ یہ گمان کہ سے روک سکا

"اگر

طرف کھینچا

"وہ

"لند

سخن کے ساتھ

کے طور پر

کرنے اور

اور

بہر حال

کو پکڑیں گے

ہی مراد ہوں، ا

ایک

"جبر

حاضر

"عبد

پھوٹے سے

گرد آکھٹے

ل "فر

تفسیر

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر !

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کافر سرکشوں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز گزاروں کے لیے ان کی رحمت کے بارے میں آئی تھی، ان آیات میں ان پر سخت دھکیوں کی بارش کرتے ہوئے فرماتا ہے، "جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے (وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر ان کے سجدہ کے وقت پاؤں رکھ سکتا ہے، اور انہیں اس عبادتِ خدا سے روک سکتا ہے) (کلا)۔"

"اگر وہ اپنے اس غرور اور جہالت سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کے سر کے اگلے حصے کے بالوں کو پکڑ کر اُسے عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔" (لئن لم یذبح لفسفعا بالناصیۃ)۔

"وہی دروغ گو اور خطا کار کے سر کا اگلا حصہ (پیشانی) " (ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ)

"لنفسعا" "سفع" (بروزن عفو) کے مادہ سے بعض مفسرین کے قول کے مطابق مختلف معنی رکھتا ہے: پکڑنا، اور سختی کے ساتھ کھینچنا، منہ پر طمانچہ مارنا، منہ کو کالا کرنا۔ ان تین پتھروں کو بھی، جو دیگ کو آگ پر رکھتے وقت دیگ کے پائیے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، سفع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سیاہ اور ڈھوئیں سے آلودہ ہوتے ہیں۔ اور آخری بات نشان زدہ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے آتا ہے۔"

اور یہاں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلا معنی ہے۔ اگرچہ زیر بحث آیت میں دوسرے معانی کا احتمال بھی ہے۔ بہر حال کیا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ماجرا قیامت میں واقع ہوگا کہ ابوجہل جیسے افراد کے سر کے اگلے حصے کے بالوں کو پکڑیں گے اور جہنم کی طرف کھینچ کر جائیں گے، یا دنیا میں پورا ہو جائے گا، یا دونوں باتیں ہوں گی؟ یہ بات بعید نہیں ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں، اور اس کا گواہ ذیل کی روایت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے:

"جس وقت سورۃ الرحمن نازل ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"تم میں سے کون ہے؟ جو اس سورہ کو روسائے قریش کے سامنے جا کر پڑھے۔"

حاضرین کچھ دیر کے لیے خاموش رہے چونکہ وہ سردارانِ قریش کی ایذا رسانی سے ڈرتے تھے۔

"عبداللہ بن مسعود" کھڑے ہو گئے اور کہا: اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں یہ کام کروں گا..... ابن مسعود پھر سے جثہ کے پتھے اور جمانی لحاظ سے کمزور بھی تھے، کھڑے ہو کر سردارانِ قریش کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں دیکھا کہ وہ کعبہ کے گرد اکٹھے بیٹھے ہیں، لہذا ابن مسعود نے سورہ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی۔

ابو جہل نے کھڑے ہو کر ابن مسعود کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کا کان پھٹ گیا اور خون جاری ہو گیا۔ ابن مسعود روتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب پیغمبر کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا۔ آپ نے سر نیچے کر لیا اور گہرے غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔ اچانک جبریل نازل ہوئے جب کہ وہ خنداں اور مسرور تھے، آپ نے فرمایا: اے جبریل تم کس لیے ہنس رہے ہو جب کہ ابن مسعود روتا ہے؟ (جبریل نے) عرض کیا عنقریب آپ کو اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔

یہ ماجرا گزر گیا۔ جب مسلمان جنگ بدر کے دن کامیاب و کامران ہوئے تو ابن مسعود مشرکین کے مقتولین کے درمیان گردش کر رہے تھے ان کی نظر ابو جہل پر پڑی کہ وہ آفری سانس لے رہا تھا، ابن مسعود اس کے سینہ پر سوار ہو گئے، جب اس کی نگاہ ان پر پڑی تو کہا: اے حقیر چرواہے، تو کتنے بلند مقام پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابن مسعود نے کہا: الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ: "اسلام برتری حاصل کرے گا اور کسی چیز کو اسلام پر برتری نہیں ہوگی۔"

ابو جہل نے ان سے کہا اپنے دوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دے: نہ تو زندگی میں کوئی شخص میری نظر میں اس سے زیادہ مبغوض تھا اور نہ ہی موت کی حالت میں۔

جب یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

"میرے زمانے کا فرعون موٹی کے زمانے کے فرعون سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس نے تو اپنی عمر کے آفری لمحات میں یہ کہا تھا: میں ایمان لے آیا ہوں، لیکن اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی۔"

اس کے بعد ابو جہل نے ابن مسعود کی طرف رخ کر کے کہا: میرا سر اس تلوار سے قطع کر جو زیادہ تیز ہے۔ جب ابن مسعود نے اس کا سر قلم کیا تو وہ اس کو اٹھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ لا سکے۔ (لہذا اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر کھینچنے پھینچنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچے اور آیت کا مضمون اس دنیا میں پورا ہو گیا)۔

"ناصیة" سر کے اگلے حصے کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اور ان بالوں کو پکڑنا ایسی جگہ بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو کسی کام کے لیے ولت و غاری کے ساتھ لے جائیں، کیونکہ جب کسی کے سر کے اگلے حصے کے بالوں کو پکڑتے ہیں تو اس سے ہر قسم کی حرکت کی قدرت سلب ہو جاتی ہے اور اس کے لیے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

البتہ لفظ "ناصیة" افراد و اشخاص کے لیے بھی اور نفیس اشیاء کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم فارسی (اور اردو) زبان میں "جمعیت کی پیشانی" یا "عمارت کی پیشانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

"ناصیة کا ذبہ خاطرۃ" کی تعبیر ایسے شخص کی طرف اشارہ ہے، جو یہ ناصیہ رکھتا ہے، جو بھوٹا بھی تھا اور خطا کا بھی، جیسا کہ ابو جہل تھا۔

ایک روایت میں ابن عباس سے آیا ہے کہ ایک دن ابو جہل رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابراہیم کے پاس نماز میں مشغول تھے، اس نے پکار کر کہا کیا میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ حضرت نے اس کو جھڑک کر دھتکار دیا۔
ابوہبل نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! تم مجھے جھڑکتے ہو اور مجھے دھتکارتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سرزمین میں میری قوم اور قبیلہ سب سے زیادہ ہے؟
اس موقع پر بعد والی آیت نازل ہوئی: "یہ جاہل و مغرور اپنی ساری قوم و قبیلہ کو پکار لے اور انہیں مدد کے لیے بلا لے (فلیسع نادیہ)۔"

"ہم بھی مامورینِ دوزخ کو پکار لیں گے" (سندع الزبانیۃ)۔
تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس بے خبر غافل سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مامورینِ عذاب کے چنگل میں پرکاش کی طرح ایک خوفناک طوفان کے درمیان میں ہے۔
"نادی" "ندا" (پکارنا) کے مادے سے مجلسِ عمومی کے معنی میں ہے، اور بعض اوقات مرکزِ تفریح کو بھی نادی کہا جاتا ہے، چونکہ وہاں لوگ ایک دوسرے کو پکارتے اور ندا دیتے ہیں۔
بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ "ندا" سے لیا گیا ہے جو بخشش کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہاں ایک دوسرے کی پذیرائی کرتے ہیں "دارالندوة" بھی جو قریش کی مشہور مجلسِ مشاورت کہی جاتی تھی اسی معنی سے لی گئی ہے۔
لیکن یہاں "نادی" سے مراد وہ جماعت ہے جو اس مجلس میں جمع ہوتی تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں اس سے وہ قوم و قبیلہ اور دوست مراد ہیں جن کی قوت پر ابوہبل جیسے لوگ اپنے کاموں میں بھروسہ کرتے تھے۔
"زبانیۃ" جمع "زبانیہ" (زبان کی زبیر کے ساتھ) اصل میں انتظامی مامورین کے معنی میں ہے جو "زبان" (بروزن متین) کے مادے سے دفع کرنے، ضرب لگانے اور دُور کرنے کے معنی میں ہے، اور یہاں فرشتگانِ عذاب اور دوزخ کے مامورین کے معنی میں ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں جو آیۃِ سجدہ ہے، فرماتا ہے: "اس طرح نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے اور تیرے سجدہ کے ترک کرنے پر اصرار کرتا ہے" "کَلَّا"
"مہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور اس کا تقرب حاصل کر" (لا تطعه واسجد واقترب)۔
دنیا زمانے کے ابوہبل اس سے کہیں زیادہ حقیر و ناچیز ہیں کہ تجھے سجدہ کرنے سے روک سکیں، یا تیرے دین و آئین کی ترقی میں روٹے اٹکا سکیں اور اس میں کوئی رکاوٹ ڈال سکیں۔ تو پروردگار پر توکل کرتے ہوئے اس کی عبادت و بندگی اور سجدہ کے ساتھ اس راستہ میں قدم بڑھائے جا، اور ہر روز اپنے خدا سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا چلا جا۔
ضمنی طور پر اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سجدہ انسان کے لیے بارگاہِ خدا کے قرب اور نزدیکی کا باعث ہے اور اسی لیے ایک حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

خداوند! ہمیں کبر و غرور سے، جو تجھ سے دُوری کا اصل سبب ہے، محفوظ رکھ۔
 پروردگارا! ہمیں دنیا و آخرت میں ایک لمحہ کے لیے بھی ہمارے اپنے سپرد نہ کرنا۔
 بارالہا! ہمیں ایسی قدرت عطا فرما کہ ہم ان مغرور مستحکبین کی ناک کو، جو تیرے سامنے سدا رہتے ہوئے ہیں،
 رگڑ کر رکھ دیں اور ان کے تمام منسویں کو مٹا دیں۔

آمین یا مرتّب العالمین

سورہ اعلق کا اختتام

سُورَةُ الْقَدْرِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

اس
شب قدر کی
اس
ہونا ہے کیا
علیہ وآلہ وسلم
علیہ وآلہ وسلم
تسلی دی، ا
تقریباً ایک ہ
اس

ط " رزق
ط " بجز

سُورَةُ "قَدْر" کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس سُورہ کا مضمون ، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے ، شبِ قدر میں قرآن کا نزول ہے۔ اس کے بعد شبِ قدر کی اہمیت اور اس کے برکات و آثار کا بیان ہے۔

اس بارے میں کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں ، مفسرین کے درمیان مشہور اس کا "مکی" ہونا ہے لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ "بنی اُمیہ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گراں گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ ہوئے تو سُورہ قدر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ، (لہذا بعض علماء " لیلۃ القدر خیر من الف نشف" کو بنی اُمیہ کی حکومت کی طرف ناظر سمجھتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار ماہ رہی) اور ہم جانتے ہیں کہ مسجد اور منبر مدینہ میں بنائے گئے تھے ۔

اس سُورہ کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

" من قرأها اعطی من الاجر کمین صام رمضان واحیا لیلۃ القدر "

" جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے ماہِ رمضان کے

روزے رکھے اور شبِ قدر کو احیا کیا ہو " ۔

۱ " روح المعانی " جلد ۳۰ ص ۱۸۸ و " در المنثور " جلد ۶ ص ۳۷۱

۲ " مجمع البیان " جلد ۱۰ ص ۵۱۶

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ آنا انزلناہ بجھرکان کشاہر سیفہ فی سبیل اللہ“

”ومن قرأھا سرّاً کان کالمتشجط بدمہ فی سبیل اللہ“

” جو شخص سورہ آنا انزلناہ کو بلند آواز سے پڑھے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے

راہِ خدا میں تلوار کھینچی اور جہاد کیا ، اور جو شخص اسے آہستہ اور پنهان طور سے پڑھے

وہ اس شخص کے مانند ہے جو راہِ خدا میں اپنے خون میں کت پت ہو۔

واضح ہے کہ یہ سب فضیلت اس شخص کے لیے نہیں ہے جو اسے پڑھے تو سہی لیکن اس کی حقیقت کو نہ سمجھے بلکہ

یہ اس شخص کے لیے ہے جو اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھتا بھی ہو ، اور اس کے مضمون پر عمل کرتا ہو ، قرآن کو عظیم سمجھتا ہو

اور اس کی آیات کو اپنی زندگی میں عملی شکل دیتا ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝
- ۲۔ وَمَا اَدْرٰیكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝
- ۳۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝
- ۴۔ تَنْزِیْلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ فِیْهَا یَاذُنْ رَبِّهِمْ ۝ مَنْ
- ۵۔ كُلَّ اَمْرٍ ۝
- ۵۔ سَلُوْهُۙ حَتّٰی مَطَّلَعَ الْفَجْرِ ۝

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے

- ۱۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔
- ۲۔ اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے ؟
- ۳۔ شب قدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔
- ۴۔ فرشتے اور رُوح اس رات میں اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام (کی تقدیر) کے لیے اترتے ہیں۔
- ۵۔ یہ ایک ایسی رات ہے جو طلوع صبح تک سلامتی (اور برکت ورحمت) سے پُر ہے۔

تفسیر

شب قدر نزول قرآن کی رات

قرآن کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا ہے، شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن، (بقرہ - ۱۸۵) اور اس تعبیر کا ظاہر یہ ہے کہ سارا قرآن اسی ماہ میں نازل ہوا ہے۔

اور سورہ قدر کی پہلی آیت میں مزید فرماتا ہے: ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے: (انا انزلناہ فی لیلة القدر)۔ اگرچہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآن کا نام ذکر نہیں ہوا، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ "انا انزلناہ" کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا ظاہری ابہام اس کی عظمت اور اہمیت کے بیان کے لیے ہے۔

"انا انزلناہ" (ہم نے اسے نازل کیا ہے) کی تعبیر بھی اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی طرف ایک اور اشارہ ہے جس کے نزول کی خدانے اپنی طرف نسبت دی ہے خصوصاً صیغہ متکلم مع النیر کے ساتھ جو جمع کا مفہوم رکھتا ہے، اور یہ عظمت کی دلیل ہے۔ اس کا شب قدر میں نزول، وہی شب جس میں انسانوں کی سرنوشت اور مقدرات کی تعیین ہوتی ہے۔ یہ اس عظیم آسمانی کتاب کے سرنوشت ساز ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

اس آیت کو سورہ بقرہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر ماہ مبارک رمضان میں ہے، لیکن وہ کون سی رات قرآن سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن روایات میں اس سلسلہ میں بہت زیادہ بحث آئی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس سورہ کے آخر میں اس سلسلہ میں بھی اور دوسرے مسائل کے بارے میں بھی گفتگو کریں گے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے بھی اور قرآن کے مضمون کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے ارتباط کے لحاظ سے بھی یہ مسلم ہے کہ یہ آسمانی کتاب تدریجی طور پر اور ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بات اُردو والی کتاب جو یہ کہتی ہیں کہ ماہ رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہوئی، کس طرح سازگار ہوگی؟

اس سوال کا جواب - جیسا کہ بہت سے محققین نے کہا ہے - یہ ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں۔

۱۔ نزول دفعی جو ایک ہی رات میں سارے کا سارا پیغمبر اکرم کے پاک قلب پر یا بیت المعمور پر یا لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا۔

۲۔ نزول تدریجی: جو تیسریں سال کے عرصہ میں نبوت کے دوران انجام پایا۔ (ہم سورہ ذخان کی آیہ ۳ جلد ۱۲ تفسیر نمونہ سے آگے اس مطلب کی تشریح کر چکے ہیں)۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا تھا، نہ کہ سارا قرآن، لیکن یہ چیز آیت کے ظاہر کے خلاف ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے سلسلے میں بعض آیات میں "انزال" اور بعض میں "تنزیل" کی تفریق اور لغت کے کچھ ممتحنوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "تنزیل" کا لفظ عام طور پر وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی چیز تدریجاً نازل ہو لیکن

وہی مفہوم رکھتا ہے بعد الی آیہ (لیلة التدریس) اور بلا خاصہ (شہر)۔

یہ تعبیر اس صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی۔

ہم جانتے: برابر قدر و قیمت، بعض تفاسیر

ایک اور حدیث میں ہے کہ خدا کی رحمت اس بارے میں

شب قدر کی قدر و قدر منکر تعداد ہی اس کے بعد

یہ سے ہر کام کی تقدیر اس بات کی طرف ہو جاتا ہے کہ شب

مفروضات راغب "در المنثور" جلد

میں مفہوم رکھتا ہے جو نزولِ دفعی کو بھی شامل ہوتا ہے۔ تعبیر کا یہ فرق جو قرآن کی آیات میں آیا ہے ممکن ہے کہ اوپر والے دو نزولوں کی طرف اشارہ ہو۔ بعد والی آیت میں شب قدر کی عظمت کے بیان کے لیے فرماتا ہے: "تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے" (وما ادراك ما ليلة القدر)۔

اور بلا فاصلہ کہتا ہے: "شب قدر ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے" (ليلة القدر خير من الف شهر)۔

یہ تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس رات کی عظمت اس قدر ہے کہ پیغمبر اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی اپنے اس وسع و عریض علم کے باوجود آیات کے نزول سے پہلے واقف نہیں تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہزار ماہ اسی (۸۰) سال سے زیادہ ہے۔ واقف کتنی با عظمت رات ہے جو ایک پُر برکت طولانی عمر کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لباس جنگ زیب تن کر رکھا تھا، اور ہزار ماہ تک اُسے نہ اتارا، وہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول (یا آمادہ) رہتا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب و انصار نے تعجب کیا، اور آرزو کی کہ کاش اس قسم کی فضیلت و افتخار انہیں بھی میسر آئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور بیان کیا کہ شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار افراد کا ذکر کیا جنہوں نے اسی سال بغیر عبادت کیسے خدا کی عبادت کی تھی۔ اصحاب نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی اس قسم کی توفیق حاصل کرتے تو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اس بارے میں کہ یہاں ہزار کا عدد "تعداد" کے لیے ہے یا "تکثیر" کے لیے بعض نے کہا ہے: یہ تکثیر کے لیے ہے۔ شب قدر کی قدر و منزلت کسی ہزار ماہ سے بھی زیادہ ہے، لیکن وہ روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ عدد مذکور تعداد ہی کے لیے ہے۔ اور اصلی طور پر بھی عدد ہمیشہ تعداد کے لیے ہوتا ہے مگر یہ کہ تکثیر پر کوئی واضح قرینہ موجود ہو۔

اس کے بعد اس عظیم رات کی مزید تعریف و توصیف کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے: "اس رات میں فرشتے اور رُوح اپنے پروردگار کے سے ہر کام کی تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں" (تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "تنزل" فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے (جو اصل میں "تنتزل" تھا)۔ ہر جاتا ہے کہ شب قدر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نزولِ قرآن کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ یہ ایک امر مستمر ہے، اور ایسی راتیں مفراتِ راغب ماہہ نزل۔

جو ہمیشہ آتی رہتی ہے اور ہر سال آتی ہے۔

اس بارے میں کہ رُوح سے کیا مراد ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "جبرئیل امین" ہے، جسے "رُوح الامین" بھی کہا جاتا ہے، اور بعض نے "رُوح" کی سورہ شوریٰ کی آیہ ۵۲ "وَكذٰلِكَ اوحينا اليك سرّوٰكنا من امرنا" "جیسا کہ ہم نے گزشتہ انبیاء پر وحی کی تھی، اسی طرح سے تجھ پر بھی اپنے فرمان سے وحی کی ہے" کے قرینہ سے "وحی" کے معنی میں تفسیر کی ہے۔

اس بنا پر آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا "فرشتے وحی الہی کے ساتھ، مقدرات کی تعیین کے سلسلہ میں، اس رات میں نازل ہوتے ہیں" یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے جو سب سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "رُوح ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو فرشتوں سے مافوق ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا، کیا رُوح وہی جبرئیل ہے؟" امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

"جبرئیل من الملائکة، والروح اعظم من الملائکة ان الله عز وجل

يقول: تنزل الملائکة والروح"

"جبرئیل تو ملائکہ میں سے ہے، اور رُوح ملائکہ سے زیادہ عظیم ہے، کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ملائکہ اور رُوح نازل ہوتے ہیں؟"

یعنی مقابلہ کے قرینہ سے یہ دونوں آپس میں مختلف ہیں۔ لفظ "روح" کے لیے یہاں دوسری تفسیر بھی ذکر ہوئی ہے کہ کون سا کلمہ کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، لہذا ان سے صرف نظر کی گئی ہے۔

"من کل امر" سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سرنوشتوں کی تقدیر و تعیین کے لیے، اور ہر خیر و برکت لانے کے لیے اس رات میں نازل ہوتے ہیں، اور ان کے نزول کا مقصد ان امور کی انجام دہی ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ وہ ہر امر خیر اور ہر سرنوشت اور تقدیر کو اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے امر و فرمان سے نازل ہوتے ہیں لیکن مناسب وہی پہلا "رَبِّهِمْ" کی تعبیر کو، جس میں ربوبیت اور تدبیر جہاں کے مسئلہ پر بات ہوئی ہے، ان فرشتوں کے کام کے ساتھ قریبی مناسب ہے۔ وہ امور کی تدبیر و تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں، اور ان کا کام بھی پروردگار کی ربوبیت کا ایک گوشہ ہے۔

اور آفری آیت میں فرماتا ہے: "یہ ایک ایسی رات ہے، جو طلوع صبح تک سلامتی اور خیر و برکت و رحمت سے پُر رہتی ہے" (اسلام ہی حجتی مطلع الفجر)۔

قرآن بھی اسی میں نازل ہوا، اس کا احیا اور شب بیداری بھی ہزار ماہ کے برابر ہے، خدا کی خیرات و برکات بھی اسی شب اس کی رحمت خاص بھی بندوں کے شامل حال ہوتی ہے، اور فرشتے اور رُوح بھی اسی رات میں نازل ہوتے ہیں۔

۱ "تفسیر برہان" جلد ۴ ص ۴۸۱

۲ پہلی تفسیر کے مطابق "من" "لام" کے معنی میں ہے اور "من کل امر" کا مطلب "لاجل کل امر" ہے۔

۳ کے مطابق "من" "باء مصاحبت" کے معنی میں ہے۔

اسی بنا
اس رات میں
اس بنا
جیسا کہ بعض اوقات
بعض نے
پہلی تفسیر کے حضور
ان تفسیر
ہر حال یہ
ایک حدیث
فرمایا
حضرت ابراہیم
امام کیا، رھوا
کہتے ہیں
کیے کہ جب شد
!!
جب ابراہیم
اس کے سلام
ہاں! یہ آیت
پر
چند
شب
اس سوال
تفسیر برہان
تفسیر فرزا

اسی بنا پر یہ ایک ایسی رات ہے جو آغاز سے انتہا تک سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق اس رات میں شیطان کو زنجیر میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی رات ہے جو سالم اور سلامتی سے توام ہے۔ اس بنا پر "سلام" کا اطلاق جو سلامت کے معنی میں ہے (سالم کے اطلاق کے بجائے) حقیقت میں ایک قسم کی تاکید ہے۔ تاکہ بعض اوقات ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی نین عدالت ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات پر "سلام" کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ فرشتے مسلسل ایک دوسرے پر یا مومنین پر سلام کرتے ہیں۔ حضور میں اور آپ کے معصوم جانثین کے حضور میں جا کر سلام عرض کرتے ہیں۔ ان تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یہ ایک ایسی رات ہے جو ساری کی ساری نور و رحمت، خیر و برکت، سلامت و سعادت، اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا، کیا آپ جانتے ہیں کہ شب قدر کون سی رات ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "کیف لا نعرف والملائکة تطوف بنا فیها"

"ہم کیسے نہ جانیں گے جب کہ فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں" حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آیا ہے کہ خدا کے کچھ فرشتے آپ کے پاس آئے اور انہیں بیٹھے کے تولد کی بشارت دی اور ان پر ام کیا، (ہود - ۶۹)

کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جو لذت ان فرشتوں کے سلام میں آئی، ساری دنیا کی لذتیں بھی اس کے برابر نہیں تھیں۔ اب غور کرنا ہے کہ جب شب قدر میں فرشتے گروہ درگروہ نازل ہو رہے ہوں، اور مومنین کو سلام کر رہے ہوں، تو اس میں کتنی لذت، لطف اور برکت ہے!

جب ابراہیمؑ کو آتش فرود میں ڈالا گیا، تو فرشتوں نے آکر آپ کو سلام کیا اور آگ ان پر گلزار بن گئی، تو کیا شب قدر میں مومنین کو سلام کی برکت سے آتش دوزخ "برو" و "سلام" نہیں ہوگی؟

ہاں! یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی نشانی ہے کہ وہاں تو خلیل پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں اسلام کی اس شہادت پر۔

چند نکات

شب قدر میں کون سے امور مقدر ہوتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں کہ اس رات کو، شب قدر، کا نام کیوں دیا گیا ہے، بہت کچھ کہا گیا ہے، منجملہ یہ کہ:

تفسیر برہان، جلد ۲، ص ۴۸۸، حدیث ۲۹

تفسیر فخر رازی، جلد ۲۲، ص ۳۶

۱۔ شب قدر کو شب قدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ بندوں کے تمام سال کے سارے مقدرات اسی رات میں تعین ہوتے ہیں، اس معنی کی گواہ سورہ دخان ہے جس میں آیا ہے کہ: انا انزلناہ فی لیلة مبارکة انا کننا منذرین فیہا یفرق کل امر حکیو: ”ہم نے اس کتاب میں کو ایک پُر برکت رات میں نازل کیا ہے، اور ہم ہمیشہ ہولنازی کرتے رہے ہیں، اس رات میں ہر امر خداوندِ عالم کی حکمت کے مطابق تنظیم و تعین ہوتا ہے۔“ (دخان - ۴۹۳)

یہ بیان متعدد روایات کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو کہتی ہیں کہ اس رات میں انسان کے ایک سال کے مقدرات کی تعین ہوتی ہے اور رزق، عمریں اور دوسرے امور اسی مبارک رات میں تقسیم اور بیان کیے جلتے ہیں۔ البتہ یہ چیز انسان کے ارادہ اور مسئلہ اختیار کے ساتھ کسی قسم کا تضاد نہیں رکھتی کیونکہ فرشتوں کے ذریعے تقدیر الہی لوگوں کی نشاندگی اور لیاقتوں، اور ان کے ایمان و تقویٰ اور نیت اعمال کی پاکیزگی کے مطابق ہوتی ہے۔

یعنی ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے، یا دوسرے لفظوں میں، اس کے مقدرات خود اسی کی طرف سے فراہم ہوتے ہیں اور یہ امر نہ صرف یہ کہ اختیار کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، بلکہ یہ اس پر ایک تاکید ہے۔

۲۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات کا اس وجہ سے شب قدر نام رکھا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم قدر و شرافت کی حامل ہے جس کی نظیر سورہ حج کی آیت ۷۴ میں آئی ہے (ما قدروا اللہ حق قدرہ) انہوں نے حقیقت میں خدا کی قدر و عظمت کو ہی نہیں پہچانا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنی پوری قدر و منزلت کے ساتھ، قدر و منزلت والے رسول پر اور صاحب قدر و منزلت فرشتے کے ذریعے اس میں نازل ہوا ہے۔

۳۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ ایک ایسی رات ہے جس میں قرآن کا نازل ہونا مقدر ہوا ہے۔

۴۔ یا یہ ہے کہ جو شخص اس رات کو بیدار رہے تو وہ صاحب قدر و مقام و منزلت ہو جاتا ہے۔

۵۔ یا یہ بات ہے کہ اس رات میں اس قدر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے عرصہ زمین تنگ ہو جاتا ہے، کیونکہ تقدیر تنگ ہونے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ ومن قدر علیہ رزقہ (طلاق - ۷)

ان تمام تفاسیر کا ”لیلة القدر“ کے وسیع مفہوم میں جمع ہونا پورے طور پر ممکن ہے۔ اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب اور زیادہ مشورہ ہے۔

۲۔ شب قدر کون سی رات ہے؟

اس بارے میں کہ ”لیلة القدر“ ماہ رمضان میں ہوتی ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کی تمام آیات اس معنی کا اقتضا کرتی ہیں، ایک طرف تو وہ کہتی ہیں کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے (بقوہ - ۱۸۵) اور دوسری طرف یہ کہتی ہیں کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ (آیات زیر بحث)۔

لیکن اس بارے میں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں سے کون سی رات ہے، بہت اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں بہت

تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ: پہلی رات، سترھویں رات، اکیسویں رات، اکیسویں رات، ستائیسویں رات اور تیسویں رات۔ لیکن روایات میں مشہور و معروف یہ ہے کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے اکیسویں یا تیسویں رات ہے۔ اسی لیے کہ

میں آیا ہے کہ ایک کہ ان دونوں رات تو بھی امام نے

لیکن زیادہ تر روایات ایک

اور اس لیکن

۳۔ شد

بہت

لوگ ان سب اور اطاعتوں کی طاقتوں کو لوگوں۔

اہم عظیم کو پسینے اور یہ نہ

۴۔ کیا

اس سلسلہ

۵۔ نورانی

۶۔ نورانی

میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ مبارک کی آخری دس راتوں میں تمام راتوں کا احیا فرماتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ شب قدر اکیسویں یا تیسویں رات ہے، یہاں تک کہ جب راوی نے اصل رکھا کہ ان دونوں راتوں میں سے کون سی رات ہے۔ اور یہ کہا کہ اگر میں ان دونوں راتوں میں عبادت نہ کر سکوں تو پھر کون سی رات کا انتخاب کروں؟ تو ہی امام نے تعیین نہ فرمائی اور مزید کہا:

” ما اليسر ليلتين فيما تطلب “

” اس چیز کے لیے جسے تو چاہتا ہے دو راتیں کس قدر آسان ہیں؟ “

لیکن متعدد روایات میں جو اہل بیت کے طریقہ سے پہنچی ہیں، زیادہ تر تیسویں رات پر تکیہ ہوا ہے۔ جب کہ اہل سنت کی زیادہ تر روایات ستائیسویں رات کے گرد گردش کرتی ہیں۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

” التقدير في ليلة القدر تسعة عشر، والابرار في ليلة احدى

وعشرين، والامضاء في ليلة ثلاث وعشرين “

” تقدیر مقدرات تو انیسویں کی شب کو ہوتی ہے، اور ان کا حکم اکیسویں رات کو، اور ان

کی تصدیق اور منظوری تیسویں رات کو۔ “

اور اس طرح سے روایات کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

لیکن بہر حال، اس وجہ کی بنا پر جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، شب قدر کو ابہام کے ایک ہالے نے گھیر رکھا ہے۔

۳۔ شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی؟

بہت سے علما کا نظریہ یہ ہے کہ سال بھر کی راتوں یا ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں شب قدر کا مخفی ہونا اس بنا پر ہے کہ لوگ ان سب راتوں کو اہمیت دیں۔ جیسا کہ خدا نے اپنی رضا و خوشنودی کو مختلف قسم کی عبادتوں میں پنہاں کر رکھا ہے تاکہ لوگ سب عبادتوں اور اطاعتوں کی طرف رُخ کریں۔ اور اپنے غضب کو معاصی کے درمیان پنہاں رکھا ہے، تاکہ لوگ سب گناہوں سے پرہیز کریں، اپنے دعتوں کو لوگوں سے مخفی رکھا ہے تاکہ سب کا احترام کریں اور دعائوں کی قبولیت کو مختلف دعاؤں میں پنہاں رکھا ہے تاکہ دعائوں کی طرف رُخ کریں۔ اہم عظیم کو اپنے اسماء میں مخفی رکھا ہے تاکہ تمام اسماء کو بزرگ و عظیم سمجھیں۔ اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تاکہ ہر حالت میں آمادہ و تیار رہیں اور یہ فلسفہ مناسب نظر آتا ہے۔

۴۔ کیا گوشہ نشین امتوں میں بھی شب قدر ہوتی؟

اس سورہ کی آیات کے ظاہر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ شب قدر منزل قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز کے

۱۔ ” نورالشفیقین “ جلد ۵ ص ۶۲۵ حدیث ۵۸

۲۔ ” نورالشفیقین “ جلد ۵ ص ۶۲۶ حدیث ۶۲

ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ بلکہ دنیا کے اختتام تک اس کا ہر سال تکرار ہوتا رہے گا۔

فعل مضارع (تنزل) کی تعبیر، جو استمرار پر دلالت کرتی ہے، اور اسی طرح جملہ اسمیہ "سلام ہی حتی مطلع الفجر" کی تعبیر بھی، جو دوام کی نشانی ہے، اسی معنی کی گواہ ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات بھی، جو شاید حد تو اتر میں ہیں، اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔

لیکن یہ بات کہ کیا یہ گزشتہ اُمتوں میں بھی تھی یا نہیں؟ متعدد روایات کی تصریح یہ ہے کہ یہ اس اُمت پر مواہب الہیہ میں سے ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ان الله وهب لامتي ليلة القدر لم يعطها من كان قبلي" "خدا نے میری اُمت کو شبِ قدر عطا کی ہے، گزشتہ اُمتوں میں سے کسی کو بھی یہ نعمت نہیں ملی تھی۔"

اوپر والی آیات کی تفسیر میں بھی بعض وارد شدہ روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔ شبِ قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟

ظاہر ہے کہ اس شب کا ہزار ماہ سے بہتر ہونا اس رات کو بیدار رہنے اور اس کی عبادت کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے، اور لیلۃ القدر کی فضیلت اور اس میں عبادت کی فضیلت کی روایات، جو شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں فراوان ہیں، اس مطلب کی مکمل طور سے تائید کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس رات میں قرآن کا نزول اور اس میں برکات اور رحمتِ الہی کا نزول بھی اس بات کا سبب ہے کہ یہ ہزار ماہ سے برتر و بالاتر ہو۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے "علی بن ابی حمزہ ثمالی" سے فرمایا:

شبِ قدر کی فضیلت کو اکیسویں اور تیسویں رات میں تلاش کرو، اور ان دونوں راتوں میں سے ہر ایک میں ایک سو رکعت نماز بجالاد۔ اور اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں راتوں کا طلوعِ صبح تک احیا کرو، اور اس رات کو غسل کرو۔ "البحرہ" کہتا ہے: میں نے عرض کیا: "اگر میں کھڑے ہو کر یہ سب نمازیں نہ پڑھ سکوں۔"

آپ نے فرمایا: پھر بیٹھ کر پڑھ لو۔ میں نے عرض کیا: اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکوں۔ آپ نے فرمایا: پھر لیٹ کر

اور رات کے پہلے حصہ میں تھوڑا سا سولینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے، اور اس کے بعد عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ماہِ رمضان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شیاطین طوق و زنجیر میں جکڑے ہوتے ہوتے ہیں اور مومنین کے اعمال مقبول ہوتے ہیں، ماہِ رمضان کہتا

۱۔ "در المنثور" ج ۶ ص ۳۷۱

۲۔ "توالتقلین" جلد ۵ ص ۶۲۶ حدیث ۵۸ کا ایک حصہ۔

۶۔ قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟

کیونکہ شب قدر میں ایک سال کے لیے انسانوں کی سرنوشت ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق مقدر کی جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان اس رات بیدار رہے۔ اور توبہ اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کرے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خود میں اس کی رحمت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر لیاقت پیدا کرے۔

ہاں! جن لمحات میں ہماری سرنوشت کی تعیین ہوتی ہے، ان میں انسان کو سہوا ہونا نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ ہی ہر چیز سے غافل اور بے خبر رہنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں ایک غم ناک سرنوشت ہو جائے گی۔

قرآن چونکہ ایک سرنوشت ساز کتاب ہے، اور اس میں انسانوں کی سعادت و خوش بختی اور ہدایت کی باتوں کی وضاحت کی گئی ہے، لہذا ضروری ہے کہ سرنوشتوں کی تعیین کا پروگرام شب قدر میں نازل ہو۔ قرآن اور شب قدر کے درمیان کتنا خوبصورت رابطہ ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ کس قدر پُر معنی ہے؟

۷۔ کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی شب قدر ہوتی ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ تمام شہروں میں قمری مہینوں کا آغاز یکساں نہیں ہوتا اور یہ ممکن ہے کہ ایک علاقہ میں تو آج اول ماہ ہو، اور دوسرے علاقہ میں دوسری تاریخ ہو۔ اس بنا پر شب قدر سال میں ایک معین رات نہیں ہو سکتی، کیونکہ شمال کے طور پر مکہ کی تیسویں رات، ایران و عراق میں بائیسویں کی رات ہو سکتی ہے، اس طرح سے اصولی طور پر ہر ایک کی علیحدہ شب قدر ہوگی۔ کیا یہ بات اس چیز سے، جو آیات و روایات سے معلوم ہوتی ہے، کہ شب قدر ایک معین رات ہے، سازگار ہے؟

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رات وہی کرۂ زمین کے آدھے سایہ کو ہی کہتے ہیں، جو کرۂ زمین کے دوسرے حصہ پر پڑتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سایہ گردش زمین کے ساتھ حرکت میں ہے، اور اس کا ایک مکمل دورہ چوبیس گھنٹوں میں انجام پاتا ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ شب قدر رات کا زمین کے گرد ایک مکمل دورہ ہو۔ یعنی تاریکی کی چوبیس گھنٹے کی مدت جو زمین کے تمام نقاط کو اپنے سائے کے نیچے لے لے، وہ شب قدر ہے، جس کا آغاز ایک نقطہ سے ہوتا ہے، اور دوسرے نقطہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (غور کیجئے)۔

خداوند! ہمیں اس قسم کی بیلری و آگاہی عطا فرما کہ لیلۃ القدر کی فضیلت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔
پروردگارا! ہماری چشم امید تیرے لطف و کرم پر لگی ہوئی ہے، ہمارے مقدرات کو اس کے موافق معین فرما۔
بارالہا! ہمیں اس مہینہ کے نمونہ میں سے قرار نہ دے کہ جس سے بالاتر کوئی محرومیت نہیں ہے۔

آئیں۔ یا سائر العالمین
سورہ "قدر" کا اختتام
آخر ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ
بلاذ جمعہ ایک بج کر پانچ منٹ
(عجیب اتفاق ہے)
برسکان حقیر قسم مقدس ایران

سُورَةُ الْبَيْتَةِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں۔

کے بار۔

۶

لیکن اس

۶

آئینتہ ہو

تو ایک گرا

۶

ایک ایسا

گروہ جو

اختیار کرے

۳۱

مشہور سورہ

ایک

سورہ بینہ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس کے مطالب بھی اسی معنی کی گواہی دیتے ہیں، کیونکہ اس میں بار بار اہل کتاب کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب سے مسلمانوں کا زیادہ تر سروکار مدینہ میں ہی ہوا۔ اس سے قطع نظر نماز اور زکوٰۃ دونوں کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ زکوٰۃ کا شرعی حکم تو مکہ میں ہی ہو گیا تھا، لیکن اس کو قانونی صورت اور وسعت مدینہ میں دی گئی۔

بہر حال یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ہمہ گیر ہونے، اور اس کے روشن و واضح دلائل اور نشانیوں سے آئینہ ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایسی رسالت جس کے لیے پہلے سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ لیکن جب ان کے پاس یہ رسالت پہنچی تو ایک گروہ نے اس بنا پر کہ ان کے مادی منافع خطرے میں پڑ رہے تھے، اس کی طرف سے پشت پھیر لی۔ ضمنی طور پر یہ اس حقیقت کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہے کہ انبیاء کی دعوت کا اصول، مثلاً ایمان و توحید و نماز و روزہ، ایک ایسا اصول ہے جو ثابت اور جاودانی ہے اور یہ تمام آسمانی ادیان میں موجود رہا ہے۔

اس سورہ کے ایک دوسرے حصہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے اسلام کے مقابلہ میں اعتراضات کو شخص کرتا ہے کہ وہ گروہ جو ایمان لے آیا ہے اور اعمال صالح انجام دیتا ہے وہ تو بہترین مخلوق ہے۔ اور وہ گروہ جس نے کفر، شرک اور گناہ کی راہ اختیار کر لی ہے، وہ بدترین مخلوق شمار ہوتی ہے۔

اس سورہ کے مختلف نام ہیں، جو اس کے الفاظ کی مناسبت سے انتخاب ہوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور سورہ "بینہ" و "لہو یکن" و "قیمۃ" ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں اس طرح نقل ہوا ہے:-

” اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس سورہ میں کون کون سی برکتیں ہیں تو وہ اپنے گھروالوں اور مال و منال کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھتے۔“

قبیلہ ” خزاعہ“ کے ایک شخص نے عرض کیا : اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس کی تلاوت کا اجر و ثواب

کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

” کوئی منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں شک و شبہ ہے، اس کی تلاوت نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم مقرب فرشتے اس دن سے جب سے سارے آسمان اور زمین پیدا ہوئے ہیں اسے پڑھتے ہیں، اور اس کی تلاوت میں ایک لمحہ کے لیے بھی سستی نہیں کرتے جو شخص اسے رات کے وقت پڑھے گا، خدا ایسے فرشتوں کو مامور کرے گا، جو اس کے دین دنیا کی حفاظت کریں گے، اور اس کے لیے بخشش اور رحمت طلب کریں گے، اور اگر دن کے وقت پڑھے گا تو ان چیزوں کی مقدار میں جہنمیں دن روشن کرتا ہے، اور رات انہیں تاریک بنا دیتی ہے، اُسے ثواب دیں گے۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝
- ۲۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝
- ۳۔ فِیْهَا كُتِبَ قِیْمَةٌ ۝
- ۴۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ الْاٰمِنُۙ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ
الْبَیِّنَةُ ۝
- ۵۔ وَمَا اَمُرُوْا اِلَّا لَیْعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۝
حُنْفَآءٌ وَّ یُقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَ یُوْتُوْا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ
دِیْنُ الْقِیْمَةِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفار (کہتے تھے) جب تک ان کے لیے واضح دلیل نہ آجائے
وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

۲- خدا کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے۔

۳- اور ان میں صبح اور قابل قدر تحریریں ہوں۔

۴- لیکن اہل کتاب نے (خدا کے دین میں) اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس واضح دلیل پہنچ جانے کے بعد۔

۵- حالانکہ انہیں کوئی حکم اس کے سوا نہیں دیا گیا تھا کہ وہ کمال اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، شرک سے توحید کی طرف لوٹیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی مستقیم اور صحیح دین ہے۔

تفسیر

یہ جاودانی دین ہے

سورہ کے شروع میں ظہور اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ اس بات کا دعویٰ کیا کرتے تھے کہ جب تک کوئی واضح دلیل اور مستقیم پیغمبر ان کے پاس نہ آجائے، وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔" (لو یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والہشورکین منفکین حتی تأتیہم البیتۃ) "ایسا پیغمبر جو خدا کی طرف سے ہو اور پاک و پاکیزہ صحیفوں کو ہمارے سامنے تلاوت کرے۔" (رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرة)۔

ایسے صحیفے جن میں موزوں، ثابت اور قابل قدر تحریریں ہوں۔ (فیہما کتب قیمۃ)۔

ہاں! وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور آپ کی کتاب آسمانی کے نزول کے بعد میدان بدل گیا اور وہ خدا کے دین میں اختلاف کرنے لگ گئے۔ "اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلیل اور سچا اور آشکار پیغمبر ان کے پاس آجانے کے بعد" (وما تفرق الذین اتوا الکتاب الا من بعد ما جاءہم البیتۃ)۔

اس طرح سے اوپر والی آیات اہل کتاب اور مشرکین کے دعووں کو بیان کر رہی ہیں کہ ابتداء میں یہ اصرار تھا کہ اگر کوئی واضح دلائل کے ساتھ ہمیں دعوت دینے کے لیے آئے گا تو ہم قبول کر لیں گے۔

لیکن اس گروہ کے جنہوا
اس بنا

لہما معہ
اللہ علی الکتاب

اور اس سے پہلے

پاس آیا تو وہ کافر:

ہم جانے

زیادہ عالم اور زیادہ

کو بدل لیا اور سزا

مفسرین

وہ اپنے ادعا کے

لیکن اس

نشان دہی کرتی؟

چاہے وہ باکل قلباً

لیکن بہر حال

پیچیدہ آیت شمار

طریقے بیان کرتا ہے

یہاں ایک

جب تک کہ ان پر

دائرہ و علم کو ان کی ہوا:

حقیقت؟

کے لیے واضح دلائل

بہر حال:

کی ذات ہے جب

اس بات

بنا پر اسم

لیکن اس کے آجانے کے بعد وہ اپنے اس قول سے پھر گئے اور اس کے مقابلہ میں جنگ و جدال کے لیے کھڑے ہو گئے، سوائے اس گروہ کے جنہوں نے ایمان کی راہ اختیار کر لی۔

اس بنا پر اُد پر والی آیت اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ۸۹ : ولما جاءهم کتاب من عند اللہ مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتت حون علی الذین كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة اللہ علی الكافرین ، میں آئی ہے۔ یعنی جب خدا کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان نشانیوں کے موافق تھی جو ان کے پاس تھیں، اور اس سے پہلے وہ خود کو فتح کی خوش خبری دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ کتاب اور وہ پیغمبر جسے انہوں نے پہلے سے پہچانا ہوا تھا، ان کے پاس آیا تو وہ کافر ہو گئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب اس قسم کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے، اور اصولی طور پر، مشرکین عرب بھی، جو اہل کتاب کو اپنے سے زیادہ عالم اور زیادہ آگاہ سمجھتے تھے، اس پر دگراں میں ان کے ساتھ ہم آواز تھے۔ لیکن جب ان کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو انہوں نے اپنے راستہ کو بدل لیا اور مخالفین کی صفوں میں جا ملے۔

مفسرین کی ایک جماعت کا ان آیات کی تفسیر کے بارے میں ایک دوسرا نظریہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ واقعا وہ اپنے ادعا کے مطابق اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوئے، اور اُسے نہیں چھوڑا جب تک کہ واضح دلیل ان کے پاس نہ آگئی۔ لیکن اس بات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس قسم کی واضح دلیل آجانے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ بعد والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ یہ مطلب اس طرح نہیں تھا۔ مگر اس صورت میں کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد ان میں سے ایک گروہ کا ایمان لانا ہے، اسے وہ بالکل قبیل تعداد میں ہی ہوں، اور اصطلاح کے مطابق یہ ”موجبہ جزئیہ“ کی قبیل سے ہے۔

لیکن بہر حال یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے، اور شاید اسی بنا پر ”فخر لازی“ اپنی تفسیر میں پہلی آیت کو قرآنی آیات میں سب سے زیادہ پیچیدہ آیت شمار کرتا ہے، جو (اس کی نظر میں) بعد والی آیات سے تضاد رکھتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے چند طریقے بیان کرتا ہے جن میں سے بہترین یہی ہے جو ہم نے اُد پر نقل کیا ہے۔

یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا مشرکین اور اہل کتاب کو ان کی حالت پر نہیں بھڑے گا، جب تک کہ ان پر اتمام حجت نہ کر دے اور کوئی دلیل ”بیتنہ“ نہ بھیجے، اور انہیں راستہ نہ بتا دے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

حقیقت میں یہ آیت قاعدہ کلف کی طرف اشارہ ہے جو علم کلام میں بیان کیا جاتا ہے کہ خدا اتمام حجت کے لیے ہر قوم و ملت کے لیے واضح دلائل بھیجے گا۔

بہر حال ”بیتنہ“ سے مراد یہاں واضح درویشن دلیل ہے جس کا مصداق دوسری آیت کے مطابق ”رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے جب کہ آپ کی زبان پر قرآن مجید تھا۔

۱۰ اس بات پر توجہ کرنا چاہیے کہ ”منفکین“ جو ”منفک“ کی جمع ہے، ممکن ہے کہ اسم فاعل ہو، یا اسم مفعول ہو، پہلی اور دوسری تفسیر کی بنا پر اسم فاعل کے معنی دیتا ہے اور تیسری تفسیر کی بنا پر اسم مفعول کا (غور کیجئے)

”صعقہ“ تصحیفہ کی جمع ہے، جو ایسے اوراق کے معنی میں ہے جن پر کوئی چیز لکھتے ہیں، اور یہاں اس سے مراد ان اوراق کے مطالب ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کوئی چیز اوراق سے نہیں پڑھتے تھے۔

اور ”مطہرہ“ سے مراد، اس کا ہر قسم کے شرک، کذب، دروغ اور باطل سے پاک ہونا ہے اور شیاطین جن و انس کے اس میں دخل دینے سے پاک ہے۔

جیسا کہ سورہ لحم معجدہ کی آیت ۲۲ میں آیا ہے: لایأتیہ الباطل من بین یدیدہ ولا من خلفہ: ”اس کے پاس کسی قسم کا باطل نہ اس کے سامنے سے آتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔“

”فیہا کتب قیمۃ“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان صحف آسمانی میں ایسے مطالب لکھے ہوئے ہیں جن میں کسی قسم کا انحراف اور کجی نہیں ہے۔ اس بنا پر تو ”کتب“، ”مکتوبات کے معنی میں ہے، یا یہ ان احکام و مقررات کے معنی میں ہے جو خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں کیونکہ کتابت تعین حکم کے معنی میں بھی آئی ہے جیسا کہ فرماتا ہے: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلكم۔ ”روزہ تمہارے اذ پر اسی طرح سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا“ اور اس طرح ”قیمۃ“ صاف و مستقیم، یا محکم و پائیدار، یا قدر و قیمت والا کے معنی میں ہے، یا یہ سب معنائیں اس میں جمع ہیں۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ قرآن میں تمام گزشتہ کتب کے مضامین و مطالب بہت سے اضافات کے ساتھ ہیں، لہذا یہ کہا گیا ہے کہ اس میں گزشتہ کتب قیترہ ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کا ”مشرکین“ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت میں صرف اہل کتاب کا بیان ہے اور مشرکین کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی گئی، حالانکہ آیت دونوں کی طرف ناظر ہے۔

یہ تعبیرات ظاہراً اس وجہ سے ہیں کہ ان پر گراموں میں اہل کتاب اصل اور بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور مشرکین ان کے تابع یا اس بنا پر ہے کہ اہل کتاب زیادہ لائق مندرجہ تھے کیونکہ ان میں بہت سے علماء اور دانش مند موجود تھے اور وہ اس لحاظ سے مشرکوں بلند سطح پر تھے۔ اس بنا پر ان کی مخالفت زیادہ قبیح اور زیادہ ناپسندیدہ تھی، لہذا وہ زیادہ سرزنش کے لائق تھے۔

اس کے بعد ”اہل کتاب“ کو اور ان کے تابع ”مشرکین“ کو ملامت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”انہوں نے اس جدید دین میں کیوں کیا کہ بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہو گئے حالانکہ اس دین میں انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا ہے کہ خدا کریں، اور اس کی عبادت کو اس کے غیر کی عبادت سے خالص رکھیں، اور ہر قسم کے شرک سے باز رکھیں اور توحید کی طرف مائل ہوں۔ کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ (وما امروا الا ليعبدوا الله منخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة وليؤتوا الزكاة

لہ ”وما امروا“ کا جملہ ممکن ہے کہ ”جملہ عالیہ“ ہو یا ”استینافیہ“ ہو اور ”ليعبدوا“ میں ”لام“، ”لام عرض“ ہو، اور یہاں اس سے مراد اور تعجب ہو جو بندوں کی طرف لوثتا ہے نہ کہ وہ ہدف و نتیجہ جو خدا کی طرف لوثے، جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں کا انکار کیا ہے۔ اصولی طور پر خدا کے تمام افعال کی کوئی نہ کوئی عرض اور علت ہوتی ہے، لیکن وہ اغراض ایسے ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لوثتے ہیں ان میں ”لام“ کو ”ان“ کے معنی میں سمجھا ہے جیسا کہ ”یوسید اللہ لیبین لاکم“ (ساء: ۲۶) میں ہے۔

اس کے
”اور یہ کہ
اس بارہ
کے اپنے دین
دوسرا معنی
سب جانتے تھے
دوسرا معنی
ت کر رہی تھی،
اس سے
کو شامل ہے۔
بعض مفسر
اللہ“ کا جملہ بھی جو
لیکن یہ احتمال
ت سے اپنے
دین کو وسیع معنی میں
”حنفاء“
راہ مستقیم
حلیف“ کہا کرتے
مجموعی طور سے
ان اور اسلامی روایار
اس تعبیر کا اتنا
انہا تھا، اُسے ”حنفیہ
ان سے پہچانی گئی،
اور ہر قسم کے افراط
”وذا لک دین
(مخلوق کی طرف
(حاشیہ اگلے صفحہ)

اس کے بعد فرماتا ہے :

”اور یہ ایک مستقیم و پائیدار دین ہے“ (وذلك دين القيمة)

اس بارے میں کہ یہاں ”وما امروا“ سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب کے اپنے دین میں سلسلہ توحید اور نماز و زکوٰۃ موجود تھا، اور یہ ایسے مسائل ہیں جو ثابت ہیں، لیکن وہ ان احکام کے بھی وفادار نہیں رہے تھے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دین اسلام میں سوائے خالص توحید اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے اور کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یہ ایسے امور ہیں جنہیں وہ سب جانتے تھے۔ تو پھر وہ ان کو قبول کرنے سے ڈر گروانی کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

دوسرا معنی زیادہ نزدیک دکھائی دیتا ہے، کیونکہ گزشتہ آیت کے بعد، جو دین جدید کے قبول کرنے میں ان کے اختلاف کرنے کی نکتہ چینی تھی، مناسب یہ ہے کہ ”امروا“ جدید دین کی طرف ناظر ہو۔

اس سے قطع نظر پہلا معنی صرف اہل کتاب کے بارے میں صادق آتا ہے، اور مشرکین پر صادق نہیں آتا، جب کہ دوسرا معنی سب شامل ہے۔

بعض مفسرین کے نظریہ کے مطابق ”دین“ سے مراد جسے خدا کے لیے خالص کرنا چاہیے وہی ”عبادت“ ہے، اور ”الایعبدوا“ کا جملہ بھی، جو اس سے پہلے ذکر ہوا ہے، اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے دین و شریعت کا مجموعہ مراد ہو، یعنی وہ اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ خدا کی پرستش کریں اور ہر شے سے اپنے دین و آئین کو خالص رکھیں۔ یہ معنی ”دین“ کے وسیع مفہوم کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔ اور بعد والا جملہ ”وذلك دين القيمة“ دین کو وسیع معنی میں پیش کرتا ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

”حنفنا“ ”حنیف“ کی جمع ہے، جو ”حنف“ (بروزن کنف) کے مادہ سے ہے، اور مفردات میں ”راغب“ کے قول کے مطابق ہی سے راہ مستقیم کی طرف مائل ہونے کے معنی میں ہے اور عرب ان تمام لوگوں کو جو ”حج“ بجالاتے تھے یا ”عقنہ“ کیا کرتے تھے، حنف کہتے تھے (اور احنف) اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا پاؤں ٹیڑھا ہو۔

مجموعی طور سے لغت کی مختلف کتابوں سے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں انحراف اور ٹیڑھے پن کے معنی میں تھا، البتہ اور اسلامی روایات میں بشرک سے توحید و ہدایت کی طرف انحراف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس تعبیر کا انتخاب ممکن ہے اصل میں اس بنا پر ہو کہ بت پرست معاشرے ہر اس شخص کو جو ان کے دین کو چھوڑ کر توحید کی طرف قدم اٹھا، اسے ”حنیف“ (منحرف) شمار کرتے تھے، اور پھر آہستہ آہستہ یہ تعبیر راہ توحید کو طے کرنے والوں کے لیے ایک رائج تعبیر کے لیے پھیلائی گئی، اور حقیقت میں اس کا مفہوم ”ضلالت“ سے ہدایت کی طرف انحراف تھا۔ اور اس کا لازمہ، وہی توحید خالص اور اعتدال اور ہر قسم کے افراط و تفریط سے اجتناب ہے، لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب اس نقطہ کے ثانوی معنوی ہیں۔

”وذلك دين القيمة“ کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اصول یعنی توحید خالص اور نماز (خالق کی طرف توجہ) اور (مخلوق کی طرف توجہ) تمام ادیان کے ثابت اور پائیدار اصول ہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کیونکہ ایک طرف تو انسان کی سرگزشت مسئلہ توحید پر ہے اور دوسری طرف سے اس کی فطرت منعم کا شکر ادا کرنے اور اس کی سرفت و شناخت کی دعوت دیتی ہے، اور تیسری طرف سے رُوح اجتماعی اور انسان کی مدنیت اُسے محروم افراد کی مدد کے لیے پکارتی ہے۔

اس بنا پر ان احکام و دستورات کی جڑ بنیاد کلی طور پر فطرت کی جملہ گہرائیوں میں موجود ہے۔ اسی لیے یہ تمام گزشتہ البتہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے۔

تفسیر نمونہ جلد

۶۔
۷۔
۸۔
۹۔
۱۰۔
۱۱۔
۱۲۔
۱۳۔
۱۴۔
۱۵۔
۱۶۔
۱۷۔
۱۸۔
۱۹۔
۲۰۔
۲۱۔
۲۲۔
۲۳۔
۲۴۔
۲۵۔
۲۶۔
۲۷۔
۲۸۔
۲۹۔
۳۰۔
۳۱۔
۳۲۔
۳۳۔
۳۴۔
۳۵۔
۳۶۔
۳۷۔
۳۸۔
۳۹۔
۴۰۔
۴۱۔
۴۲۔
۴۳۔
۴۴۔
۴۵۔
۴۶۔
۴۷۔
۴۸۔
۴۹۔
۵۰۔
۵۱۔
۵۲۔
۵۳۔
۵۴۔
۵۵۔
۵۶۔
۵۷۔
۵۸۔
۵۹۔
۶۰۔
۶۱۔
۶۲۔
۶۳۔
۶۴۔
۶۵۔
۶۶۔
۶۷۔
۶۸۔
۶۹۔
۷۰۔
۷۱۔
۷۲۔
۷۳۔
۷۴۔
۷۵۔
۷۶۔
۷۷۔
۷۸۔
۷۹۔
۸۰۔
۸۱۔
۸۲۔
۸۳۔
۸۴۔
۸۵۔
۸۶۔
۸۷۔
۸۸۔
۸۹۔
۹۰۔
۹۱۔
۹۲۔
۹۳۔
۹۴۔
۹۵۔
۹۶۔
۹۷۔
۹۸۔
۹۹۔
۱۰۰۔

گزشتہ صفحہ کا ماشیہ

۱۔ اس بات پر زور رکھنا چاہیے کہ "دین القیمۃ" اضافت کی صورت میں ہے، وصف کی صورت میں نہیں ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے ایسا دین ہے جو گزشتہ (سنتیم اور قابل قدر) کتب قیمہ میں آیا ہے، یا یہ ایک ایسا دین ہے جس میں اسلام کے سنتیم اور قابل قدر احکام اس بنا پر قیمہ کا نمونہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ "کتب" یا ملت و شریعت کا وصف ہے (غور کیجئے)

۶. اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
فِيْ نَارٍ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ
سُرُّ الْبَرِيَّةِ ۗ

۷. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۗ

۸. جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّيْمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۗ رَّضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۗ

ترجمہ

اہل کتاب اور مشرک کفار دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ بدترین مخلوق ہیں۔

یقینی طور سے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں، وہ (خدا کی) بہترین مخلوق ہیں۔

ان کی جزا ان کے پروردگار کے یہاں بہشت جاودانی کے باغات ہیں، جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، خدا بھی ان سے راضی ہے اور

وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور یہ (بلند مقام) اس شخص کے لیے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

تفسیر

بہترین اور بدترین مخلوق

گزشتہ آیات میں آیا تھا کہ کفار اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ خدا کی طرف سے کوئی واضح و روشن دلیل ان کے پاس آئے، لیکن واضح و روشن دلیل "بیتہ" کے آجانے کے بعد وہ متفرق اور پراگندہ ہو گئے اور ہر ایک نے ایک الگ الگ راہ اختیار کر لی۔ زیر بحث آیات میں اس دعوت الہی کے مقابلہ میں "کفر کرنے والے" اور "ایمان لانے والے" دونوں گروہوں اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ اس جدید دین سے کافر ہوئے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ (ان الذین کفروا من اهل الكتاب والمشرکین فی نار جہنم خلدین فیھا اولئک هم شر البریۃ)۔

"کفروا" کی تعبیر دین اسلام کے مقابلہ میں ان کے کفر کی طرف اشارہ ہے، ورنہ ان کا پہلے کا کفر و شرک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ "اولئک هم شر البریۃ" (وہ بدترین مخلوق ہیں) کی تعبیر ایک لڑخیز تعبیر ہے، جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تمام چلنے پھرنے والی مخلوق، اور نہ چلنے پھرنے والی مخلوق میں سے، ان لوگوں سے بڑھ کر مرؤد اور دھتکاری ہوتی مخلوق اور کوئی نہیں ہے جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہوئے اور تمام حجت کے بعد سیدھی راہ کو چھوڑ دیا اور ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کر لی۔ اور یہ بات حقیقت میں اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ النفال کی آیہ ۲۲ میں بیان ہوئی ہے: ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون: "خدا کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو نہ سننے والے کان رکھتے ہیں، نہ گویا زبان اور نہ ہی بیدار فکر و اندیشہ؛ یا جو کچھ سورہ اعراف کی آیہ ۱۷۹ میں بیان ہوا ہے، جہاں دوزخیوں کے گردہ کو ان ہی اوصاف کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے: اولئک کا لانعام بل هم اضل اولئک هم الغافلون: وہ چوباول کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گراہ اور وہ غافل ہیں۔

زیر بحث آیت کا مطلب ان سے بھی کچھ آگے ہے کیونکہ یہ ان کا بدترین مخلوق ہونے کے ساتھ ان کا تعارف کراتی ہے اور حقیقت میں ان کے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ایک دلیل کے طور پر ہے۔ وہ بدترین مخلوق کیوں نہ ہوں گے جب کہ سعادت کے تمام دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن وہ کبر و غرور اور عناد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے جان بوجھ کر مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

اس آیت اور بغیر اسلام سے بعد والی آیت لائے ہیں اور انہوں

اس کے کے جادوئی باغ، جئات عند تجرؤ "خدا بھی "یہ بلند خشعی رتہ قابل توجہ

پہلے ہے۔ اور یہ ہونے چاہئیں پر انواع و اقسام "اولئک

انسان فرشتوں کی گواہ ہیں مثلاً بہر حال کی معنوی و زوحال وہ خدا۔

وہ جو کچھ چاہتا ہے نظر کی اس سے اس کا محبوب ۲۱

اس آیت میں بھی "اہل کتاب" کو مشرکین پر مقدم رکھنے کی وجہ بھی ممکن ہے یہ جو کہ وہ کتاب آسمانی کے حامل اور دانشمند تھے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں ان کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ آئی تھیں۔ اس بنا پر ان کا مخالفت کرنا زیادہ قبیح و بدتر تھا۔ بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کی طرف جو ان کے مخالف نقطہ مقابل اور قوس صمودی میں واقع ہوئے ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیے ہیں وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں: (ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ)۔ اس کے بعد ان کی جزا اور پاداش کو چند مختصر سے جملوں میں اس طرح بیان کرتا ہے: ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس بہشت کے جاودانی باغات میں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے " (جزاؤہم عند ربہم جنت عدن تجري من تحتها الانہاس خالدين فیہا ابدا)۔

"خدا بھی ان سے خوش اور راضی ہے، اور وہ بھی خدا سے خوش اور راضی ہیں" (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)۔
 "یہ بلند و والا مقام اور اہم و بے نظیر جزائیں اس شخص کے لیے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرے" (ذالک لمن خشی ربہ)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مومنین کے بارے میں اعمال صالح کی گفتگو بھی درمیان میں آئی ہے، جو حقیقت میں ایمان کے درخت کا پھل ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنا اکیلا کافی نہیں ہے، بلکہ انسان کے اعمال بھی اس کے ایمان پر گواہ ہونے چاہئیں، لیکن کفر اکیلا ہی، چاہے اس کے ساتھ غیر صالح اعمال نہ بھی ہوں، سقوط و بدبختی کا سبب ہے۔ اس سے قطع نظر کفر عاقل پر انواع و اقسام کے گناہوں، جرائم اور غلط اعمال کا مبداء بھی ہوتا ہے۔

"اولئک ہم خیر البریۃ" کی تفسیر اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ مومن اور اعمال صالح بجالانے والے انسان فرشتوں تک سے بھی برتر و بالاتر ہیں، کیونکہ آیت مطلق ہے، اور اس میں کسی قسم کا استثنا نہیں ہے۔ قرآن کی دوسری آیات بھی اسی معنی کی گواہ ہیں مثلاً: فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی آیات، اور آیہ ولقد کرمنا بنی آدم (اسراء - ۷۰) بہر حال اس آیت میں پہلے تو ان کے مادی و جسمانی صلہ، جو جنت کے پُر نعمت باغات ہیں، کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد ان کی منوی و روحانی جزا کو بیان کرتا ہے کہ خدا بھی ان سے راضی ہے اور وہ بھی خدا سے راضی اور خوش ہیں۔

وہ خدا سے راضی اور خوش ہیں کیونکہ وہ کچھ دے چاہتے تھے وہ اس نے انہیں دیا ہے، اور خدا ان سے راضی اور خوش ہے کیونکہ وہ جو کچھ چاہتا تھا وہ انہوں نے انجام دے دیا، اور اگر ان سے کوئی نغزش ہو بھی گئی ہو تو اس نے اپنے لطف و کرم سے اس سے برف نظری، اس سے بڑھ کر اور کون سی لذت ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے کاموں کو معبود نے قبول کر لیا ہے اور اس کا محبوب اس سے راضی اور خوش ہے۔ اور اُسے اس کی لقاء حاصل ہو گئی ہے۔

دارند ہر کس از تو مرادے و مطلبے

مقصود ما ز دنیا و عقبی لقائی تو است

"ہر شخص تجھ سے کوئی نہ کوئی خواہش اور مطلب رکھتا ہے

لیکن ہمارا مقصد دنیا و آخرت میں تیری لقاء ہے"

ہاں! انسان کے جسم کی جنت تو اس جہان کے جاودانی پاغلات ہیں، لیکن اس کی رُوح کی بہشت خدا کی رضا اور تقائے محبوب ہے۔
 "ذالك لمن خشى ربه" کا جملہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان تمام برکات کا سرچشمہ خدا کا خوف، خشیت اور ڈر ہے، کیونکہ یہی خوف ہی ہر قسم کی اطاعت، تقویٰ اور اعمالِ صالح کی طرف حرکت کرنے کا سبب بنتا ہے۔
 بعض مفسرین نے اس آیت کو سورۃ فاطر کی آیہ ۲۸ انصایٰ خشی اللہ من عبادہ العلماء "صرف علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں" کے ساتھ ملا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہشت پر حقیقتاً علماء اور آگاہ دانش مند لوگوں کا سکہ حق ہے۔
 البتہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ خشیت اور خوف خدا کے کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اور علم و دانش و آگاہی میں بھی کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اس بات کا مفہوم واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔
 ضمنی طور پر بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "مقام خشیت" "مقام خوف" سے بالاتر ہوتا ہے، کیونکہ خوف تو ہر قسم کے ڈر پر بولا جاتا ہے، لیکن خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو تعظیم و احترام کے ساتھ ہو۔

چند نکات

۱۔ علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

بکثرت روایات ہیں جو اہل سنت کے طریقوں سے ان کی مشہور کتابوں میں اور اسی طرح شیعوں کی مشہور کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔
 آیہ "اولئک هم خیر البریۃ" (وہ خدا کی بہترین مخلوق ہیں) کی علیؑ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔
 "حاکم حکانی" نیشاپوری نے، جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور علماء اہل سنت میں سے ہیں، ان روایات کو اپنی مشہور کتاب "نشواہد التنزیل" میں مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، اور ان کی تعداد بیس روایات سے زیادہ ہے جن میں سے کئی روایات کو نمونہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ "ابن العباس" کہتے ہیں جس وقت آیہ "الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریۃ" نازل ہوئی تو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ علیہ السلام سے فرمایا:

"هو انت و شیعنتک تأتي انت و شیعنتک یوم القیامۃ راضیین مرضیین و یأتی عدوک غضباناً مقمحين"

"اس آیت سے مراد تو اور تیرے شیعہ ہیں جو روزِ قیامت عرصہِ عمر میں اس حال میں وارد ہوں گے کہ تم بھی خدا سے راضی ہو گے اور خدا بھی تم سے راضی ہوگا، اور تیرا دشمن غصہ کی حالت میں عرصہِ عمر میں وارد ہوگا اور زبردستی اس کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا" (حدیث کے بعض نسخوں میں تمہیں آیا ہے، جس کا معنی طوق و زنجیر کے ذریعہ سر کو اونچا رکھنا ہے)۔

۲۔ ایک دوسری حدیث میں " البرزہ " سے آیا ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو فرمایا :

" ہم انت و شیتک یا علی و میعاد ما بینی و بینک الحوض "

" اے علی ! وہ تو اور تیرے شیعہ ہیں، اور تیری اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔ "

۳۔ ایک اور حدیث میں " جابر بن عبداللہ انصاری " سے آیا ہے کہ ہم خانہ خدا کے پاس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ علیؑ ہماری طرف آئے۔ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا :

" قد اتاکواخی "

" میرا بھائی تمہاری طرف آ رہا ہے۔ "

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ خدا کی طرف رخ کیا اور فرمایا :

" فقال ورب هذه البنية ان هذا وشيعته هم الفائزون يوم القيامة "

" اس کعبہ کے خدا کی قسم یہ شخص اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رست گار اور کامیاب ہوں گے "

اس کے بعد ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا :

" اما والله اتہ اولکم ایماناً باللہ، واقومکم بامر اللہ، واولفکم بعهد اللہ، واقضاکم بحکم اللہ، واقمکم بالسویة، واعدلکم فی الرعیة، واعظکم عند اللہ منزیة "

قال " جابر " : فانزل اللہ : " ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة " فكان علی اذا اقبل قال اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قد اتاکوا خیر البریة بعد رسول اللہ :

" خدا کی قسم یہ تم سب میں سے پہلے خدا پر ایمان لایا ہے اور اس نے خدا کے حکم سے تم سب میں سے پہلے قیام کیا ہے، خدا کے عہد کو تم سب سے زیادہ وفا کرنے والا ہے اور وہ تم سب سے زیادہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے والا ہے اور وہ (بیت المال) کی تقسیم میں سب سے زیادہ مساوات کرنے والا ہے، اور رعیت میں سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے، اور اس کا مقام و مرتبہ خدا کے نزدیک تم سب سے زیادہ ہے۔ "

جابر کہتے ہیں کہ اس موقع پر خدا نے آیہ ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة۔

نازل فرمائی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی علیؑ علیہ السلام آتے تو اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

انہیں آتا ہوا دیکھ کر کہتے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خدا کی مخلوق میں جو سب سے زیادہ بہتر ہے وہ
آکر ہے۔^۱

اس آیت کا خانہ کعبہ کے پاس نزول اس سورہ کے مدنی ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ نزول مجدد کے
قبیل سے ہو، یا تطبیق کے عنوان سے ہو، علاوہ ازیں بعید نہیں ہے کہ ان آیات کا نزول ان سفروں میں ہوا ہو جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف آئے تھے، خصوصاً جب کہ اس روایت کا راوی "جابر بن عبد اللہ انصاری" ہے جو مدینہ میں آپ کے ساتھ
ملحق ہوئے تھے، اور اس قسم کی آیات پر مدنی ہونے کا اطلاق بعید نہیں ہے۔
ان احادیث میں سے بعض کو "ابن حجر" نے کتاب "صواعق مخرقة" میں نقل کیا ہے۔ اور بعض کو شبلنجی نے "نور الابصار"
میں ذکر کیا ہے۔^۲

"جلال الدین سیوطی" نے "در المنثور" میں بھی آخری روایت کا عمدہ حصہ "ابن سکر" سے جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔^۳
۴۔ "در المنثور" میں آیا ہے کہ جس وقت آیہ "ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریۃ"
نازل ہوئی، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا:

"هوانت و شیععتک یوم القیامۃ راضیین مرضیین"
"وہ تو اور تیرے شیعہ ہیں، قیامت کے دن تم خدا سے راضی ہو گے اور خدا تم سے
راضی ہو گا۔"^۴

۵۔ مذکورہ مؤلف نے ایک دوسری حدیث میں "ابن مردویہ" کے واسطے سے علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"الم تسمع قول اللہ : ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک هم
خیر البریۃ ؟ انت و شیععتک و موعدی و موعدک و الحوض ، اذا جئت
الامر للحساب تدعون غلام محجلین،^۵

"کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ فرماتا ہے : جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
اعمال صالح انجام دیے وہ بہترین مخلوق ہیں؟ یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ اور میری اور تمہاری
وعدہ گاہ حوض کوثر کا کنارہ ہے۔ جب میں اُمتوں کے حساب کے لیے آؤں گا تو تمہیں

۱۔ وہی مددک ص ۳۶۲ حدیث ۱۱۳۹

۲۔ "صواعق المخرقة" ص ۹۶ "نور الابصار" ص ۱۰۷، ۷۰

۳۔ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۹

۴۔ "در المنثور" جلد ۶ ص ۳۷۹

"غر"
"ابن"
"مناقب"
"فصول الہ"
"زوج المعانی"
خلاصہ
قبول کیا ہے
ضمنی
سے ہی آنحضرت
وہ لوگ جو یہ؟

۲۔ عبا

اصول
لازم ہونے پر
عبادت ہو، تاکہ
تمام ادا میں
سے ان میں
کی دعوت نہیں

۳۔ النبا

اس سوا
کے برابر نہیں
کو شامل ہے۔
عناد کا راستہ اختہ
انسان
کے مقام کی
کی حد سے ز

”غرا مجلیں“ (سفید پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے گا۔

اہل سنت کے اور بھی بہت سے دوسرے علمائے اسی مضمون کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ منجملہ ”خطیب خوارزمی نے ”مناقب“ میں ابو نعیم اصفہانی نے ”کفایات الخصام“ میں ”علامہ طبری“ نے اپنی مشہور تفسیر ”میں“ ابن صباح مائکتی نے ”فصول المہمہ“ میں ”علامہ شوکانی“ نے ”فتح القدر“ میں ”شیخ سلیمان قندوزی“ نے ”ینابیع المودۃ“ اور ”آوسی“ نے ”روح المعانی“ میں زیر بحث آیات کے ذیل میں اور بہت سے دوسرے علمائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوپر والی حدیث بہت ہی مشہور و معروف احادیث میں سے ہے جسے اکثر دانش مندوں اور علماء اسلام نے قبول کیا ہے۔ اور یہ علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

ضمنی طور پر ان روایات سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ لفظ ”شیعہ“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہی آنحضرتؐ کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان نشر ہوا، اور یہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے خاص پیروکاروں کی طرف اشارہ ہے لہذا وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ”شیعہ“ کی تعبیر صدیوں بعد وجود میں آئی ہے، بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

اصول فقہ کے بعض علمائے آہ ”وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین“ سے عبادت میں قصد قربت کے لازم ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ کہ اوامر میں اہل ان کا تعبیدی ہونا ہے نہ کہ توصلی ہونا۔ اور یہ اس سے وابستہ ہے کہ یہاں ”دین“ کا معنی عبادت ہو، تاکہ یہ عبادت میں خلوص کے لازم ہونے کی دلیل بنے، اور ”امر“ کو ہم اس آیت میں مطلق قرار دیں، تاکہ اس کا مفہوم تمام اوامر میں قصد قربت کا لازم ہونا ہے۔ (سوائے ان موارد کے جو دلیل کی وجہ سے خارج ہوں) حالانکہ آیت کا مفہوم، ظاہر کے اعتبار سے، ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود بشرک کے مقابل میں توحید کا اثبات ہے۔ یعنی انہیں توحید کے سوا اور کسی چیز کی دعوت نہیں دی گئی ہے اور اس حال میں اس کا احکام فرعی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔

۳۔ انسان کی عجیب قوس صعودی و نزولی

اس سورہ کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کا فاصلہ انسان کے قوس صعودی و نزولی کے برابر نہیں ہے۔ اگر انسان ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجالائے (اس بات پر توجہ رہے کہ ”عملوا الصالحات“ تمام اعمال صالح کو شامل ہے، نہ کہ بعض کو) تو وہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ افضل اور برتر ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ کفر و نسلالت اور ہٹ دھرمی اور نلاد کا راستہ اختیار کر لے، تو اتنا گر جاتا ہے کہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ پتر بن جاتا ہے!

انسان کے ”قوس صعودی“ و ”نزولی“ کا یہ عظیم فاصلہ اگرچہ ایک حساس اور خطرناک مسئلہ ہے لیکن یہ نوع بشر کے مقام کی عظمت اور اس کے تکامل و ارتقاء کی قابلیت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ ایک طبیعی و فطری چیز ہے کہ اس قسم کی حد سے زیادہ قابلیت و استعداد کے ہوتے ہوئے، تنزل و سقوط کا امکان بھی حد سے زیادہ ہو۔

خداوند! ہم "خیر البریہ" کے بلند مقام تک پہنچنے کے لیے تیرے لطف و کرم سے مدد طلب کرتے ہیں۔
 پروردگارا! ہمیں اس عظیم اور بزرگ ہستی کے شیعوں اور پیروکاروں میں سے قرار دے جو اس کے لیے سب سے زیادہ لائق اور شائستہ ہے۔
 بارالہا! ہمیں اس قسم کا خلوص مرحمت فرما کہ ہم تیرے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور تیرے غیر سے محبت نہ کریں۔

آمین یا ارحم الراحمین
 اختتام سورہ بیتہ

اختتام ترجمہ

روز اتوار، ۲۱ رمضان ۱۴۰۸ھ یونے گیارہ بجے

برمکان حقیر قم المقدسہ

سُورَةُ الزَّلْزَالِ

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۸ آیات ہیں۔

سورہ "زلزلہ" کے مطالب اور فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہو چکی ہے یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے اہل مدنی سمجھتے ہیں جب کہ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہو چکی ہے۔ اس کی آیات کا لب و لہجہ جو "معاذ" اور "قیامت کی شرائط" کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، سچی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، لیکن ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا تو "ابوسعید خدری" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیہ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ... کے بارے میں سوال کیا، اور ہم جانتے ہیں کہ "ابوسعید" مدینہ میں مسلمانوں سے ملحق ہوئے تھے۔ لیکن اس سورہ کا مدنی یا مکی ہونا اس کے معانی اور تفسیر پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محروموں کے گرد گردش کرتا ہے۔

پہلے "الشرائط الساعۃ" اور قیامت کے وقوع کی نشانیوں سے بحث کرتا ہے۔

اور اس کے بعد انسان کے تمام اعمال کے بارے میں زمین کی گواہی کی گفتگو ہے۔

اور تیسرے حصے میں لوگوں کی دو گروہوں "نیکوکار" و "بدکار" میں تقسیم، اور ہر شخص کے اپنے اعمال کا نتیجہ پانے کی بات ہے۔ اس سورہ کی فضیلت میں اسلامی روایات میں اہم تعبیریں آئی ہیں۔ منجملہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"من قرأها فکانما قرأ البقرة واعطی من الاجر کم من قرأ ربع

القرآن :

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گویا اس نے سورہ بقرہ کی قرأت کی، اور

اس کا اجر و ثواب اس شخص کے برابر ہے جس نے قرآن کے چوتھے حصے کی

قرأت کی ہو۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :
 سُورَةُ " اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ " کی تلاوت کرنے سے ہرگز خسرت نہ ہونا، کیونکہ جو شخص
 اس کو نافلہ نمازوں میں پڑھے گا وہ ہرگز بھی زلزلہ میں گرفتار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ
 سے مرے گا۔ اور مرتے دم تک صاعقہ اور آفاتِ دُنیا میں سے کسی آفت میں گرفتار
 نہ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زُلْزَالَهَا ۝
- ۲- وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝
- ۳- وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝
- ۴- لِيَوْمِئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝
- ۵- بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ۝
- ۶- لِيَوْمِئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِیُرَوْاْ اَعْمَالَهُمْ ۝
- ۷- فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهُ ۝
- ۸- وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهُ ۝

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے

- ۱- جس وقت زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی۔
- ۲- اور زمین اپنے سنگین بوجھ کو باہر نکال کر رکھ دے گی۔
- ۳- اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ (کہ اس طرح لرز رہی ہے)
- ۴- اس دن زمین اپنی تمام تجربوں کو بیان کر دے گی۔

تفسیر نمونہ

- ۵-
- ۶-
- ۷-
- ۸-

تلف
جر
جس ط
اور وحشت نا
پہلے ا
اور اس
اقتالہا
زلزلہ
زلزلوں کے بڑے
اس با
اس سے مراد
کہ "اذا"
یونہ
ب
پہلے ط
زل
میں آ

- ۵۔ کیونکہ تیرے پروردگار نے اُسے وحی کی ہے۔
- ۶۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے، تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔
- ۷۔ پس جس شخص نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بھی اچھا کام انجام دیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔
- ۸۔ اور جس نے ایک ذرہ کے وزن کے برابر بُرا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا۔

تفسیر

جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا

جس طرح سورہ کے مطالب کے بیان میں اشارہ ہوا ہے یہ سورہ اس جہان کے اختتام اور قیامت کے شروع کے بعض ہونناک اور وحشت ناک حوادث کے بیان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت زمین شدت کے ساتھ ہلنے لگے گی" (اذا زلزلت الارض زلزالها) اور اس طرح زبرد زبرد ہوگی کہ وہ سارے سنگین بوجھ، جو اس کے اندر ہیں، باہر نکال کر رکھ دے گی۔ (ولخرجت الارض اثقالها)۔

"زلزالها" (اس کا زلزلہ) کی تعبیر یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دن سارا کرہ زمین لرزنے لگے گا۔ (عام زلزلوں کے برخلاف جو سب کے سب کسی خاص موضع یا علاقہ میں ہوتے ہیں)۔ اور زلزلہ مہمود یعنی زلزلہ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ اس بارے میں کہ "الثقال" (سنگین بوجھ) سے کیا مراد ہے، مفسرین نے متعدد تفاسیر بیان کی ہیں، بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہیں جو قیامت کے زلزلہ سے قبروں کے اندر سے باہر اچھل پڑیں گے، جیسا کہ سورہ الشقاق کی آیت ۴ میں آیا ہے: "اذا یہاں شرطیہ ہے، اور اس بارے میں کہ جزائے شر کیا ہے کسی احتمال دیے گئے ہیں، بعض اس کی جزا "یومئذ تعدث اخبارها" کو سمجھتے ہیں، بعض "یومئذ یدسر الناس اشتاتا" کو، اور بعض نے جزا کو محذوف جانا ہے۔ اس طرح کہ لوگ یہ سوال کرتے تھے کہ متی الساعة قیامت کب واقع ہوگی، تو جواب میں فرمایا: جب وہ عظیم زلزلہ آئے گا، یعنی اس وقت قیامت واقع ہوگی۔

پہلی صورت میں اضافت عمومی معنی رکھتی ہے اور دوسری صورت میں عہد کے معنی دیتی ہے۔

"زلزال" "زا" کی زبر کے ساتھ مصدری معنی دیتا ہے اور زلزال (زا کی زبر کے ساتھ) اسم مصدر کے معنی دیتا ہے اور یہ وضع عام طور پر ان افعال میں آتی ہے جو مضاعفت کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً "صلصال" اور "وسواس"۔

”والقت ما فیہا وتخلت“

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے اندرونی فرائض کو باہر پھینک دے گی۔ اور بے خبر دنیا پرستوں کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد زمین کے اندر بہنے والے بھاری مواد کو باہر پھینکا ہے جن کی کچھ مقدار عام طور پر آتش فشاں اور زلزلوں کے وقت باہر نکلتی ہے۔

عالم کے اختتام پر جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اس زلزلہ عظیم کے بعد باہر آجائے گا۔

پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ ان تفسیر کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

بہر حال اس دن انسان اس آن دیکھے منظر کو دیکھ کر سخت متوحش ہوگا، اور کہے گا: ”یہ کیا ہو گیا ہے کہ زمین اس طرح لرز رہی ہے“

اور جو کچھ اس کے اندر تھا اُسے باہر پھینک دیا ہے۔ (وقال الانسان ما لہا)۔

اگرچہ بعض نے یہاں انسان کی کافر انسانوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، جو مسئلہ معاد و قیامت میں شک کرتے تھے، لیکن ظاہر یہ ہے

کہ انسان یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو سب کو شامل ہے، کیونکہ زمین کے اوضاع و احوال سے تعجب اُس دن کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔

کیا یہ تعجب، اور اس سے پیدا ہونے والا سوال ”نغمہ اولیٰ“ سے مراد ہے یا ”نغمہ دوم“ سے؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی پہلا نغمہ ہے جو اس عالم کے اختتام کا نغمہ ہے۔ کیونکہ یہ زلزلہ عظیم اختتام جہان پر آئے گا۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد نغمہ قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور ان کے زمین سے باہر پھینک دینے کا نغمہ ہے۔

کیونکہ بعد والی آیات بھی سب کی سب نغمہ دوم کے ساتھ مرلوب ہیں۔

لیکن چونکہ قرآن کی آیات میں ان دونوں نغموں کے حوادث بارہا اکٹھے ذکر ہوئے ہیں، لہذا اختتام جہان پر وحشت ناک زلزلہ آئے گا

بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اور اس صورت میں زمین کے ”انقلاب“ سے مراد معدنیات، ممالک

اور اس کے اندر موجود پگھلے ہوئے مواد ہیں۔

اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ”زمین اس دن اپنی ساری خبریں بیان کرے گی“ (یومئذ نتحدث اخبارہا)

جو خوبیاں اور بُرائیاں، اور خیر و شر کے اعمال رُوئے زمین پر واقع ہوئے ہیں، وہ ان سب کو ظاہر کر دے گی۔ اور اس دن انسان

اعمال کے گواہوں میں سے اہم ترین گواہ یہی زمین ہوگی جس پر ہم اپنے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اور جو ہماری شاہد و ناظر ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اتدرون ما اخبارہا“؟

”کیا تم جانتے ہو کہ زمین کے اخبار سے یہاں کیا مراد ہے؟“

لہ ”انقلاب“ جمع ہے ”ثقل“ (بروزن فکر) کی جو ”بار“ کے معنی میں ہے، اور بعض نے اُسے ”ثقل“ (بموزن عمل) کی جمع سمجھا ہے جو ساری

مسافر کے معنی میں ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

” قالوا : اللہ ورسوله اعلم :“

” انہوں نے کہا : خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں :“
آپ نے فرمایا :

” اخبارہا ان تشهد علی کل عبد وامة بما عملوا علی ظہرہا ،

تقول عمل کذا وکذا ، یوم کذا ، فہذا الخبارہا :“

” زمین کے خبر دینے سے مراد یہ ہے کہ زمین ہر مرد اور ہر عورت کے اعمال کی، جو انہوں نے رُوئے زمین پر انجام دیے ہیں، خبر دے گی، وہ کہے گی کہ فلاں شخص نے فلاں دن فلاں کام کیا ہے، یہ ہے زمین کا خبر دینا۔“

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

” حافظوا علی الوضوء وخیر اعمالکم الصلوة فتحفظوا من

الارض فاتھا امکم ، ولیس فیہا احد یعمل خیرا وشررا الا وھی

منخبرة بہ :“

” وضوء اور اپنے اعمال میں سے بہترین عمل، نماز کی حفاظت کرو، اور زمین کی طرف دیکھتے

رہو، کیونکہ وہ تمہاری ماں ہے۔ کوئی بھی انسان کوئی اچھا یا بُرا کام انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ

زمین اس کی خبر دیتی ہے۔“

ابوسعید خدری سے نقل ہوا ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے : جب کبھی تم بیابان میں ہو، تو بلند آواز کے ساتھ اذان دو، کیونکہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

” لا یسمعه جن ولا انس ولا حجر الا یشہد لہ“

” کوئی جن و انس، اور پتھر کا کوئی ٹکڑا اُسے نہیں سُنتا، مگر یہ کہ (قیامت میں) اس کے لیے

گواہی دے گا۔“

کیا واقعا خدا کے حکم سے زمین کی زبان کھل جائے گی اور وہ بات کرے گی؟ یا اس سے مراد رُوئے زمین پر انسان کے اعمال

کے آثار کا ظاہر ہونا ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان جو عمل بھی انجام دیتا ہے، وہ خواہ مخواہ اس کے اطراف میں کچھ آثار چھوڑتا ہے۔

یہ ہے وہ آج ہمارے لیے محسوس نہ ہوں۔ ٹھیک ایک دوست یا دشمن کی انگلیوں کے انہیں آثار کے مانند، جو دروازے کے قبضہ پر رہ

۱۔ ”نورالاشتہائین“ جلد ۵ ص ۶۴۹

۲۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱ ص ۵۲۶

۳۔ وہی مددک

جاتے ہیں، اور اس دن یہ سب کے سب آثار ظاہر ہو جائیں گے، اور زمین کا بات کرنا اس عظیم ظہور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کسی خواب آلود شخص سے کہتے ہیں، کہ تیری آنکھیں بتلا رہی ہیں کہ تو کل رات سویا نہیں ہے۔ یعنی بے خوابی کے آثار اس میں نمایاں ہیں۔ بہر حال یہ کوئی غیر مانوس بات نہیں ہے، کیونکہ موجودہ زمانے میں انسان کے علم و دانش کی پیش رفت کی وجہ سے ایسے آلات و وسائل اختراع ہو چکے ہیں جو ہر جگہ اور ہر لمحہ انسان کی آواز کو گرفت میں لے سکتے ہیں، یا انسان اور اس کے اعمال و افعال کی تصویریں کھینچ سکتے ہیں، اور ایک مسلم سند کے عنوان سے اُسے عدالت میں پیش کر سکتے ہیں، اس طرح کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

اگر لوگ گذشتہ زمانہ میں زمین کی گواہی سے تعجب کرتے تھے، تو موجودہ زمانہ میں ایک پتلی سی ریل (فتیہ) یا (ریکارڈ) ضبط کرنے کی مشین جو ایک بٹن کی صورت میں لباس سے ٹکی ہوئی ہوتی ہے، بہت سے مسائل کو بیان کر سکتی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”صلوا المساجد فی بقاع مختلفۃ ، فان کل بقعہ تشهد للمصلی علیہا یوم القیامۃ“

”مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا، اس شخص کے لیے جو اس پر نماز پڑھتا ہے، گواہی دے گا۔“

ایک اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام جب بیت المال تقسیم فرماتے تھے، اور وہ خالی ہو جاتا تھا تو وہاں دو رکعت نماز بجالاتے اور فرماتے :

”اشھدی انی ملأتک بحق و فرغتك بحق“

(قیامت کے دن) ”گواہی دینا کہ میں نے تجھے حق کے ساتھ پُر کیا تھا اور حق کے ساتھ ہی خالی کیا ہے۔“

بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے : یہ اس خبر (نبأ) پر ہے کہ تیرے پروردگار نے زمین کو وحی کی ہے۔ (بان مریک اوجی علیہ السلام) اور زمین اس فرمان کے اجراء میں کوتاہی نہیں کرے گی، ”اولحی“ کی تعبیر یہاں اس بنا پر ہے کہ اس قسم کی اسرار امیر گنگوکار زمین کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور یہ چیز ایک وحی الہی کے طریقے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین کو وحی کرے گا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر پھینک دے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے، ”اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکل کر عرصہ عشر میں وارد ہوں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو جانے دے۔“

”ثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۷۹ چاپ جدید

”ثالی الاخبار“ جلد ۵ ص ۷۹ چاپ جدید

”بان“ میں ”باء“ سببیت کے لیے ہے اور لہا میں ”لام“ ”الی“ کے معنی میں ہے جیسا کہ سورہ ”نحل“ کی آیت

”واولحی ربک الی النحل“

انہیں دکھائے جا
اشتاد

پر ہو کہ ہر مذہب
یا یہ ہے کہ ایک گر

تاریک چروں کے
یا ہر امت

اناس بامامہ
یا یہ ہے کہ

ان تمام تقا
”

صورت میں بیجان
مختلف قبروں کے قبرا

یہ احتمال بھی
پہلا معنی گرز

”لیروا ۱۶
یا نامہ اعمال

یا مشاہدہ باطن
یا ”تجسس

آخری تفسیر ظا
ہوتی ہے کہ اس دن

سچ و بلا کا باعث ہو
اس کے بعد

تہ برابر بھی نیکی کی ہوگا
اور جس شخص نے

یہاں بھی مختلف
ان آیات کا ظا

مکمل نیک ہو یا بڑا

میں دکھائے جائیں۔ (یومئذ یصعق الناس اشتاتاً لیروا اعمالہم)۔

اشتات "شت" (بروزن شط) کی جمع ہے، جو پرگندہ اور متفرق کے معنی میں ہے، یہ اختلاف و پرگندگی ممکن ہے اس بنا پر کہ ہر مذہب والے الگ الگ عرصہ محشر میں وارد ہوں گے، یا زمین کے علاقوں میں سے ہر علاقے کے لوگ جدا جدا وارد ہوں گے، ہے کہ ایک گروہ تو ہشاش بشاش، شاد و خندان، حسین و خوبصورت چہروں کے ساتھ آئے گا اور ایک گروہ تیوری چڑھائے تیرہ و ب چہروں کے ساتھ محشر میں وارد ہوگا۔

یا ہر اُمت اپنے امام، رہبر اور پیشوا کے ساتھ ہوگی جیسا کہ سورہ اسراء کی آیہ ۸۱ میں آیا ہے: "یوم ندعوا کل من بامامہم"۔ "اس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ یا یہ ہے کہ مؤمنین، مؤمنین کے ساتھ، اور کفار، کفار کے ساتھ محشر ہوں گے۔ ان تمام تفاسیر کے درمیان جمع بھی پورے طور پر ممکن ہے کیونکہ آیت کا مفہوم وسیع ہے۔

"صدر" "صدر" (بروزن صبر) کے مادہ سے اُذُنوں کے پانی والی جگہ سے نکلنے کے معنی میں ہے، جو انہو کی ت میں، ہیجان میں آئے ہوئے باہر آتے ہیں۔ "ورود" کے برعکس جو پانی کی جگہ میں داخل ہونے کے معنی میں ہے۔ اور یہ ل توں کے قبروں سے نکلنے اور حساب دینے کے لیے محشر میں آنے سے کنا یہ ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد محشر سے نکل کر جنت یا جہنم میں اپنی جگہ کی طرف چلنا ہے۔ پہلا معنی گزشتہ آیات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

"لیروا اعمالہم" (تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں) کے جملہ سے مراد اعمال کی جزا کا مشاہدہ ہے۔

یا نامہ اعمال کا مشاہدہ مراد ہے جس میں ہر نیک و بد عمل ثبت ہے۔

یا مشاہدہ باطنی مراد ہے جس کا معنی ان کے اعمال کی کیفیت کی معرفت و شناخت ہے۔

یا "تجسس و اعمال" کی صورت میں خود اعمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

افری تفسیر ظاہر آئے کے ساتھ سب سے زیادہ موافق ہے، اور یہ آیت مسئلہ تجسم اعمال پر روشن ترین آیات میں سے شمار ہے کہ اس دن انسان کے اعمال مناسب صورتوں میں تجسم ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے، اور ان کی ہم نشینی خوشی کا موجب یا آکا باعث ہوگی۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں مومن و کافر، نیکو کار و بدکار کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "پس جس شخص نے نیک نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا" (ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ)۔

اور جس شخص نے ذرہ برابر بُرا کام کیا ہوگا وہ اُسے دیکھے گا" (ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ)۔

حال بھی مختلف تفسیریں ذکر ہوئی ہیں، کہ کیا اعمال کی جزا کو دیکھے گا، یا نامہ اعمال کا مشاہدہ کرے گا، یا خود عمل کو۔

آیات کا ظاہر بھی، قیامت کے دن "تجسم اعمال" اور خود عمل کے مشاہدہ کے مسئلہ پر، نئے ہرے سے ایک تاکید ہے، چاہے ہوا یا بڑا، یہاں تک کہ اگر ایک سوئی کے برابر بھی نیک یا بُرا کام ہوگا تو وہ بھی اپنے کرنے والے کے سامنے تجسم ہو جائے گا اور

اور وہ اس کا مشاہدہ کرے گا۔

”مثقال“ لغت میں بوجھ اور نگینے کے معنی میں بھی آیا ہے، اور اس ترازو کے معنی میں بھی جس سے چیزوں کو تولایا جاتا ہے اور یہاں یہ پہلے معنی میں ہی ہے۔

”ذرة“ کے لیے بھی لغت اور مفسرین کے کلمات میں مختلف تفسیریں ذکر ہوئی ہیں، کبھی تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے معنی میں، اور کبھی اس گرو وغبار کے معنی میں جو زمین پر پڑتا ہے رکھ کر اٹھانے کے بعد اس سے چپک جاتا ہے اور کبھی غبار کے ان چھوٹے چھوٹے ذرات کے معنی میں تفسیر ہوئی ہے جو فضا میں معلق ہوتے ہیں اور جب سورج کی شعاعیں کسی سوراخ سے تارکک کرے میں پڑتی ہیں تو وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں ”ذره“ کا ”ایٹم“ پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ اور ایٹم کو ”القنبلة الذرّیة“ کہتے ہیں۔ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ نہ تو وہ عام آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی دقیق ترین خوردبین کے ذریعے قابل مشاہدہ ہے اور صرف اس کے آثار کا ہی مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کا حجم اور وزن علمی حساب کتاب کے ذریعے ہی ناپا تولایا جاتا ہے، اور وہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ سوئی کی ایک نوک پر لاکھوں کی تعداد میں سما جاتے ہیں۔

ذره کا مفہوم چاہے جو بھی ہو یہاں مراد سب سے چھوٹا وزن ہے۔

بہر حال یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو آدمی کی پشت میں لرزہ پیدا کر دیتی ہیں، اور اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اس دن حساب کتاب حد سے زیادہ دقیق اور حساس ہوگا۔ اور قیامت میں ناپ تول کا ترازو اس قدر ظریف ہوگا، کہ وہ انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اعمال کا وزن اور اس کا حساب کر لے گا۔

چند نکات

۱: قیامت کے حساب کتاب میں دقت اور سخت گیری

نہ صرف اس سورہ کی آخری آیات سے، بلکہ قرآن کی مختلف آیات سے ابھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اعمال کی حسابی میں حد سے زیادہ دقت اور موثکافیائیں ہوں گی۔ سورہ لقمان کی آیت ۱۶ میں آیا ہے: **يَا بَنِيَّ انْهَآءْ نَكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمَاوَاتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ** : ”اے بیٹے! اگر ایک لالی کے دانے کے برابر بھی (نیک یا بد عمل ہوگا) اور وہ پتھر کے اندر یا آسمان یا زمین کے کسی گوشہ میں چھپا ہوا ہوگا، تو خدا (قیامت میں) حساب رسی کے لیے اُسے لے آئے گا، بے شک خدا لطیف و خبیر ہے۔“

”خردل“ رائی کا دانہ، جو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے، اور وہ چھوٹے ہونے میں ضرب المثل ہے۔

یہ تعبیریں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اس حساب رسی میں چھوٹے سے چھوٹے کاموں کا بھی محاسبہ ہوگا۔ ضمنی طور پر یہ آیات اس بات کی تشبیہ کرتی ہیں کہ نہ تو چھوٹے گناہوں کو کم اہمیت شمار کریں، اور نہ ہی چھوٹے نیک کاموں کو۔ وہ چیزیں جس کا

خدا حساب
اسی
تھوڑے مال کے
رکھتے ہیں، اور
سلسلہ میں بھی
گناہ کرنے سے
۲۔ ایک
یہاں آ
اچھے ہوں یا
کیسے سازگار
اشرکت
یذہبن السن
سارے مفہوم
اس سو
اور جو یہ کہتے
ہر قانون میں کچھ
دوسرا
مطالبات اور
حقیقت میں ا
نشائگی کے
بعض
لیں گے، جب
لیکن
ہر مومن کا
۳۔ قر
عبر

ساب لے گا، چاہے وہ کچھ بھی ہو کم اہمیت نہیں ہے۔

اسی لیے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ لے مال کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں بے اعتنائے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اجر و ثواب تو ان چیزوں پر دیا جاتا ہے جنہیں ہم دست لے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی نہیں ہوتیں جن سے ہمیں کچھ لگاؤ اور محبت ہو، اور اسی طرح سے وہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کے لہ میں بھی بے اعتنائے تھے، لہذا یہ آیات نازل ہوئیں، اور انہیں چھوٹی اور کم خیرات کرنے کی بھی ترغیب دی، اور چھوٹے چھوٹے کرنے سے ڈرایا۔

۲۔ ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان آیات کے مطابق انسان قیامت میں اپنے سب اعمال، چاہے وہ ہوں یا بُرے، چھوٹے ہوں یا بڑے، دیکھے گا۔ یہ معنی آیات "اجباط" و "تکفیر" اور آیات "عفو" و "توبہ" کے ساتھ ہے سازگار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آیات "اجباط" تو یہ کہتی ہیں کہ بعض عمل مثلاً "کفر" انسان کی تمام نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ لہذا برکت لیحبطن عملك (زمرہ- ۶۵) اور آیات "تکفیر" کے مطابق بعض اوقات نیکیاں بڑائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ان الحسنات من اللہ (ہود- ۱۱۴) اور عفو و توبہ کی آیات یہ کہتی ہیں کہ عفو الہی کے سامنے میں، یا توبہ کرنے سے، گناہ محو ہو جاتے ہیں، یہ اسے مفہوم تمام نیک و بد اعمال کا مشاہدہ کرنے کے سلسلہ کے ساتھ کیسے مطابقت کرتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ: وہ دو اصول جو اوپر والی آیات میں بیان ہوئے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اچھے اور بُرے کام کا ایک ایک ڈرہ تک دیکھے گا، ایک قانون کلی کی صورت میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ قانون میں کچھ مستثنیات ہو سکتے ہیں، لہذا آیات عفو و توبہ، اور اجباط و تکفیر حقیقت میں اس قانون کلی میں استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "اجباط" و "تکفیر" کے سلسلہ میں درحقیقت موازنہ اور ایک عجز و انکسار رونما ہوتا ہے، اور یہ ٹھیک مطالبات اور قرضوں کے مانند ہے، جن میں ایک دوسرے سے منہا ہو جاتے ہیں، جس وقت انسان اس موازنہ کا نتیجہ دیکھتا ہے تو حقیقت میں اُس نے اپنے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو دیکھ لیا ہے۔ یہی بات "عفو" و "توبہ" میں بھی جاری ہے۔ کیونکہ عفو لیاقت و عفو الہی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا، اور توبہ خود ایک نیک عمل ہے۔

بعض نے یہاں ایک اور جواب دیا ہے، جو صحیح نظر نہیں آتا، اور وہ یہ ہے کہ کافر اپنے اچھے اعمال کا نتیجہ اسی دنیا میں دیکھ لیں گے، جیسا کہ موسیٰ نے اپنے بُرے اعمال کی سزا اسی جہان میں پالیتے ہیں۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ زیر بحث آیات قیامت کے ساتھ مربوط ہیں نہ کہ دنیا کے ساتھ، علاوہ ازیں یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ ہر مومن و کافر اپنے اعمال کا نتیجہ دنیا میں دیکھے۔

۳۔ قرآن کی سب سے زیادہ جامع آیات

"عبداللہ بن مسعود" سے نقل ہوا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ حکم آیات "فمن يعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من

یعمل مثقال ذرۃ نشراً لیرہ " ہی ہیں۔ اور وہ انہیں "جامعہ" سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے مطالب پر گہرا ایمان، اس بات کے لیے کافی ہے کہ انسان کو راہ حق پر چلائے اور ہر قسم کے فساد و شر سے روکے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی: علمنی ما علمک اللہ جو کچھ خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیجئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اُسے قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس نے اُسے سورہ "اذا زلزلت الامرض" کی آفر تک تعلیم دی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میرے لیے تو یہی کافی ہے۔ (اور ایک اور دوسری روایات میں آیا ہے کہ اس نے یہ کہا: "تکفیننی ہذہ الایۃ": "یہی ایک آیت میرے لیے کافی ہے!") پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ ایک مرفقیہ ہو گیا ہے۔ (اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: رجع حقیقہا: وہ فقیہ ہو کر لوٹا ہے) اس کی وجہ بھی واضح ہے، کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ہمارے اعمال، چاہے ایک ذرہ کے برابر ہوں، یا رائی کے ایک دانہ کے برابر، ان کا حساب لیا جائے گا، تو وہ آج ہی سے اپنے حساب کتاب میں مشغول ہو جائے گا۔ اور اس کا اس کی تربیت پر سب سے زیادہ اثر ہو گا۔

اس کے باوجود البوسعدی ضروری سے آیا ہے کہ جس وقت آیۃ فمن یعمل.... نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: اے رسول خدا کیا میں اپنے تمام اعمال کو دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں! میں نے کہا: اُن بڑے بڑے کاموں کو فرمایا: ہاں! میں نے کہا: چھوٹے چھوٹے کام بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: وائے ہے مجھ پر میری ماں میری عرا میں بیٹھے۔ فرمایا: اے البوسعدی! تجھے بشارت ہو، کیونکہ نیکیاں دس گنا شمار ہوں گی، جو سات سو تک ہو سکتی ہیں اور خدا جس شخص کے لیے چاہے گا اس سے بھی کئی گنا کر دے گا۔ لیکن ہر گناہ کے لیے صرف ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی، یا خدا معاف کر دے گا اور جان لے کہ کئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا۔ مگر یہ کہ خدا کا کرم اس کے شامل حال ہو، میں نے عرض کیا: اے رسول خدا! کیا آپ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی مگر یہ کہ خدا مجھے اپنی رحمت کا مشمول قرار دے۔

خداوند! جب تیرا پیغمبر اس عظمت و بزرگی کے باوجود صرف تیری بخشش اور عفو پر دل بستہ ہے تو پھر ہماری حالت تو واضح ہے۔ پروردگارا! اگر ہمارے اعمال ہماری نجات کا معیار ہوں، تو دوائے ہے ہماری حالت پر! اور اگر تیرا کرم ہمارا یار و مددگار ہو تو پھر غرنا بحال ہمارا بار الہا! جس دن ہمارے سارے چھوٹے بڑے گناہ ہمارے سامنے مجسم ہو جائیں گے، اس دن کے لیے ہم ہرگز تیرے ہی لطف و کرم پر نظر رکھے ہوتے ہیں۔

اختتام ترجمہ

تیسویں شب ماہ مبارک رمضان ۱۴۰۸ھ

بوقت ۱۲ بجکر ۲۱ منٹ شب

برسکان حقیر قم مقدس جمہوری اسلامی ایران

آئیں۔ یا امرئہ اللہ
سورہ "زلزلہ" کا اختتام

۱۔ "تفسیر روح البیان" جلد ۱۰ ص ۴۹۵ - یہی مضمون "نورالمنقولین" جلد ۵ ص ۶۰ میں بھی آیا ہے۔

۲۔ "درالمشفر" جلد ۶ ص ۳۸۱

سُورَةُ الْعَدِیَّتِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

اور اس کے
گویا اشارے
اس

ایک

سورہ "والعادیات" کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس بارے میں کہ یہ سورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ بہت سوانے تو اسے مکہ شمار کیا ہے جب کہ ایک جماعت اسے مدنی سمجھتی ہے۔ آیات کے مقطع کا مختصر اور چھوٹا ہونا اور قسموں پر تکیہ، اور اسی طرح مسئلہ معاد کے بارے میں بیان ایسے قرآن میں جو اس کے "مکہ" ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

لیکن دوسری طرف سے اس سورہ کی قسموں کا مضمون، جو جہاد کے مسائل سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا، اسی طرح وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ یہ سورہ جنگ "ذات السلاسل" کے بعد نازل ہوا ہے۔ (یہ وہ جنگ ہے جو ہجرت کے اٹھویں سال واقع ہوئی تھی، اور اس میں کفار کے بہت سے گردہ قیدی بنائے گئے تھے، اور انہیں محکم رسیدوں سے باندھا گیا تھا، لہذا اس کا نام "ذات السلاسل" ہو گیا، جس کی تفصیل انشاء اللہ آیات کی تفصیل میں آئے گی)۔ یہ اس سورہ کے مدنی ہونے پر گواہ ہے، یہاں تک کہ اگر ہم اس سورہ کے آغاز کی قسموں کو حاجیوں کے منی و مشعر کی طرف جانے پر ناظر سمجھیں، تب بھی یہ مدینہ ہی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مراسم حج اپنی اکثر فریضات کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی — سنت ابراہیمی کی اقتداء کرنے کی وجہ سے — رواج رکھتے تھے۔ لیکن وہ عرفات کے ساتھ ایسے آلودہ ہو چکے تھے کہ یہ بات بعید نظر آتی ہے کہ قرآن نے ان کی قسم کھائی ہو۔

ان تمام جہات کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہم اس کے "مدنی" ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے سورہ کے مطالب بھی واضح ہو گئے ہیں کہ آغاز میں کچھ بیدار کرنے والی قسموں کا ذکر کرتا ہے۔

بعض
یہ بار
اس کے تمام

لہ "ج
خاص
لی "ج
لی "ج
لی "ج
لی "ج

اور اس کے بعد نوع انسانی کی چند کمزوریوں مثلاً کفر، بخل اور دنیا پرستی کو درمیان میں لے آتا ہے، اور انجام کار مسئلہ معاد پر ایک مختصر اور گویا اشارے اور بندوں پر خدا کے علمی احاطہ پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”من قرأها أعطی من الاجر عشر حسنات، بعدد من بات بالمزلفۃ“
وشہد جمعاً“

”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو ان تمام حاجیوں کی تعداد سے (جو عید قربان کی رات) ”مزلفہ“ میں توقف کرتے ہیں، اور وہاں حاضر رہتے ہیں، دس گنا زیادہ نیکیاں اُسے دی جائیں گی۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”من قرأ والعاذیات وادمن قرائتها بعثہ اللہ مع امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) یوم القیامۃ خاصہ، وکان فی حجرہ ورفقائہ :

”جو شخص سورہ والعاذیات کو پڑھے گا، اور اس کی مداومت کرے گا، تو خدا اُسے

قیامت کے دن خصوصیت کے ساتھ امیر المؤمنین (سلام اللہ علیہ) کے ہمراہ مبعوث کرے گا، اور وہ آپ کی جماعت میں اور آپ کے دوستوں کے درمیان ہوگا۔“

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ والعاذیات نصف قرآن کے برابر ہے۔

یہ بات کہے بغیر ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام فضیلتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لیں گے، اور اس کے تمام مطالب و مضامین پر ایمان رکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

۱ ”جمع“ و ”مشعر الحرام“ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس بنا پر کہ لوگ وہاں حج ہوتے ہیں، یا وہاں نماز مغرب و عشاء

فاصلہ کے بغیر پڑھی جاتی ہے۔

۲ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

۳ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۲۷

۴ ”در المنثور“ جلد ۶ ص ۲۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- وَالْعُدَيْتِ ضَبْحًا ۝
- ۲- فَالْمُورِيَّتِ قَدْحًا ۝
- ۳- فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ۝
- ۴- فَاتْرُنَ بِهِ نَقْعًا ۝
- ۵- فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝
- ۶- إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝
- ۷- وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝
- ۸- وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝
- ۹- أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝
- ۱۰- وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝
- ۱۱- إِنَّ رَبَّهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ لَعَلٌّ ۝

۱-

۲-

۳-

۴-

۵-

۶-

۷-

۸-

۹-

۱۰-

۱۱-

۱۲-

۱۳-

۱۴-

ایک دور

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ ان فراٹے بھرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم (جو میدان بہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔
 - ۲۔ اور ان کی قسم جو (اپنے سموں سے پتھروں پر ٹاپ مارتے ہوئے) چنگاریاں نکالتے ہیں۔
 - ۳۔ اور صبح ہوتے ہی دشمن پر یلغار کر دیتے ہیں۔
 - ۴۔ اور اس سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں۔
 - ۵۔ اور یکایک دشمن کے دل بادل میں گھس جاتے ہیں۔
 - ۶۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے سامنے ناشکر اور بخیل ہے۔
 - ۷۔ اور وہ خود بھی اس معنی پر گواہ ہے۔
 - ۸۔ وہ مال کے ساتھ شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے۔
 - ۹۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اُس دن جو بھی قبروں میں ہیں وہ سب زندہ ہو جائیں گے۔
 - ۱۰۔ اور جو کچھ سینوں کے اندر (چھپایا ہوا) ہے، وہ آشکار اور ظاہر ہو جائے گا۔
 - ۱۱۔ اس دن ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

شان نزول

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورہ جنگ "ذات السلاسل" کے بعد نازل ہوا، اور اس کا واقعہ اس طرح ہے۔ ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین "یالیس" میں جمع ہیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کر لیں اور مسلمانوں کی جماعت

کو منتشر نہ کر دیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا۔ لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس لوٹ آئے۔

آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات بھر میں سارا سفر طے کر کے صبح دم دشمن کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی کہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں درہم بڑھ کر رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ سورہ "والعادیات" نازل ہوئی حالانکہ ابھی سر بازان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن نماز صبح کے لیے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے۔

فرمایا: ہاں! علیؑ دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبریل نے گزشتہ رات یہ سورہ لاکر مجھے بشارت دی ہے۔ کچھ دن کے بعد علیؑ غنائم اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سورہ کے واضح مصداق میں سے ایک ہے۔ یہ اس کا شان نزول نہیں ہے۔

تفسیر بیدار مجاہدین کی قسم

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورہ بیدار کرنے والی قسموں سے شروع ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: "ان فرأٹے بھرتے ہوئے سر پرٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم (جو میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔" (والعادیات ضحیٰ)۔
یا حاجیوں کے ان اونٹوں کی قسم جو پلپتے ہوئے سرزمین عرفات سے مشعر الحرام اور مشعر سے مٹی کی طرف چلتے ہیں۔
"عادیات" "عادیۃ" کی جمع ہے، جو "عدو" (بروزن صبر) کے مادہ سے ہے، اصل میں گزرنے اور جہاد ہونے کے معنی میں ہے، چاہے دل سے ہو، جسے "عداوت" کہتے ہیں، یا خارجی حرکت اور چلنے سے ہو جسے "عدو" (دوڑنا) کہتے ہیں اور کبھی یہ معاملات میں ہوتی ہے جسے "عدوان" کہتے ہیں اور یہاں وہی سرعت اور تیزی کے ساتھ دوڑنا مراد ہے۔
"ضحیح" (بروزن مدح) تیزی اور سرعت کے ساتھ دوڑنے والے کے سانس کی آواز کے معنی میں ہے جو اس کے دوڑنے

۱۰ "بخارا لائبر" جلد ۲۱ ص ۶۶ سے آگے، "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۲۸ اور بعض دوسری کتب تاریخ۔

۱۱ قاعدہ کی رو سے "والعادیات عدو" کنا چاہیے، لیکن چونکہ عدو (دوڑنے) کا لازمہ سانس نکالنا ہے، لہذا اس کے بجائے "ضحیٰ" کہا گیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ آیت میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے۔ والعادیات یضبحن ضحیٰ۔

کے وقت کاٹوں میں آتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے اُدپر اشارہ کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں دو نظریے موجود ہیں۔

پہلا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد ان گھوڑوں کی قسم ہے جو سرعت اور تیزی کے ساتھ میدانِ جہاد کی طرف آگے بڑھتے ہیں اور چونکہ جہاد ایک مقدس امر ہے اس لیے جانور بھی اس مقدس راستے میں اس طرح کی قدر و قیمت پیدا کر لیتے ہیں کہ وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

دوسری تفسیر ان اڈنٹوں کی قسم ہے جو حج جیسے عظیم فریضہ میں موافق اور امکان مقدس میں سرعت اور تیزی کے ساتھ چلتے ہیں، اس بنا پر وہ ایک تقدس کے حامل بن جاتے ہیں اور قسم کے لائق ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "ابن عباس" سے روایت ہے، کہ انہوں نے فرمایا :

"میں خانہ کعبہ کے پاس حجر اسمعیل میں تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آیت "والعادیات

ضبیحا" کے بارے میں مجھ سے سوال کیا " میں نے کہا : "اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں

جو راہِ جہاد میں حملہ کرتے ہیں اور رات کو اپنے آرام کرنے کی جگہ پر لوٹ آتے ہیں، اور وہ غازی

لڑنے والے مجاہدین ہیں جو آگ روشن کرتے ہیں اور اپنے لیے کھانا پکاتے ہیں۔"

وہ شخص میرے پاس سے چلا گیا اور علی علیہ السلام کے پاس پہنچا، آپ اس وقت چاہ زمزم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے بھی اس آیت کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے فرمایا : کیا تو نے مجھ سے پہلے بھی کسی شخص سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ہے ؟ اس نے عرض کیا :

ہاں ! میں نے ابن عباس سے پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گھوڑے

ہیں جو راہِ جہاد میں حملہ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا : جاؤ اور اُسے میرے پاس بلا لاؤ۔

جب میں حضرت کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا :

جو بات تم نہیں جانتے اس کے بارے میں لوگوں کو فتوے کیوں دیتے ہو۔ اسلام میں سب

سے پہلا غزوہ جنگ بدر تھا، اور ہمارے پاس دو گھوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک گھوڑا "زبیر"

کے پاس اور دوسرا گھوڑا "مقداد" کے پاس تو "عادیات" سے مراد گھوڑے کیسے ہو سکتے ہیں ؟

ایسا نہیں ہے۔ اس سے مراد وہ اڈنٹ ہیں جو عرفات سے مشعر کی طرف اور مشعر سے منی کی طرف

جاتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں : جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنا نظریہ بدل لیا اور امیر المؤمنین

علی علیہ السلام کے نظریہ کو قبول کر لیا۔"

یہ احتمال بھی ہے کہ "عادیات" ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ لہذا یہ مجاہدوں کے گھوڑوں کو بھی شامل ہے اور حاجیوں کے اڈنٹوں کو بھی،

اور اُدپر والی روایت سے مراد یہ ہو کہ اس کے معنی گھوڑوں میں محدود نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ معنی تمام مقامات پر صادق نہیں آتا۔ اس کا سب سے

لے "مجمع البیان" جلد ۱ ص ۵۲۹۔ اس روایت کو قرطبی نے بھی اپنی تفسیر کی جلد ۱ ص ۴۲۵ میں نقل کیا ہے۔

زیادہ واضح مصداق حاجیوں کے اونٹ ہیں۔

یہ تفسیر کئی جہات سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "قسم ہے ان کی جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔" (فالموریات قدحاً)

جاہلین کے وہ گھوڑے جو میدان جنگ کی طرف اتنی تیزی کے ساتھ جاتے ہیں کہ ان کے سمول کے پتھروں پر ٹکرانے سے چنگاریاں بھگتی ہیں، یا وہ اونٹ جو سرعت کے ساتھ موافق رخ میں دوڑتے ہیں اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ٹکریاں اور ریت اڑتی ہے اور ان کے دوسرے سنگریزوں کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے چنگاریاں نکالتی ہیں۔

یا وہ قبیلے اور گروہ جو موافق رخ میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتے ہیں، یا ان لوگوں سے کہنا یہ ہے جو جنگ اور جہاد کی آگ بھڑکاتے ہیں، یا ان زبانوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے چھینے والے بیان سے دشمن کے دل میں آگ لگا دیتے ہیں، یا بعض مشرین کے قول کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی حاجات کو انجام دینے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اپنا مقصود حاصل کر لیتے ہیں جیسے کہ آگ چھتاق کے پتھر سے باہر آتی ہے۔ لیکن یہ سارے احتمالات بعید نظر آتے ہیں اور آیت کا ظاہر وہی پہلی دو تفسیریں ہیں۔

"موریات" "ایراء" کے مادہ سے "موریۃ" کی جمع ہے جو آگ بھڑکانے کے معنی میں ہے اور "قدح" چنگاری نکالنے کیلئے پتھر یا لکڑی یا لوجہ یا چھتاق کو ایک دوسرے پر مارنے کے معنی میں ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم میں فرماتا ہے: "اور صبح ہوتے ہی دشمن پر حملہ کرنے والوں کی قسم" (فالمغیرات صبحاً)

عربوں کی عادت۔ جیسا کہ طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے۔ یہ تھی کہ وہ رات کے وقت دشمن کے علاقے کے قریب جا کر گھات میں بیٹھ جاتے تھے تاکہ صبح سویرے ان پر حملہ کر دیں۔

ان آیات کی شان نزول (یا اس کے ایک واضح مصداق) میں یہ آیا ہے کہ لشکر اسلام علی علیہ السلام کی کمان میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان جنگ کی طرف بڑھتا چلا گیا اور دشمن کے قبیلے کے قریب پہنچ کر گھات لگا کر بیٹھ گیا اور صبح سویرے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا اور دشمن کے رد عمل دکھانے سے پہلے پہلے ان کی طاقت کو درہم برہم کر دیا۔

اور اگر ہم ان قسموں کو حاجیوں کے اونٹوں کی طرف اشارہ سمجھیں تو پھر اس آیت سے مراد اونٹوں کے قافلوں کا سعید کی صبح مشعر سے منیٰ کی طرف دوڑتے ہوئے آنا ہے۔

"مغیرات" "اغارة" کے مادہ سے "مغیرۃ" کی جمع ہے، جو ہجوم کرنے اور دشمن پر حملہ کرنے کے معنی میں ہے۔ چونکہ بعض اوقات یہ ہجوم اور حملہ مال لوٹنے کی غرض سے ہوتا ہے لہذا یہ لفظ بعض اوقات فازی میں عام معنی یعنی غارت کرنے اور دوسروں کا مال چھیننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس لفظ کے مادہ میں گھوڑے کے ساتھ ہجوم اور حملہ کرنا چھپا ہوا ہے، لیکن اس کے موارد استعمال الہی طرح اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اگر ابتدا میں یہ قید موجود تھی بھی تو تدریجاً اب ختم ہو گئی ہے۔

اور یہ جو بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہاں "مغیرات" سے مراد وہ ہجوم کرنے والے طوائف و قبائل ہیں جو میدان جنگ کی طرف، یا عجلت اور تیزی کے ساتھ منیٰ کی طرف چلتے ہیں، بعید نظر آتا ہے کیونکہ آیت "والعادیات ضبیحاً" یقینی طور پر گھوڑوں یا اونٹوں کی

توضیف ہے

اس

ساتھ دوڑ کر جا

یا یہ کہ

"اثر"

معنی میں بھی اس

نفع

کے معنی میں ہے

ان کی

بہ جمعاً

انہوں

ان کے قتل

یا یہ

بعض

"فوسطن"

مجموع

بھرتے سانس

سے چنگاریاں

غفلت میں

اور انجام کار

لے "ب

"

کی

ٹہ "

تزیین ہے نہ کہ ان کے سواروں کی، اور یہ آیت بھی اسی مطلب کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد ان مجاہدین اور ان کی سواروں کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "دشمن پر اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ کر جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں" (فاثون بہ نقعا) ۱۰

یا یہ کہ حاجیوں کے اونٹوں کے شعر سے مٹی کی طرف ہجوم کے زیر اثر ہر طرف سے گرد و غبار اٹھتا ہے۔
"اثرن" "اثرہ" کے مادہ سے "غبار" یا "دھوئیں" کو پرانگندہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اور بعض اوقات ہیجان میں لانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح فضا میں آواز کی لہروں کے پھیلنے کے معنی میں آیا ہے۔

"نقع" (بروزن نفع) غبار کے معنی میں ہے اور اس مادہ کی اصل پانی کے نیچے چلا جانا، یا کسی کے پانی کے نیچے چلے جانے کے معنی میں ہے اور چونکہ "غبار" میں ڈوب جانا بھی اس سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اس لفظ کا اس پر اطلاق ہوا ہے "نقع" ساکن اور کھڑے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے ان کی خصوصیات میں سے آخری خصوصیت کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ اسی صبح دشمن کے درمیان پہنچ گئے" (فوسطن بہ جمعا) ۱۱

انہوں نے غفلت کی حالت میں دشمن پر ایسی برق رفتاری کے ساتھ حملہ کیا کہ چند ہی لمحوں کے اندر صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا، ان کے قلب لشکر پر حملہ کر کے ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور یہ اسی سرعت عمل، بیداری، آمادگی، شہامت اور شجاعت کا نتیجہ ہے یا یہ حاجیوں کے "مشعر" سے قلب "مٹی" میں درود کی طرف اشارہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد دشمن کو محاصرے میں لے لینا ہے۔ لیکن یہ تفسیر اسی صورت میں صحیح ہوگی جب "فوسطن" کا جملہ "سین" کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے جب کہ مشہور قرأت اس طرح نہیں ہے۔ اس بنا پر صحیح وہی پہلا معنی ہی ہے مجموعی طور پر اس سارے مضمون کو یکجا کر کے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان مذکورہ گھوڑوں کی قسم جو پہلے تو بڑی سرعت کے ساتھ فراسٹے بھرتے، سانس نکالتے میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں، پھر ان کی سرعت میں ایسی تیزی آتی ہے کہ پتھروں پر ان کے سوں کی ٹاپوں سے چنگاریاں نکلتی ہیں، جو رات کی تاریکی کو چیر کر رکھ دیتی ہیں اور اس کے بعد جب وہ دشمن کے علاقے میں پہنچ جاتے ہیں تو ابھی وہ غفلت میں ہی ہوتے ہیں کہ فضا کے صاف اور روشن ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیتے ہیں، ایسا حملہ، جس سے فضا میں گرد و غبار چھا جاتا ہے اور انجام کار وہ دشمن کی جمعیت کے قلب میں وارد ہو کر ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔

ان طاقتور اور پُر قدرت گھوڑوں کی قسم

ان شجاع اور بہادر سواروں کی قسم

مجاہدین کے گھوڑوں کے فراسٹے بھرنے کی قسم

۱۰ "بہ" کی ضمیر "عدو" (دوڑنے) کی طرف لوٹتی ہے جس کا "والعادایات ضبعا" کے جملہ سے استفادہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر "باء" یہاں "سببیت" کے معنی میں ہے، یعنی اس دوڑنے کے سبب سے گرد و غبار فضا کو پُر کر دیتا ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ اس زمانہ یا مکان

کی طرف لوٹتی ہے جس میں یہ تاخت و تار انجام پائی ہے۔ اس بنا پر "باء" ظرفیت کے معنی میں ہے، لیکن صحیح وہی پہلا معنی ہے۔

۱۱ "بہ" کی ضمیر کے مرجع اور "باء" کے معنی کے سلسلہ میں یہاں وہی بحث ہے جو پہلی آیت میں تھی۔

ان چنگاریوں کی قسم جو ان کے سموں سے نکلتی ہیں۔

غفلت کی حالت میں ان کے حملے کی قسم

گرد و غبار کے ان ذرات کی قسم جو فضا میں پھیل جاتے ہیں۔

اور انجام کار ان کے دشمن کی صفوں کے قلب میں وارد ہو کر انہیں درہم برہم کر کے

فتح یاب ہونے کی قسم۔

اگرچہ وہ تمام باتیں جو بیان کی گئی ہیں وہ ان قسموں کے معنی میں نہیں آتی ہیں، لیکن کلام کی ضمنی دلالت میں یہ سب جمع ہیں۔

اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کا فراٹے بھڑنا اور سانس لینا سمک

بھی لائق قسم ہے۔ اسی طرح پتھروں پر ان کی ٹاپوں سے نکلنے والی چنگاریاں اور اسی طرح وہ گرد و غبار جو وہ فضا میں اڑاتے ہیں، بال بال!

میدان جہاد کا گرد و غبار بھی قابلِ قدر اور با عظمت ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ان قسموں سے مراد احتمالاً وہ نفوس ہیں جو اپنے کمالات کو دوسروں کی طرف منتقل کر سکیں اور اپنے انکار سے

علم و دانش کی چنگاریاں نکالیں اور ہواد ہوس پر حملہ آور ہوں اور اپنے اندر اور دوسروں میں خدا کا شوق پیدا کریں۔ اور انجام کار سائنین علیین کے

قلب میں مقام حاصل کریں!

لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان باتوں کو اوپر والی آیات کی تفسیر کے عنوان سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ وہ تشبیہات ہیں جو آیت کی

تفسیر سے مناسبت کی وجہ سے ذہن میں آتی ہیں۔

ان عظیم قسموں کے بعد جو اب قسم، یعنی وہ چیز جس کے لیے قسمیں کھائی گئی ہیں، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے بارے میں ناشکرا اور بخیل ہے۔“ (ان الانسان لربہ لکفود)۔

وہی غیر تربیت یافتہ انسان وہی انسان جس کے دل پر معارف الہی اور انبیاء کی تعلیمات کے انوار نہیں چکے، اور وہی انسان

جس نے خود کو خواہشات نفسانی اور سرکش شہوتوں کا تابع بنا لیا ہے، یقیناً وہ ”ناشکرا“ اور ”بخیل“ ہے۔

”کفود“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز نہیں آگتی۔ ناشکرے اور بخیل انسان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مفسرین نے کفود کے لیے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ ”الوافتوح لازمی“ نے تقریباً پندرہ معانی اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں، لیکن

ان میں سے اکثر اسی اصل معنی کے شاخ و برگ میں جو اوپر بیان ہوا ہے۔ مزید معانی یہ ہیں:

۱۔ کفود اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مصیبتوں کو تو بڑھا چڑھا کر بیان کرے لیکن نعمتوں کو بھول جائے۔

۲۔ کفود اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کو اکیلا ہی کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”اندرون من الکفود“

”کیا تم جانتے ہو کہ کفود کے کتے ہیں؟“!

لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

”الکنود الذی یا کل وحده، و یمنع رفده و یضرب عبده“

۲۔ ”کنود اس شخص کو کہتے ہیں جو اکیلے ہی اکیلے کھاتا ہے اور دوسروں سے عطا و بخشش کو روکتا ہے

اور اپنے ماتحت غلاموں کو مارتا ہے۔“

۳۔ کنود وہ شخص ہے جو مشکلات و مصائب میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتا۔

۴۔ کنود وہ ہے جس کی نیکیاں بہت ہی کم ہوں۔

۵۔ کنود وہ شخص ہے کہ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اسے دوسروں کو نہیں دیتا اور اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے

تو بے صبری دکھاتا اور بہت گرگڑاتا ہے۔

۶۔ کنود وہ جو اللہ کی نعمتوں کو مصیبت میں صرف کرتا ہے۔

۷۔ کنود وہ شخص ہے جو خدا کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہ سب معانی اسی ناشکری اور بُخل کی شاخ و برگ اور مصداق ہیں۔

ایسے موارد میں ”انسان“ کی تعبیر، بکار، ہوا پرست، سرکش اور باغی انسانوں کے معنی میں ہے، اور بعض نے اس کی کافر انسان

سے تفسیر کی ہے ورنہ یقیناً ہر انسان ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جن کی رُوح میں شکرگزاری اور عطا و بخشش گندھی

ہمئی ہے، اور وہ ناشکری اور بُخل سے بیزار ہیں۔ اسی طرح وہ انسان جنہوں نے اللہ پر ایمان کے سائے میں خود خواہی اور خود پرستی کو چھوڑ

دیا ہے، اور پروردگار کے اسما و صفات کی معرفت اور اخلاقِ الہی کی فضا میں آسمان پر بلند پروازی کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور وہ خود بھی اسی معنی پر گواہ ہے: (وانہ علی ذالک لشمید)۔

کیونکہ انسان اپنے نفس کے بارے میں اچھی طرح آگاہ ہے اور اگر وہ اپنی اندرونی صفات کو ہر شخص سے چھپا سکتا ہو تو خدا اور

اپنے وجدان سے مخفی نہیں رکھ سکتا، چاہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”انہ“ کی ضمیر ”خدا“ کی طرف لٹتی ہے، یعنی خدا انسان میں کنود کی صفت کے وجود کا گواہ ہے۔

لیکن قبل و بعد کی آیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جن میں اس سے مشابہ ضمیریں انسان کی طرف لٹتی ہیں، یہ احتمال بہت ہی بعید

نظر آتا ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد انسان کی اپنے گناہوں اور عیوب پر قیامت میں گواہی دینا ہے، جیسا کہ قرآن کی بہت سی

آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

اس تفسیر کے لیے بھی یہاں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو اس دنیا میں بھی اس کے کفران اور

بُخل پر گواہی کو شامل ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی شناخت سے عاجز ہو جاتا ہے، اور اصطلاح کے مطابق اپنے وجدان کو دھوکا دیتا ہے اور

شیطان آرائش و زیبائش اس کی مذموم صفات کو اس کی نظریں خوبصورت بنا کر جلوہ گر کر دیتی ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ کفران و کجی کے بارے میں مطلب اس قدر واضح ہے کہ اس کی پردہ پوشی نہیں کی جاسکتی اور اپنے وجدان کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

بعد والی آیت میں مزید لکھا ہے: "وہ مادی چیزوں اور مال سے شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے" (وانه لحب الخیر لشدیہ) اور مال و دولت کے ساتھ اس کا یہی شدید اور کثرت سے لگاؤ اس کے کجی، ناشکری اور کفران کا سبب بن جاتا ہے۔

البتہ "خیر" ایک وسیع معنی رکھتا ہے، جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ اور یقینی طور پر بہت سی نیکیوں اور اچھی چیزوں مثلاً علم و دانش، تقویٰ اور بہشت و سعادت سے لگاؤ اور محبت کوئی ایسا مذموم مطلب نہیں ہے کہ قرآن اور پر والی تعبیر کے ساتھ اس کی مذمت کیے۔ اسی لیے مفسرین نے اس کی یہاں "مال" کے معنی سے تفسیر کی ہے، جس پر قرینہ مقام اور گزشتہ آیت بھی گواہ ہے، اور قرآن کی بعض دوسری آیات بھی (اس کی گواہی دیتی ہیں)۔ مثلاً: سورہ بقرہ کی آیہ ۱۸۰، جن میں فرماتا ہے: "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین" تم پر فرض ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کچھ مال چھوڑ جائے تو وہ باپ، ماں اور نزدیکوں کے لیے وصیت کرے۔

مسئلہ طور پر "مال" پر "خیر" کا اطلاق اس بنا پر ہے کہ مال اپنی ذات کی حد تک ایک اچھی چیز ہے۔ اور وہ انواع و اقسام کی نیکیوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن ناشکرا اور کجیل انسان اس کو اس کے اصلی ہدف سے روک کر خود پسندی اور خود غرضی کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک استقامت انکاری کی صورت میں، جو تہدید کے ساتھ توأم ہے، فرماتا ہے: "کیا یہ ناشکرا، کجیل اور دنیا پرست انسان یہ نہیں جانتا کہ جب وہ سب کے سب جو قبروں میں ہیں وہ زندہ ہو جائیں گے؟ (افلا یعلموا اذا بعثوا فی القبور)۔ اور جب وہ تمام چیزیں جو سینوں میں ہیں، جیسے کفر و ایمان، اخلاص و ریا، تکبر و غرور، تواضع و انکسار اور اچھی اور بُری نیکیاں، آشکار ہو جائیں گی۔ (وحصل ما فی الصدور)۔

"اس دن ان کا پروردگار ان سے اور ان کے اعمال اور نیتوں سے آگاہ ہے"۔ اور اس کے مطابق ہی انہیں جزا و سزا دے گا۔ ان رہے ہر یومئذ لخبیر)۔

"بعث" "بعثہ" (بروزن منقبہ) کے مادہ سے اصل میں زیر و زبر کرنے، باہر نکلانے اور استخراج کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ مردوں کو زندہ کرنے کے وقت قبریں زیر و زبر ہوں گی، اور جو کچھ ان میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا، لہذا اوپر والی آیات یہ تعبیر قیامت کے بارے میں استعمال ہوئی ہے۔

"ما فی القبور" کی تعبیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "ما" عام طور پر غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے) یا تو بنا پر ہے کہ اس میں یہ بات مد نظر ہے کہ مردے ابھی مٹی ہیں، یا یہ اس ابہام کی بنا پر ہے جو اس پر حاکم ہے کہ معلوم نہیں کون اشخاص ہیں؟

"قبور" (قبروں) کی تعبیر اس سے کوئی منافات نہیں رکھتی کہ لوگوں کا ایک گروہ اصولاً قبر نہیں رکھتا مثلاً وہ لوگ جو دریا میں ڈبوئے۔

"لحب الخیر" کی "لام" ممکن ہے "لام تعریہ" ہو یا لام علت پہلے احتمال کی بنا پر اس کی تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے، اور دوسرا بنا پر آیت کا مضمون اس طرح ہے، انسان مال کی محبت کی وجہ سے کجیل ہے، لیکن مسلمانوں پر پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

تفسیر نمونہ

یا ان کی قبر ایک ممکن ہے کہ "حوا" سونے وغیرہ میں استعمال، کفر ہو، یا اور ہر شخص کو جیسا کہ "یوم" حالانکہ ہم جانتے کی جزا دے بعض منہ "میں عقرب" ہاں! اور جزا و سزا کے تو یہ چیز ان کے اس اعتماد کا تریہ

چند

اس

اس سورہ

لکنود

تسم کھائی گئی ہے

زیر بحث

مکمل ہے پروا ہو کر

مض لوگ استنہ

یا ان کی قبر ایک مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور ان کی مٹی بکھر جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی اکثریت مد نظر ہے جو قبر رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ قبر یہاں ایک وسیع معنی رکھتی ہو، یعنی وہ جگہ جہاں لوگوں کی مٹی موجود ہو اگرچہ وہ عام قبر کی صورت میں نہ ہو۔

”حاصل“ تحصیل کے مادہ سے اصل میں ”پھلکے“ سے ”منز“ کو باہر نکالنے کے معنی میں ہے۔ اسی طرح معادن کو صاف کرنے اور سونے وغیرہ کو کان کے پتھر سے نکالنے پر بولا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ ایک وسیع معنی یعنی مطلق استخراج کرنے اور الگ کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اور زیر بحث آیت میں اس خیر و بشر اور نیکی و برائی کو جدا کرنا مراد ہو جو دلوں میں چھپی ہوئی ہے چاہے وہ ایمان و کفر ہو، یا صفات حسنہ و ذلیلہ، یا اچھی اور بری نیتیں، وہ سب کی سب اس دن ایک دوسرے سے جدا اور ظاہر و آشکار ہو جائیں گی۔ اور ہر شخص کو ان کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

جیسا کہ سورہ طارق کی آیہ ۹ میں آیا ہے: ”یوم تبلی السرائر“: ”اس دن سارے اندرونی بھید ظاہر و آشکار ہو جائیں گے۔“

”یومئذ“ کی تعبیر اور اس معنی پر تفسیر کہ خدا ”اس دن“ ان کے اعمال اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے آگاہ ہوگا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہمیشہ ان مسائل سے آگاہ ہے، اس بنا پر ہے کہ وہ دن روز جزا ہے، اور وہ انہیں ان کے اعمال و عقائد کی جزا دے گا۔

بعض مشرکین کے قول کے مطابق اس تعبیر کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے تمہید کے طور پر کہے ”سأعرف لك امرک“ ”میں عنقریب تجھے تیرے عمل کا تعارف کراؤں گا“ حالانکہ آج بھی اس قسم کا تعارف موجود ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس کا نتیجہ اور بدلہ تجھے دل کا ہاں! خدا ہمیشہ اور ہر حالت میں اندر اور باہر کے اسرار سے مکمل طور پر آگاہ ہے، لیکن اس آگاہی کا اثر قیامت میں اجر و ثواب اور جزا و سزا کے وقت زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہو جائے گا۔ اور یہ تمام انسان کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ اگر واقفا وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ چیز ان کے اور گناہوں کے درمیان ایک طاقتور سد بن جائے گی، چاہے وہ گناہ آشکار ہوں یا پنہاں، اندرونی گناہ ہوں یا بیرونی، اور اس اعتقاد کا تربیت پر کیا اثر پڑتا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

چند نکات

اس سورہ کی قسموں اور اس کے ہدف کے درمیان ربط

اس سورہ کے سلسلہ میں جو سوالات سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم اور ”ان الانسان لمرتبہ لکنود“ کے جملہ کے درمیان کیا ربط ہے؟ کیونکہ قرآن کی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ قسموں اور قسم (جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے) کے درمیان ایک قسم کا ربط موجود ہوتا ہے، اور اصولی طور پر قرآن کی فصاحت و بلاغت بھی اس قسم کے مطلب کا اقتضا کرتی ہے۔ زیر بحث آیات میں ممکن ہے اس طرح کا ربط ہو کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایسے ایشار کرنے والے انسان بھی موجود ہیں جو جہاد کے راستے میں بے پردا ہو کر پیش رفت کرتے ہیں اور کسی قسم کی فداکاری میں کوتاہی نہیں کرتے، اور اپنی جان و مال خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ اتنے بخیل اور ناشکرے کیوں بن جاتے ہیں کہ نہ تو وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی راہ

میں ایثار کرتے ہیں؟

یہ ٹھیک ہے کہ قسم تو گھوڑوں ہی کی کھائی گئی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ مجاہدین کے لیے ایک آلہ ہیں، اور حقیقت میں مجاہدین کے جہاد کی قسم کھائی گئی ہے۔ (اور اسی طرح اگر یہ حاجیوں اور خانہ خدا کے زائرین کے اڈنوں کی قسم ہے) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ربط اس طرح سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ جانور حق تعالیٰ کی راہ میں سرعت کے ساتھ جاتے ہیں۔ پس اسے انسان تو کیوں اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا جب کہ تو اشرف المخلوقات ہے اور اس کے زیادہ لائق ہے؟ لیکن پہلی مناسبت زیادہ واضح ہے۔

۲۔ کیا انسان طبعاً ناشکر اور بخیل ہے؟

ممکن ہے کچھ لوگ ان انسان لربہ لکنود کے جملہ سے یہ مفہوم لیں کہ "کنود" کی حالت میں ہونا یعنی ناشکری اور بخیل کرنا سب انسانوں کی طبیعت کا جزء ہے تو پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ امر بیدار وجدان اور فطری شعور کے ساتھ، جو انسان کو شکر منعم اور ایثار و قربانی کی دعوت دیتا ہے، کیسے سازگار ہو سکتا ہے؟

اس قسم کا سوال، قرآن مجید کی بہت سی آیات میں، جو انسان کی کمزوریوں کے واضح نقاط کو بیان کرتی ہیں، سامنے آتا ہے۔

ایک جگہ انسان کو "ظلم و جہول" شمار کیا گیا ہے۔ (احزاب - ۷۲)

دوسری جگہ "حلوغ" (کم ظرف) (سارج - ۱۹)

ایک دوسری جگہ "یٹوس کفور" (مایلوس و ناشکر) (صمد - ۹)

ایک اور مقام پر طاعنی اور سرکش (علق - ۶) کے ساتھ متعارف ہوا ہے۔

کیا واقعاً ضعف و کمزوری کے یہ نقاط انسان کی طبیعت میں پوشیدہ ہیں، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ خدا نے آدم کو کرم بنایا ہے اور سب مخلوق پر اسے برتری دی ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم وجعلناہم فی البر والبحر ورزقناہم من الطیبات وفضلناہم علی کثیر ممن خلقنا تقضیلاً**، (اسراء - ۷۰)

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان دو بُعد و جہات وجودی رکھتا ہے، اور اسی بنا پر وہ اپنے "قوس صعودی" میں "اعلیٰ علیین" تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے "قوس نزولی" میں اسفل سافلین میں جا گرتا ہے۔ اگر وہ مریدانہ الہی سے تربیت پائے، عقل کے پیام سے ہدایت حاصل کرے اور اپنی اصلاح کرے تو وہ "فضلناہم علی کثیر ممن خلقنا تقضیلاً" کا مصداق ہو جاتا ہے۔

اور اگر ایمان و تقویٰ سے منہ موڑے، اور اولیائے خدا کی رہنمائی سے باہر نکل جائے، تو پھر وہ "ظلم" و "کفار" یٹوس "کفور" اور "حلوغ" و "کنود" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس طرح ان آیات کے درمیان کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے، البتہ ان میں سے ہر ایک کا انسان کے ایک بُعد اور جہت کے ساتھ تعلق ہے۔

ہاں! ان فضائل کے نقطہ

اور دوری نہیں ہے

۳۔ جہا

قرآن مجید

اس غفلت کے

سے اٹھنے والا

خصوصاً

جو جگہ میں موفز

اور یہ

قابل توجہ

کو تیار کر لیں، ان

پر وہ ہٹا تو آپ

اسلام کے گھوڑے

غفلت کی

ہو گیا، اور قابل توجہ

یہ بات

ہونے والی چنگار

اور اس کے بعد

طاقتور گھوڑوں کے

خداوند!

پروردگارا

بار الہا!

بخشش سے

اختتام

بریکان حقیر رقم مقدس

ہاں ! انسان کی عظمت کے اندر تمام نیکیوں، اچھائیوں اور افتخارات و فضائل کی اصل اور جڑ پوشیدہ ہے اور اسی طرح انسان ان فضائل کے نقطہ مقابل کے لیے بھی آمادگی رکھتا ہے۔ اسی لیے عالم آفرینش کی کسی بھی مخلوق کے قوس صعودی و نزولی کے درمیان اس قدر فاصلہ زوری نہیں ہے، (غور کیجیے)

۳۔ جہاد کی عظمت

قرآن مجید میں جہاد اور راہ خدا کے مجاہدین کی عظمت کے بارے میں بہت ہی زیادہ گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن شاید یہ مسئلہ کسی جگہ بھی عظمت کے ساتھ بیان نہیں ہوا کہ ان کے گھوڑوں کے پھنکارنے، ان کے سمنوں سے نکلنے والی چنگاریوں اور ان کے تیز دوڑنے سے اٹھنے والا گرد و غبار تک بھی اس قدر باعظمت سمجھا جائے، کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

خصوصاً ان کے سرعت عمل پر، جو جنگوں میں کامیابی کا اہم ترین عامل ہے، تکبیر ہوا ہے، اور عظمت کی حالت میں جالیٹنے پر بھی جنگ میں موفق ہونے کا ایک اور عامل ہے، تکبیر ہوا ہے۔

اور یہ سب جہاد کے پروگرام کے سلسلہ میں ایک تربیت اور تعلیم ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کے شان نزول میں بھی آیا ہے کہ علی علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ رات کی تاریکی میں اپنی سواروں کو تیار کر لیں، انہیں ضروری خوراک دیں، ان پر زین کس لیں، اور مکمل طور پر (الرٹ) تیاری کی صورت میں آجائیں، جب رات کی تاریکی کا درہ ہٹا تو آپ نے فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز صبح ادا کی، اور بلا فاصلہ دشمن پر حملہ کر دیا، اور دشمن اس وقت بیدار ہوا جب مجاہدین امام کے گھوڑے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔

عظمت کی حالت میں اس سرچلچلے سے تلف ہونے والوں کی تعداد بھی بہت کم رہی، اور جنگ کا خاتمہ بھی مختصر سے وقت میں کیا، اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اس سورہ کی آیات میں بہت ہی عمدہ طریقہ سے بیان ہوئی ہیں۔

یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ نہ تو گھوڑوں میں کوئی خصوصیت ہے اور نہ ہی بیابان کے پتھروں پر سمنوں کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والی چنگاریاں کوئی خصوصیت رکھتی ہیں، اور نہ ہی ان کے پاؤں سے اٹھنے والا گرد و غبار، جو چیز خصوصیت رکھتی ہے وہ مسئلہ جہاد ہے اس کے بعد اس کے آلات ہیں، جو موجودہ زمانہ کے تمام جنگی وسائل کو شامل ہیں، جیسا کہ سورہ انفال کی آیہ ۹ میں ”رباط الخیل“ (تومی اور ائتور گھوڑوں) کے بیان میں ”قوۃ“ اور ”طاقت“ کے بارے میں کلی طور پر گفتگو ہوئی ہے۔

خداوندا ! ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ میں جہاد کرنے اور قربانی دینے کی توفیق مرحمت فرما۔

پروردگارا ! نفس سرکش، ناشکر، اور کفران کی طرف مائل رہتا ہے، ہمیں اس کے خطرات سے محفوظ فرما۔

بار الہا ! تو ہر شخص کے اندرونی اور بیرونی اسرار سے آگاہ ہے اور ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اپنے لطف و کرم اور عنایت و شفقت سے ہمارے ساتھ سلوک کر۔

آمین یا رب العالمین

اختتام سورہ والعیادیات

اختتام ترجمہ شب ۲۵، رمضان المبارک یکم صبح ۲۱ منٹ شب
محکم تہذیب و تمدن، جمہوری اسلامی ایران

سُورَةُ الْقَارِعَةِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۱۱ آیات ہیں

اس

اور صریح دوا

ایک

زندگی ہے۔ اد

اس

اس

سُورَةُ قَارِعَةٍ کے مطالب اور اس کی فضیلت

اس سُورہ میں کلی طور پر معاد اور اس کے مقدمات کے بارے میں گفتگو ہے۔ اس میں پچھنے والی تعبیریں ہیں، ہلا دیتے والے بیان ہیں، اور صریح و واضح انذار اور تنبیہ ہے۔ اور آخر میں انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم کا بیان ہے۔

ایک گروہ تو وہ ہے جن کے اعمال عدل الہی کی میزان میں وزنی ہوں گے، اور ان کی جزا حق تعالیٰ کے جوار رحمت میں سراسر رضایت بخش زندگی ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جن کے اعمال ہلکے اور کم وزن ہوں گے، ان کی سزا نشت جہنم کی جلاسنے والی آگ ہے۔ اس سُورہ کا نام یعنی "قارعة" اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی فضیلت کے سلسلہ میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

"من قرأ القارعة آمنه الله من فتنه الدجال ان يؤمن به، ومن قیح جھنم لیوم القیامة ان شاء الله؛

"جو شخص سورہ "قارعة" کو پڑھے گا تو خداوند تعالیٰ اسے دجال کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا، اور اسے قیامت کے دن انشاء اللہ پیپ سے ڈور رکھے گا۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- الْقَارِعَةُ ۝
- ۲- مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ۳- وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝
- ۴- يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝
- ۵- وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝
- ۶- فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ۷- فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝
- ۸- وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
- ۹- فَأُمُّهُ سَاوِيَةٌ ۝
- ۱۰- وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝
- ۱۱- نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

تلف

حصہ

ان آیات

" اور "

" اور "

ترجمہ

- شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ وہ چھینے والا حادثہ ۔
 - ۲۔ اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے ؟
 - ۳۔ اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیسا ہے ؟
 - ۴۔ وہ دن جس میں لوگ پرآگندہ پروانوں کی طرح ہر طرف دوڑ رہے ہوں گے ۔
 - ۵۔ اور پہاڑ دھکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ۔
 - ۶۔ (اس دن) جس کے اعمال کا ترازو وزنی ہوگا ۔
 - ۷۔ وہ ایک پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۔
 - ۸۔ لیکن جس کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا ۔
 - ۹۔ اُس کی پناہ گاہ ہاویہ (جہنم) ہوگی ۔
 - ۱۰۔ اور تو کیا جانے کہ ہاویہ کیا ہے ؟
 - ۱۱۔ ایک جلا ڈالنے والی آگ ہے ۔

تفسیر

چھینے والا حادثہ

ان آیات میں جو قیامت کا تعارف کراتی ہیں، پہلے ارشاد ہوتا ہے : " وہ چھینے والا حادثہ " (القارعة) ۔
 " اور وہ کیسا چھینے والا حادثہ ہے " (ما القارعة) ۔
 " اور تو کیا جانے کہ وہ چھینے والا حادثہ کیا ہے ؟ " (وما ادراك ما القارعة) ۔

”قارعة“ ”قرع“ (بروزن فرغ) کے مادہ سے، کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر اس طرح گرنے کے معنی میں سے کہ اس سے سخت آواز پیدا ہو، تازیانہ اور ہتھوڑے کو بھی اسی مناسبت سے ”مقرعة“ کہتے ہیں، بلکہ ہر اہم اور سخت حادثہ کو ”قارعة“ کہا جاتا ہے۔ (یہاں تانیث کا تاء ممکن ہے تاکید کی طرف اشارہ ہو۔

ان تعبیروں سے جو دوسری اور تیسری آیات میں آئی ہیں، جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے یہ فرماتا ہے کہ تو کیا جانے یہ سخت اور سرکونی کرنے والا حادثہ کیا ہے؛ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چھینے والا حادثہ اس قدر عظیم ہے کہ اس کے ابعاد اور مختلف جہات ہر شخص کے ذہن میں نہیں آسکتے۔

بہر حال بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ ”قارعة“ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، لیکن انہوں نے ٹھیک طور سے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ تعبیر قیامت کے مقدمات کی طرف اشارہ ہے جس میں عالم دنیا درہم برہم ہو جائے گا، آفتاب ماہتاب تاریک ہو جائیں گے، سمندروں میں آگ لگ جائے گی۔ اگر اس طرح ہو تو پھر اس حادثہ کے لیے ”قارعة“ کے نام کے انتخاب کی وجہ واضح ہے۔

دوم اس سے دوسرا مرحلہ مراد ہو، یعنی مردوں کے زندہ ہونے اور عالم ہستی میں ایک نئی طرح ڈالنے کا مرحلہ، اور نکلنے اور چھینے کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ اس دن وحشت و خوف اور ڈر دلوں سے نکل جائیں گے اور ان کی سرکونی کریں گے۔

دہ آیات جو اس کے بعد آئی ہیں ان میں سے بعض تو جہان کے خراب و برباد ہونے کے حادثہ سے مناسبت رکھتی ہیں اور بعض مردوں کے زندہ ہونے کے ساتھ، لیکن مجموعی طور سے پہلا احتمال زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اگرچہ ان آیات میں دونوں حادثے یکے بعد دیگرے ذکر ہوئے ہیں (قرآن کی اور بہت سی دوسری آیات کے مانند جو قیامت کی خبر دیتی ہیں)۔

اس کے بعد اس عجیب و غریب دن کے تعارف میں کتا ہے: ”وہی دن جس میں لوگ پرانگندہ، حیران و پریشان پروانوں کی طرح ہر طرف جائیں گے“ (یوم یکون الناس کالفراش المبثوث)۔

”فراش“ ”فراشة“ کی جمع ہے، بہت سے اسے ”پروانہ“ کے معنی میں سمجھتے ہیں، بعض نے اس کی ”ٹڈی دل“ کے معنی میں تفسیر کی ہے، اور ظاہر ہے یہ معنی سورہ قمر کی آیت سے لیا ہے جو لوگوں کو اس دن پرانگندہ ٹڈی دل سے تشبیہ دیتی ہے، (کانہم جراد منتشر) ورنہ اس کے لغوی معنی ”پروانہ“ ہی ہیں۔

بہر حال ”پروانہ“ کے ساتھ تشبیہ اس لیے ہے کہ پروانے اپنے آپ کو دیوانہ وار آگ پر پھینک دیتے ہیں۔ بدکار لوگ بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ پروانہ کے ساتھ تشبیہ ایک خاص قسم کی حیرت و سرگردانی کی طرف اشارہ ہے، جو اس دن تمام انسانوں پر غالب ہوگی۔

اور اگر ”فراش“ ٹڈی دل کے معنی میں ہو تو پھر مذکورہ تشبیہ اس لیے ہے کہ کہتے ہیں بہت سے پرندے اڑتے وقت میں زمین راستہ میں اکٹھے پرواز کرتے ہیں، سوائے ٹڈی دل کے، جو گروہ کی صورت میں اڑتے ہوئے بھی کوئی مشخص راستہ نہیں رکھتے، ان میں سے ہر ایک کسی دوسری ہی طرف اڑ رہا ہوتا ہے۔

پھر، ہوگا، یا قیاس، اس، اس، جائیں گے، (عج)، اور کے ذریعے، ہم، ساتھ نکل کر رہ، دن سے تشبیہ، پھرنے کا آخر، ممکن، رکھا ہے، بہر حال کی ہی بات، اس، کا ترازو کے، ”دہ“، ”یکہ“، ”توا“ اور تو، ”ایہ“، ”مو“ کے بعد معنوی، بعض، ”ما“

پھر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حیرت دہراگندی دسرگردانی اور وحشت و اضطراب جہان کے خاتمہ کے ہولناک حوادث کی وجہ سے ہوگا، یا قیامت اور حشر و نشر کے آغاز کی وجہ سے۔

اس سوال کا جواب ہمارے اسی بیان سے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس دن کی ایک اور خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے مزید کتاب ہے: "اور پہاڑ دھکی ہوئی رنگین اذن کے مانند ہو جائیں گے۔" (وتکون الجبال كالعهن المنفوش)۔

"عهن" (بروزن ذہن) رنگی ہوئی اذن کے معنی میں ہے۔

اور "منفوش" "نفش" (بروزن نقش) کے مادہ سے اذن کو پھیلانے کے معنی میں ہے۔ جو عام طور پر دھکنے کے مخصوص آلات کے ذریعے اذن کو دھکنے سے انجام پاتی ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کی مختلف آیات کے مطابق قرب قیامت میں پہاڑ پہلے تو چلنے لگیں گے، پھر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور انجام کار غبار کی صورت میں فضا میں اڑنے لگیں گے۔ زیر بحث آیت میں ان کو رنگین اور دھکی ہوئی اذن سے تشبیہ دی گئی ہے، ایسی اذن جو تیز آندھی کے ساتھ چلے اور اس کا صرف رنگ ہی رنگ نمایاں ہو، اور یہ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر پھرنے کا آخری مرحلہ ہوگا۔

مکن ہے یہ تعبیر پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف اشارہ ہو کیونکہ روتے زمین کے پہاڑوں میں سے ہر ایک ایک خاص رنگ رکھتا ہے۔

بہر حال یہ جملہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اوپر والی آیات قیامت کے پہلے مرحلوں، یعنی اس جہان کی دیرانی اور اختتام کے مرحلہ کی ہی بات کرتی ہیں۔

اس کے بعد حشر و نشر، مردوں کے زندہ ہونے اور ان کی دوگردہوں میں تقسیم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "پس جس شخص کا ترازوئے عمل وزنی ہوگا" (فاما من ثقلت موازينه)۔

"وہ ایک عمدہ اور پسندیدہ زندگی میں ہوگا" (فھو فی عیشة مرضیة)۔

"لیکن جس شخص کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا" (واما من خفت موازينه)

"تو اس کی پناہ گاہ جہنم ہے" (فامہ ہاویة)۔

اور تو کیا جانے ہاویہ (دوزخ) کیا ہے؟ (وما ادراک ماہیہ)۔

"ایک جلانے والی آگ ہے" (نار حامية)۔

"موازنین" میزان کی جمع ہے جو تولنے کے ایک آلہ کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ پہلے تو مادہی وزنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے اس

کے بعد معنوی موازن اور مقایس کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس دن انسان کے اعمال جسمانی اور قابل وزن موجودات کی صورت اختیار کر لیں گے اور واقعی طور پر انہیں اعمال کے

لبہ "ماہیہ" اصل میں "ماہی" تھا، پھر "ہاء سکت" کا اس سے الحاق ہوا۔

تولنے والے ترازوؤں کے ساتھ تولیں گے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ خود نامہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اگر اس میں کچھ اعمال صالحہ لکھے ہوئے ہیں تو وہ سنگین اور بھاری ہوگا ورنہ وہ ہلکا یا بے وزن ہوگا۔

لیکن ظاہراً ان توجیہات کی ضرورت نہیں ہے۔ میزان یقینی طور پر ظاہری ترازو کے معنی میں نہیں ہے، جس میں مخصوص قسم کے پڑے ہوتے ہیں، بلکہ اس کا ہر قسم کے تولنے کے وسیلہ اور ذریعہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

” ان امیر المؤمنین والائمة من ذریتہ (ع) هم الموازين“

” امیر المؤمنین اور وہ ائمہ جو آپ کی ذریت میں ہیں وہی تولنے کے ترازو ہیں۔“

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے میزان کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

” المیزان العدل“

” تولنے کی ترازو وہی عدل ہے“

اس طرح اولیاء اللہ یا قوانین عدل الہی ہی وہ ترازو ہیں جن کے سامنے انسانوں اور ان کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے اور جس قدر وہ ان کے ساتھ مشابہت اور مطابقت رکھتے ہیں وہی ان کا وزن ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ میزان کے ”ہلکا“ اور ”بھاری“ ہونے سے مراد خود تولنے کے ترازوؤں کی سنگینی و سبکی نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کا وزن ہے جن کو ان سے تولتے ہیں۔

ضمنی طور پر ”موازنین“ کی تعبیر جمع کی صورت میں اس بنا پر آئی ہے کہ اولیائے حق اور قوانین الہی میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ تولنے کی ایک میزان ہے۔ اس سے قطع نظر انسان کی صفات اور اعمال کا تنوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر ایک کو ایک ترازو سے تولنا جائے، اور تولنے کے نمونے اور ترازو مختلف ہوں۔

”راغب“ ”مفردات“ میں کہتا ہے: ”قرآن مجید میں میزان کبھی تو منفرد کی صورت میں آیا ہے اور کبھی جمع کی صورت میں، پہلی صورت میں اس کے لیے آیا ہے جو حساب کرتا ہے یعنی خدائے کیتا، اور دوسری صورت میں ان کے لیے ہے جن کا حساب ہوگا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ موازنین ”موزون“ کی جمع ہے، یعنی وہ عمل جس کا وزن کرتے ہیں۔ اس بنا پر موازنین کا ہلکا یا بھاری ہونا خود اعمال کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں ہے، نہ کہ ترازوؤں کے ہلکا اور بھاری ہونے کے معنی میں۔

البتہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے، لیکن دو مختلف راستوں سے۔

اس سلسلہ میں ہم نے سورہ اعراف کی آیہ ۸، ۹ کے ذیل میں (جلد ۳ ص ۲۲) پر، اور اسی طرح سورہ کہف کی آیہ ۱۰۵

لے ”سجرات الافاز“ جلد ۲ ص ۲۵۱

لے اس معنی کو ”زغشری“ نے ”کشاف“ میں اور ”فرازی“ نے ”تفسیر کریم“ میں اور ”ابوالفتح رادی“ نے اپنی تفسیر میں ”موازنین“ کے معنی میں

دو احتمالات میں سے ایک احتمال کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

ذیل میں ()

”

سلسلہ سکون و

”مرضیة

اور

نوشنودی کے

آرام و سکون ا

فہ

ایک ایسی پنا

والے گنہگار

بعض

پر آیت کا

ماہیہ“ (

”ہا

کیونکہ گنہگار

اور

نظر آتی ہے۔

”حا

زیادہ حرارت

بہر جا

قیامت کا عذا

ایک

میزان

اس

بعض

رضایہ

ذیل میں (جلد ۷ ص ۲۷) پر اور سورہ مومن کی آیت ۱۰۲ کے ذیل میں (جلد ۸ ص ۷) پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔
 ”عیشۃ راضیۃ“ (خوش و خرم زندگی) کی تعبیر بہت ہی عمدہ اور ایک بلیغ تعبیر ہے، جو قیامت میں اہل بہشت کی پُر نعمت اور سرسرسکون و آرام کی زندگی کے لیے بیان ہوئی ہے۔ یہ زندگی اتنی پسندیدہ اور رضایت بخش ہے گویا کہ وہ خود راضی ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ ”مرضیۃ“ کہا جائے، زیادہ سے زیادہ تاکید کے لیے ”اسم مفعول“ کی بجائے ”اسم فاعل“ استعمال ہوا ہے۔
 اور یہ عظیم امتیاز آخرت کی زندگی کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی مرفہ، پُر نعمت، امن و امان اور رضایت و خوشبودی کے ساتھ ہو، پھر بھی ناخوشی اور ناپسندیدگی کے عوامل سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ صرف آخرت ہی کی زندگی ہے جو سرسرس رضایت و خوشبودی آرام و سکون اور امنیت و دل جمعی کا سبب ہے۔

فامہ ہاویۃ کے جملہ میں ”ام“ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ”ام“ ماں کے معنی میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ ماں اولاد کے لیے ایک ایسی پناہ گاہ ہے جس کی طرف مشکلات میں پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس رہتے ہیں، اور یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بچے دن والے گنہگار، دوزخ کے علاوہ اور کوئی جگہ پناہ لینے کے لیے نہ پائیں گے۔ اس شخص کے حال پر دائے ہے جس کی پناہ گاہ دوزخ ہوگی۔
 بعض نے یہ بھی کیا ہے کہ یہاں ”ام“ کا معنی ”مغز“ (دماغ) ہے کیونکہ عرب سر کے مغز کو ”ام الرأس“ کہتے ہیں تو اس بنا پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انہیں سر کے بل جہنم میں پھینکیں گے۔ لیکن یہ احتمال بعید نظر آتا ہے کیونکہ اس صورت میں بعد والی آیت ”وما ادراک ماہیہ“ (تو کیا جانے کہ وہ کیا ہے) کا مفہوم درست نہیں رہے گا۔

”ہاویۃ“ ”ہوی“ کے مادہ سے گرنے اور سقوط کرنے کے معنی میں ہے، اور وہ ”دوزخ“ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔
 کیونکہ گنہگار اس میں گریں گے اور یہ جہنم کی آگ کے عمق اور گہرائی کی طرف بھی اشارہ ہے۔
 اور اگر ہم ”ام“ کو یہاں ”مغز“ کے معنی میں لیں، تو ”ہاویۃ“ کا معنی گرنے والی ہوگا، لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح اور زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

”حامیۃ“ ”حمی“ (بروزن نچی) کے مادہ سے شدت حرارت کے معنی میں ہے، اور ”حامیۃ“ یہاں جہنم کی آگ کی حد سے زیادہ حرارت اور جلانے کی طرف اشارہ ہے۔
 بہر حال یہ جملہ جو یہ کتاب ہے تو کیا جانے کہ ”ہاویۃ“ کیا ہے ”ہاویۃ“ جلانے والی آگ ہے۔ اس معنی پر ایک تاکید ہے کہ قیامت کا عذاب اور جہنم کی آگ تمام انسانوں کے تصور سے بالاتر ہے۔

ایک نکتہ

میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ تمام نیک اور صالح اعمال کی قدر و قیمت یکساں نہیں ہے اور یہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں، بعض نے ”راضیۃ“ کو ”ذات رضا“ کے معنی میں سمجھا ہے، یا تقدیر میں کچھ فرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس زندگی والوں کی رضایت ہے، لیکن ان تین تفسیر میں سے وہی تفسیر اُدھر بیان ہوئی ہے جو سب سے زیادہ مناسب ہے۔

اور اسی وجہ سے مختلف اسلامی روایات میں کچھ اعمال خیر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور ان کو ہی قیامت میں میزان عمل کے بھاری ہونے کے اسباب شمار کیا گیا ہے۔

مجملاً ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے لا الہ الا اللہ کی تفسیر میں فرمایا:

”یعنی بوجدانیتہ لا یقبل الاعمال الا بها، وھو کلمۃ التتویٰ یشقل اللہ بها الموازن یوم القیامۃ“

• لا الہ الا اللہ“ خدا کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور کوئی عمل اس کے بغیر قبول نہیں ہوگا۔ یہ وہ کلمہ تقویٰ ہے جو عمل تو لنے والے ترازو کو قیامت میں سنگین اور وزنی بنائے گا۔^۱

ایک اور حدیث میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت کے بارے میں آیا ہے:

”خف میزان ترفعان منہ و ثقل میزان توضعان فیہ“

”تولنے کا وہ ترازو جس سے شہادتین کو اٹھا لیا جائے وہ ہلکا ہو جائے گا، اور وہ ترازو جس میں شہادتین کو رکھ دیا جائے وہ سنگین اور وزنی ہو جائے گا۔“^۲

اور ایک اور دوسری حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

”ما فی المیزان شیء الا ثقل من الصلوٰۃ علی محمد و آل محمد“

”میزان عمل میں کوئی چیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد پر درود بھیجنے سے زیادہ سنگین نہیں ہے۔“

اور روایت کے ذیل میں آیا ہے کہ قیامت میں کچھ لوگ میزان عمل کے نیچے کھڑے ہوں گے جن کے اعمال کا پلٹا ہلکا ہوگا، پھر محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کو اس میں رکھ دیں گے تو وہ سنگین اور وزنی ہو جائے گا۔^۳

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

”من کان ظاہرہ ارجح من باطنہ خف میزانہ“

”جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہوگا قیامت میں اس کا میزان عمل ہلکا رہے گا۔“^۴

ہم اس بحث کو سلمان فارسی کی ایک گفتگو پر ختم کرتے ہیں جو حقیقت میں وحی اور سنت کا خلاصہ ہے۔ اس حدیث میں آیا ہے:

۱۔ ”نورالمتلین“ جلد ۵ ص ۶۵۹ حدیث ۱۲ / ۸

۲۔ وہی مددک حدیث

۳۔ ”نورالمتلین“ ج ۵ ص ۶۶۰ حدیث ۱۳

خداوند
پروردگارا
بارالہا
اپنے رحم و کرم کے

۱۔ ”نورالمتلین“

”کسی شخص نے تمہیر کے طور پر سلمان فارسی سے کہا :

”تُو کون ہے اور تیری حیثیت کیا ہے؟ تیری کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہے سلمانؑ نے جواب میں کہا :

” اما اولی و اولک فنطفة قذرة و اما اخری و اخرک فجيفة منتینة فاذا کان یوم القیامة ، و نصبت الموازین فمن ثقلت موازینہ فهو الکرم و من خفت موازینہ فهو اللئیم ” :

” لیکن ! میرے اور تیرے وجود کا آغاز تو ایک گندہ نطفہ سے ہوا ہے اور میرے اور تیرے وجود کا اختتام ایک بدبودار مرداز سے، اور جب قیامت کا دن ہوگا اور اعمال کے تزنے کے لیے ترازو نصب کیے جائیں گے تو جس شخص کے عمل کا ترازو سنگین اور بھاری ہوگا وہ شریف و بزرگوار ہے، اور جس کے عمل کا ترازو سبک اور ہلکا ہوگا وہ پست و ذلیل اور کدینہ ہوگا۔“

خداوندا ! ہمارے عمل کے ترازو کو محمدؐ و آل محمدؑ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ذریعے سنگین اور وزنی کر دے۔ بدبودار گارا ! ”عیشتہ راضیة“ کا حصول تیرے لطف و کرم کے بغیر آسان نہیں ہے۔ پس تو خود ہی اس راہ میں ہماری مدد فرما! بارالہما ! تیری دوزخ کی آگ بہت ہی سخت جلانے والی ہے اور ہم میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اسے اپنے رحم و کرم کے پانی سے ہمارے لیے خاموش کر دے۔

آمین یا رب العالمین
سورہ ”قارعة“ کا اختتام

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۸ آیات ہیں۔

بہت۔
قبائل قریش کے ر
لیکن۔
بیان ہوا ہے وہ یہ
صحیح نظر آتا ہے۔
اس سُورہ۔
اس کے بعد قیامت
اس سُورہ
اس کا

اور ایک
واضح ہو کہ
ل "بجھ اب
ل "وہی مدد"

سُورَةُ تَكَاثُرٍ کے مطالب اور اس کی فضیلت

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اس بنا پر اس میں تفاعل کے بارے میں جو گفتگو آئی ہے وہ اصولی طور پر قابل تفریش کے ساتھ مربوط ہے جو موموں امور کی بنا پر ایک دوسرے پر فخر و مباهات کیا کرتے تھے۔

لیکن جیسا کہ مروجہ طبری نے مجمع البیان میں لکھا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس میں تفاعل کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہودیوں یا انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں ہے، لیکن اس سُورہ کا معنی سُورتوں سے زیادہ مشابہت رکھنے کی وجہ سے معنی ہونا زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

اس سُورہ کے مطالب میں مجموعی طور سے پہلے تو ایسے لوگوں کی جو موموں مطالب کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر و مباهات کرتے تھے، سرزنش اور ملامت کے اس کے بعد قیامت و معاد اور جہنم کی آگ کے مسئلہ پر تشبیہ ہے اور آخر میں نعمتوں کے بارے میں سوال اور باز پرس کے مسئلہ میں تشبیہ کی گئی ہے۔

اس سُورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

اس کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"وَمَنْ قَرَأَهَا لَمْ يَجَسِبْهُ اللَّهُ بِالنَّعِيمِ الَّذِي أَنْعَمَ عَلَيْهِ فِي دَارِ الدُّنْيَا وَ
أَعْطَى مِنَ الْأَجْرِ كَمَا قَرَأَ الْفَاتِحَةَ"

"جو شخص اس کو پڑھے گا تو خدا اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا جو اس نے اسے دینا

میں دی ہیں اور اسے اس قدر اجر و ثواب عطا کرے گا گویا کہ اس نے قرآن کی ہزار آیتوں کی تلاوت کی ہے۔"

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے کہ اس سُورہ کا واجب اور نسیب نمازیں پڑھنا شہداء کی شہادت کا ثواب رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ سب ثواب ان لوگوں کے لیے ہیں جو اسے پڑھیں اور اسے اپنی زندگی کا پروگرام بنائیں اور دل جان سے اپنے آپ کو اس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۲۲

۲ "دہی مدرک" (تفصیص کے ساتھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۴

- ۵

- ۶

- ۷

- ۸

شمار

جیسا کہ

پرفرد مباحث

کرتے تھے، یہ

کرتے تھے۔

البشر بعد

انصار پیغمبر کے

لیکن یہ

تفسیر

تکثر

ان آیات

نے تمہیں خدا

”یہاں تک

ذکر المق

۱- اَلْهُكُمُ التَّكَاثُرُ ۝

۲- حَتّٰی زُرْتُمُ الْقُبُورَ ۝

۳- كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

۴- ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

۵- كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عَلَوَ الْيَقِيْنَ ۝

۶- لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝

۷- ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنَ ۝

۸- ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱- تفاخر و تکاثر نے تمہیں اپنے حال میں مشغول رکھا۔ (اور اس نے تمہیں خدا سے غافل کر

۲- یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کے لیے گئے۔ (اور تم نے اپنے مردوں کی قبریں شمار کر

۳- ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے خیال کر لیا ہے، تم جلدی ہی (اصل حقیقت کو) جان لو گے

- ۴ - ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے، یہ جلد ہی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔
- ۵ - اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو، اگر تم آخرت کا علم الیقین رکھتے ہو تو (تو ان موبہات اور فخر و مباہات کے پیچھے نہ لگتے)۔
- ۶ - تم یقیناً جہنم کو دیکھو گے۔
- ۷ - پھر (اس میں وارد ہو کر) اس کو عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ کرو گے۔
- ۸ - پھر اس دن تم سب سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں، سوال کیا جائے گا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورہ ان قبائل کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے اور اپنی جمعیت، افراد کی کثرت یا مال و دولت کی زیادتی کے باعث ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے افراد کی تعداد کو بڑھانے کے لیے قبرستان میں جاتے تھے اور ہر قبیلہ کی قبریں شمار کرتے تھے۔

البشہ بعض مفسرین تو اس کو مکہ میں قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں سمجھتے ہیں، اور بعض مدینہ میں انصار پیغمبر کے بارے میں اور بعض یہودیوں کے دوسرے لوگوں پر فخر کرنے کے بارے میں۔ اگرچہ اس کا مکمل ہونا صحیح نظر آتا ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شان نزول چاہے جو کچھ بھی ہو آیت کے مفہوم کو ہرگز محدود نہیں کرتی۔

تفسیر

تکاثر و تفاخر کی مصیبت

ان آیات میں پہلے ملامت بھرے لہجہ میں فرماتا ہے: "تفاخر اور ایک دوسرے پر کثرت رکھنے کے خیال نے تمہیں خدا اور قیامت سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول کر دیا ہے۔" (الہاکم والتکاثر)۔

"یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت اور دیدار کے لیے بھی گئے اور تم نے اپنے مردوں کی قبروں کو شمار کیا" (حقیقی ذر و المقابر)۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ " تکاثر " اور " تفاخر " نے انہیں اس طرح سے اپنی طرف مشغول کر لیا ہے کہ وہ قبروں میں وارد ہونے کے لمحہ تک جاری و ساری ہے۔
لیکن پہلا معنی " زرتو المقابر " کی تعبیر، اور اسی طرح شان نزول اور نوح البلاغہ کے خطبہ کے ساتھ، جس کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ ہو گا، زیادہ سازگار ہے۔

" الهاکو " " لھو " کے مادہ سے، چھوٹے چھوٹے کاموں میں مشغول ہو جانا، اور اہم مقاصد اور کاموں سے غافل رہنے کے معنی میں ہے۔ " راغب " " مفردات " میں کہتا ہے " لھو " اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہوئے اس کے اہداف و مقاصد سے اسے باز رکھتی ہے۔

" تکاثر " " کثرت " کے مادہ سے، تفاخر اور مباهات اور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانے کے معنی میں ہے۔ " زرتو " " زیارة " اور " زور " (بروزن قول) کے مادہ سے اصل میں سینہ کے اوپر والے حصہ کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ملاقات کرنے اور زور بردہ ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اور " زور " (بروزن قر) سینہ کے اوپر والے حصہ کے ٹیڑھا ہو جانے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ جھوٹ ایک قسم کا حق سے انحراف ہے اس لیے اس پر " زور " (بروزن نور) کا اطلاق ہوتا ہے۔

" مقابر " " مقبرة " کی جمع ہے جو میت کی قبر کی جگہ کے معنی میں ہے اور یہاں قبروں کی زیارت کرنا یا تو (بعض تفاسیر کے مطابق) موت سے کنایہ ہے یا شمار کرنے اور فخر و مباهات کرنے کے لیے قبروں کے پاس جانے کے معنی میں ہے۔ (جو اس کی مشہور تفسیر کے مطابق ہے)۔

اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے دوسرا معنی زیادہ صحیح نظر آتا ہے اور اس کے شواہد میں سے ایک امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو اس سلسلہ میں نوح البلاغہ میں آیا ہے، جو آپ نے " الهاکو التکاثر حتی زرتو المقابر " کے بعد فرمایا ہے :

" ياله مرأماً ما ابعده ؟ وزوراً ما اغفله ؟ وخطراً ما افضعه ؟ لغت
استخلوا منهواي متذكر وتناوشوهو من مكان بعيد اقبصاع
ابائهم يفخرون ؟ ام بعدد الهلكى يتكاثرون ؟ يرتجعون منهم اجساداً
خوت، وحرکات سکت، ولان يكونوا عبداً الحق من ان يكونوا
مفتخراً ! " :

" تعجب ہے وہ مقصد سے کتنے زیادہ دُور ہیں اور کیسے غافل زیارت
کر لے والے ہیں ؟ اور کیسا موہوم اور رُسوا کرنے والا

۱۔ فارسی کے روز مرہ کے استعمالات میں " تکاثر " دولت جمع کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہ معنی لغت کی اصل کے
سے نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے، اس قسم کا استعمال ہوا ہے۔

یہ خط
ابی الحدید معتزلاً
لے کر آج تک
پیدا ہوئی ہے
ہوا، کہ میں ا
سامنے یہ باد
اس
اور ان کی باتوں
یہ تازہ
کے یقین دا
ابن

افتخار ہے؟ ایسے افراد کی بوسیدہ ہڈیوں کی یاد میں بڑے ہوتے ہیں جو سالہا سال سے مٹی ہو چکے ہیں اور وہ یاد بھی کیسی؟ اتنے دُور دراز کے فاصلہ پر ایسے لوگوں کی یاد میں پڑے ہیں جو ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ کیا وہ اپنے آباء اجداد کی نابودی کی جگہ پر فخر کرتے ہیں یا اپنے مُردوں اور معدومین کی تعداد کو شمار کر کے خود کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے جسموں کی بازگشت کے خواہاں ہیں جن کا تار و پود بکھر چکا ہے اور جن کی حرکتیں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ بوسیدہ جسم اگر عبرت کا باعث ہوں تو وہ اس سے زیادہ سزاوار ہیں کہ موجب افتخار ہوں۔

یہ خطبہ جس کے صرف ایک حصہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اس قدر بلا دینے والا گویا و صریح ہے کہ "ابن ابی الحدید معتزلی" کہتا ہے کہ: میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کی تمام اُمتیں قسم کھاتی ہیں کہ میں نے پچھلے پچاس سال سے لے کر آج تک اس خطبہ کو ایک ہزار بار پڑھا ہے۔ اور ہر بار میرے دل میں ایک نیا لرزہ و خوف اور ایک نئی ہند و نسیمت پیدا ہوتی ہے، اور اس نے میری رُوح کے اندر ایک شدید اثر چھوڑا ہے۔ اور میرے اعضاء و جوارح لرزنے لگے۔ اور کبھی ایسا ہوا کہ میں اس میں غور و فکر کروں اور اس حال میں اپنے خاندان، عزیزوں اور دوستوں کی موت کو یاد نہ کروں۔ اور شیخ سائیر سے سنا ہے کہ یہ بات مجتم ہو جاتی تھی کہ میں وہی ہوں جس کی امام نے وضاحت کی ہے۔

اس سلسلے میں کتنے ہی دانشمندان، خطباء، سخن وروں اور فصیح افراد نے گفتگو کی ہے۔ اور میں سننے انہیں کان لگا کر سنا ہے اور ان کی باتوں میں غور و فکر کیا ہے۔ کسی ایک میں بھی میں نے کلام امامؑ والی تاثیر نہیں پائی۔ یہ تاثیر جو ان کا کلام میرے دل میں چھوڑتا ہے، یا تو اس کا سرچشمہ وہ ایمان ہے جو اس کا کہنے والا رکھتا ہے یا اس کے یقین و اخلاص والی نیت اس بات کا سبب بن گئی ہے کہ وہ اس طرح ادرج میں خود کرے اور دلوں میں باگڑیں بچا۔

"ابن ابی الحدید" اپنی گفتگو کے ایک اور حصہ میں کہتا ہے:

"یٰٰبنی لواجتمع فصحاء العرب قاطبة فی مجلس وتلی علیہم وان
یسجدوا لہ!"

"یہ خطبہ اس لائق ہے کہ اگر فصحاء عرب کے سب کے سب کسی مجلس میں آجیں تو میں

اور یہ خطبہ ان کے سامنے پڑھا جائے تو وہ ان کے سامنے سجد کریں

اور اسی مقام پر امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام کی فصاحت کے بارے میں تعدادی کی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ در کتاب

"واللہ ما سن الفصاحة لقریش غیرہ:

"خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔

بعد والی آیت میں ان لوگوں کو اس بات کے ساتھ سختی سے تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، اور تم اس کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر و مباحات کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے اس مہم تہافت کا تجربہ دیکھ لو گے۔" (کلاسوف تعلمون)۔

پھر دوبارہ مزید تاکید کے لیے کہتا ہے: "پھر بھی اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو۔ عنقریب تم جان لو گے۔" (ثو کلاسوف تعلمون)۔

مفسرین کی ایک جماعت نے ان دونوں آیتوں کو ایک ہی مطلب کی تکرار اور تاکید سمجھا ہے اور یہ دونوں ہی سربراہی طور پر اُن عذابوں کی خبر دیتی ہیں، جو ان متعاقب مسکبرین کے انتظار میں ہے۔

جب کہ بعض دوسروں نے پہلی آیت کو عذاب قبر اور عذاب برزخ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جس سے انسان موت کے بعد زبرد ہوگا اور دوسری کو عذاب قیامت کی طرف۔

ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"مازلنا تشك في عذاب القبر حتى نزلت الهاكم المتكاثر، الى قوله كلاسوف تعلمون، يريد في القبر، ثو كلاسوف تعلمون بعد البعث؛"

"ہم میں سے ایک گروہ ہمیشہ عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتا تھا یہاں تک کہ سورہ "الہاکم المتکاثر" نازل ہوئی، یہاں تک کہ فرماتا ہے: "کلاسوف تعلمون" اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: "ثو کلاسوف تعلمون" اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔"

تفسیر کبیر فخر رازی میں یہ مطلب علی علیہ السلام کے ایک صحابی "زر بن جہین" سے نقل ہوا ہے۔ جو کہتا ہے کہ "ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم نے علی علیہ السلام سے آپؑ فرماتے ہیں؟"

"یہ آیت عذاب قبر پر دلیل ہے۔"

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم ایک دوسرے پر فخر کرنے والے خیال کرتے ہو۔ اگر تمہارا پر ایمان ہوتا اور علم یقین کے ساتھ اُسے جان لیتے، تو ہرگز ایسا کام نہ کرتے اور ان باطل مسائل پر فخر و مباحات نہ کرتے۔" (کلا لو تعلمون علم الیقین)۔

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۴

۲ "تفسیر فخر رازی" جلد ۲۲ ص ۷۸

۳ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ ایسے موفوں پر لفظ "کلا" تاکید کے لیے ہوتا ہے اور "حقاً" کے معنی میں ہوتا ہے، یہ بات طبری نے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "العرب تو کذب کلا وحقاً" عرب لفظ کلا اور حق سے تاکید کرتے ہیں۔

پھر دو

پھر

پھر

اس دا

سے تم نے خ

کیا ہے؟

چند

۱۔ تہافت

اوپر والی آ

جزا و سزا کے بار

اس کے

تہافت کے عوامل ہیں

آیات میں بیان کر

کس طرح سے نابو

ہواؤں

برسنے سے، خلا

نابو ہو گئے۔

ان حالات

اس بات

اپنی شکستوں کی پردہ پ

المنزاجب و

۱ "اصول کافی"

پھر دوبارہ تاکید اور مزید ڈرانے کے لیے اضافہ کرتا ہے : تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے۔ (لترون الجحیم)۔
 ” پھر اس میں داخل ہو کر عین الیقین کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرو گے۔ (ثو لترونہا عین الیقین)۔
 ” پھر اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں سوال کیا جائے گا۔ (ثو لتسئلن یومئذ عن النعم)۔
 اس دن تمہیں اس بات کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ تم نے ان خداوندی نعمتوں کو کس طریقہ سے صرف کیا ہے ؟ اور ان سے تم نے خدا کی اطاعت کے لیے مدد لی ہے یا اس کی معصیت کے لیے، یا ان نعمتوں کو ضائع کر کے ہرگز ان کا حق ادا نہیں کیا ہے ؟

چند نکات

۱۔ تفاخر کا سرچشمہ

اوپر والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفاخر اور ایک دوسرے پر فخر و مباحات کرنے کے عوامل اصل میں ایک و بیخانی جزاء و سزا کے بارے میں جہالت و نادانی اور معاد کے بارے میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا اپنی پیدائش کے آغاز سے لے کر انجام تک، اپنی کمزوریوں اور مصیبتوں سے بے خبر رہنا بھی کبر و غرور اور تفاخر کے عوامل میں سے ایک عامل ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید اس تفاخر و تکاثر کو توڑنے کے لیے گزشتہ اقوام کی سرگزشت کو مختلف آیات میں بیان کرتا ہے کہ یہ قومیں اتنے امکانات اور فواد قدرت رکھنے کے باوجود اتنے سادہ اور عام قسم کے وسائل کے ذریعے کس طرح سے نابود ہو گئیں۔

ہواؤں کے چلنے سے آسمانی بجلی (صاعقہ) کے گزرنے سے، زمین کے ایک زلزلہ سے، حد سے زیادہ بارش کے برسنے سے، خلاصہ یہ ہے کہ پانی، ہوا اور مٹی سے اور بعض اوقات ”سجیل“ (کنکریوں) اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے بالور ہو گئے۔

ان حالات میں یہ سب تفاخر و غرور کس لیے ہے ؟

اس بات کے لیے دوسرا عامل وہی ضعف و حقارت کا احساس ہے جو ناکامیوں اور شکستوں سے پیدا ہوتا ہے کہ کچھ افراد اپنی شکستوں کی پردہ پوشی کے لیے تفاخر و مباحات کی پناہ لیتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”ما من رجل تکبر او تجبر الا لذلة وجدھا فی نفسه“

”کوئی شخص تکبر اور فخر و مباحات نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جسے وہ اپنے

نفس کے اندر پاتا ہے۔“

لہذا جب وہ یہ احساس کرتا ہے کہ وہ حد کمال کو پہنچ گیا ہے، تو پھر وہ تفاخر کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

« ثلاثة من عمل الجاهلية ، الفخر بالانساب ، والطعن في الاحساب والاستسقاء بالانواء »

« تین چیزیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت کے عمل میں سے ہیں 'نسب پر فخر کرنا، لوگوں کی شخصیت اور خاندانی شرافت میں طعن کرنا اور ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا»

ایک اور حدیث میں امیرالمومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے :

« اهلك الناس اثنان : خوف الفقر و طلب الفخر »

« دو چیزوں نے لوگوں کو ہلاک کیا : فقر و فاقہ کا خوف (جو انسان کو ہر طریقہ اور ہر ذریعہ سے مال جمع کرنے پر ابھارتا ہے) اور ایک دوسرے پر فخر کرنا»

اور حقیقتاً حرص، بخل، دُنیا پرستی اور تباہ کرنے والی رقابتیں اور بہت سے اجتماعی مفاسد کے اہم ترین عوامل میں سے ایک یہی فقر و فاقہ کا بلا و جبر خوف اور افراد و قبائل اور اُمتوں کے درمیان ایک دوسرے پر فخر و مباحثات کرنا اور برتری کا اظہار کرنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

« ما اخشى عليكم الفقر ، ولكن اخشى عليكم التكاثر »

« میں تم پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا، لیکن میں تمہارے تکاثر و تفاخر سے ڈرتا ہوں»

« تکاثر» جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے اصل میں تفاخر کے معنی میں ہے، لیکن بعض اوقات یہ زیادہ طلب اور مال جمع کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

« التكاثر ، (في) الاموال جمعها من غير حقها ، ومنعها من حقها ، وشدتها في الالوية»

« تکاثر، غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، اور اس کا حق ادا نہ کرنا اور اُسے صندوق اور خزانوں میں جمع کرنا ہے»

ہم اس وسیع بحث کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پُر معنی حدیث پر ختم کرتے ہیں، جو آپ نے **الھاکم التکاثر** کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے :

« يقول ابن آدم مالي مالي ، ومالك من مالك الاما اكلت فافنيت او

۱ " بجا لالانوار" جلد ۴۳ ص ۲۹۱

۲ " بجا لالانوار" جلد ۴۳ ص ۲۹۰ حدیث ۱۲

۳ " الدر المنثور" جلد ۶ ص ۳۸۷

۴ " نور الثقلین" جلد ۵ ص ۶۶۲ حدیث ۸

اور یہ
حرام ہونے
میں خرچ کرنا
نہ ہونے کے

۲۔ یقین
" یقین
کے معنی میں آ
امام محمد باقر علیہ السلام
درج بالا ترجمہ۔

راوی

مقام تقویٰ
ایک دو

۱ " صحیح مسلم
۲ " بجا لالانوار
۳ " بجا لالانوار

لبت قابلیت او تصدقت فامضیت ۔

” انسان کتا ہے : میرا مال ، میرا مال ، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ غذا ہے جو تو کھاتا ہے وہ لباس جو تو پہنتا ہے اور وہ صدقات ہیں جو تو راہِ خدا میں دیتا ہے ۔“

اور یہ ایک بہت ہی عمدہ نکتہ ہے کہ اس فراوان مال میں سے ہر شخص کا حصہ ، جسے وہ جمع کرتا ہے ، اور اس کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں کبھی تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غور و فکر نہیں کرتا ، اس تھوڑے سے کھانے پینے ، پہننے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ، اور ہم جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے وہ بہت ہی کم ، حقیر اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں اپنا حصہ زیادہ کرے ۔

۲۔ یقین اور اس کے مراحل

” یقین “ ” شک “ کا نقطہ مقابل ہے ، جیسا کہ علم ، جہالت کا نقطہ مقابل ہے ، اور کسی چیز کے واضح اور ثابت ہونے کے معنی میں آیا ہے۔ اور اختیار و روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین کہا جاتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا :

” ایمان اسلام سے ایک درجہ بالاتر ہے ، اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ بالاتر ہے اور یقین تقویٰ سے ایک درجہ بالاتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا :

” ولم یقسمو بین الناس شیء اقل من الیقین “

” لوگوں میں یقین سے کمتر کوئی چیز تقسیم نہیں ہوئی ہے “

راوی نے سوال کیا : یقین کیا ہے ؟ امام نے فرمایا :

” التوکل علی اللہ ، والتسليم لله ، والرضا بقضاء اللہ ، والتفویض الی اللہ “

” یقین کی حقیقت اللہ پر توکل کرنا ، اللہ کی پاک ذات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ،

قضائے الہی پر راضی رہنا اور اپنے تمام کاموں کو خدا کے سپرد کر دینا ہے ۔“

مقامِ تقویٰ و ایمان و اسلام سے مقامِ یقین کی بڑی ایک ایسی چیز ہے جس پر دوسری روایات میں بھی تاکید ہوئی ہے ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

” من صحۃ یقین المرء المسلم ان لا یرضی الناس بسخط اللہ . ولا

یلومہم علی ما لولئوتہ اللہ ... ان اللہ بعدلہ وقسطہ جعل الروح

۱۔ ” صحیح مسلم “ (مطابق نقل مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۲۴)

۲۔ ” بحار انوار “ جلد ۴۰ ص ۱۳۸ حدیث ۴

۳۔ ” بحار انوار “ جلد ۴۰ ص ۱۳۵ - ۱۳۶

والراحة في اليقين والرضا وجعل الصبر والحزن في الشب والسخط ،
 ”مرد مسلمان کے یقین کے صحیح ہونے کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خدا کو نالاض
 کر کے لوگوں کو راضی نہ کرے اور جو کچھ خدا نے اُسے نہیں دیا اس پر لوگوں کو
 ملامت نہ کرے۔ (انہیں اپنی محرومیوں کا فخر دار نہ ٹھہرائے) خدا نے اپنے عدل و
 انصاف کی بنا پر راحت و آرام ، یقین و رضا میں رکھا ہے ، اور غم و اندوہ کو شک
 اور ناراضی میں قرار دیا ہے !“

ان تعبیرات اور دوسری تعبیروں سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جب انسان یقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو
 ایک خاص قسم کا سکون و آرام اس کے سارے دل و جان میں سرایت کر جاتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود یقین کے لیے کئی مراتب ہیں جن کی طرف اوپر والی آیات اور سورہ واقعہ کی آیہ (ان هذا الصو
 حق اليقين) میں اشارہ ہوا ہے ، اور وہ تین مرحلہ ہیں ۔
 ۱۔ علم اليقين : یہ ہے کہ انسان مختلف دلائل سے کسی چیز پر ایمان لائے ، اس شخص کے مانند جو دھویں

کو دیکھ کر آگ کے ہونے پر ایمان لے آتا ہے۔
 ۲۔ عین اليقين : اس مقام پر حاصل ہوتا ہے جب انسان مشاہدہ کے مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے ، اور اپنی آنکھ
 سے مثلاً کسی آگ کو دیکھ لے۔

۳۔ حق اليقين : اور وہ اس شخص کے مانند ہے جو آگ میں داخل ہو جائے ، اور اس کی سوزش اور حرارت
 کو لمس کرے ، اور یہ یقین کا بالاترین مرحلہ ہے۔

محقق طوسی اپنی ایک گفتگو میں کہتے ہیں : ” یقین “ وہی پختہ ، اور ثابت اعتقاد ہے ، جس کا زوال ممکن نہیں ہے
 اور حقیقت میں وہ دو علموں سے مرکب ہے۔ ایک معلوم کے متعلق علم ، اور دوسرا یہ علم کہ اس علم کے خلاف محال ہے
 اور اس کے کئی مراتب ہیں۔ ” علم اليقين “ و ” عین اليقين “ و ” حق اليقين “
 حقیقت میں پہلا مرحلہ عمومی پہلو رکھتا ہے اور دوسرا مرحلہ پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور تیسرا مرحلہ خواص اور مقربین کے
 ساتھ مخصوص ہے۔

اسی سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صحابہ نے عرض کیا : ہم نے تم
 کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعض اصحاب پانی پر چلتے تھے ؟ آپ نے فرمایا :
 ” لو كان يقينه اشد من ذلك لمشي على الهواء “
 ” اگر اس کا یقین اس سے زیادہ پختہ اور محکم ہوتا تو وہ ہوا پر چلتا !“

۱۔ ” بجا لاناوار “ جلد ۴۰ ص ۱۴۳

۲۔ ” مطابق نقل بجا لاناوار “ جلد ۴۰ ص ۱۴۳

تفسیر نمونہ

م
 یقین کے
 ایمان جتنا
 اور

۳۔

”
 جو کفار کے

ہی جہنم کے
 ”

فرماتا ہے :

دوزخ آب
 یکہ

مناسب۔

۴۔

اس

نے تو یہ کہ

اور بعض نے
 ایک

جد

سوال کیا تو

اس نے ع

کھڑا کرے
 ”

مرحوم "علامہ طباطبائی" اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں: تمام چیزیں خلوند سبحان پر یقین اور عالم تکوین کے اسباب کی تاثیر کے استقلال کو محو کرنے کے محور کے گرد گھومتی ہیں، اس بنا پر انسان کا قدرت مطلقہ الہیہ پر اعتقاد ایمان جتنا زیادہ ہوگا، اشیاء عالم اسی نسبت سے اُس کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائیں گی۔
اور عالم آفرینش میں یقین اور خارق العادت تصرف کے رابطہ کی یہی رمز ہے۔

۳۔ سب لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے

"لترون الجحیم" کے جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے مراد آخرت میں دوزخ کا مشاہدہ کرنا ہے جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یا یہ تمام جن وانس کے لیے عام ہے، کیونکہ قرآن کی بعض آیات کے مطابق سب کو ہی جہنم کے پاس سے گزرنا پڑے گا۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد اسی عالم دنیا میں شہود قلبی ہے، اور اس صورت میں یہ جملہ تفسیر شرطیہ کا جو اسے فرماتا ہے: "اگر تم "علم الیقین" رکھتے ہو تو "جہنم" کو اسی عالم میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کر لیتے" کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہشت دوزخ اب بھی خلق شدہ موجود ہیں، اور وجود خارجی رکھتی ہیں۔
لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ پہلی تفسیر بعد والی آیات کے ساتھ، جو روزِ قیامت کی بات کر رہی ہیں، زیادہ مناسب ہے۔ اس بنا پر یہ ایک قطعی اور غیر مشروط قضیہ ہے۔

۴۔ قیامت میں کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟

اس سورہ کی آخری آیت میں آیا ہے کہ یقینی طور پر تم سب سے قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس نعمت سے مراد "سلامتی" اور "فرغتِ خاطر" ہے، اور بعض اسے "تندرستی" اور "امن و امان" سمجھتے ہیں، اور بعض نے تمام ہی نعمتوں کو اس آیت کا مشمول سمجھا ہے۔
ایک حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے:
"النعیم الرطب، والماء البارد"
"نعیم سے مراد تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے۔"

جب کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "ابو حنیفہ" نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اس کے سوال کو اسی کی طرف پلٹا کر فرمایا: تیرے نظریہ کے مطابق نعیم سے کیا مراد ہے؟ اس نے عرض کیا: غذا ہے اور کھانا اور ٹھنڈا پانی ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر خدا قیامت کے دن تجھے اپنی بارگاہ میں اس لیے کھڑا کرے کہ وہ ہر اس نعمت کا جو تو نے کھایا ہے، اور ہر اُس گھونٹ کا جو تو نے پیا ہے، تجھ سے سوال کرے، پھر تو تجھے

وہاں بہت زیادہ دیر تک ٹھہرنا پڑے گا! اس نے عرض کیا: پھر نعیم کیا ہے؟
 آپ نے فرمایا: وہ ہم اہل بیت ہیں کہ خدا نے ہمارے وجود کے ذریعے اپنے بندوں کو نعمت عطا کی ہے۔ اور ان کے
 درمیان اختلاف کے بعد اُلفت بخشی ہے، ان کے دلوں کو ہماری وجہ سے آپس میں جوڑ دیا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا
 جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور ہمارے ہی ذریعے سے انہیں اسلام کی طرف ہدایت کی ہے۔۔۔۔۔ ہاں! نعیم
 پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت ہی ہیں۔

ان روایات کی تفسیر، جو ظاہر مختلف ہیں، جو تمام مواہب الہی کو، چاہے وہ معنوی ہوں جیسے دین، ایمان، اسلام و قرآن
 اور ولایت یا انواع و اقسام کی انفرادی و اجتماعی نعمتیں ہوں، ان سب کو شامل ہے۔

البتہ جو نعمتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، مثلاً نعمت ”ایمان و ولایت“ تو ان کے بارے میں زیادہ سوال ہوگا کہ ان کا حق ادا ہوا ہے
 یا نہیں؟ اور ظاہر وہ روایات جو اس آیت کے مادی نعمتوں کے شمول کی نفی کرتی ہیں وہ اس معنی میں ہیں کہ تمہیں اہم تر مصادیق کو
 چھوڑ کر بہت ہی چھوٹے مصادیق کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اور حقیقت میں یہ لوگوں کو خدائی نعمتوں اور مواہب کے مراتب کے سلسلے
 میں ایک تشبیہ ہے کہ ان کے لیے ان سے بہت ہی سخت قسم کی باز پرس ہوگی۔

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ان نعمتوں کے بارے میں سوال نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی بڑے سرمائے ہیں جو نوع بشر کے اختیار میں
 دیے گئے ہیں۔ اور انہیں ان میں سے ہر ایک کی بڑی باریکی کے ساتھ قدر دانی کرنی چاہیے اور ان کا شکر بجالانا چاہیے۔ اور انہیں ان
 کے صحیح موارد میں صرف کرنا چاہیے۔

خداوندا! تو اپنی بے انتہا نعمتوں کو، خصوصاً ایمان و ولایت کی نعمت کو ہمیشہ ہمیشہ ہم پر جاری رکھ۔

پروردگارا! ہمیں ان تمام نعمتوں کے حق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرما۔

بارِ الہا! ہم پر ان عظیم نعمتوں میں اضافہ کرتا رہ، اور انہیں ہرگز ہم سے سلب نہ کرنا۔

آمین یا رب العالمین

سورہ تکاثر کا اختتام

اختتام ترجمہ

۱۱ منٹ کم ایک بجے شب

۲۶ رمضان ۱۴۰۸ھ

برمکان حقیر قم مقدس ایران

سُورَةُ الْعَصْرِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

سُورَةُ وَالْعَصْرِ كے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اگرچہ بعض نے مدنی ہونے کا احتمال بھی ظاہر کیا ہے لیکن سُورہ کی آیات کے چھوٹے چھوٹے مقاطع اور اس کا لب و لہجہ اس کے مکی ہونے کا شاہد ہے۔

بہر حال اس سُورہ کی جامعیت اس حد تک ہے کہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق قرآن کے تمام علوم و مقاصد کا خلاصہ اس سُورہ میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سُورہ نے مختصر ہونے کے باوجود انسان کی سعادت و خوش بختی کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کیا ہے۔ سب سے پہلے "عصر" کی معنی خیز قسم سے شروع ہوتا ہے، جس کی تفسیر عنقریب پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد تمام انسانوں کے زیاں کاراؤں خرابیوں کی گفتگو ہے جو تدریجی زندگی کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد صرف ایک گروہ کو اس اصل کلی سے جدا کرتا ہے، جو ذلیل کی چار خصوصیات والے پروگرام کے حامل ہیں :

۱ ایمان ۔ ۲ عمل صالح ۔ ۳ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے والے ۔

۴ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنے والے اور حقیقتاً یہ چار اصول اسلام کے اعتقادی و عملی، اور اخلاقی و اجتماعی پروگراموں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ اس سُورہ کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں آیا ہے :

"من قرأ 'والعصر' فی نوافلہ بعثہ اللہ یوم القیامۃ مشرقاً و وجہہ ضاحکاً ستہ قریرۃ عینہ حتی یدخل الجنة"

"جو شخص سُورہ 'والعصر' کو نوافل نمازوں میں پڑھے گا، خدا اُسے قیامت کے دن اس حالت میں اُٹھائے گا

کہ اس کا چہرہ نورانی، لب خندان اور اس کی آنکھ خدا کی نعمتوں سے روشن اور ٹھنڈی ہوگی یہاں تک

وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور سرور و شادمانی اس شخص کے لیے ہے، جو اپنی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل کر گیا، نہ کہ کبھی بڑھنے پر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ وَالْعَصْرِ ۝
- ۲۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝
- ۳۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَّصَّوْا بِالْحَقِّ ۝
- وَتَوَّصَّوْا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ قسم ہے عصر کی۔
- ۲۔ کہ سب انسان خسارے میں ہیں۔
- ۳۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالح انجام دیے ہیں، ایک دوسرے کو حق کی وصیت و نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت کی وصیت کی۔

تفسیر

نجات کی صرف ایک راہ

اس سورہ کی ابتدا میں ہم ایک نئی قسم سے رُوبرو ہو رہے ہیں، فرماتا ہے: "عصر کی قسم" (والعصر)۔

"عصر" کا لفظ اصل میں پھوڑنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اس کا وقت عصر پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ اس میں روزانہ کے پروگراموں اور کاموں کو لپیٹ کر مختصر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ لفظ مطلق "زمانہ" اور تاریخ بشر کے دور یا زمانے کے ایک حصہ، جیسے ظہور اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے زمانے، اور اسی قسم کے دوسرے زمانوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی لیے اس قسم کی تفسیر میں مفسرین نے بہت زیادہ احتمال دیے ہیں۔

۱۔ بعض تو اسے اسی وقت "عصر" کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اس قرینہ سے کہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں دن کے آغاز کی قسم کھائی گئی ہے مثلاً: "والضحیٰ" (سورہ ضحیٰ آیہ ۱) یا "والصبح اذا اسفر" (مدرثر- ۳۴) یہ قسم اس اہمیت کی بنا پر ہے جو دن کے اس موقع کو حاصل ہے کیونکہ یہ وقت انسانوں کی حیات اور نظام زندگی کے خاتمے کا وقت ہوتا ہے، دن کے کام اپنے انجام کو پہنچتے ہیں، پرندو چرند اپنے اپنے آشیانوں اور ٹھکانوں کو لوٹتے ہیں، سورج اُفق مغرب میں اپنا سر چھپا لیتا ہے اور فضا بتدریج تاریک ہوتی چلی جاتی ہے۔

یہ اختتام اور تغیر انسان کو خدا کی لایزال قدرت کی طرف جو اس نظام پر حاکم ہے۔ متوجہ کرتا ہے اور حقیقت میں یہ توحید کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور پروردگار کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جو قسم کے لائق ہے۔

۲۔ بعض دوسروں نے اسے تمام زمانے اور تاریخ بشریت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جو در سہائے عبرت، ہلا دینے والے حوادث اور بیدار کرنے والے واقعات سے پُر ہے، اور اسی بنا پر ایسی عظمت رکھتا ہے کہ خدا کی قسم کے لائق ہے۔

۳۔ اور بعض نے زمانے کے ایک خاص حصہ کو، جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا زمانہ یا ہمدی علیہ السلام کے قیام کا زمانہ، جو تاریخ بشر میں خصوصیت اور مخصوص عظمت کا حامل ہے، مراد لیا ہے اور قسم کو اسی کے بارے میں سمجھتے ہیں۔

۴۔ بعض نے اس لفظ کے لغوی ریشہ اور جڑ بنیاد کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ اور اس قسم کو ان مشکلات اور دشواریوں کے بارے میں سمجھتے ہیں جو انسانوں کی طویل زندگی میں رونما ہوتے ہیں، انہیں خراب غفلت سے بیدار کرتے ہیں، انہیں غفلت سے بیدار کرتے ہیں اور روح استقامت کی پرورش کرتے ہیں۔

۵۔ بعض اسے کامل انسانوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو عالم ہستی اور جہان خلقت کا پھوڑ ہیں۔

۶۔ اور آخر میں بعض اسے "نماز عصر" کے بارے میں سمجھتے ہیں، اس خصوصی اہمیت کی بنا پر جو اسے باقی نمازوں میں حاصل ہے کیونکہ وہ "صلاة وسطیٰ" جس کے لیے قرآن میں خاص قسم کی تاکید کی گئی ہے، نماز عصر کو سمجھتے ہیں۔

اگرچہ اُدپر والی تفاسیر آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تضاد نہیں رکھتیں، اور ممکن ہے کہ وہ سب ہی آیت کے معنی جمع ہوں، اور ان تمام اہم امور کی قسم کھائی گئی ہو، لیکن ان سب میں سے، سب سے زیادہ مناسب، عصر کو زمانہ اور تاریخ بنانا ہے۔

۷۔ ایک حدیث میں امام جنودان سے آیا ہے کہ والعصر ان الانسان لفقحس کی تفسیر میں فرمایا: العصر عصر خروج الفاشو عصر سے مراد

ہمدی (سلام اللہ علیہ) کے قیام کا زمانہ ہے۔ (نور الثقلین جلد ۵۔ ص ۶۶۶ حدیث ۵)

معنی میں لینا ہو
کیونکہ

طور سے انسانوں
بیان کیے گئے
جو کچھ:

میں سے ایک
بعد والی آ

خارے میں پیر
وہ اپنے

چلے جاتے پیر
ہاں! از

ہر روز اس سے
ایک دل

رک جانا ہے،
سے پہلے ہی فیا

"خسبہ"
کبھی تو اس کی از

نسبت دی جاتی
ہوتا ہے۔ اور بعض

جسے خداوند عالم
الفہم و اہل

اور اپنے گھر والوں
فخر رازی

سورہ کا معنی ہیں
ارحموا من یا

میں نے اپنے آ
لہ "مفردات

معنی میں لینا ہی نظر آتا ہے۔

کیونکہ ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن کی قسمیں ہمیشہ اس مطلب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں جن کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔ اور سب سے اہم انسان کی زندگی میں زیاں و خسارہ ان کی عمر کے گزرنے کا نتیجہ ہے، یا پیغمبر خاتم کے قیام کا زمانہ، کیونکہ اس سورہ میں بیان کیے گئے چار اصولوں کا پروگرام اسی زمانہ میں نازل ہوا ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آیات قرآنی کی عظمت اور اس کے مفاسد کی وسعت اچھی طرح سے واضح ہو گئی ہے۔ کراہی میں سے ایک ہی لفظ کس حد تک پُر معنی اور عمیق دگونا گوں تفاسیر کے لائق ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جس کے لیے یہ اہم قسم کھائی گئی ہے، فرماتا ہے: "یقینی طور پر تمام انسان خسارے میں ہیں" (ان الانسان لفي خسر)۔

وہ اپنے وجودی سرمائے کو، خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، کھو بیٹھتے ہیں، عمر کی گھڑیاں، دن، مہینے اور سال تیزی کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں، معنوی اور مادی قوتیں تحلیل ہو جاتی ہیں اور طاقت و قدرت گھٹتی چلی جاتی ہیں۔

ہاں! انسان اس شخص کے مانند ہے جس کے پاس عظیم سرمایہ ہو اور اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر اس سرمایہ کا ایک حصہ ہر روز اُس سے لے لیتے ہوں۔ یہ دنیا کی زندگی کا مزاج ہے، ہمیشہ کم ہوتے چلے جانے والا مزاج۔

ایک دل میں حرکت کرنے کی ایک معین استعداد ہوتی ہے، اور جب وہ استعداد اور طاقت ختم ہو جاتی ہے تو دل خود بخود رک جاتا ہے، حالانکہ اس میں کوئی عیب، بیماری یا علت نہیں ہوتی، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی فیل نہ ہو جائے۔ انسانی وجود کے باقی کارخانوں، اور اس کی مختلف استعدادوں کے سرمایوں کا بھی یہی حال ہے۔

"خسر" (بروزن عسی) اور خسران، جیسا کہ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: سرمایہ کے کم ہونے کے معنی میں ہے۔ کبھی تو اس کی انسان کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کو نقصان ہو گیا، اور بعض اوقات خود عمل کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی تجارت میں نقصان ہو گیا۔ یہ لفظ عام طور پر خارجی سرمایوں مثلاً مال و مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور بعض اوقات اندرونی سرمایوں، مثلاً صحت و سلامتی، عقل و ایمان اور ثواب کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ وہی چیز ہے جسے خداوند عالم نے "خسران مبین" (واضح خسارہ) کے عنوان سے ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے: ان الخاسرين الذين خسروا انفسهم واهليهم يوم القيامة الا ذلك هو الخسران المبين۔ واقعی زیاں کار لوگ تو وہ ہیں جو قیامت میں اپنے وجود اور اپنے گھر والوں کے وجود کا سرمایہ ہاتھ سے دے بیٹھیں گے۔ جان لو کہ خسران مبین (واضح خسارہ) یہی ہے۔ (زمر - ۱۵)۔

فخر رازی اس آیت کی تفسیر میں ایک بات نقل کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ بزرگوں میں سے ایک کہتے ہیں کہ اس سورہ کا معنی میں نے ایک برف فروش شخص سے سیکھا ہے جو پیکار پیکار کر کہہ رہا تھا: ارحموا من يذوب رأس مالہ ارحموا من يذوب رأس مالہ! اس شخص پر رحم کرو جس کی پونجی پگھل رہی ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا یہ ہے معنی ان الانسان لفي خسر کا: اس پر زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور اس کی عمر ختم ہو جاتی ہے اور

لہ "مفردات راغب" مادہ "خسر"

وہ کوئی ثواب حاصل نہیں کرتا، اور وہ اس حال میں خسارے میں ہے۔^۱
 بہر حال اسلام کی جہاں بینی کے لحاظ سے دنیا ایک بازار تجارت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام ہادی علی بن محمد السقی
 علیہ السلام سے آیا ہے:

”الدنيا سوق ربح فيها قوم وخسر اخرون“

”دنیا ایک بازار ہے جس میں ایک گروہ نے نفع کمایا اور دوسری جماعت خسارے میں رہی۔“
 زیر بحث آیت کہتی ہے کہ اس عظیم بازار میں سبھی لوگ خسارے میں نہیں رہتے ہیں، سوائے ایک گروہ کے جس کا پروگرام
 بعد والی آیت میں بیان ہوا ہے۔

ہاں! اس عظیم خسارے اور قہری و جبری نقصان سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، صرف ایک ہی راہ جس کی طرف
 اس سورہ کی آخری آیت میں اشارہ ہوا ہے، فرماتا ہے: ”سولتے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام
 دیے ہیں، اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور صبر و استقامت کی نصیحت کرتے ہیں“ (الاالذین امنوا وعملوا الصالحات
 وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر)۔

دوسرے لفظوں میں جو چیز اس عظیم نقصان کو روک سکتی ہے اور اسے عظیم نفع میں تبدیل کر سکتی ہے، یہ ہے کہ اس سرمائے
 کو ہاتھ سے دینے کے مقابلہ میں زیادہ گران بہا اور زیادہ قیمتی سرمایہ حاصل کرے، جس سے نہ صرف اس سرمایہ کی خالی جگہ پُر ہوگی
 بلکہ اس سے سینکڑوں اور ہزار ہا گنا زیادہ اور بہتر ہو جائے گی۔

ہر وہ سانس جو انسان لیتا ہے، اس سے موت کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنی اس
 نورانی عبارت میں فرماتے ہیں:

”نفس المرء خطاه الى اجله“

”انسان کا سانس موت کی طرف اس کا ایک قدم ہے۔“

اس بنا پر انسان کے دل کی ہر حرکت اسے انتقامِ عمر سے ایک قدم اور زیادہ نزدیک کر دیتی ہے۔ اس طرح سے اس
 قطعی نقصان کے مقابلہ میں کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے خالی جگہ پُر ہو جائے۔
 ایک گروہ عمر اور زندگی کا نفیس سرمایہ ہاتھ سے دے دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا زیادہ مال، معمولی گھریا خوبصورت
 محل فراہم کر لیتا ہے۔

ایک گروہ اس تمام سرمائے کو، مقام و منصب تک پہنچنے کے لیے ضائع کر دیتا ہے۔
 اور کچھ لوگ اسے عیش و نوش اور جلدی گزر جانے والی لذتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔

۱ ”تفسیر فخر رازی“ جلد ۳۲ ص ۱۵

۲ ”تحف العقول“ ص ۳۶۱ (کلمات امام ہادی علیہ السلام)

۳ ”نہج البلاغہ“ کلمات قصار جلد ۴۲

مسئلہ طور سے ان میں سے کوئی سہی چیز بھی اس عظیم سرمایہ کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اس کی قیمت صرف اور صرف خدا کی رضا اور اس کا مقام قرب ہے۔

یا جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے :

”انہ لیس لانفسکم ثمن الالبحة فلا تتبعوها الا بها“

”تمہارے وجود کی قیمت جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کہیں لسانہ ہو کر تم اس کو

اس سے کمتر کسی چیز کے بدلے میں بیچ دو۔“

یا جیسا کہ ماہِ رجب کی دُعا میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے :

”خاب الوافدون علی غیرک وخسر المتعرضون الالک“

”جو تیرے غیر کے پاس جائیں گے وہ مایوس ہو جائیں گے اور تیرے سوا دوسروں کی طرف

رجوع کرنے والے خسارے میں رہیں گے۔“

اور قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ”یوم التغابن“ بلا وجہ نہیں ہے، جیسا کہ سورہ تغابن کی آیت ۹ میں آیا ہے :

”الک یوم التغابن“ اس دن پتہ چل جائے گا کہ گھاٹے میں کون لوگ ہیں۔“

حسنِ مطلب اور لطفِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف تو انسانی وجود کے سرمایوں کا خریدار خداوندِ عظیم ہے : ”ان اللہ اشتري

من المؤمنین“ (توبہ - ۱۱۱)

دوسری طرف وہ تھوڑے سے سرمایوں کو بھی خرید لیتا ہے : ”فمن يعمل مثقال ذرّة خیرا یره“ (زلزال - ۷)

اور تیسری طرف اس کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ قیمت لگاتا ہے۔ کبھی دس گنا کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔

فی کل سنبلۃ مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء“ (بقرہ - ۲۶۱) اور جیسا کہ دُعا میں وارد ہوا ہے، یا من یقبل

الیسیر ویعضو عن الکثیر : ”اے وہ خدا جو تھوڑے سے حسنت اور نیکیوں کو بھی قبول کر لیتا ہے اور بہت زیادہ

گناہوں کو بخش دیتا ہے۔“

اور چوتھی طرف سے، باوجود اس کے کہ یہ تمام سرمائے خود اسی نے انسان کو دیے ہیں، وہ اس قدر بزرگوار ہے کہ پلٹ کر

نہیں کو زیادہ گراں قیمت پر خرید لیتا ہے۔

ایک نکتہ

خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قرآن نے اس عظیم خسارے کے لیے ایک جامع پروگرام پیش کیا ہے، جس میں چار اصولوں پر تکیہ ہوا ہے

پہلی اصل : اس پروگرام میں مسئلہ ”ایمان“ ہے جو انسان کی تمام کارکردگیوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ انسان کی عملی جدوجہد اس کی

”بیخِ ابلاغتہ“ کلماتِ قصار جلد ۲۵۶

فکری و اعتقادی بنیادوں سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔ وہ حیوانات کے افعال کی طرح نہیں ہوتیں جن کی حرکات فطری و طبعی اسباب کی بنا پر ہوتی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں انسان کے اعمال اس کے عقائد و افکار کی ایک مجتم صورت ہوتے ہیں، اور اسی بنا پر خدا کے تمام انبیاء ہر چیز سے پہلے اُمتوں کی اعتقادی بنیادوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ اور وہ خصوصیت کے ساتھ شرک سے جو انواع و اقسام کے رذائل، بدبختیوں اور پراگندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ مبارزہ کرتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ایمان" یہاں مطلق طور پر ذکر ہوا ہے تاکہ ایمان کے تمام کے تمام پہلوؤں کو شامل کیا جائے، یعنی خدا اور اس کی صفات پر ایمان سے لے کر قیامت و حساب و کتاب، جزا و سزا، کتب آسمانی، خدا کے انبیاء اور ان کے اوصیاء کے ایمان تک۔

دوسری اصل: میں ایمان کے بار آور اور پُر اثر و نفع کے پہلے اور تیجہ کو پیش کرتے ہوئے "اعمال صالح" کی بات کرتا ہے۔ کیسی وسیع اور مطالب سے پُر تعبیر ہے، ہاں! "صالحات" وہی سارے کے سارے شائستہ اعمال، نہ صرف عبادات، نہ صرف انفاق فی سبیل اللہ، نہ صرف راہِ خدا میں جہاد، نہ صرف علم و دانش کا حصول، بلکہ ہر وہ شائستہ کام جو تمام میدانوں میں نفوس کے تکامل و ارتقاء، اخلاق کی پرورش، قرب الی اللہ اور انسانی معاشرے کی پیش رفت کا وسیلہ ہو۔

یہ تعبیر چھوٹے سے چھوٹے کاموں سے لے کر۔ جیسے لوگوں کے راستے سے ایک رکاوٹ ڈالنے والے پتھر کو ہٹانا۔ کوڑوں انسانوں کو گمراہی و ضلالت سے نجات دلانے اور دین حق و عدالت کی سارے جہان میں نشر و اشاعت کرنے تک شامل ہے۔

اور اگر ایک حدیث میں "اعمال صالح" کی جامع صاف علیہ السلام سے، "مسوات اور دینی بھائیوں سے مساوات کرنے" سے تفسیر ہوئی ہے، تو وہ واضح و روشن مصداق کے قبیل سے ہے۔

ممکن ہے کہ بعض اوقات اعمال صالح بعض غیر مومن انسانوں سے بھی سرزد ہوں، لیکن مستلک طور پر وہ مضبوط و پائیدار اور دوسرے رکھنے والے نہیں ہوتے، کیونکہ وہ خدائی عمیق اور گہرے اسباب سے سرچشمہ حاصل نہیں کرتے۔ لہذا ان میں جامعیت نہیں ہوتی۔ قرآن نے یہاں "صالحات" کو خصوصیت کے ساتھ جمع کی صورت میں بیان کیا ہے، ایسی جمع جو "الف و لام" کے ساتھ اور عموم کے معنی رکھتی ہے۔ اور یہ اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ ایمان کے بعد اس طبعی و فطری خسارے سے روکنے والا راستہ اعمال صالح کو انجام دینا ہے نہ کہ صرف ایک یا چند اعمال صالح پر قناعت کرنا، اور واقعاً اگر ایمان عمیق اور گہرے طور پر انسان کے میں جاگزیں ہو جائے تو وہ ایسے ہی آثار ظاہر کیا کرتا ہے۔

ایمان کوئی ایسا فکر اور اعتقاد نہیں ہوتا جو رُوح کے گوشوں میں تو موجود ہو لیکن اس میں کسی قسم کی تاثیر موجود نہ ہو۔ ایمان تو ان کے سارے وجود کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

ایمان اس پُر نور چراغ کے مانند ہے جو کسی کمرے کے اندر روشن ہے، جو نہ صرف اس کمرے کی فضا کو روشن کرتا ہے اس کی روشنی اس کمرے کے تمام درپچوں سے باہر نکلتی ہے اور جو شخص اس کے باہر سے گزرے وہ اچھی طرح سے سمجھ لے گا۔ اس میں ایک پُر نور چراغ روشن ہے۔

اسی طرح
باندھ پاؤں سے

اسی طرح
سورہ

جو بھی
اور سورہ سوسنا

کیوں انجام نہیں
اور سورہ

"یا ایھا اللہ
اور سورہ

دعوت اور اس
دعوت جو

اور عمل صالح
تیسرا

سب لوگ حق
تو

افراد دوسرے
اور

بارہ معانی اور
سب ہی اس

بہر حال
جابل کو تعلیم د

یہ بات
ہونا چاہیے

جو تھی
کے بعد ہر شخص
اور کوئی عمل نہ

اسی طرح سے جب ایمان کا چراغ انسان کے دل کی سرائے میں روشن ہوتا ہے تو اس کا نور انسان کی زبان، آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں سے منعکس ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی حرکت بتاتی ہیں کہ دل میں ایک نور موجود ہے جس کی شعاعیں باہر نکل رہی ہیں۔ اسی بنا پر قرآن کی آیات میں عام طور پر "عمل صالح" "ایمان" کے ساتھ "لازم و ملزم" کے عنوان سے آیا ہے۔

سورۃ نحل کی آیہ ۹۷ میں آیا ہے: "من عمل صالحاً من ذکر او انشی و هو مؤمن فلنحییہ حلیۃ طیبۃ" جو بھی عمل صالح انجام دے، مرد ہو یا عورت، لیکن ہو وہ صاحب ایمان، تو ہم اُسے پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ کریں گے۔ اور سورۃ مؤمنون کی آیہ ۹۹-۱۰۰ میں آیا ہے، اس عالم سے جدائی کے بعد بدکاروں کو اس بات پر افسوس ہو گا کہ انہوں نے اعمال صالحہ کیوں انجام نہیں دیے۔ لہذا بہت ہی زیادہ امداد کے ساتھ عمل صالح کو انجام دینے کے لیے بازگشت کا تقاضا کریں گے: رَبِّ اجْعَلْ لِعَمَلِی صَالِحاً فَاِنِّکَ اذِکَ اور سورۃ مؤمنون کی آیہ ۵۱ میں آیا ہے کہ خدا اپنے رسولوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ "پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح بجالاؤ۔"

یا ایہا الرسل کلووا من الطیبات و اعملوا صالحاً" اور چونکہ ایمان و عمل صالح سوائے اس صورت کے ہرگز جاری نہیں رہتے کہ ایک طرف تو معاشرے میں حق کی طرف دعوت اور اس کی معرفت کے لیے کام کیا جائے اور دوسری طرف سے اس دعوت کی انجام دہی کی راہ میں صبر و استقامت کی دعوت ہو، اس لیے ان دو اصولوں کے بعد دوسرے دو اصولوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، جو حقیقت میں دو بنیادی اصولوں "ایمان" اور "عمل صالح" کے اجراء کے ضامن ہیں۔

تیسری اصل میں "تواصی بہ حق" کے مسئلہ یعنی حق کی طرف سب کو عمومی دعوت دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ سب لوگ حق کو باطل سے اچھی طرح پہچان لیں اور ہرگز اسے فراموش نہ کریں اور زندگی کی راہ میں اُس سے منحرف نہ ہوں۔

"تواصوا" "تواصی" کے مادہ سے، جیسا کہ "راغب" نے "مفردات" میں بیان کیا ہے، اس معنی میں ہے کہ بعض افراد دوسرے بعض افراد کو نصیحت کریں۔

اور "حق" "واقعیت" یا واقعیت سے مطابقت کے معنی میں ہے۔ کتاب "دجوه قرآن" میں قرآن مجید میں اس لفظ کے بارہ معانی اور موارد استعمال ذکر ہوئے ہیں، مثلاً خدا، قرآن، اسلام، توحید، عدل، آشکار ہونا، اور واجب ہونا وغیرہ، لیکن وہ سب ہی اسی ریشہ اور جڑ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔

بہر حال "تواصوا بالحق" کا جملہ بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے، جو امر بہ معروف اور نہی از منکر کو بھی شامل ہے، اور جاہل کو تعلیم دینے اور اس کو ہدایت کرنے، غافل کو تنبیہ کرنے، شوق دلانے اور ایمان و عمل صالح کی تبلیغ کرنے کو بھی۔ یہ بات ظاہر و واضح ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں انہیں خود بھی حق کا طرف دار اور اس کا عامل ہونا چاہیے۔

چوتھی اصل میں "صبر" و استقامت اور اس کی نصیحت و وصیت کرنے کا مسئلہ پیش ہوا ہے، کیونکہ معرفت اور آگاہی کے بعد ہر شخص عمل کی راہ میں ہر قدم پر موانع سے زبرد ہو جاتا ہے۔ اگر استقامت اور صبر نہ ہو تو وہ ہرگز احقاق حق نہیں کر سکتا اور کوئی عمل صالح انجام نہیں دے سکتا، یا اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

ہاں! احتیاقِ حق، اور اجراءِ حق اور معاشرے میں حق کی ادائیگی، ایک عمومی فعالیت اور نچتہ و عظیم استقامت یعنی موانع کے مقابلہ میں ٹٹ جانے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

”صبر“ بھی یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو اطاعت پر صبر کرنے کو بھی شامل ہے، گناہ پر ابھارنے والی چیزوں پر صبر کرنے، اور مصائب اور ناگوار حوادث پر صبر کرنے اور توانائیوں، سرمایوں اور ثمرات کو کھو بیٹھنے کے مقابلہ میں صبر کرنے کو بھی۔ ان چار اصولوں کے بارے میں جو کچھ اُد پر بیان کیا گیا ہے۔ اور جو حقیقت میں انسانوں کی زندگی اور سعادت کا جامع ترین پروگرام ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایات میں یہ کیوں آیا ہے کہ ”جب اصحابِ پیغمبرؐ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے، تو ایک دوسرے سے جُدا ہونے سے پہلے سورہ ”والعصر“ کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اس چھوٹی سی سورت کے عظیم مطالب کو بیان کیا کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہوئے اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے اور حقیقتاً اگر مسلمان آج بھی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کی مشکلات اور بے سہولتیاں حل ہو جائیں، پس ماندگی کی تلافی ہو جائے، کمزوریاں اور ناکامیاں کامیابیوں سے بدل جائیں، اور دُنیا جہان کے شریروں کے شران سے منقطع ہو جائیں۔

خداوند! ہمیں صبر و استقامت اور حق و صبر کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔
پروردگارا! ہم سب خسارے میں ہیں اور اس خسارے کی تلافی تیرے لطف و کرم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔
بارِ الہا! ہم ان چاروں احکام پر، جو تُو نے اس سورہ میں دیے ہیں، عمل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین
سورہ والعصر کا اختتام

ترجمہ کا اختتام

بروز اتوار ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

بوقت ۹ بجے صبح

برسکان حقیر قسم المقدسہ ایلان

۱۔ ہم نے ”صبر کی حقیقت اور اس کے مراحل اور شعبوں کے بارے میں جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۳ کے ذیل میں مفصل بحث کی ہے۔

۲۔ ”در المنثور“ جلد ۶ ص ۳۹۲

سُورَةُ هُمَزَةٍ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۹ آیات ہیں۔

سورہ ہمزہ کے مطالب اور فضیلت

یہ سورہ جو کئی سورتوں میں سے ہے ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جو مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ان کے نزدیک انسانی وجود کی تمام اقدار کا خلاصہ یہی ہے پھر وہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھ اس سے خالی ہوتے ہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ مغرور دولت جمع کرنے والے اور خود پسند جیلہ گر، بادۂ کبر و نخوت سے ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی تحقیر عیب جونی، استہزاء اور عیبیت کرنے سے لذت اٹھاتے ہیں اور اس سے تفریح کرتے ہیں۔

اور سورہ کے آخر میں ان کی دردناک سرزنشت کی بات کرتا ہے کہ وہ کیسی حقارت آمیز صورت میں دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دل پر مسلط ہو جائے گی، اور ان کی روح و جان کو، جو اس سارے کبر و نخوت اور ان سب شرارتوں کا مرکز تھا، آگ میں ڈال دیا جائے گا، بھڑکتی ہوئی دوامی اور طولانی آگ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

”من قرأ سورة الهمزة اعطى من الاجر عشر حسنات بعدد من استهزأ

بمحمّد (ص) واصحابہ“

”جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اُسے ان لوگوں کی تعداد سے، جنہوں نے تمہارا اور ان

کے اصحاب کا مذاق اڑایا تھا، دس گنا حسنات دیے جائیں گے۔“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق سے آیا ہے: ”جو شخص اس کو واجب نماز میں پڑھے گا، تو اس سے فقر و فاقہ دور ہو جائے گا، اور

روزی اس کا رُخ کرے گی اور قبیح اور بُری موت اس سے دور ہو جائے گی۔“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- وَیْلٌ لِّكُلِّ مَمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝
- ۲- الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ۝
- ۳- یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهُ اَخْلَدَهُ ۝
- ۴- كَلَّا لَیُبْذَنَنَّ فِی الْحُطْبَةِ ۝
- ۵- وَمَا اَدْرٰیكَ مَا الْحُطْبَةُ ۝
- ۶- نَارُ اللّٰهِ السُّوقَدَةُ ۝
- ۷- الَّتِی تَطَّلِعُ عَلٰی الْاَفْدَةِ ۝
- ۸- اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝
- ۹- فِی عَمَدٍ مُّمدَدَةٍ ۝

ترجمہ

۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
 ہر عیب جو اور تمسخر کرنے والے کے لیے وائے ہے۔

- ۲۔ وہی جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا، (جائز و ناجائز کا حساب کیے بغیر)
- ۳۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اُس کے دوام کا سبب بن جائیں گے۔
- ۴۔ جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، عنقریب اُسے حطلمہ (ریزہ ریزہ کرنے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔
- ۵۔ اور تو کیا جانے کہ حطلمہ کیا ہے؟
- ۶۔ خدا کی بھڑکتی ہوئی آگ۔
- ۷۔ ایسی آگ جو دلوں سے نکلتی ہے۔
- ۸۔ یہ آگ ان کے اوپر درلبستہ صورت میں ہے۔
- ۹۔ کشیدہ اور طولانی ستونوں میں۔

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سورہ کی آیات "ولید بن مغیرہ" کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو بنی غنیمہ کے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس پشت تو آپ کی غیبت کیا کرتا تھا اور آپ کے سامنے طعن و تشنیع اور استہزاء کیا کرتا تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اسے رسول اللہ کے جانے پہچانے دوسرے کینہ دار لوگوں مثلاً اُغنس بن شریق، و "امیہ بن خلف" و "عاص بن دائل" کے بارے میں سمجھا ہے۔

لیکن اگر ہم ان شان ہائے نزول کو قبول بھی کر لیں تو بھی آیات کے مفہوم کی عمومیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات کے حامل ہیں۔

تفسیر

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لیے دائے ہے۔

یہ سورہ ایک چھیننے والی تمہید کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے: "ہر عیب جو اور تمہیں اڑانے والے کے لیے ہے"

(وبیل لكل همزة لمزة)۔

وہ لوگ جو زبان کے ڈنک، ماخذ اور پاؤں کی حرکات اور چشم و ابرو کے اشاروں سے، پیٹھ پیچھے اور زور زور دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں، یا ان کی عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں، یا انہیں طعن و تشنیع اور تہمت کے تیروں کا ہدف بناتے ہیں۔

”ہمزة“ و ”لمزة“ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں بلکہ

پہلا ”ہمز“ کے مادہ سے اصل میں ”توڑنے“ کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ عیب جو اور غیبت کرنے والے دوسروں کی شخصیت کو توڑتے ہیں اس لیے ان پر ”ہمزہ“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور ”لمزة“ ”لمز“ (بروزن رمز) کے مادہ سے اصل میں غیبت کرنے اور عیب جوئی کرنے کے معنی میں ہے۔ اس بارے میں کہ کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں اور غیبت کرنے والوں اور عیب جوئی کرنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے؟ مفسرین نے بہت سے احتمال دیے ہیں، بعض نے انہیں ایک ہی معنی میں لیا ہے اور اس بنا پر ان دونوں کا اکٹھا ذکر تاکید کے لیے ہے۔

لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ ”ہمزة“ غیبت کرنے والے کے معنی میں ہے اور ”لمزة“ عیب جوئی کرنے والے کے معنی میں۔

اور بعض دوسروں نے ”ہمزة“ ان اشخاص کے معنی میں سمجھا ہے جو ماخذ اور سر کے اشارہ سے عیب جوئی کرتے ہیں اور ”لمزة“ ان اشخاص کے معنی میں جو زبان سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔

اور بعض نے ”پہلے“ کو زور و عیب جوئی کرنے اور ”دوسرے“ کو پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنے کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ اور بعض نے پہلے کو آشکارا عیب جوئی اور دوسرے کو پنہاں اور آنکھ اور ابرو کے اشارہ سے عیب جوئی کے معنی میں سمجھا ہے۔

اور بعض اوقات یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ہی اس شخص کے معنی میں ہیں جو لوگوں کو بُرے اور چُھنے والے القاب سے یاد کرتا ہے۔

اور آخر میں ”ابن عباسؓ“ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ان دونوں کی تفسیر میں اس طرح کہا کرتے تھے :

”هو المشاؤون بالنميمة، المفرقون بين الاحبة، الناعتون للناس

بالعيب“

”یہ وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جُدائی ڈالتے ہیں اور لوگوں میں عیب نکالتے ہیں“ بلکہ گویا ابن عباسؓ نے اس بات کا اس حدیث سے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے استفادہ کیا ہے،

لہذا مبالغہ کا صیغہ مشہور چھ اذنان کے علاوہ دوسرے اذنان پر بھی آتا ہے، ہمہ ان کے ایک ہی ذن ہے، جس کی عربی زبان میں نظائر بھی موجود ہیں مثلاً: ”ضحک“ جو بہت زیادہ ہنسنے والے کے معنی میں ہے۔

تفسیر فخر رازی ”جلد ۳۲ ص ۹۲۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

” الا انبئکم بشرارکم؟ قالوا : بلی یا رسول اللہ (ص) قال : المشاؤون بالنميمة ، المفرقون بين الاحبة ، الباعون للبراء المعایب “ :
” کیا میں تمہیں شریر ترین افراد کی خبر نہ دوں ؟ انہوں نے کہا : ” ہاں ! لے رسول خدا (ص) فرمایا : وہ لوگ جو بہت زیادہ پچھل غوری کرتے ہیں ، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور پاکیزہ دے گناہ افراد کے عیوب کی جستجو میں رہتے ہیں بلکہ

لیکن ارباب لغت کے کلمات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنی میں ہیں اور ایک فرسخ معنی رکھتے ہیں جو ہر قسم کی عیب جوئی ، غیبت ، طعن و تشنیع اور علامہ و اشارات اور زبان کے ذریعے ٹھٹھہ کرنے اور مذاق اڑانے اور پچھل غوری اور بدگوئی کو شامل ہے۔

بہر حال اس گروہ کے بارے میں ”ویل“ کی تعبیر ایک تہدید شدید ہے۔ اور اصولی طور پر آیات قرآنی نے اس قسم کے افراد کے لیے سخت تنقید اور اعتراض کیا ہے اور ان کے لیے ایسی تعبیریں استعمال کی ہیں کہ ان جیسی کسی بھی گناہ کے لیے نظر نہیں آتیں۔ مثلاً جب کور دل منافقین کو مومنین کا مذاق اڑانے کی بنا پر عذاب الیم کی تہدید کرتا ہے تو فرماتا ہے : استغفر لہم و لا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرة فلن یغفر اللہ لہم : ” تو ان کے لیے استغفار کر اور چاہے نہ کر ، اگر تو ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی خدا انہیں نہیں بخشنے گا۔“ (توبہ - ۸۰)

اسی معنی کے مشابہ ، ان منافقین کے بارے میں ، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے تھے ، سورہ منافقین کی آیت ۵ میں آیا ہے۔

اصولی طور پر اسلام کی نظر میں اشخاص کی عزت اور حیثیت بہت ہی محترم ہے۔ اور ہر وہ کام جو لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سبب بنت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

” اذل الناس من اهان الناس “ :

” لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔“

ہم نے اس سلسلہ میں سورہ حجرات کی آیت ۱۱ ، ۱۲ کے ذیل میں (جلد ۱۲ ص ۲۵۸ .. پر) زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے بعد اس قبیح عمل (عیب جوئی و استہزاء) کے سرچشمہ کو (جو عام طور پر مال و دولت سے پیدا ہونے والے کبر و غرور کے سبب سے ہوتا ہے) پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے : ” وہی شخص جو مال کو جمع کر کے گنہگار بنا ، (حلال و حرام کا خیال رکھے نہ) (الذی جمع مالا وعددہ)۔

اُسے مال و دولت کے ساتھ اتنی محبت ہے ، کہ وہ ہمیشہ انہیں گنتا رہتا ہے اور درہم و دینار کی چمک اور دوسری قسم کے

۱ ” اصول کافی “ جلد ۲ باب النمیمۃ حدیث ۱

۲ ” بحار الانوار “ جلد ۵ ، ص ۱۴۲

سکوں سے لے
بلکہ تمام شخصیت
کا ہمیشہ مذاق
”عد

کہ یہ ”عد
کرنے کے

اور بعض

لیکن ؛

بہر حال

کے طور پر دیکھ

حقوق پر تجاوز

سمجھتے ہیں۔

وہ مال

میں جتنا اضافہ

نہ صرف مذموم

وابتغوا من

احدکم

تو اگر اس نے

ایسا مال

کے استہزاء کا

مالکوں کو ”قار

خدا سے دوری

عام ط

اس۔

سکول سے لذت حاصل کرتا ہے، اور خوش ہوتا ہے۔ ہر درہم و دینار اس کے لیے ایک بُت ہے، وہ نہ صرف اپنی شخصیت بلکہ تمام شخصیتوں کو انہیں میں منحصر سمجھتا ہے اور یہ ایک طبعی و فطری امر ہے کہ اس قسم کا گمراہ اور دیوانہ و احمق آدمی فقیر و نادار مومنین کا ہمیشہ مذاق اڑایا کرتا ہے۔

”عَدَدہ“ اصل میں ”عَد“ کے مادہ سے اُسے شمار کرنے اور گننے کے معنی میں ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہ ”عَدہ“ (بروزن غدہ) کے مادہ سے ہے جو ان اموال کو آمادہ کرنے اور مشکلات اور بُرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے کے معنی میں ہے۔

اور بعض نے اس کی تفسیر روک رکھنے اور بچانے کے ساتھ بھی کی ہے۔

لیکن پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے۔

بہر حال یہ آیت ان مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ہے جو مال کو ایک وسیلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے جمع کرنے میں کسی رقم کی قید و شرط کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اسے حلال و حرام اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کر کے، شریفانہ طریقہ سے، یا پست و رذیلانہ طریقہ سے، جمع کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کو عظمت و شخصیت کی نشانی سمجھتے ہیں۔

وہ مال و دولت کو زندگی کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے نہیں چاہتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مال و دولت میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کی حرص اور طمع بڑھتی چلی جاتی ہے۔ روز معقول حدود میں اور جائز طریقہ سے حاصل شدہ مال و دولت نہ صرف مذموم نہیں ہے بلکہ بعض اوقات قرآن مجید نے اسے ”فضل اللہ“ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے، جہاں فرماتا ہے:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (جمہ - ۱۰) اور دوسری جگہ اُسے خیر سے تعبیر کرتا ہے: كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكُوا خَيْرًا لِمَنْ تَرَكْتُمُ : تم پر واجب ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے تو اگر اس نے کچھ خیر چھوڑی ہے تو اس کے لیے وصیت کرے۔

ایسا مال یقینی طور پر نہ تو طغیان و سرکشی کا باعث ہوتا ہے، نہ ہی تقاضا کا سبب بنتا ہے اور نہ ہی وہ دوسروں کے استہزاء کا موجب ہوتا ہے، لیکن وہ مال جو معبود بنا لیا گیا ہے اور وہی اصلی ہدف و مقصد بن چکا ہے، اور وہ اپنے مالکوں کو ”قارون“ کی طرح طغیان و سرکشی کی دعوت دیتا ہے، وہ ننگ و عار ہے، ذلت ہے اور مصیبت و تکلیف ہے اور خدا سے ڈری اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہنے کا باعث ہے۔

عام طور پر اس مال کو زیادہ مقدار میں جمع کرنا بہت زیادہ آلودگیوں کے سوا ممکن نہیں ہے۔

اس لیے ایک حدیث میں امام علیؑ بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے، آپ نے فرمایا:

”لَا يَجْتَمِعُ الْمَالُ إِلَّا بِخَمْسِ خِصَالٍ: بَخْلٍ شَدِيدٍ، وَامَلٍ طَوِيلٍ، وَحِرْصٍ غَالِبٍ،

وَقَطِيْعَةٍ رَاحٍ، وَابْتِئَانٍ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ“:

پانچ خصلتوں کے بغیر مال کسی کے پاس جمع نہیں ہو سکتا۔ (۱) بخل شدید (۲) طویل آرزوئیں

عنا حرس غالب ۷۷ قطع رحمی ۷۷ اور دنیا کو آخرت پر مقدم رکھنا۔
 جو لوگ سخی ہوتے ہیں اور لمبی لمبی آرزوں میں گرفتار نہیں ہوتے، حلال و حرام کا خیال رکھتے ہیں، اپنے اقربا کی مدد کرتے ہیں۔
 عام طور پر ایسوں کے پاس مال جمع نہیں ہوتا، چاہے ان کی آمدنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔
 بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "دولت جمع کرنے والا مال پرست انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اس کی ہمیشگی کا سبب ہیں
 زیحسب ان مالہ اخلاہ" ۷۷

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "اخلاہ" یہاں "فعل ماضی" کی صورت میں آیا ہے، یعنی وہ یہ گمان کرتا ہے، کہ اس کے اموال نے
 اسے ایک جادوئی اور دائمی موجود بنا دیا ہے، نہ تو موت اس کے پاس پھٹک سکتی ہے، اور نہ ہی بیماریاں اور دنیا کے حادثات
 اس کے لیے کوئی مشکل پیدا کر سکتے ہیں، کیونکہ اس کی نظر میں مشکل کشا صرف مال و دولت ہے، اور یہ مشکل کشا اس کے پاس حاضر ہے۔
 یہ تصور کتنا غلط اور خام خیالی ہے؟ اس قدر مال و دولت جو قارون کے قبضہ و اختیار میں تھا، کہ اس کے فرائض کی چابیاں
 کئی طاقتور مرد بڑی مشکل سے اٹھا سکتے تھے، لیکن عذاب الہی کے حملہ کے وقت وہ اس کی موت کو ایک گھڑی کے لیے مؤخر نہ کر سکے
 اور خدانے اُسے اور اس کے فرائض کو ایک ہی لمحہ میں مختصر سے زلزلہ کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا: "فخسفنا بہ وبدارہ
 الارض (قص - ۸۱)

وہ اموال جن کا کامل نمونہ فرعون مہر کے پاس تھا، لیکن بھداق "کو ترکوا من جنات و عیون و ذروع و
 مقام کریم و نعمۃ کانوا فیہا فاکھین": "وہ کتنے زیادہ باغات اور چشمے کھیتیاں اور عمدہ و قیمتی محلات، اور دہری
 فرائض نعمتیں جن میں وہ ناز و نعمت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اپنے پیچھے چھوڑ گئے" (دخان - ۲۵ تا ۲۷) لیکن یہ سب
 کے سب آسانی کے ساتھ ایک ہی ساعت میں دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئے: "کذالک و اورشاہا قومًا اخرین،
 (دخان - ۲۸)

اور اسی لیے کیونکہ قیامت میں پردے ہٹ جائیں گے، اور انہیں اپنی عظیم غلطی کا علم ہو جائے گا، تو وہ بکاڑا لگیں
 ما اغنی عنی مالہ ہلک عنی سلطانیہ: "میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور میری طاقت
 طاقت و اقتدار بھی میرے پاس نہ رہے۔ (حاقہ - ۲۸ - ۲۹)
 اصولی طور پر انسان فنا و نیستی سے متفق ہے۔ اور وہ ہمیشگی اور دوام کا طرف دار ہے، اور یہی اندرونی لگاؤ ہماری معادیت کا
 مباحث میں مدد کرتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ انسان ہمیشگی اور دوام کے لیے پیدا ہوا ہے، ورنہ جادواں ہونے کے ساتھ
 لگاؤ کی فطری خواہش اس میں نہ ہوتی۔

لیکن یہ مفرد و خود غرض اور دنیا پرست انسان اپنی ہمیشگی کو ایسے امور میں سمجھنے لگتا ہے جو ٹھیک اس کی فنا و نیستی

۱ "نورالمتلین" جلد ۵ ص ۶۶۸ حدیث ۷

۲ "مالہ" ممکن ہے کہ "مال" ضمیر غائب کی طرف مضاف ہو، یا "ما" موصولہ اور اس کے صلہ سے مرکب ہو، "اخلاہ" کا جملہ جو کہ
 مضارع کے معنی میں ہے۔ یا خود کے موجبات و اسباب کے معنی میں ہے۔

سبب ہیں، مثلاً
 اس بیا
 دل کے اندھوں
 قرآن ۱
 بلکہ وہ
 اس کے
 "وہ خدا
 "وہ آگ
 "لینبذ
 کی حقارت اور
 یعنی خدا
 کی آگ میں پھینک
 "حطہ
 نشان دہی کرتی۔
 سے معلوم ہوتا۔
 اس معنی
 کے پھٹنے کی لہ
 سے پیدا ہوا
 یہ کوئی عجیب ہا
 "نارالذ
 ہونے کی دلیل
 تعجب
 اندر نفوذ کرتی۔
 اور اس کے بعد
 یہ کس ق
 قیامت کی ہرچ
 لہ "نورالمتلین"

سبب ہیں، مثلاً وہ مال و مقام کو، جو عام طور پر اس کی بقا کے دشمن ہیں، دوام کا ذریعہ شمار کرنے لگتا ہے۔
اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مال کے ذریعے دوام اور ہمیشگی کا تصور، مال کے جمع کرنے کی ایک دلیل ہے۔ اور ان
دل کے اندھوں کی نظر میں مال کا جمع ہو جانا بھی دوسروں پر استہزاء اور تمسخر کرنے کا ایک عامل شمار ہوتا ہے۔
قرآن اس گروہ کے جواب میں فرماتا ہے: ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ گمان کرتا ہے: (کَلَّا)۔
بلکہ وہ عنقریب انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ پاش پاش کرنے والی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔ (لینبذن فی الحطمة)۔
اس کے بعد حطمہ کی اس طرح تفسیر کرتا ہے: "اور تو کیا جانے کہ حطمہ کیا ہے" (وَمَا ادْرَاكُ مَا الْحَطْمَةُ)۔
"وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے"۔ (نار اللہ الموقدۃ)۔

"وہ آگ جو دلوں سے نکلے گی اور اس کے ابتدائی شعلے دلوں میں ظاہر ہوں گے"۔ (التی تطلع علی الافئدة)
"لینبذن" "نبذ" (بروزن سبز) کے مادہ سے "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق، اصل میں کسی چیز کو اس
کی حقارت اور بے قدری کی وجہ سے دُور پھینکنے کے معنی میں ہے۔

یعنی خدا ان مغرور، خود خواہ، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو اس دن ذلیل اور بے قدر و قیمت موجودات کی صورت میں جہنم
کی آگ میں پھینکے گا، تاکہ وہ اپنے کبر و غرور کا نتیجہ دیکھ لیں۔

"حطمہ" "حطم" کے مادہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جو کسی چیز کو درہم برہم کرنے کے معنی میں ہے، اور یہ اس بات کی
شان دہی کرتی ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ بڑی سختی کے ساتھ ان کے اعضاء و جوارح کو توڑ کر رکھ دے گی، لیکن بعض روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ "حطمہ" ساری جہنم کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے حد سے زیادہ گرم اور بھڑکتے ہوئے حصہ کا نام ہے۔
اس معنی کو سمجھنا کہ آگ جلانے کی بجائے اعضاء کو توڑ دے گی، شاید گزشتہ زمانوں میں تو مشکل ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں بم
کے پھٹنے کی لہروں کی تاثیر کی شدت کا مسئلہ ہم سب پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خوفناک بم کے پھٹنے
سے پیدا ہونے والی لہریں، نہ صرف انسانوں کو بلکہ لوہے کے محکم گاڑوں اور عمارتوں کے بڑے بڑے ستونوں کو بھی توڑ دیتی ہیں
یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

"نار اللہ" (خدا کی آگ) کی تعبیر اس کی عظمت کی دلیل ہے اور "موقدۃ" کی تعبیر اس کے ہمیشہ کے لیے روشن
ہونے کی دلیل ہے۔

تعبیر کی بات یہ ہے کہ یہ آگ دنیا کی آگ کے برخلاف، جو پہلے چڑھے کو جلاتی ہے، اور اس کے بعد بدن کے
اندروں نفوذ کرتی ہے، سب سے پہلے دلوں میں شعلہ در ہوگی اور اندر کو جلائے گی۔ پہلے دل کو جلائے گی پھر دماغ اور نڈریوں کو
اور اس کے بعد باہر کی طرف سرایت کرے گی۔

یہ کس قسم کی آگ ہے جس کا پہلا شعلہ انسان کے دل میں ظاہر ہوگا؟ یہ کیسی آگ ہے جو باطن کو ظاہر سے پہلے جلائے گی؟
قیامت کی ہر چیز عجیب و غریب ہے اور اس کا اس جہان کی باتوں کے ساتھ بہت زیادہ فرق ہے، یہاں تک کہ اس کی جلانے

والی آگ کی گرفت میں بھی ایک آگ خاصیت ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ ان کے دل ہی تو کفر اور کبر و نخوت کا مرکز تھے، اور وہ حُب دنیا اور مال و دولت کی محبت کا محور بنے ہوئے تھے۔

خدا کے قہر و غضب کی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دلوں پر کیوں مسلط نہ ہو، جب کہ انہوں نے اس دنیا میں مومنین کے دل کو تسخر، عیب جوئی، غیبت اور حقیر و تذلیل کے ساتھ جلایا تھا۔ لہذا عدالت الہی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے اعمال جیسا ہی کیفر کردار دیکھیں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: "یہ جلائے والی آگ ان پر دروازہ بند صورت میں ہوگی۔" (انھا علیہم مؤصدة) مؤصدة "ایصا" کے مادہ سے، دروازہ بند کرنے اور اس کو محکم کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے ان کمروں کو جو پہاڑوں کے اندر اموال جمع کرنے کے لیے بناتے ہیں۔ "وصید" کہتے تھے۔

حقیقت میں جیسا کہ وہ اپنے اموال کو مضبوط صندوقوں اور درست خزانوں میں محفوظ کر کے رکھا کرتے تھے، خدا بھی انہیں فریغ کے در بست عذاب میں جس سے خلاصی اور نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی، قید کرے گا۔ اور آخر میں فرماتا ہے:

"انہیں کھینچے ہوئے اور طولانی ستونوں میں رکھا جائے گا" (فی عدم مدد)۔

"عمد" "عمود" جیسا کہ کڑی اور لوہے کے قطعات (ششیر) ہوتے ہیں، اور "مدد" کھینچے ہوئے اور طولانی کے معنی میں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے اس تعبیر کو لوہے کی بڑی بڑی میخوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جن کے ساتھ جہنم کے دروازے محکم طور پر جڑے ہوتے ہوں گے، اس طرح کہ ان سے نکلنے کی بائکل کوئی راہ نہ ہوگی۔ اس بنا پر یہ گزشتہ آیت پر ایک تاکید ہے جو یہ کہتی ہے کہ جہنم کے دروازوں کو ان پر بند کر دیں گے، اور وہ ہر طرف سے محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ بعض نے اسے عذاب و مجازات کے وسائل کی ایک قسم کی طرف بھی اشارہ سمجھا ہے، اس چیز کے مانند جو اسے "ہتھکڑی اور بیڑی" کے ساتھ معروف ہے، اور وہ کڑی یا لوہے کا ایک ذوقی ٹکڑا ہوتا ہے جس میں پاؤں کے ناپ کے برابر دو سوراخ ہوتے ہیں، اس میں پاؤں کو رکھ دیتے ہیں اور اس کے اوپر کے سوراخ سے پکڑ کر اس میں تالہ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح اس آدمی میں چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی، اور یہ ان شخصوں کی سزا ہوگی جو وہ بے گناہ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

بعض نے ایک تیسری تفسیر بھی آخری انکشافات کی مدد سے اس کے لیے بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہنم کے پہاڑوں والے شعلے کشیدہ اور طولانی ستونوں کی طرح ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ آخری انکشافات میں یہ ثابت ہوا ہے کہ کبھی کبھی ان کی مخصوص شعاعیں، دوسری شعاعوں کے برخلاف جو مخروطی صورت میں پھیلتی ہیں، وہ استوانی صورت میں ٹھیک ستون کی طرح منتشر ہوتی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ شعاعیں انسان کے سارے وجود میں نفوذ کر جاتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے دل پر بھی مسلط ہوتی ہیں اور اسی بنا پر داخلی اعضاء کا ایک سرے لینے کے لیے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ

ایسی شعاعیں اٹھا
لیکن ان
"فی عدم"

چند

ا. کبر و

"اپنے"

نعتوں کا کفران،

بڑے اثرات ہیں

جاتے ہیں کہ کسی

اور معاشرے۔

وہ اپنے

یہاں تک کہ اپنے

بھی ان کی نظر میں

میں اور یوں اپنے

قابل توجہ

کا ڈنک مارا کسی

ایک حد بہ

جیسا کہ ہم

لہ "طنطاوی"

ایسی شاعیں اٹھیں گی جو اُد پر والی شاعیوں سے ملتی جلتی ہوں گی۔

لیکن ان تفاسیر میں سب سے زیادہ مناسب وہی پہلی تفسیر ہے۔ (البتہ ان تفاسیر میں بعض کی بنا پر "بقی عمد ممددة" کا جملہ دوزخ کی حالت کو بیان کرتا ہے اور دوسری بعض کی بنا پر دوزخیوں کی حالت کو)

چند نکات

۱. کبر و غرور بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے

"اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا ایسی عظیم بلا ہے جو بہت سے گناہوں کی اصل اور بنیاد قرار پاتی ہے۔ خدا سے غفلت، نعمتوں کا کفران، عیاشی اور ہوس بازی میں غرق ہونا، دوسروں کی تحقیر و تذلیل، مومنین کا مذاق اڑانا، اسی صفتِ رذیلہ کے منحوس اور بڑے اثرات میں۔ کم ظرف لوگ جب کسی مقام و منصب یا کسی اچھی منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ ایسے کبر و غرور میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ کسی دوسرے کے لیے کسی قدر و قیمت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ اور یہی چیز ان کے معاشرے سے جدا ہونے اور معاشرے کے ان سے الگ ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

وہ اپنے ہی تصورات و خیالات کی دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں اور خود کو باقیوں سے علیحدہ کوئی اور مخلوق خیال کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے آپ کو مقربانِ خدا میں بھی شمار کرنے لگتے ہیں، اور اسی وجہ سے دوسروں کی عزت و آبرو، بلکہ ان کی جان تک بھی ان کی نظر میں بے قدر و قیمت ہو جاتی ہے، اور وہ "صخر" و "لمز" یا دوسروں کی عیب جوئی اور مذمت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یوں اپنے خیال میں وہ اپنی عظمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بعض روایات میں اس قسم کے افراد کو محترَب (پتھو) سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اگرچہ پتھو کا ڈنک مارنا کسی کینہ کی وجہ سے نہیں ہوتا، لیکن ان کا ڈنک مارنا کینہ پروری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے شبِ معراج دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے پہلوؤں سے گوشت

اُگ کر کے انہیں کھلاتے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ تو

انہوں نے کہا:

"هُؤلَاءِ الْهَمَّازُونَ مِنْ أُمَّتِكَ، اللَّهُمَّ زَوِّدْهُمْ!"

"یہ آپ کی امت میں سے عیب جوئی کرنے والے اور استہزاء کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اُد پر اشارہ کیا ہے، ہم نے سورہ حجرات کی آیات کے ذیل میں اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

۲۔ مال جمع کرنے کی حرص

مال و دولت کے بارے میں افراط و تفریط کے لحاظ سے مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اُسے تمام مشکلات کا حل سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس نظریہ کے طرف داروں نے اپنے اشعار میں اس سلسلہ میں ثوب وادِ سُخن دی ہے، منجملہ ایک شاعر عرب کہتا ہے:

”فصاحة سبحان و خط ابن مقلدة“

وحكمة لقمان وزهد بن ادھم

إذا اجتمعت في المرء والمرء مفلس

فليس له قدر بمقدار درهم“

”عرب کے معروف فصیح“ سبحان کی فصاحت“ اور (معروف خطاط) ”ابن مقلدہ“ کا خط

اور ”لقمان“ کی حکمت اور ”ابراہیم بن ادھم“ کا زہد اگر کسی انسان میں جمع ہو جائے اور

مفلس و نادار ہو، تو اس کی قدر و قیمت ایک درہم کے برابر بھی نہیں ہوگی!“

لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اگر یہ گروہ ہمیشہ مال جمع کرنے میں مشغول رہے اور ایک آن کے لیے بھی راحت و آرام سے نہ بیٹھے اور اس کے لیے کسی بھی قید و شرط کا قائل نہ ہو۔ اور حلال و حرام ان کی نظر میں یکساں ہو جائے۔ اس گروہ کے نقطہ مقابل میں وہ گروہ ہے جو مال و دولت کے لیے کم سے کم قدر و قیمت کا بھی قائل نہیں ہے۔ وہ فقر و فاقہ کی تعریف کرتا ہے اور اس کی عظمت و بلندی کا قائل ہے، یہاں تک کہ وہ مال کو تقویٰ اور قرب خدا میں مزاجم سمجھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نظریات کے مقابل میں (جو افراط و تفریط رکھتے ہیں) قرآن مجید اور اسلامی روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مال (بھی چیز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذریعہ اور وسیلہ ہو نہ کہ ہدف اور مقصد۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنا ”امیر“ نہ بنائے بلکہ انسان اس کا ”امیر“ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اُسے مشروع اور حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے اور وہ رضائے خدا کے لیے صرف ہو۔

اس قسم کے مال سے محبت نہ صرف یہ کہ وہ دنیا پرستی نہیں ہے، بلکہ آخرت سے محبت کی ایک دلیل ہے۔ اسی لیے

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

”جس وقت آپ نے ذہب و فضہ (سونا اور چاندی) پر لذت کی، تو آپ کے

ایک صحابی نے تعجب کیا، اور اس بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا:

”لیس حیث تذهب الیہ انما الذہب الذی ذہب بالذین والفضة الّتی

افاضت الکفر“

ایک ا

ایک اور

آپ پر قربان

بہت

ان کا حساب تو

امیر المؤمنین علیؑ

آپ

لہ ”بجارا لا

لہ ”بجارا لا

لہ ”توحید

لہ ”بجارا لا

” (ذہب) سونے سے مراد وہ چیز ہے جو دین کو ختم کرے اور فطرہ (چاندی) سے

مراد وہ چیز ہے جو کفر و بے ایمانی کا سرچشمہ بنے۔^{۱۷}

ایک اور حدیث میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے آیا ہے :

” السكر أربع سكرات سكر الشراب وسكر المال، وسكر النوم، وسكر الملك۔“

” نشہ اور مستی چار قسم کی ہوتی ہے :

۱۔ شراب کی مستی۔ ۲۔ مال کی مستی۔ ۳۔ نیند کی مستی۔ ۴۔ افتداری کی مستی۔^{۱۸}

ایک اور حدیث میں امام زین العابدین علیہ السلام سے آیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، میرے ماں باپ

آپ پر قربان، مجھے کچھ وعظ و نصیحت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا :

” ان كان الاحسان حقاً فالجمع لما ذا؟ وان كان الخلف من

الله عز وجل حقاً فالبخل لما ذا؟“^{۱۹}

” اگر احسان حق میں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر مال کا جمع کرنا کس لیے؟ (کہیں

اُسے راہ خدا میں خرچ نہ کریں) اور اگر بددینا اور تلافی کرنا اللہ کی طرف سے حق ہے،

تو پھر بخل کس لیے؟^{۲۰}

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو آخر عمر تک مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور انجام کار دوسروں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

ان کا حساب تو انہیں دینا پڑے گا اور اس سے فائدہ دوسرے لوگ اٹھائیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے

امیر المومنین علی سے سوال کیا، من اعظم الناس حسرة؟ : لوگوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت کس کو ہوگی؟

آپ نے فرمایا :

” من رأى ماله في ميزان غيره وادخله الله به الناس وادخل وارثه

به الجنة“

” وہ شخص جو اپنے اموال کو دوسروں کے اعمال تو لےنے کی ترازو میں دیکھے، خدا اُسے تو

اس کے اموال کی وجہ سے دوزخ میں داخل کرے، اور اس کے وارث کو اس کی وجہ سے

جنت میں داخل کرے۔^{۲۱}

۱۷۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۱ حدیث ۱۷

۱۸۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۲

۱۹۔ ”توحید صدوق“ مطابق نقل ”نورالشفیٰ“ جلد ۵، ص ۶۶۸ حدیث ۸۔

۲۰۔ ”بخارالانوار“ جلد ۳، ص ۱۴۲

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے آیت " کذالک یریم اللہ اعمالہ وحیرات علیہم " (اسی طرح سے خدا ان کے اعمال کو ان کے لیے حسرت بنا دے گا) کی تفسیر میں فرمایا :

" هو الرجل یدع المال لاینفقہ فی طاعة اللہ بخلا ثم یموت فیندعہ لمن یعمل بہ فی طاعة اللہ او فی معصیتہ "

" یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو مال چھوڑ جاتا ہے اور بخل کی وجہ سے اُسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ پھر وہ مرجاتا ہے، اور اُسے ایسے شخص کے لیے چھوڑ جاتا ہے جو اُسے اللہ کی اطاعت یا اس کی معصیت میں خرچ کرتا ہے۔ "

اس کے بعد امام نے مزید فرمایا :

" اگر وہ خدا کی اطاعت میں خرچ کرے گا تو وہ اُسے دوسرے کی میزان عمل میں دیکھ کر حسرت کرے گا کیونکہ وہ مال تو اس کی ملکیت تھا، اور اگر وہ خدا کی معصیت و نافرمانی میں صرف کرے گا، تو وہ گناہ کرنے میں اس کی تقویت کا سبب بنا۔ (اس پر بھی اُسے عقوبت اور حسرت ہوگی)۔ "

ہاں! انسان مال کو مختلف انداز میں استعمال کرتے ہیں، کبھی تو اُس سے ایک نظر ناک بُت بنا لیتے ہیں، اور کبھی عظیم سعادت

کا وسیلہ۔

اس گفتگو کو ہم " ابن عباسؓ سے منقول ایک پُر معنی حدیث پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں :

" ان اول درہم و دینار ضربا فی الارض نظر الیہما ابلیس فلما عابینہما اخذہما فوضہما علی عینیہ، ثم وضہما علی صدرہ، ثم صرخ صرخة، ثم ضمہما المصدرة، ثم قال: انما قرۃ عینی! و ثمرۃ فؤادی ما ابالی من بنی ادم اذا احبوا کما ان لا یبدا و ثنا! حبی من بنی ادم ان یحبوا کما: "

" جب دُنیا میں درہم و دینار کا سب سے پہلا سکہ بنایا گیا تو ابلیس نے اُن پر نگاہ کی، جب انہیں دیکھا تو اس نے ان دونوں کو اٹھا لیا اور دونوں کو اپنی آنکھوں پر رکھا، پھر انہیں سینہ سے لگا لیا۔ پھر وہ والہانہ طور پر چیخا اور دوبارہ انہیں سینہ سے لگا لیا اور کہنے لگا: تم (اے درہم و دینار) میری آنکھوں

۱۔ وہی مدرک حدیث ۲۰

۲۔ وہی مدرک ص ۱۳۷ حدیث ۳

کی روشنی ہو، تم میرے دل کا میوہ ہو۔ اگر انسان تمہیں دوست بنالیں تو پھر میرے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ بُت پرستی نہ کریں۔ بس میرے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ تم سے محبت کرنے لگیں، (کیونکہ تم سب بتوں سے بڑھ کر بُت ہو۔)

خداوند! ہمیں مال و غضب، دنیا و شہوات کی مُسْتَق سے محفوظ فرما۔
 پروردگارا! ہمیں شیطان کے تسلط اور درہم و دینار کی بندگی سے رہائی عطا فرما۔
 بارالہا! جہنم کی آگ سخت توڑنے والی ہے اور تیرے لطف و کرم کے بغیر اس سے نجات ممکن نہیں ہے۔
 ہمیں اپنے لطف کا مشمول قرار دے۔

آمین یا رب العالمین
 سُورَةُ هُمَزَةَ كَا اِخْتَام

سُورَةُ الْفِيلِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
صلی اللہ علیہ
محمود رکھا تھا
یہ سُورہ
واقع ہوئی تھی
اس
کے مقابلہ میں
ان نیم بند کنگ
بھی رکھتا ہے
نہ تو ا
پہنچی تھی۔ یعنی
اس سُورہ
"جو
دے گا کہ وہ
میں تمہاری گواہ

سُورَةُ "فِيل" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے — ایک مشہور تاریخی داستان کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سال واقع ہوئی تھی اور خدا نے خانہ "کعبہ" کو کفار کے اس عظیم لشکر کے شر سے محفوظ رکھا تھا، جو سرزمین یمن سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔
یہ سُورہ اس عجیب داستان کی یاد دلاتا ہے جو مکہ کے بہت سے لوگوں کو یاد تھی، کیونکہ وہ ماضی قریب میں ہی واقع ہوئی تھی۔

اس داستان کی یاد آدمی مغرور اور ہٹ دھرم کفار کے لیے ایک تشبیہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ خدا جس نے ہاتھیوں کے اس عظیم لشکر کو ان چھوٹے چھوٹے پرندوں اور ان نیم بند کنکریوں (حجارة من مسجیل) سے ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ ان ہٹ دھرم مسکبرین کو سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

نہ تو ان کی قدرت ہی "ابرهہ" کی قدرت سے زیادہ تھی اور نہ ہی ان کے لشکر اور افراد کی تعداد کبھی اس حد تک پہنچی تھی۔ یعنی تم لوگ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، غرور و تکبر کی سواری سے نیچے کیوں نہیں اترتے؟
اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"جو شخص سُورہ فیل کو نماز واجب میں پڑھے گا قیامت میں ہر پہاڑ اور ہموار زمین اور ہر ڈھیلہ اس کی گواہی دے گا کہ وہ نماز گزاروں میں سے ہے اور ایک منادی ندا دے گا کہ تم نے میرے بندے کے بارے میں سچ کہا ہے۔
میں تمہاری گواہی کو اس کے نفع یا نقصان میں قبول کرتا ہوں۔ میرے بندے کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دو، کیونکہ

وہ ایسا شخص ہے جسے میں دوست رکھتا ہوں اور اس کے عمل کو بھی دوست رکھتا ہوں۔
 یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ یہ سب فضیلت و ثواب اور عظیم جزا اس شخص کے لیے ہے جو ان آیات کو
 پڑھ کر غرور و تکبر کی سواری سے نیچے اتر آئے اور رضائے الہی کی راہ میں قدم رکھ دے۔

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

پتھر

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ۝
- ۲۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝
- ۳۔ وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ۝
- ۴۔ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝
- ۵۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِلَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے اصحابِ فیل (ابرہہ کے لشکر کو جو کعبہ کو نابود کرنے کے ارادے سے آیا تھا) کے ساتھ کیا کیا۔
- ۲۔ کیا ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا ؟
- ۳۔ اور ان کے اوپر گروہ درگروہ پرندے بھیجے۔
- ۴۔ جو ان کے اوپر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسا رہے تھے۔
- ۵۔ اور اس طرح انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند بنا دیا۔

شان نزول

ایک حدیث میں امام علی بن الحسین علیہ السلام سے آیا ہے کہ :
 " ابوطالب ہمیشہ اپنی تلوار کے ذریعے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں : (ایک دن) ابوطالب نے کہا : اے پیغمبر ! کیا آپ سب لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں یا صرف اپنی قوم کے لیے بھیجے گئے ہیں ؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " نہیں ! میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں ، وہ گورا ہو یا کالا ، عربیہ یا عجمی۔ اسی ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، میں تمام انسانوں کو پاس ہے وہ گورے ہوں یا کالے اس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور ان تمام لوگوں کو جو پہاڑوں کی چوٹی پر بستے ہیں یا دریاؤں میں رہتے ہیں اس دین کی طرف بلاتا ہوں ، اور میں فارس و روم کی تمام زبانوں کو دعوت دیتا ہوں۔

جب یہ گفتگو قریش کے کافروں تک پہنچی تو انہوں نے تعجب کیا اور کہا ، کیا آپ اپنے بھتیجے کی باتوں کو نہیں سنتے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر فارس و روم کے لوگ یہ بات سن لیں گے تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال کھڑا کریں گے اور خانہ کعبہ کے پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ کر دیں گے۔ اس موقع پر خدا نے آیہ شریفہ و قالوا ان تتبع الہدی معک تخطف من ارضنا اولوہم کن لہم حرمًا امثا یجبی الیہ ثمرات کل شیء : " انہوں نے کہا : اگر ہم تیرے ساتھ مل کر ہدایت کو قبول کر لیں تو ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال دیں گے ، کیا ہم نے انہیں ، اس کے اس حرم میں ، جس کی طرف ہر طرح کے پھل لاتے ہیں ، جگہ نہیں دی " (حصص - ۵۷) نازل ہوئی۔

اور ان کے اس قول کے بارے میں کہ وہ خانہ کعبہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے سورہ فیل نازل کی۔ (اور انہیں گوش گزار کیا کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے کام کی قدرت نہیں رکھتا)۔

اصحاب فیل کی داستان

مفسرین اور مؤرخین نے اس داستان کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے۔ اور اس کے وقوع کے سال میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن اصل داستان ایسی مشہور ہے کہ یہ اخبار متواتر میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہم اُسے مشہور روایات کے مطابق " سیرۃ ابن ہشام " و " بلوغ الاحراب " و " بحار الانوار " و " مجمع البیان " سے خلاصہ کر کے نقل کرتے ہیں۔

بین کے بادشاہ " ذولناس " نے نجران کے عیسائیوں کو جو اس سرزمین کے نزدیک بستے تھے ، اس لیے بہت تنگ کر رکھا کہ وہ اپنا دین مسیحیت چھوڑ دیں۔ قرآن نے اس واقعہ کو سورہ " بروج " میں اصحاب الاخدود کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

لہ " روضۃ الواعظین " (مطابق نقل " نور الثقلین " جلد ۵ ص ۶۶۹ حدیث ۸)

اور ہم نے اسے
 اس عظیم

پر تھا ، جا پہنچا ،
 چونکہ " ر

سے نصارائے
 " نجاشی

" ابرہہ " بھی ا
 " ذولنواس

کردی ، اور اس
 اس واقعہ

سر کے بال مٹا
 نجاشی۔

اس سورہ
 جس کی اس زمانہ

کی طرف دعوت
 منتقل کر دے

اس سورہ
 مکہ اور کعبہ کے

بعض روا
 نے اُسے مخفی ط

اور " ابرہہ " کے
 ظاہر ہے

اس طرح وہ انتہا
 جن میں سے کچھ

جسب و
 سے

سے

اور ہم نے اسے اسی سورہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس عظیم جرم کے بعد "دوس" نامی ایک شخص ان میں سے اپنی جان بچا کر بھل گیا اور وہ قیصر روم کے پاس، جو دین مسیحیت پر تھا، جا پہنچا، اور اس کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

چونکہ "روم" اور "مین" کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا لہذا اس نے حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" کو خط لکھا کہ وہ "ذونواس" سے نصارا کے نجران کا انتقام لے، اور اس خط کو اسی شخص کے ہاتھ "نجاشی" کے پاس روانہ کیا۔

"نجاشی" نے ایک بہت بڑا لشکر جو ستر ہزار افراد سے زیادہ پر مشتمل تھا "اریاط" نامی شخص کی کمان میں مین کی طرف روانہ کیا۔ "ابرهہ" بھی اس لشکر کے افسروں میں سے ایک تھا۔

"ذونواس" کو شکست ہوئی، اور "اریاط" مین کا حکمران ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد "ابرهہ" نے اریاط کے خلاف بغاوت کر دی، اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس واقعہ کی نجاشی کو خبر پہنچی تو اس نے "ابرهہ" کی سرکوبی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ابرہہ نے اپنی نجات کے لیے اپنے سر کے بال منڈوا کر مین کی کچھ مٹی کے ساتھ مکمل تسلیم کی نشانی کے طور پر نجاشی کے پاس بھیج دیے، اور وفاداری کا اعلان کیا۔ نجاشی نے جب یہ دیکھا تو ابرہہ کو معاف کر دیا، اور اُسے اس کے منصب پر برقرار رکھا۔

اس موقع پر "ابرهہ" نے اپنے حُسنِ خدمت کو ثابت کرنے کے لیے ایک اہم اور بہت ہی خوبصورت گرجا تعمیر کرایا، جس کی اس زمانہ میں گزراہ زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھی۔ اور اس کے بعد جزیرہ عرب کے لوگوں کو خانہ کعبہ کی بجائے اس گرجے کی طرف دعوت دینے کا مصمم ارادہ کر لیا، اور یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ اس جگہ کو عرب کے حج کا مرکز بنا کر مکہ کی اہم مرکزیت کو وہاں منتقل کر دے۔

اس مقصد کے لیے اس نے ہر طرف عرب کے قبائل اور سرزمین حجاز میں بہت سے مبلغ بھیجے۔ عربوں نے، جو مکہ اور کعبہ کے ساتھ شدید لگاؤ رکھتے تھے، اور اُسے ابراہیم خلیل کے آثار میں سے جانتے تھے، اس سے خطوہ محسوس کیا۔ بعض روایات کے مطابق ایک گروہ نے وہاں جا کر مخفی طور پر اس گرجے کو آگ لگا دی، اور دوسری روایت کے مطابق بعض نے اُسے مخفی طور پر گندہ اور ملوث کر دیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے اس عظیم دعوت کے مقابلہ میں شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا، اور "ابرهہ" کے عبادت خانے کو بے اعتبار اور حقیر بنا دیا۔

ظاہر ہے اس پر "ابرهہ" کو بہت غصہ آیا اور اس نے خانہ کعبہ کو کلی طور پر ویران کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اُس کا خیال تھا اس طرح وہ انتقام بھی لے لے گا اور عربوں کو نئے معبد کی طرف متوجہ بھی کر دے گا۔ چنانچہ وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جن میں سے کچھ لوگ ہاتھیوں پر سوار تھے، مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اُس نے کچھ لوگوں کو مکہ والوں کے اونٹ اور دوسرے اموال لوٹنے کے لیے بھیجا۔ ان میں سے دو سوار "عبدالمطلب" کے بھی ٹوٹ لیے گئے۔

ابرهہ نے کسی آدمی کو مکہ کے اندر بھیجا اور اس سے کہا کہ رئیس مکہ کو تلاش کر کے اس سے کہنا کہ "ابرهہ"

یمن کا بادشاہ کہتا ہے کہ : میں جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ اس خانہ کعبہ کو دیران کر دوں۔ اگر تم جنگ نہ کرو تو مجھے تمہارا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔

” ابرہہ “ کا قاصد مکہ میں داخل ہوا اور رئیس و شریف مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے ”عبدالطلب“ کی طرف راہنمائی کی۔ اس نے ”عبدالطلب“ کے سامنے ماجرا بیان کیا۔ ”عبدالطلب“ نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم میں تم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے، رہا خانہ کعبہ تو خدا خود اس کی حفاظت کرے گا۔

” ابرہہ “ کے قاصد نے عبدالطلب سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا۔ جب عبدالطلب اس کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ آپ کے بلند قد، حسین چہرے اور حد سے زیادہ رُعب اور دبدبہ کو دیکھ کر سخت متاثر ہوا، یہاں تک کہ ” ابرہہ “ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اور ”عبدالطلب“ کو اپنے پہلو میں بٹھالیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے۔ اس کے بعد اس نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے پوچھ کر ان کی کیا حاجت ہے ؟

آپ نے مترجم سے کہا : میری حاجت یہ ہے کہ میرے دو سو اونٹ تیرے لشکر کی ٹوٹ کر لے گئے ہیں، تو انہیں حکم دے کہ وہ میرا مال واپس کر دیں۔

” ابرہہ “ کو ان کے اس مطالبہ پر سخت تعجب ہوا اور اس نے اپنے مترجم سے کہا : ان سے کہو : جب میں نے تمہیں دیکھا تھا، تو میرے دل میں تمہاری بہت زیادہ عظمت پیدا ہوئی تھی، لیکن جب نے یہ بات کہی تو میری نظر میں تمہاری تو تیر گھٹ گئی، تم اپنے دو سو اونٹوں کے بارے میں تو بات کرتے ہو لیکن ” کعبہ “ کے بارے میں جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے، اور میں اُسے دیران کرنے کے لیے آیا ہوں، بالکل کوئی بات نہیں کرتے۔ ”عبدالطلب“ نے کہا :

” اناربا الابل ، وان للبيت ربا سيمتعہ !“

” میں اونٹوں کا مالک ہوں، اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔“

(اس بات نے ابرہہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ سوچ میں پڑ گیا)۔

” عبدالطلب “ مکہ کی طرف آئے، اور لوگوں کو اطلاع دی کہ وہ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو جائیں۔ اور آپ خود ایک گروہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس آئے تاکہ دُعا کریں اور مدد طلب کریں۔ آپ نے خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیریں ہاتھ ڈال کر اپنے یہ مشہور اشارہ پڑھے :

لاهُوَ ان السمر يمنع مرحله فامنع رجالك

لا يغلبن صليهم ومخالصهم ابدا محالك

جروا جميع بلادهم والفيل كى يسبوا عيالك

لا هو ان المرء يمنع رحله فامنع عيالك

وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم الك

"خدا یا ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔"

ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی دن ان کی صلیب اور ان کی قدرت تیری قدرتوں پر غلبہ حاصل کرے۔"

اور اپنے شہروں کی تمام توانائیاں اور ہاتھی ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ تیرے حرم کے

ساکنوں کو قیدی بنالیں۔"

خدا یا ہر شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتا ہے تو بھی اپنے حرم امن کے رہنے والوں کا

دفاع کر۔"

اور آج اس حرم کے رہنے والوں کی آل صلیب اور اس کی عبادت کرنے والوں کے برخلاف

مدد فرما۔"

اس کے بعد عبدالمطلب اطراف مکہ کے ایک درہ کی طرف آئے ، قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پناہ لی اور اپنے

بیٹے کو حکم دیا کہ وہ کوہ ابوقیس کے اوپر جا کر دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔

آپ کا بیٹا بڑی تیزی کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہا : بابا جان ! سمندر (دریا ئے احمر) کی طرف سے ایک سیاہ بادل

ہوا نظر آرہا ہے۔ عبدالمطلب خوش ہو گئے اور پکار کر کہا :

"یا معشر قریش ! ادخلوا منازلکم فقد اتاکم اللہ بالنصر من عندہ"

"اے جمیعت قریش اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ خدا کی نصرت تمہاری مدد کے لیے

آ رہی ہے۔ یہ تو اس طرف کی بات تھی۔"

دوسری طرف سے ابرہہ اپنے مشہور ہاضمی پر سوار جس کا نام "محمود" تھا ، اپنے کثیر لشکر کے ساتھ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے

رف کے پہاڑوں سے مکہ کی طرف اُترا ، لیکن وہ اپنے ہاضمی پر جتنا دباؤ ڈالتا تھا وہ آگے نہ بڑھتا تھا ، لیکن جب وہ اس کا رخ میں

طرف کرنا تھا تو وہ فوراً چل پڑتا تھا۔ ابرہہ اس واقعہ سے سخت متعجب ہوا اور حیرت میں ڈوب گیا۔

اسی اثناء میں سمندر کی طرف سے غول کے غول اور جھنڈ کے جھنڈ ، چھوٹے چھوٹے پرندوں کے آن پہنچے ، جن میں سے ہر

سک کے پاس تین تین کنگریاں تھیں ، ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنچوں میں ، جو تقریباً چنے کے دانے کے برابر تھیں۔ انہوں نے

کنگریاں ابرہہ کے لشکر پر برساتی شروع کر دیں۔ یہ کنگریاں جس کسی کو لگتیں وہ ہلاک ہو جاتا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ کنگریاں ان کے

ان پر جہاں بھی لگتیں سُوراج کر دیتی تھیں ، اور دوسری طرف نکل جاتی تھیں۔

اس وقت ابرہہ کے لشکر پر ایک عجیب و غریب وحشت طاری ہو گئی۔ جو زندہ بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے ، اور واپسی کے لیے

لبہ مروضین و مضرین نے اوپر والے اشعار کو مختلف طور پر نقل کیا ہے جو کچھ اوپر نقل دیا گیا ہے وہ مختلف نقلوں کا مرکب خلاصہ ہے۔

میں کی راہ پر چھتے تھے، لیکن مسلسل غزواں کے بیٹوں کی طرح سرک کے بیچوں بیچ گر جاتے تھے۔
ایک پتھر خود "ابرہہ" کے آکر لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ اس کو صنعا میں کے پائے تخت (کی طرف واپس لے گئے اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ پیچک کی بیماری پہلی مرتبہ عرب میں اسی سال پھیلی تھی۔
ہاتھیوں کی تعداد جو ابرہہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، بعض نے وہی "محمود" ہاتھی، بعض نے آٹھ، بعض نے دس اور بعض نے بارہ لکھی ہے۔

مشہور قول کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی اور عالم آپ کے نور وجود سے منور ہو گیا۔
لہذا بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان دونوں واقعات کے درمیان ایک رابطہ موجود تھا۔
بہر حال اس عظیم حادثہ کی اس قدر اہمیت تھی کہ اس سال کا نام عام الفیل (ہاتھی کا سال) رکھا گیا اور یہ عربوں کی تاریخ کا مبداء قرار پایا۔

تفسیر

"ابرہہ" سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے

اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟" (الحوترکیف فعل ربک باصحاب الفیل)۔
وہ اپنی پوری قدرت و طاقت اور لشکر کے ساتھ آئے تھے تاکہ خانہ خدا کو ویران و تباہ کر دیں اور خدا نے ایک ایسے لشکر کے ساتھ، جو بظاہر بہت ہی پھوٹا اور بے حیثیت تھا، انہیں درہم برہم کر دیا۔ ہاتھیوں کو چھوٹے سے پرندوں کے ساتھ، اور اس زمانہ کے ترقی یافتہ مسلم کو "سجیل" پتھر جلی کنکریوں کے ساتھ بیچارہ کر دیا تاکہ اس منور و سرکش انسان کی کمزوری و ناتوانی کو قدرت الہی کے مقابلہ میں ظاہر و آشکار کرے۔

الحوتر (کیا تو نے نہیں دیکھا؟) کی تعبیر، حالانکہ یہ حادثہ ایسے زمانہ میں رونما ہوا تھا کہ پیغمبر نے ابھی دنیا میں آنکھ نہیں کھولی تھی، یا یہ آپ کی پیدائش سے قریب تر تھا، اسی وجہ سے مذکورہ حادثہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بہت ہی نزدیک تھا، اس کے علاوہ یہ اتنا مشہور و معروف اور متواتر تھا کہ گویا پیغمبر نے اپنی چشم مبارک سے اس کا مشاہدہ کیا ہوا تھا، اور پیغمبر کے معاصرین میں سے ایک گروہ نے یقینی طور پر اُسے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

"اصحاب الفیل" کی تعبیر انہیں چند ہاتھیوں کی وجہ سے ہے جنہیں وہ اپنے ساتھ میں سے لائے تھے تاکہ مخالفین کو

۱ "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱ ص ۳۸ تا ۶۲ "بلوغ اللارب" جلد ۱ ص ۲۵۰ تا ۲۶۳ "بحار الانوار" جلد ۱۵ ص ۱۲۰ سے

"مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۴۲

مغرب کریں، ا

اس-

ان کا

متوجہ ہو جائیں

جزیرہ نما کے

زیادہ اس کی ط

ت

اس-

بیچ دیے۔

ابابہ

بعض نے ا-

طرف آئے۔

یہ لفظ

یہ کہتے ہیں

بہر حال

پرندوں کے مع

اس با

پرندے کو-

بعد وا

نشانہ بنایا تھا

اور ج

میں سے ہر

اور دو دو ا-

جیسا

ل "نیا

سے "سب

نہ پتہ

مڑوب کریں، اور اڈنٹ اور گھوڑے انہیں دیکھ کر ہلک جانیں اور میدان جنگ میں نہ بٹھرسکیں بلکہ
اس کے بعد مزید کہتا ہے: "کیا خدا نے ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں بلا دیا" (الوہی جعل کیدہم فی تضلیل).
ان کا ارادہ یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو تباہ کر ڈالیں تاکہ مین کے گرجے کو مرکزیت حاصل ہو اور تمام قبائل عرب اس کی طرف
متوجہ ہو جائیں۔ لیکن وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے بلکہ اس ماجرے نے۔ جس کی شہرت تمام
جزیرہ ناکے عرب میں پھیل گئی تھی۔ مگر اور خانہ کعبہ کی عظمت کو اور چار چاند لگا دیے اور اس کے مشتاق دلوں کو پہلے سے بھی
زیادہ اس کی طرف متوجہ کر دیا اور شہر کو اور بھی زیادہ پراسن بنا دیا۔

"تضلیل" سے مراد، جو وہی گمراہ کرنا ہے یہ ہے، کہ وہ ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔
اس کے بعد اس ماجرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا نے گروہ درگروہ پرندے ان کے سروں پر
بیج دیے" (وارسل علیہم طیرا ابابیل).
"ابابیل" لوگوں کی زبانوں پر جو کچھ مشہور ہے اس کے برخلاف یہ اس پرندے کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ وصفی معنی رکھتا ہے۔
بعض نے اسے (متفرق گروہوں) کے معنی میں سمجھا ہے، اس معنی میں کہ مذکورہ پرندے گروہ درگروہ ہر طرف ہاتھیوں کے لشکر کی
طرف آئے تھے۔

یہ لفظ جمع کے معنی دیتا ہے، جس کا مفرد بعض نے "ابابیل" یعنی پرندوں یا گھوڑوں یا اڈنٹوں کا گروہ سمجھا ہے اور بعض
یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی جمع ہے جس کی جنس کا مفرد نہیں ہے۔
بہر حال "طیر" یہاں جمع کا معنی دیتا ہے، اور یہ دونوں الفاظ "طیر" و "ابابیل" مجموعی طور پر گروہ درگروہ
پرندوں کے معنی میں ہے (ایسا نہیں ہے کہ ابابیل ان پرندوں کا نام ہو)۔
اس بارے میں کہ یہ پرندہ کون سا پرندہ تھا۔ جیسا کہ ہم نے داستانوں کی تفصیل میں بیان کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ
پرندے کوڑے یا چیل کی طرح کے پرندے تھے جو بحر احمر کی راہ سے اُٹھے تھے اور ہاتھیوں کے لشکر کی طرف آئے تھے۔
بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: "ان پرندوں نے اس لشکر کو سجیل (پتھر ملی مٹی) کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے
نشانہ بنایا تھا" (ترمیہو بحجراتہ من سجیل)۔
اور جیسا کہ اس ماجرے کی تفصیل میں ہم نے تواریخ، تفاسیر اور روایات سے نقل کیا ہے، ان چھوٹے چھوٹے پرندوں
میں سے ہر ایک نے چنے کے دانے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اٹھائی ہوئی تھیں، ایک ایک کنکری چرچ میں
اور دو دو اپنے پنجوں میں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں جس پر بھی پڑتی تھیں، اسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھیں۔
جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: "انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا" (فجعلہم ککصف ماکول).

۱ "فیل" اگرچہ یہاں مفرد ہے، لیکن جنس و جمع کا معنی رکھتا ہے۔
۲ "سجیل" فارسی کا لفظ ہے جو "سنگ" (پتھر) اور "گل" (مٹی) سے لیا گیا ہے، اسی بنا پر وہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو
نہ پتھر کی طرح سخت ہو اور نہ مٹی کی طرح نرم۔

”عصف“ (بروزن حذف) اُن پتوں کو کہتے ہیں جو زراعت کی شاخ پر ہوتے ہیں اور پھر خشک ہو کر ٹوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ”گھاس“ کے معنی میں ہے۔ اور بعض نے اس کی گندم کے اس چھکے کے معنی میں تفسیر کی ہے، جب کہ وہ خوشہ میں ہوتا ہے۔

”مأکول“ کی تفسیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ گھاس جانوروں کے دانوں کے نیچے آکر دوبارہ پس جاتا ہے اور مکمل طور پر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر جانور کے مدد سے بھی اُسے تیسری مرتبہ ریزہ ریزہ کیا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشانی ہی کرتی ہے کہ یہ سنگ ریزے جس کسی کو بھی جا کر لگتے تھے، اس کو مکمل طور پر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔

یہ تفسیر ان کے شدت کے ساتھ پارہ پارہ ہونے کی دلیل قرار پانے کے علاوہ اس سرکش و مغرور اور ظاہراً طاقت ور گردہ اور جمعیت کے بے قدر و قیمت ہونے اور اس کے ضعف و ناتوانی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

چند نکات

۱۔ ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس مفصل و طولانی داستان کو چند مختصر اور چمکنے والے انتہائی فصیح و بلیغ جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ اور حقیقتاً ایسے نکات بیان کیے ہیں جو قرآنی اہداف، یعنی مغرور سرکشوں کو بیدار کرنے اور خدا کی عظیم قدرت کے مقابلہ میں انسان کی کردہی دکھانے میں مدد دیتے ہیں۔

یہ باہر اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ معجزات و خوارق عادات، بعض لوگوں کے خیال کے برخلاف لازمی نہیں ہیں کہ پیغمبر یا امام ہی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ بلکہ جن حالات میں خدا چاہے اور ضروری سمجھے انجام پا جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ خدا کی عظمت اور اس کے دین کی حقانیت سے آشنا ہو جائیں۔

یہ عجیب و غریب اہم نامیہ معجزات دوسری سرکش اقوام کے عذاب کے ساتھ ایک واضح فرق رکھتا ہے۔ کیونکہ طوفان نورانی عذاب، اور قوم لوط کا زلزلہ اور سنگ باری، قوم عاد کی تیز آندھی اور قوم ثمود کا صاعقہ طبعی حوادث کا ایک سلسلہ تھے، کہ جن کا اثر ان خاص حالات میں وقوع معجزہ تھا۔

لیکن لشکرِ ابرہہ کی نابودی کی داستان ان سنگریزوں کے ذریعے جو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی چونچ اور پنوں سے گرتے تھے ایسی چیز نہیں تھی جو طبعی حوادث سے مشابہ ہو۔

ان چھوٹے چھوٹے پرندوں کا اٹھنا، اسی خاص لشکر کی طرف آنا، اپنے ساتھ کنکریوں کا لانا، خاص طور سے ان کو نشانہ بنانا اور ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ایک عظیم لشکر کے افراد کے اجسام کا ریزہ ریزہ ہو جانا، یہ سب کے سب خارق عادات امور ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے سامنے بہت ہی معمولی چیز ہے۔

دہی خدا جس نے انہیں سنگ ریزوں کے اندر ایٹم کی قدرت پیدا کی ہے، کہ اگر وہ آزاد ہو جائے تو ایک عظیم تباہی پھیلا دے

اس کے لیے
(کھائے ہو
ہمیں
یا چپک کے
اور اگر
اس بات کی دہ
اسی ط
درمیان کی فضا
یہ سب
تو اتنا ہی جانتے
کوئی اطلاع ہوا
۲۔ معمول
قابل توجہ
دکھا دی ہے۔
سے تباہ و برباد
اتنی بڑی
سے کام لیا جا
قدرت کے مقابلہ
مطلب
دیتا ہے۔ مثلاً
ساتھ اپنی پیدائش
اور ایک مختصر
میں کا عذاب
کی پیدائش کا ذریعہ
۱۔ ”تفسیر عید
اگر بعض قرار

اس کے لیے یہ بات آسان ہے کہ ان کے اندر ایسی خاصیت پیدا کر دے کہ ابرہہ کے لشکر کے جسموں کو "عصف مأكول" (کھائے ہوئے بھوسے کی مانند) بنا دے۔

ہمیں بعض مصری مفسرین کی طرح اس حادثہ کی توجیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ان کنکریوں میں دبا یا چیچک کے جراثیم تھے۔

اور اگر بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ صدر زہ لوگوں کے بدنوں سے چیچک میں مبتلا افراد کی طرح خون اور پیپ آتی تھی، تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حتی طور پر چیچک میں مبتلا تھے۔

اسی طرح سے ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ سنگ ریزے پلے ہوئے ایٹم تھے جن کے درمیان کی فضا ختم ہو گئی تھی۔ اور وہ حد سے زیادہ سخت تھے، اس طرح سے کہ وہ جہاں بھی گرتے تھے سوراخ کر دیتے تھے۔

یہ سب کی سب ایسی توہمات ہیں جو اس حادثہ کو طبعی بنانے کے لیے ذکر ہوئی ہیں اور ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان سنگ ریزوں میں ایسی عجیب و غریب خاصیت تھی جو جسموں کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کوئی اطلاع ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہر حال خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا۔

۲۔ معمولی وسیلہ سے سخت ترین سزا

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خدا نے اس ماجرے میں مستحکمین اور سرکشوں کے مقابلہ میں اپنی قدرت اعلیٰ ترین صورت میں دکھا دی ہے۔ شاید دنیا میں ابرہہ کے لشکر کے عذاب سے بڑھ کر زیادہ سخت اور کوئی عذاب نہ ہو اور ان مغرور لوگوں کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دیا جائے کہ ریزہ ریزہ اور کھائے ہوئے بھوسے (عصف مأكول) کی طرح ہو جائیں۔

اتنی بڑی قدرت و شوکت رکھنے والی جمیعت کی نابودی کے لیے نرم قسم کے سنگ ریزوں اور کمزور اور چھوٹے چھوٹے پرنوں سے کام لیا جائے۔ وہی بات کہ یہ دنیا جہان کے تمام مستحکمین اور سرکشوں کے لیے ایک تنبیہ ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کس قدر ناتوان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا اس قسم کے عظیم کام بہت ہی چھوٹے سے موجودات کے سپرد کر دیتا ہے۔ مثلاً ایسے جراثیم کو، جو ہرگز آنکھ سے دیکھے نہیں جاسکتے، مامور کر دیتا ہے کہ وہ ایک مختصر سی مدت میں سرعت کے ساتھ اپنی پیدائش بڑھا کر طاقت ور قوموں کو ایک خطرناک سرایت کرنے والی بیماری، مثلاً "دبا" و "طاعون" میں مبتلا کر دے اور ایک مختصر سی مدت میں غزائے کے ہر ذرے کی طرح زمین پر گھس کر دے۔

بین کا عظیم بند (سد ناب)۔ جیسا کہ ہم نے ثورۃ سبا کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ زیادہ آبادی اور ایک عظیم طاقت ور تمدن کی پیدائش کا ذریعہ بنی۔ اور اس کے بعد اس قوم کی سرکشی بڑھ گئی، لیکن اس قوم کی نابودی کا فرمان جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے،

ل "تفسیر عبیدہ" جز ۱، ص ۱۵۸ ملاحظہ ہو۔

اگر بعض تاریخ میں یہ آیا ہے کہ عرب کے شہزادوں میں چیچک کا مرض پہلی مرتبہ اسی سال دیکھنے میں آیا ہے تو یہ بات اس معنی پر دلیل نہیں بنتی۔

ایک یا چند صحرائی پتھرہوں کے سپرد ہوا تاکہ وہ اس عظیم بنید کے اندر گھس جائیں اور اس میں ایک سوراخ کر دیں۔ اس سوراخ میں پانی داخل ہونے کی وجہ سے یہ سوراخ بڑے سے بڑا ہوتا چلا گیا اور آخر کار وہ عظیم بند ٹوٹ گیا اور وہ پانی جو اس بند کے تھپیڑے مار رہا تھا، اس نے ان سب آبادیوں، گھروں اور مملوں کو دریاں اور تباہ و برباد کر دیا۔ اور وہ بڑی جمعیت یا تو نابود ہو گئی یا دوسرے علاقوں میں پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔ یہ ہے خداوند بزرگ و برتر کی قدرت نمائی۔

۳۔ داستان "فیل" کے اہداف

آگے آنے والی سورت (سورۃ لایلاف) سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سورۃ فیل کا ایک ہدف قریش پر خدا کی عظیم نعمتوں کی یاد آوری ہے تاکہ انہیں یہ بتا دے کہ اگر پروردگار کا لطف نہ ہوتا تو نہ تو اس مقدس مرکز یعنی مکہ و کعبہ کے آثار ہوتے اور نہ ہی قریش ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اسی طرح کبر و غرور کی سواری سے نیچے اتر آئیں۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

دوسری طرف یہ ماجرا، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے قریب قریب ساتھ واقع ہوا تھا، حقیقت میں اس عظیم ظہور کا پیش خیمہ تھا اور اس قیام کی عظمت کا پیام لانے والا تھا۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے مفسرین نے "ارہاص" سے تعبیر کیا ہے۔ اس واقعہ کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ یہ ساری دنیا جہان کے سرکشوں کے لیے ایک تہیہ ہے، چاہے وہ قریش ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں، کہ وہ جان لیں کہ وہ ہرگز پروردگار کی قدرت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ خیال خام کو اپنے سر سے نکال دیں، اس کا حکم مانیں اور حق و عدالت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

چوتھا مقصد اس عظیم گھر کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ جب "کعبہ" کے دشمنوں نے اس کو نابود کرنے کا منصوبہ بنایا، اور وہ اس ابراہیمی سرزمین کی مرکزیت کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہتے تھے، تو خدا نے ان کی اس طرح سے گوشمالی کی کہ ساری دنیا کے لیے باعث عبرت بن گئی اور اس مقدس مرکز کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا۔

اور پانچواں مقصد یہ ہے کہ وہ خدا جس نے اس سرزمین مقدس کی امنیت کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا تھا، اور اس کی ضمانت دی تھی، اس نے اس ماجرے میں اس بات کی نشان دہی کر دی ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ یہ توحید و عبادت کا مرکز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مرکز امن رہے۔

۴۔ ایک مسلم تاریخی روئیداد

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "اصحاب فیل" کا ماجرا عربوں کے درمیان ایسا سلم تھا کہ یہ ان کے لیے تاریخ کا آغاز قرار پایا اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، قرآن مجید نے ایک نہایت ہی عمدہ تعبیر "الحوقر" (کیا تو نے نہیں دیکھا) کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ "ارہاص" ان مجرت کے معنی میں ہے جو پیغمبر کے قیام سے قبل واقع ہوں اور اس کی دعوت کے لیے زمین ہموار کرنے والے ہوں۔ یہ لفظ اہل میں بنیاد گزاری اور پہلا سنگ بنیاد رکھنے کے معنی میں ہے جسے دیوار کے نیچے رکھتے ہیں اور آمادہ ہونے اور (کھڑے ہونے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔

تفسیر نمونہ

ذکر کیا ہے
جو اس ماجرے
ان
کسی نے ا
کی طرح ہی
خدا
پرورد
پیام کو نظر
بارا

۱۔
۲۔

ذکر کیا ہے، وہ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے جو نہ تو اس زمانہ میں موجود تھے اور نہ ہی اُسے دیکھا تھا، جو اس ماجرے کے مسلم ہونے کی ایک اور نشانی ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اگر یہ مطلب مشکوک ہوتا تو کم از کم کوئی تو اعتراض کرتا اور ان کا اعتراض ان کے باقی اعتراضوں کی طرح ہی تاریخ میں ثبت ہو جاتا، خصوصاً جب کہ قرآن نے جملہ "الموت" کے ساتھ اس مطلب کو ادا کیا تھا۔

خداوندا! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم اس توحید کے عظیم مرکز کی پاسداری کریں۔ پروردگارا! ان لوگوں کے ہاتھ، جو اس مقدس مرکز کی ظاہری حفاظت پر قناعت کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کے پیام کو نظر انداز کرتے ہیں، اس مرکز سے کاٹ دے۔

بارالہا! تمام اشتیاق رکھنے والوں کو مکمل آگاہی و عرفان کے ساتھ اس کی زیارت نصیب فرما۔

آمین یا ترے العالمین

اختتام سورہ فیل

اختتام ترجمہ

۲ شوال ۱۴۰۸ھ صبح سات بج کر دس منٹ

برسکان حقیر قم مقدس ایران

سُورَةُ الْقُرَيْشِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
اس سُورہ
احساس پیدا ہو
جیسا کہ
اسی طرح سُورہ
پر غور کریں تو
کی دلیل بن گئے
اسی بنا
کہ وہ دونوں
اس سبب
اس سو

مسئلہ طوری
استقام کو مد نظر
لہ مرحوم شیخ محمد صالح المنجد

سورۃ "قریش" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ حقیقت میں سورۃ فیل کی تکمیل کرنے والی سمجھی جاتی ہے اور اس کی آیات اس مطلب پر واضح دلیل ہیں۔ اس سورہ کا مضمون قریش پر خدا کی نعمت اور ان کے بارے میں اس کے الطاف اور محبتوں کا بیان ہے، تاکہ ان میں شکرگزاری کا احساس پیدا ہو اور یہ اس عظیم گھر کے پروردگار کی عبادت کے لیے جس سے ان کا سارا شرف اور افتخار ہے تیار ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم نے سورۃ "والضحیٰ" کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ یہ سورہ اور سورہ المؤمنین حقیقت میں ایک شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح سورۃ "فیل" اور سورۃ "قریش" بھی ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان دونوں کے مطالب پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے کے ساتھ اتنے ملتے جلتے ہیں کہ وہ دونوں کے ایک ہونے کی دلیل بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر نماز کی ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھنے کے لیے اگر کوئی شخص اوپر والی سورتوں کا انتخاب کرے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں کو اکٹھا پڑھے۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے فقہی کتابوں (کتاب صلوة بحث قرأت) کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"من قرأھا اعطی من الاجر عشر حسنات، بعدد من طاف بالکعبۃ، واعتکف بہا۔"

"جو شخص اس کو پڑھے تو اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائے گی، جنہوں نے خانہ کعبہ

کا طواف کیا ہے، یا وہاں اعتکاف کیا ہے۔"

مسئلہ طور پر اس قسم کی فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس خدا کی بارگاہ میں جو کعبہ کا پروردگار ہے، ستر عظیم جہان نے اس کی عبادت کرے، اس گھر کے

احترام کو قدر نظر رکھے، اس کا پیام دل کے کان سے سنے اور اس کی پابندی کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- لَیْلٍ قُرَیْشٍ ۝
- ۲- اَلْفِہِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۝
- ۳- فَلِیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝
- ۴- الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۙ

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱- (اصحابِ فیل کا عذاب) اس بنا پر تھا کہ قریش (اس سرزمینِ مقدس سے) اُلفت رکھیں۔ (اور پیغمبر کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں)۔
- ۲- انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفروں سے اُلفت ہے۔
- ۳- پس (اس عظیم نعمت کے شکرانے کے طور پر) اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں۔
- ۴- وہی جس نے انہیں بھوک سے نجات دی اور بدامنی سے نجات بخشی۔

چو

اس خدائی

چہ، فرماتا۔

مقدس سرزمین

ایسا

کے معنی میں

جو باپ افغان

بہرہ

کی مرکزیت

اقتصادی اور

یہ سب

یا خانہ کعبہ وہ

قریش

نوع کے معنی

ہوا کہ قریش کو

اس

لہ " لایا

فجہ

کے

تفسیر

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے۔

چونکہ گزشتہ سورہ (سورہ فیل) میں اصحاب فیل اور ابرہہ کے لشکر کی نابودی کی تفصیل بیان ہوئی تھی، جو خانہ کعبہ کو نابود کرنے اور اس ضلّی مرکز مقدّس کو ویران کرنے کے ارادہ سے آیا تھا، لہذا اس سورہ کی پہلی آیت میں، جو حقیقت میں سورہ فیل کا ایک تکمیلی بیان ہے، فرماتا ہے: "ہم نے ہاتھیوں کے لشکر کو نابود کر کے انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کے مانند ریزہ ریزہ کر دیا،" تاکہ قریش اس مقدّس سرزمین سے اُلفت پیدا کریں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں، (لایلاف قریش) بل "ایلاف" مصدر ہے اور اُلفت بچھنے کے معنی میں ہے اور "اُلفت" انس و محبت اور گھل مل جانے کے ساتھ اجتماع کے معنی میں ہے، اور یہ جو بعض نے "ایلاف" کی مؤالفت اور عمد و پیمان کے ساتھ تفسیر کی ہے، تو وہ نہ تو اس لفظ کے ساتھ مناسباً جو باب افعال کا مصدر ہے اور نہ ہی اس سورہ کی آیات کے مضمون سے۔

بہر حال اس سے مراد قریش اور سرزمین مکہ اور خانہ کعبہ کے درمیان اُلفت پیدا کرنا ہے کیونکہ قریش اور تمام اہل مکہ اس سرزمین کی مرکزیت اور امنیت کی بنا پر ہی وہاں رہائش پذیر تھے۔ حجاز کے بہت سے لوگ ہر سال وہاں آتے تھے اور مراسم حج، بجالاتے تھے، اقتصادی اور ادبی مبادلات رکھتے تھے اور اس سرزمین کی مختلف برکات سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اس کی مخصوص سلامتی کی وجہ سے تھا۔ اگر ابرہہ یا کسی اور کی لشکر کشی سے اس کی سلامتی اور امنیت مخدوش ہو جاتی، یا خانہ کعبہ ویران ہو جاتا، تو پھر کسی کو اس سرزمین سے اُلفت و محبت نہ رہتی۔

"قریش" کا لفظ، جیسا کہ بہت سے مفسرین اور ارباب لغت نے کہا ہے، اصل میں سمندر کے عظیم جانوروں کی ایک نوع کے معنی میں ہے، جو ہر جانور کو آسانی کے ساتھ کھا لیتی ہے۔ یہ عبارت "ابن عباس" سے مشہور ہے کہ جب ان سے سوال ہوا کہ قریش کو "قریش" کیوں کہتے ہیں؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا:

"لدا بة تكون في البحر من اعظم دوابه يقال لها القریش، لا تسر
بشيء من الغث والسمين الا اكلته"؛

"یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سمندر کے ایک بہت بڑے جانور کا نام ہے، وہ جس دُبلے یا موٹے جانور کے پاس سے گزرتا ہے اُسے کھا جاتا ہے۔"

اس کے بعد وہ اپنی بات کے ثبوت میں اشعار عرب سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

لہ "لایلاف" میں "لام" علت کے معنی میں ہے اور "جار و مجرور" "جعل" سے متعلق ہے، جو گزشتہ سورہ کی آیت "فجعلهم كعصف مأكول" میں، یا کسی اور دوسرے فعل کے جو اس سورہ میں تھا۔ بعض نے اس جار و مجرور کو خلیعہ و دوا کے جملہ سے متعلق سمجھا ہے، جو بعد والی آیات میں آیا ہے۔ لیکن یہ احتمال آیات کے مضمون کے ساتھ جتنا سازگار نہیں ہے، اور پہلا معنی بہتر ہے۔

اس بنا پر اس قبیلہ کے لیے اس نام کا انتخاب، اس قبیلہ کی قدرت و قوت اور اس قدرت سے غلط فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ہوا۔

لیکن بعض نے اسے "قرش" (بروزن قریش) کے مادہ سے اکتساب کے معنی میں لیا ہے، کیونکہ عام طور پر یہ قبیلہ تجارت اور کسب میں مشغول رہتا تھا۔

بعض اس مادہ کو خبرگیری اور دیکھ بھال کرنے کے معنی میں جانتے ہیں اور چونکہ قریش حاجیوں کے حالات کی خبرگیری کرتے تھے اور بعض اوقات ان کی مدد کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ ان کے لیے منتخب ہوا۔

"قرش" لغت میں اجتماع کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ ایک خاص قسم کی تنظیم اور اجتماع رکھتا تھا، اس لیے یہ نام ان کے لیے انتخاب ہوا۔

لیکن بہر حال موجودہ زمانہ میں قریش کسی اچھے مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا، اور باوجود اس کے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا، اسلام کا سخت ترین دشمن شمار ہوتا تھا جو کسی قسم کی عہد شکنی، عدوت اور دشمنی سے نہیں چوکتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کی قدرت و طاقت اسلام کی کامیابی کی وجہ سے دم توڑ گئی تو پھر بھی انہوں نے مخنی سازشوں کو جاری رکھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی انہوں نے ایسے دردناک حوادث پیدا کیے جنہیں تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کرے گی ہم جانتے ہیں کہ "بنی امیہ" اور "بنی عباس" جو طاغوتی حکومت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، قریش میں سے ہی اُٹھے تھے۔

قرآن بھی اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ عربوں کے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں کے استعمار و استعمار کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور اسی وجہ سے جب آزادی بخش اسلام نے طلوع کیا اور ان کے ناجائز منافع خطرے میں پڑ گئے تو وہ پوری طاقت کے ساتھ مبارزہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لیکن اسلام کی عظیم قدرت نے انہیں درہم برہم کر دیا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "ہدف اور مقصد یہ تھا کہ خدا قریش کو سردیوں اور گرمیوں کے سفروں میں اُلفت بخشے۔" (ایلافھو رحلۃ الشتاء والصیف)

ممکن ہے کہ اس سرزمین مقدس سے قریش کو اُلفت بخشنا مراد ہو، تاکہ وہ گرمیوں اور سردیوں کے طویل سفروں میں اس مقدس مرکز سے اپنا تعلق اور لگاؤ دل سے نہ بھلائیں اور اس کی سلامتی کی وجہ سے اس کی طرف لوٹ آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرزمین میں اور شام کی زندگی کی آسائشوں سے متاثر ہو کر مکہ کو خالی چھوڑ دیں۔

یا اس سے ان دو عظیم سفروں میں قریش اور دوسرے لوگوں کے درمیان اُلفت پیدا کرنا مراد ہے، کیونکہ ابھرہ کی داستان کے

۱ "ایلافھو" اس "ایلاف" کا بدل ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے، اور "ہو" کی ضمیر پہلا مفعول ہے۔ اور "رحلۃ الشتاء" دوسرا مفعول اور بعض کے نظریے کے مطابق ظرفیت کے معنی میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ "منصوب بنزع خافض" ہو، اور تقدیر میں اس طرح ہو "ایلافھو رحلۃ الشتاء والصیف" (دوسرا اور تیسرا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے)۔

۲ "رحلۃ" دراصل "رحل" (بروزن شہر) سے، اس پردہ کے معنی میں ہے جو سوار ہونے کے لیے ڈالتے ہیں۔ اسی مناسبت سے، خود اُلف یا ان مسافروں پر جو اونٹ یا دوسرے ذرائع سے ہوتی ہیں، پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

بعد لوگ انہیں وہ قریش کو نتیجہ میں یہ دونوں ہمیں معا

کی در آمد زیادہ ۷ موسم نسبتاً گرم ہوا اتفاق کی بات یہ حلقہ اتصالی شمار:

البتہ قریش یہ مقدر ہو چکا تھا یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آیت "اس گھر کے پرہ" وہی خا

اطعمہ صومز ایک طرد ضرر کیا۔ اور یہ سب تھی۔ لیکن انہوں۔

کی عبادت پر ترجیخ خدا نذا! پروردگارا بار الہا!

اخت ۲، شوال ۲، نم مہمت ۱، بعض مہمت ۱ آیت ہے

بعد لوگ انہیں دوسری نظر سے دیکھتے تھے اور قریش کے قافلہ کے احترام و اہمیت کے قائل تھے۔
قریش کو اس طویل سفر میں بھی امن کی ضرورت تھی اور سرزمین مکہ کے لیے بھی، اور خدا نے ابرہہ کے لشکر کی شکست کے
نتیجہ میں یہ دونوں سلامتیاں انہیں بخش دی تھیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ "مکہ" کی زمین میں نہ تو کوئی باغ تھا اور نہ ہی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ جانوروں کی دیکھ بھال بھی ان کی محدود تھی ان
کی درآمد زیادہ تر انہیں تجارتی قافلوں کے ذریعے پوری ہوتی تھی۔ وہ سردی کے موسم میں جنوب یعنی سرزمین یمن کی طرف۔ جس کا
موسم نسبتاً گرم ہوتا تھا۔ رُخ کرتے تھے اور گرمی کے موسم میں شمال اور سرزمین شام کی طرف۔ جس کی ہوا اور موسم خوشگوار ہوتا تھا۔ اُد
اتفاق کی بات یہ ہے کہ سرزمین یمن بھی اور سرزمین شام بھی، اس زمانہ میں اہم تجارتی مراکز تھے۔ اور مکہ اور مدینہ ان دونوں کے درمیان
حلقہ اتصالی شمار ہوتے تھے۔

البتہ قریش ان غلط کاریوں کی وجہ سے، جو وہ انجام دیتے تھے، خدا کے ان الطاف و محبت کے مستحق تو نہ تھے۔ لیکن چونکہ
یہ مقدر ہو چکا تھا کہ اس قبیلہ اور اس سرزمین مقدس سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلوع ہو، لہذا خدا نے ان پر
یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آیت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قریش کو ان سب خدائی نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں کعبہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں
"اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنا چاہیے نہ کہ بتوں کی" (فلیعبدوا رب هذا البيت)۔
"وہی خدا جس نے انہیں بھوک سے نجات بخشی اور کھانا دیا، اور بے امنی سے رہائی بخشی اور امن دیا" (الذی
اطعمهم من جوع وامنهم من خوف)۔

ایک طرف تو انہیں تجارت میں فروغ عطا کیا اور انہیں فائدہ پہنچایا اور دوسری طرف بد امنی کو ان سے دور کر دیا اور دفع
فرمایا۔ اور یہ سب کچھ ابرہہ کے لشکر کی شکست سے فراہم ہوا۔ اور حقیقت میں یہ کعبہ کے بانی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت
تھی۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ اس مقدس گھر کو ایک بُت خانہ میں تبدیل کر دیا، بتوں کی عبادت کو اس گھر کے خدا
کی عبادت پر ترجیح دی اور انجام کار ان تمام ناشکروں کا انجام بد دیکھا۔

خداوند! ہمیں عبادت و بندگی اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس عظیم گھر کی حفاظت، پاسداری اور احترام کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔
پروردگارا! اس عظیم اسلامی مرکز کو روز بروز زیادہ سے زیادہ پر شکوہ، اور دنیا جہان کے مسلمانوں کے لیے حلقہ اتصال قرار دے۔
بار الہا! سارے خونخوار دشمنوں اور ان لوگوں کے جو اس عظیم مرکز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، ہاتھ کاٹ دے۔

آمین یا رب العالمین
سُورۃ قریش کا اختتام

اختتام ترجمہ
پر سوال ۲۰۸
تم مسترسہ۔ ایلان

بعض مفسرین نے اس آیت کو دو آیات سمجھا ہے، اور اس سُورہ کی آیات کو پانچ آیات شمار کیا ہے، لیکن مشہور و معروف یہ ہے کہ یہ ایک
آیت ہے، اور سُورہ کی چار کی چار ہی آیات ہیں۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔
❖ اس میں ۷ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
مقاطع میں قیام
مجموعی طور
راہِ خدا میں "الفا
خانہ اور ریاکار
اس سُورہ
اُذیت نخر کیا کرتے
نے اپنے عصا
بعض دو
اس سُورہ

سورۃ ماعون کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ بہت سے مفسرین کے نظریہ کے مطابق کئی سورتوں میں سے ہے۔ اس کی آیات کالب و لجر، جو مختصر اور چھپنے والے مقاطع میں قیامت اور اس کے منکرین کے اعمال کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، اس مطلب کی ناطق گواہ ہیں۔

مجموعی طور پر اس سورہ میں منکرین قیامت کی صفات و اعمال کو پانچ مرحلوں میں بیان کیا گیا ہے، کہ وہ اس عظیم دن کی تکذیب کی وجہ سے راہ خدا میں "انفاق" کرنے اور "یتیموں" اور "مسکینوں کی مدد کرنے سے کس طرح رُوگردانی کرتے ہیں اور وہ "نماز کے بارے میں کیسے غافل اور ریاکار ہیں" اور "حاجت مندوں کی مدد کرنے سے کس طرح رُوگردانی کرتے ہیں؟

اس سورہ کی شان نزول کے بارے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوا ہے جو روزانہ دو بڑے بڑے اونٹ نحر کیا کرتا تھا اور وہ خود اور اس کے یار دوست انہیں کھاتے تھے۔ لیکن ایک دن ایک تئیم آیا اور اس نے ان سے کچھ مانگا تو اس نے اپنے عصا سے اُسے مارا، اور اُسے دُور کر دیا۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ "ولید بن مغیرہ" یا "عاص بن وائل" کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے :

"من قرأ أرویت الذی یکذب بالذین ففرائضه و نوافله قبل اللہ صلاته و صیامه، و لعمریحاسبہ بماکان منہ فی الحیاة الدنیا"

"جو شخص اس سورہ کو اپنی فریضہ اور نوافلہ نمازوں میں پڑھے گا تو خدا اس کے نماز و روزہ کو قبول

کرے گا اور ان کاموں کے مقابلہ میں جو اس سے دنیا کی زندگی میں سرزد ہوئے ہیں اس

کا کوئی حساب نہیں لے گا۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- اَرَعَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْدينِ ۞
- ۲- فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيْمَ ۞
- ۳- وَلَا يَحِضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْسَكِيْنِ ۞
- ۴- فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ ۞
- ۵- الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞
- ۶- الَّذِيْنَ هُمْ وِرَآءُوْنَ ۞
- ۷- وَيَنْعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۞

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱- کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو ہمیشہ ہی روزِ جزا کا انکار کرتا رہتا ہے؟
- ۲- وہی تو ہے، جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکتے دیتا ہے۔
- ۳- اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلانا۔
- ۴- پس ان نماز گزاروں پر وائے ہے، جو
- ۵- اپنی نمازوں کو بھول جاتے ہیں۔

-۶

-۷

تفسیر

معاذ

اس

کو بیان کرتا۔

اس

رہنما

”دین“

عمل میں ایک

ساتھ دھتکار

کام کی دشمنی

بعض

نظر آتا ہے،

بعد بالتبیر

”ید“

اور

”مفردات“

چونکہ

”ل“

- ۶۔ وہی جو ریا کاری کرتے ہیں۔
۷۔ اور دوسروں کو ضروریات زندگی سے باز رکھتے ہیں۔

تفسیر

معاذ کے انکار کے اثرات بد

اس سورہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے منکرین کے اعمال میں روزِ جزا کے انکار کے اثرات بد کو بیان کرتا ہے:-

”کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ہمیشہ روزِ جزا کا انکار کرتا ہے“ (اوریت الذی یکتذب بالذین)۔

اس کے بعد ان کے جواب کا انتظار کیجئے بغیر مزید فرماتا ہے،: ”وہی تو ہے جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکے دیتا ہے“ (فذلک الذی یدع الیتیم)۔

”اور دوسروں کو مسکین و نادار کو کھانا کھلانے کے لیے شوق نہیں دلاتا“ (ولایحض علی طعام المسکین)۔

”دین“ سے مراد یہاں ”جزا“ یا ”روزِ جزا“ ہے۔ اور روزِ جزا اور اس کی عظیم داد گاہ کے انکار سے انسان کے عمل میں ایک وسیع ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ جس کے پانچ حصوں کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہوا ہے، منجملہ: یتیموں کو سختی کے ساتھ دھتکارنا اور دوسرے لوگوں کو مسکینوں کو کھانا کھلانے کا شوق نہ دلانا۔ یعنی نہ تو خود ہی انفاق کرنا اور نہ ہی دوسروں کو اس کام کی دعوت دینا۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں ”دین“ سے مراد قرآن یا تمام آئین و دین اسلام ہے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اور اس کی نظیر سورہ انفطار کی آیت ۹ کلاً بل تکذبون بالذین، اور سورہ ”نہین“ کی آیت ۷ فما یکتذبک بعد بالذین میں بھی آئی ہے، جہاں ان سورتوں کی دوسری آیات کے قرینہ سے دین سے مراد روزِ جزا ہے۔

”یدع“ ”دع“ (بروزن حد) کے مادہ سے، سختی کے ساتھ ڈور کرنے اور غصہ کے ساتھ دھتکارنے کے معنی میں ہے اور ”یحض“ ”حض“ کے مادہ سے، کسی چیز کے لیے دوسروں کو تخریص و ترغیب دینے کے معنی میں ہے ”راغب“ ”مفردات“ میں کہتا ہے، ”حض“ چلنے اور سیر کرنے کے لیے شوق دلانا ہے، لیکن ”حض“ اس طرح نہیں ہے۔ چونکہ ”یحض“ اور ”یدع“ فعل مضارع کی صورت میں آئے ہیں، لہذا یہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یتیموں اور

۱۔ ”مفردات“ مادہ ”حض“

مسکینوں کے بارے میں ان کا یہ کام دائمی طور پر تھا۔ یہ نکتہ بھی یہاں پر قابل توجہ ہے کہ یتیموں کے بارے میں انسانی شفقت اور مہربانی کرنے کا مسئلہ کھانا کھلانے اور سیر کرنے کی نسبت زیادہ عمدہ ہے۔ کیونکہ یتیم کو سب سے زیادہ رنج اور دکھ شفقت و مہربانی کے مرکز اور غذائے روحی کے ہاتھ سے چلے جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جسمانی غذا کا مسئلہ بعد میں آتا ہے۔

پھر ان آیات میں ہمارے سامنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کا مسئلہ آتا ہے، جو اہم ترین کاروائی خیر میں سے ہے۔ یہاں سمجھ کر فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی مسکین کو کھانا کھلانے کی قدرت نہیں رکھتا، تو دوسروں کو اس بات کی ترغیب دے اور شوق دلائے۔

”فذلک“ کی تعبیر (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہاں ”فا“ سببیت کا معنی دیتا ہے) اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ معاد پر ایمان کا نہ ہونا ان غلط کاریوں کا سبب بنتا ہے، اور واقعاً ایسا ہی ہے۔ وہ شخص جو دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس عظیم دن اور اس دادگاہ عدل، اور اس حساب و کتاب اور جزا و سزا پر یقین رکھتا ہو، اس کے تمام اعمال میں اس کے مثبت آثار ظاہر ہوں گے، لیکن جو اس پر ایمان نہیں رکھتے تو گناہ کرنے اور انواع و اقسام کے جرائم کرنے پر ان کی جرات کرنے میں اس کے اثرات کامل طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔

اس گروہ کی تیسری صفت کے بارے میں فرماتا ہے: پس ان نماز گزاروں پر دلئے ہے۔ (فویل للمصلین)۔

”وہی نمازی جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں۔ (الذین ہوعن صلاتہم ساهون)۔

وہ اس کے لیے نہ تو کسی قدر و قیمت کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے اوقات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور نہ ہی اس کے ارکان و شرائط اور آداب کی رعایت کرتے ہیں۔

”ساہون“ ”سہو“ کے مادہ سے اصل میں اس خطا کے معنی میں ہے جو غفلت کی بنا پر سرزد ہو، چاہے اس کے مقدمات کے فراہم کرنے میں مقصر ہو یا نہ ہو۔ البتہ پہلی صورت میں معذور نہیں ہے، اور دوسری صورت میں معذور ہے۔ لیکن یہاں وہ سہو مراد ہے جو تقصیر کے ساتھ توأم ہو۔

اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ یہ نہیں فرماتا کہ، ”وہ اپنی نماز میں سہو کرتے ہیں“ چونکہ نماز میں سہو تو بہر حال ہر شخص سے ہو جاتا ہے، بلکہ فرماتا ہے، ”وہ اصل نماز سے ہی سہو کرتے ہیں، اور کل کی کل نماز کو ہی بھول جاتے ہیں“۔

یہ بات واضح ہے کہ اگر اس مطلب کا ایک یا چند مرتبہ اتفاق ہو تو ممکن ہے کہ وہ کوتاہی کی وجہ سے ہو۔ لیکن جو شخص نماز کو ہمیشہ کے لیے ہی بھلائے ہوئے ہو، اور اسے بالکل ہی بھلا چکا ہو، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اہمیت کا قائل نہیں ہے، یا اصلاً اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اگر وہ کبھی کبھار نماز پڑھ لیتا ہے تو لوگوں کی زبان یا اسی طرح کی باتوں سے ڈر کر پڑھتا ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں ”ساہون“ سے مراد کیا ہے؟ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے علاوہ دوسری تفسیریں بھی بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس سے مراد وقت فضیلت سے ”ناخیر کرنا“ ہے۔

یا اس -
یا اس -
البتہ ان
بہر حال
چھوڑے ہوئے
چوتھے
کرتے ہیں۔

اور آخر
مسئلہ
یکے ممکن ہے
”معاہ
یہ ہے کہ بیمار
مثلاً کچھ نمک
واضح
افراد اس قدر
بڑی احتیاجات
ایک
کبھی سوئیں -
یقیناً
ایک

ایک
لیے ہیں
لے

یا اس سے مراد ان منافقین کی طرف اشارہ کرنا ہے جو نہ نماز کے ثواب کا اعتماد رکھتے ہیں، اور نہ ہی اس کے ترک کے عذاب کا یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگ نماز میں ریاکاری کرتے ہیں۔ (جب کہ یہ معنی بعد والی آیت میں آ رہا ہے)۔
البتہ ان معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے اگرچہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔
بہر حال جب نماز کو بھول جانے والے دلیل اور ہلاکت کے مستحق ہیں، تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو کبھی طور پر نماز کو پھوڑے ہوئے ہیں اور تارک الصلوٰۃ ہیں۔

چوتھے مرحلہ میں ان کے ایک اور بدترین عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ ریاکاری کرتے ہیں۔ (الذین هم رباءون)۔“

اور آخری مرحلہ میں مزید فرماتا ہے: ”وہ دوسروں کو ضروریات زندگی سے منع کرتے ہیں۔ (و یمنعون الماعون)۔“
مسئلہ طور پر اس تظاہر اور ریاکاری کے سرچشمے روز قیامت پر ایمان کا نہ ہونا، اور خدائی جزاؤں کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔ روزِ یقینے ممکن ہے کہ انسان خدائی جزاؤں کو تو چھوڑ دے، اور مخلوق کو خوش کرنے کی طرف توجہ رکھے۔

”ماعون“ ”معن“ (بروزن نشان) کے مادہ سے، کم اور تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔ اور بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد جزئی اور معمولی قسم کی چیزیں ہیں، جو لوگ خصوصاً ہمسائے، ایک دوسرے سے عاریتاً لے لیتے ہیں، مثلاً کچھ نمک، پانی، آگ (ماچس) برتن وغیرہ۔

واضح رہے کہ جو شخص اس قسم کی چیزیں بھی دوسروں کو نہیں دیتا، وہ انتہائی پست اور بے ایمان آدمی ہوتا ہے ایسے افراد اس قدر خجیل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی معمولی معمولی چیزیں بعض اوقات بڑی بڑی احتیاجات کو پورا کرتی ہیں اور ان کے روک لینے سے لوگوں کی زندگی میں بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔
ایک گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ”ماعون“ سے مراد زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اصل مال سے عام طور پر بہت ہی کم ہوتی ہے۔ کبھی سو میں سے دس، کبھی سو میں سے پانچ اور کبھی سو میں سے اڑھائی۔

یقیناً زکوٰۃ کا نہ دینا، بھی بدترین کاموں میں سے ایک ہے، کیونکہ زکوٰۃ معاشرے کی بہت سی اقتصادی مشکلات کو حل کرتی ہے۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے ماعون کی تفسیر میں فرمایا:

”هو القرض یقرضه، والتماع یعیره، والمعروف یصنعه“

”ماعون وہ قرض ہے جو انسان دوسرے کو دیتا ہے۔ اور وہ وسائل زندگی ہیں جو وہ

اُدھار کے طور پر دوسروں کو دیتا ہے۔ اور وہ امدادیں اور کاروائیوں کے خیر ہیں جنہیں انسان انجام

دیتا ہے۔“

ایک اور روایت میں انہیں حضرت سے یہی معنی نقل ہوا ہے، اور اس کے ذیل میں آیا ہے کہ راوی نے کہا: ہمارے ہمسائے ایسے ہیں کہ جب ہم کچھ وسائل زندگی ان کو دیتے ہیں تو وہ انہیں توڑ دیتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں، تو کیا انہیں نہ دینا بھی گناہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا اس صورت میں کوئی مانع نہیں ہے۔

”ماعون“ کے معنی کے بارے میں دوسرے احتمالات بھی دیے گئے ہیں، یہاں تک کہ تفسیر قرطبی میں بارہ سے زیادہ قول اس سلسلے میں نقل ہوئے ہیں جن میں سے بہت سوں کو ایک دوسرے میں ملایا جاسکتا ہے، البتہ زیادہ اہم وہی ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیے ہیں۔

ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کرنا (ریا کاری و منع ماعون) گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بات خدا کے لیے ہے اُسے وہ مخلوق کی نیت سے بجالاتے ہیں، اور جو مخلوق کے لیے ہے وہ ان کے لیے نہیں کرتے۔ اور اس طرح سے وہ کوئی بھی حق اس کے حق دار تک نہیں پہنچاتے۔

ہم اس گفتگو کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

”من منع الماعون جارہ منہ اللہ خیرہ یوم القیامۃ، و وکلہ الی نفسہ، ومن وکلہ النفسہ فما اسوء حالہ !“

”جو شخص ضروری اور معمولی چیزوں کو اپنے ہمسایہ سے روکتا ہے، خدا اُسے قیامت کے دن اپنی نیر سے روک دے گا، اور جسے خدا اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دے اس کا بہت ہی بُرا حال ہوگا۔“

چند نکات

۱۔ سُورۃ ماعون کے مباحث کی جمع بندی

اس مختصر سے سُورہ میں صفاتِ رذیلہ کا ایک ایسا مجموعہ آیا ہے کہ وہ جس شخص میں بھی ہو اس کی بے ایمانی، پستی اور حقارت کی ایک نشانی ہے۔ اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان سب کو تکذیبِ دین یعنی جزا یا روزِ جزا کی فرع قرار دیا ہے۔ یتیموں کو حقیر جاننا، بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا، نماز سے غفلت برتنا، ریا کاری کرنا اور لوگوں سے موافقت نہ کرنا یہاں تک کہ زندگی کے معمولی وسائل دینے میں۔ یہ ہے ان (صفاتِ رذیلہ) کا مجموعہ۔

اور اس طرح سے ان سخیل، خود خواہ اور ریاکار افراد کو ظاہر کرتا ہے، جن کا نہ تو ”مخلوقِ خدا“ ہی کے ساتھ کوئی تعلق اور نہ ہی ”خالق“ کے ساتھ کوئی رابطہ۔ ایسے افراد جن کے وجود میں نورِ ایمان اور احساسِ مسئولیت نہیں ہوتا، نہ تو وہ خدائی اجر و ثواب میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

۱۔ ”کافی“ مطابق نقل۔ نورالثقلین جلد ۵ ص ۶۷۹

۲۔ ”نورالثقلین“ جلد ۵ ص ۶۷۹ حدیث ۲۰

۲۔ ظاہر و ریا ایک بہت بڑی اجتماعی مُصیبت ہے

ہر عمل کی قدر قیمت اس کے سبب کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، یا دوسرے لفظوں میں اسلام کی نگاہ میں ہر عمل کی بنیاد اس کی "نیت" پر ہوتی ہے، وہ بھی "خالص نیت" اسلام ہر چیز سے پہلے نیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے، لہذا ایک مشہور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوى"

"ہر عمل نیت کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر شخص کا عمل میں حصہ، اس کی اس نیت کے مطابق ہوگا، جو وہ عمل میں رکھتا تھا"

اور اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے :

"جو شخص خدا کے لیے جہاد کرے اس کا اجر خدائے بزرگ و برتر پر ہے۔ اور جو شخص مال دنیا کے لیے جنگ کرے، یہاں تک کہ ایک عقال (وہ چھوٹی سی رسی جس سے اونٹ کے پاؤں کو باندھتے ہیں) لینے کے لیے کرے اس کا حصہ لیں وہی ہے۔"

یہ سب اس بنا پر ہے کہ "نیت سے ہی عمل وجود میں آتا ہے۔ وہ شخص جو خدا کے لیے کوئی کام انجام دیتا ہے، تو وہ اس کی بنیاد کو محکم کرتا ہے، اور اس کی تمام کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ لیکن جو شخص ظاہر اور ریا کاری کے لیے کسی عمل کو انجام دیتا ہے وہ صرف اس کے ظاہر اور زرق و برق پر نظر رکھتا ہے، اور وہ اس کی گہرائی و بنیاد اور حاجت مندوں کے استفادے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

وہ معاشرہ جو ریا کاری کا عادی ہو جاتا ہے وہ نہ صرف خدا، اخلاقِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ سے دور کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس کے تمام اجتماعی پروگرام مفہوم و مطلب سے خالی ہو جاتے ہیں، اور وہ مٹھی بھر بے معنی ظواہر کا خلاصہ رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے انسان اور اس قسم کے معاشرے کی سر نوشت کتنی دردناک ہے!

"ریا" کی مذمت میں بہت زیادہ روایات آئی ہیں یہاں تک کہ اس کو بشرک کی ایک نوع کہا گیا ہے، اور ہم یہاں تین بلا دینے والی روایات پر قناعت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

"سیأتی علی الناس زمان تخبث فیہ سرائرہم۔ و تحن فیہ علانیہم۔"

طمعاً فی الدنیا لا یریدون بہ ما عند ربہم، یکون دینہم ریناء لا

یخالطہم خوف، یمضو اللہ بعقاب فیدعونہ دعاء الغریق فلا یتجیب لہم!

۲۔ وسائل الشیخہ جلد اول ص ۳۵ (ابواب مقدمۃ العبادات باب ۵ حدیث ۱۰)۔

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب ان کے باطن قبیح، گندے اور آلودہ ہو جائیں گے، اور ان کے ظاہر زیبا اور خوبصورت ہوں گے۔ دنیا میں طبع کی خاطر وہ اس سے اپنے پروردگار کی جزاؤں کے طلب گار نہیں ہوں گے۔ ان کا دین ریا ہو جائے گا، خوفِ خدا ان کے دل میں باقی نہ رہے گا، خدا ان سب کو ایک سخت عذاب میں گرفتار کرے گا، اور وہ جتنا بھی ایک ڈوبنے والے کی طرح خدا کو پکاریں گے، ہرگز ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔

۲۔ ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی "زرارہ" سے فرمایا:

"من عمل للناس كان ثوابه على الناس يا زراره! كل رياء شرك! جو شخص لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا اجر و ثواب لوگوں پر ہی ہوگا۔ لے زرارہ! ہر ریا بشرک ہے۔"

۳۔ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"ان المرأتی یدعی یوم القیامۃ باربعۃ اسماء:

یا کافر! یا فاجر! یا غادر! یا خاس! حبط عملک، و بطل اجرک! فخلاص لك اليوم، فالتمس اجرک ممن کنت تعمل له!

"ریا کار شخص کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا:

اے کافر! اے فاجر! اے حیلہ گر! اے خاسر و زیاں کار! تیرا عمل نابود ہو گیا ہے، تیرا اجر و ثواب باطل ہو چکا ہے۔ آج تیرے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے! لہذا تو اپنا اجر و ثواب اس سے طلب کر جس کے لیے تو عمل کرتا تھا۔"

خداوند! خلوص نیت سخت مشکل کام ہے، تو خود اس راہ میں ہماری مدد فرما۔

پروردگارا! ہمیں ایسا ایمان مرحمت فرما کہ ہم تیرے ثواب و عقاب کے علاوہ اور کچھ نہ سوچیں، اور مخلوق کی رضا و خوشنودی اور غصہ و غضب تیری راہ میں ہمارے لیے یکساں ہو۔

بارالہا! اس راہ میں جو خطا اور غلطی اب تک ہم نے کی ہے وہ ہمیں بخش دے۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ ماعون

۱۔ "اصول کافی" جلد ۲ باب الریاء حدیث ۱۴

۲۔ "وسائل الشیعہ" جلد اول ص ۴۹ (حدیث ۱۱ کے ذیل میں)۔

۳۔ "وسائل الشیعہ" جلد اول ص ۵۱ (حدیث ۱۶ کے ذیل میں)۔

سُورَةُ الْكَوٰثِرِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

وہ اپنی را
اس سانچے کے
پرگرام معطل ہو کر
قرآن مجید
اور اسلام و قرآن
ایک ضرب تھی
اور دشمنوں کی سزا
اس سُورہ

سُورَةُ الْاٰتِزَةِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

مشہور یہ ہے کہ یہ سُورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے۔ لیکن بعض نے اس کے مدنی ہونے کا احتمال بھی دیا ہے۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ یہ سُورہ دو بار نازل ہوا۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں، لیکن جو روایات اس کے شان نزول میں وارد ہوئی ہیں وہ اس کے معنی ہونے کے مشہور قول کی تائید کرتی ہیں۔

اس سُورہ کے شان نزول میں آیا ہے کہ: "عاص بن وائل" نے جو مشرکین کے سرداروں میں سے تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد الحرام سے نکلنے وقت ملاقات کی اور کچھ دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا۔ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے دُور سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔ جس وقت "عاص بن وائل" مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟ اس نے کہا: اس "ابتر" شخص سے۔

اس نے اس تعبیر کا اس لیے انتخاب کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند "عبداللہ" دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور عرب ایسے آدمی کو جس کے کوئی بیٹا نہ ہو "ابتر" کہا کرتے تھے۔ یعنی (بلا عقب۔ متطوع النسل) لہذا قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی وفات کے بعد اس لقب کو آنحضرتؐ کے لیے انتخاب کر رکھا تھا، جس پر یہ سُورث نازل ہوئی، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی نعمتیں اور کوثر کی بشارت دی اور ان کے دشمنوں کو ابتر کہا۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بانو سے اسلام بنایا گیا تھا۔ وہ پیغمبر کے ایک قاسم اور دوسرے طاہر جنہیں عبداللہ بھی کہتے تھے۔ دونوں ہی مکہ میں دُنیا سے چل بسے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ رہا۔ اس بات نے قریش کے بدخواہوں کی زبان کھول دی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابتر" کہنے لگے۔

۱۔ "جمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۴۹۔
۲۔ اگلے صفحہ پر

۱۔ رگزشتہ ص
انفاقاً و
عاشیہ صفحہ ۱۰
۲۔ "جمع البیان"

وہ اپنی روایت کے مطابق بیٹے کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، اسے باپ کے پروگراموں کو جاری رکھنے والا شمار کرتے تھے اس سانسے کے باعث ان کا خیال یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے پروگرام معطل ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش تھے۔

قرآن مجید نازل ہوا اور اس سورہ میں اجازت آمیز طریقہ سے انہیں جواب دیا اور یہ خبر دی کہ آنحضرتؐ کے دشمن ہی ابرہہ ہیں گے اور اسلام و قرآن کا پروگرام کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اس سورہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ ایک طرف تو دشمنان اسلام کی اُسیدوں پر ایک ضرب تھی اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی خاطر تھی جن کا قلب پاک اور نازک دل اس قبیح لقب اور دشمنوں کی سازش کو سن کر ٹھگین اور کدتر ہوا تھا۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

” من قرأها سقاہ اللہ من انصار الجتۃ ، واعطی من الاجر بعدد کل
قربان قربہ العباد فی یوم عید و یقربون من اهل الکتاب والشکین“
” جو شخص اس کی تلاوت کرے خدا اُسے جنت کے گھنوں سے سیراب کرے گا اور
ہر قربانی کی تعداد میں جو خدا کے بندے عید (قربان) کے دن کرتے ہیں اور اسی طرح
سے وہ قربانیاں جو اہل کتاب اور مشرکین دیتے ہیں ان سب کی تعداد کے برابر اس کو
اہر دے گا۔“

اس سورہ کا نام (کوثر) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

۱۔ (گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) پیغمبر اکرمؐ کے اور بیٹا جس کا نام ”ابراہیم“ تھا ”ماریہ قبطنیہ“ سے مدینہ میں ہجرت کے آٹھویں سال پیدا ہوا، لیکن اتفاقاً وہ بھی دو سال کا ہونے سے پہلے وفات پا گیا۔ ان کی وفات نے پیغمبر اکرمؐ کے دل کو بہت آزرہ کیا تھا۔
۲۔ ”مجمع البیان“ جلد ۱، ۵۴۸۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝
- ۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَاَنْحَرُ ۝
- ۳۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت) عطا کی۔
- ۲۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے۔
- ۳۔ یقیناً تیرا دشمن ہی اَبْتَر (اور بلا عقب و مقطوع النسل) ہے۔

تفسیر

ہم نے تجھے فراوان خیر و برکت دی

اس تمام سورے میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے (جیسا کہ سورہ والضحیٰ اور سورہ المائد میں ہے) اور تینوں سوروں کے اہم اہداف و مقاصد میں سے ایک آنحضرتؐ کے دل کو دردناک انبوہ عداوت میں تسلی دینا دشمنوں کے بار بار لگائے ہوئے زبان کے زخموں کے مقابلہ میں تشفی بخشنا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا" (اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ)۔

"کوثر" وصف ہے جو "کثرت" سے لیا گیا ہے، اور فراوان خیر و برکت کے معنی ہیں ہے۔ اور "سختی"

کو بھی "کوثر" کہا جاتا ہے۔

اس بار
علیہ وآلہ وسلم منہ
عطا فرمائی ہے؟
اس کے اطراف
ایک اور

بعض نے
داخل ہونے کے
بعض نے
اور بعض نے کثرت
قدر بڑھ گئی ہے
بعض نے اس کی
یہاں تک
وسیع معنی کے وا
اور ہم جانتے ہیں
ان میں سے ہر ایک
کی صدیقی تفسیر کے
بہر حال تما

کی کامیابیوں میں
اُسے دنیا کے ہر
اس بات
ظاہر نہیں ہوئے
اور رسول اکرم صلی اللہ
اس عظیم تو

! "بمجمع اسب
"دہی سدا

اس بارے میں کہ یہاں کوثر سے کیا مراد ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ اصحاب نے عرض کیا یہ کیا چیز ہے جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک نر ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور قدح (بلور) سے زیادہ صاف ہے اس کے اطراف میں در و یا قوت کے قبے ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”کوثر جنت میں ایک نر ہے جو خدا نے اپنے پیغمبر کو ان کے فرزند (عبداللہ جو

آپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے) کے بدلے میں عطا کی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد وہی ”حوض کوثر“ ہے جو پیغمبر سے تعلق رکھتا ہے، اور جس سے مومنین جنت میں داخل ہونے کے وقت سیراب ہوں گے۔

بعض نے اس کی نبوت سے تفسیر کی ہے۔ بعض دوسروں نے قرآن سے، بعض نے اصحاب و انصار کی کثرت سے اور بعض نے کثرت اولاد اور فریت سے، جو سب آپ کی دختر نیک اختر فاطمہ زہرا علیہا السلام سے وجود میں آئی اور اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حساب و شمار سے باہر ہو گئی ہے اور دامن قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی یاد کا ہے۔ بعض نے اس کی ”شفاعت“ سے بھی تفسیر کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ یہاں تک کہ فخر رازی نے ”کوثر“ کی تفسیر میں: ”پندرہ قول نقل کیے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اس مجمع معنی کے واضح مصداق کا بیان ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا ہے ”کوثر“ ”خیر کثیر اور فراوان نعمت“ کے معنی میں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے مصداق میں سے ایک واضح مصداق ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مصداق ہیں جنہیں آیت کی مصداق تفسیر کے عنوان سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال تمام میدانوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر تمام نعمتیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں آپ کی کامیابیوں میں یہاں تک کہ آپ کی اُمت کے علماء، جو ہر عصر اور ہر زمانہ میں قرآن و اسلام کی مشعل فروزاں کی پاسداری کرتے ہیں، اور اسے دنیا کے ہر گوشہ میں لے جاتے ہیں۔ سب اس خیر کثیر میں شامل ہیں

اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ خدا اپنے پیغمبر سے یہ بات اس وقت کہہ رہا ہے کہ ابھی تک اس خیر کثیر کے آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خبر اور پیش گوئی تھی جو مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے لیے کی جا رہی تھی۔ یہ ایک اعجازِ بزرگ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی حقانیت کو بیان کرنے والی خبر ہے۔

اس عظیم نعمت اور خیر فراوان کے لیے بہت ہی زیادہ شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ مخلوق کا شکر ادا کرنا خالق کی نعمت

کے حق کو ہرز ادا نہیں کرتا ، بلکہ شکر گزاری کی توفیق اس کی طرف سے ٹھو ایک اور نعمت ہے ، لہذا فرماتا ہے : " اب جب کہ ایسا ہے تو صرف اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے " (فصل لربك وانحر)۔

ہاں ! نعمت کا بخشنے والا ہی ہے۔ اسی بنا پر نماز ، عبادت اور قربانی جو ایک قسم کی عبادت ہے ، اس کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ خصوصاً "رب" کے مفہوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے ، جو نعمتوں کے دوام اور پروردگار کی تدبیر و ربوبیت کو بیان کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ "عبادت" خواہ نماز کی صورت میں ہو ، یا قربانی کرنے کی صورت میں ، وہ رب اور ولی نعمت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور وہ خدا کی ذات پاک سے وابستہ ہے۔

یہ بات مشرکین کے اعمال کے مقابلہ میں ہے جو اپنی نعمتوں کو تو خدا ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لیکن سجدہ اور قربانی تو ان کے لیے کرتے تھے۔ بہر حال 'لربك' کی تعبیر عبادت میں قصہ قربت کے لازم ہونے کے سلسلہ پر ایک واضح دلیل ہے۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ نماز سے مراد عید قربان کے دن کی نماز ہے۔ اور قربانی کرنا بھی اسی دن ہے۔ لیکن ظاہراً آیت کا مفہوم عام اور وسیع ہے۔ اگرچہ عید کے دن کی نماز اور قربانی بھی اس کا ایک واضح مصداق ہے۔

"وانحر" "نحر" کے مادہ سے ، اونٹ کو حلال کرنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بات شاید اس بنا پر ہے کہ قربانیوں میں سے اونٹ کی قربانی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ اور پہلے پہل مسلمان اس سے زیادہ لگاؤ رکھتے تھے اور اونٹ کی

قربانی دینا ایثار و قربانی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

اوپر والی آیت کے لیے یہاں دو اور تفسیریں بھی بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ "وانحر" کے جملہ سے مراد نماز کے وقت رو قبلہ کھڑا ہونا ہے ، چونکہ "نحر" کا مادہ گلے والی جگہ کے معنی میں ہے اس کے بعد عربوں نے اسے ہر چیز کے آمنے سامنے ہونے کے معنی میں استعمال کیا ہے ، لہذا وہ کہتے ہیں :

"منانزلنا تتناحر" یعنی ہمارے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد تعبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا اور گلے اور چہرے کے سامنے لانا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے :

"جس وقت یہ سورہ نازل ہوا ، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل سے سوال کیا :

یہ "نُحِیْرَہ" ہے جس کے لیے میرے پروردگار نے مجھے مامور کیا ہے ، کیا ہے ؟

جبرئیل نے عرض کیا :

"یہ نحیو نہیں ہے ، بلکہ خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ جس وقت نماز میں

داخل ہوں تو تعبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کریں ، اور اسی طرح جب رکوع کریں ، یا

رکوع سے سر اٹھائیں ، یا سجدہ کریں ، اس وقت بھی ، کیونکہ ہماری اور سات آسمانوں کے

۱۔ "نُحِیْرَہ" مینہ کے آخری دن کے معنی میں ہے ، چونکہ اس دن انسان نئے چاند کے استقبال کے لیے جاتا ہے اور بعض نے اسے

آخری شب و روز کے معنی میں لیا ہے ، تو اس بنا پر روایت کا معنی اس طرح ہوگا ، یہ اگلے مینہ کا استقبال جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے

لہذا جبرئیل نے کہا یہ "نحیو" نہیں ہے۔

ایک
کرتے ہو۔

لیکن ؛
عبادت و قربانی
پہنچی ہیں کوئی ما
متعدد روایات

اور ۳۱
وآلہ وسلم کی طرد
مقطوع النسل ،
"شانی"

اور "شانی"
قابل تو
اس تعبیر کا انتہا
کو بیان کرتی۔

رذالت سے آ
دوسری
کے اُلٹ جا۔
اور بے اولاد نہ

چند

۱۔ حصہ

ہم بیان

۲۔ "مجمع"

فرشتوں کی نماز اسی طرح کی ہے۔ اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے، اور نماز کی زینت ہر تجسیم کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو کہ ان کی ہتھیلیاں رو بہ قبلہ ہوں۔"

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس سے مراد بت پرستوں کے اعمال کی نفی ہے جو غیر خدا کے لیے عبادت و قربانی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان تمام روایات اور مطالب کے درمیان جمع کرنا، جو اس سلسلہ میں ہم تک پہنچی ہیں کوئی مانع نہیں ہے۔ خاص طور سے تجسیمات کے وقت ہاتھ بلند کرنے کے سلسلہ میں توشیحہ اور اہل سنت کی کتابوں میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ اس طرح سے یہ آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ان کو بھی شامل ہے۔

اور اس سورہ کی آخری آیت میں، اس نسبت کی طرف توجہ دیتے ہوئے، جو شکر کے سرخنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے تھے، فرماتا ہے: "تو ابتر اور بلا عقبہ و مضطرب النسل نہیں ہے۔ بلکہ تیرا دشمن ابتر، بلا عقبہ اور مضطرب النسل رہے گا۔" (ان شانک ہوا ابتر)

"شانیہ" "شندان" (بروزن صربان) کے مادہ سے عداوت و دشمنی۔ کینہ و رزمنی اور بدخلقی کرنے کے معنی میں ہے اور "شانی" اس شخص کو کہتے ہیں جو اس صفت کا حامل ہو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ابتر" اصل میں "دُم کٹے جانور" کے معنی میں ہے، اور دشندان اسلام کی طرف سے اس تعبیر کا انتخاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنک حرمت اور توہین کرنے کے لیے تھا۔ اور "شانی" کی تعبیر اسی واقعیت کو کہ بیان کرتی ہے کہ وہ اپنی دشمنی میں کم سے کم آداب کی رعایت تک بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کی عداوت و دشمنی قسوت و ذالبت سے آئینہ تھی۔ حقیقت میں قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ لقب خود تمہارا ہے نہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔

دوسری طرف — جیسا کہ سورہ کی شان نزول میں بیان کیا گیا ہے — قریش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اسلام کی بساط کے اُلٹ جانے کے انتظار میں تھے۔ کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ آپ کے پیچھے کوئی اولاد نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تو بلا عقبہ اور بے اولاد نہیں ہے بلکہ تیرے دشمن ہی بلا عقبہ اور بے اولاد ہیں۔

چند نکات

۱۔ حضرت فاطمہ (ؑ) اور "کوثر"

ہم بیان کر چکے ہیں کہ "کوثر" ایک عظیم جامع اور وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور وہ "خیر کثیر و فراوان ہے" اور اس کے

بہت زیادہ مصداق ہیں، لیکن بہت سے بزرگ شیخ علماء نے اس کے واضح ترین مصداق میں سے ایک مصداق "فاطمہ زہرا" (سلام اللہ علیہا) کے وجود مبارک کو سمجھا ہے۔ چونکہ آیت کی شان نزول سے ظاہر ہے کہ دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر اور بلا عقب ہونے سے متحمم کرتے تھے قرآن ان کی بات کی نفی کے ضمن میں کتاب ہے: "ہم نے تجھے کو پیغمبر عطا کیا ہے" اس تعبیر کا مطلب یہی بنتا ہے کہ یہ "خیر کثیر" فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہی ہیں کیونکہ پیغمبر کی نسل اور ذریت اس ہی ذریت گرنی کے ذریعے سلسلے عالم میں منتشر ہوئی، جو نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی اولاد تھی بلکہ انہوں نے آپ کے دین اور اسلام کی تمام اقدار کی حفاظت کی اور اسے آسنے والوں تک پہنچایا۔ نہ صرف اہل بیت کے آمد معصومین جن کی اپنی ایک مخصوص حیثیت تھی، بلکہ ہزار ہا فرزندان فاطمہ عالم میں پھیل گئے، جن میں بڑے بڑے بزرگ علماء، مؤلفین، فقہاء، محدثین، مفسرین، علماء عظام، اور عظیم حکمران ہو کر گزرے ہیں جنہوں نے ایشیا و قفقاز اور فلک کادی کے ساتھ دین اسلام کی حفاظت کی اور کثیر کثیر بیان پر "فرزادگی" کی ایک عمدہ بحث، سلسلے سے اس نے کوثر کی مختلف تفسیروں کے ضمن میں بیان کی ہے۔ تفسیر قول یہ ہے کہ یہ سورہ ان لوگوں کے درد کے عنوان سے نازل ہوا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے نہ ہونے پر طعن، درغظ اور تنقیح و اعتراض کرتے تھے اس بنا پر سورہ کا معنی یہ ہو گا کہ خدا آپ کو ایسی نسل دے گا جو زمانہ دراز تک باقی رہے گی۔ غور تو کرو کہ لوگوں نے اہل بیت کے کتنا افراد کو شہید کیا، لیکن اس کے باوجود دنیا ان سے بڑھتی رہی ہے جب کہ بنی امیہ میں سے (جو اسلام کے دشمن تھے) کوئی قابل ذکر شخص دنیا میں باقی نہیں رہا۔ پھر ان کو کھول کر دیکھو اور غور کرو کہ حفاظت کی اولاد کے درمیان یا قرآن و صافق اور منافق و فتنہ زکیر کیسے کتنے عظیم اور بزرگ علماء ہوئے ہیں۔

۲۔ اس سورہ کا اعجاز

در حقیقت اس سورہ میں تین پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک طرف تو پیغمبر کو خیر کثیر عطا کرنے کی خوش خبری دیتے ہیں (اگرچہ "اعطینا" فعل باضی کی صورت میں ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ مضارع مسلم کی قسم سے ہے، جو ماضی کی صورت میں ہوا ہے) اور یہ خیر کثیر ان تمام فتوحات، کامیابیوں اور توفیقات کو شامل ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعد میں نصیب ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ مکہ میں اس سورہ کے نزول کے وقت پیش بینی کے قابل نہیں تھیں۔ دوسری طرف یہ سورہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولاد، بلا عقب اور بلا ابتر نہیں ہوں گے۔ بلکہ آپ کی نسل اور اولاد بڑی کثرت سے عالم میں موجود رہے گی۔ تیسری جانب یہ سورہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ آپ کے دشمن ابتر، بلا عقب اور مقطوع النسل ہو جائیں گے۔ یہ بھی بڑی ہو گئی ہے اور آپ کے دشمن اس طرح تتر بتر اور تباہ و برباد ہوئے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ سچا "بنی امیہ" اور "بنی عباس" جیسے قبائل جو پیغمبر اور ان کی اولاد کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے ایک وقت اتنی حیثیت اور کثرت

۱۔ "نفس زکیہ" امام حسن مجتبیٰ کے فرزند "مؤمن بن راشد" کا لقب ہے جو منصور دوانقی کے قاتل ۱۴۵ ہجری میں شہید ہوئے۔

۲۔ "تفسیر فرزادی" جلد ۳۲ ص ۱۲۲

تفسیر سورہ
رکتے تھے
۳۱
قاب
(جمع مستکلم)
بار سے بیکر
اور یہ قدرت
زیر
کی تعبیر ۳۱
کے لیے ا
عزم ہیں
اور اس
خدا
پر
رکتے ہیں
بار
شوکت میں

رکھتے تھے کہ ان کی اولاد شمار میں نہ آتی تھی۔ لیکن آج اگر ان میں سے کوئی باقی رہ بھی گیا ہو تو وہ بالکل پہچانا نہیں جاتا۔

۳۔ خدا کے لیے جمع کی ضمیر کس لیے ہے؟

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور قرآن مجید کی اور بہت سی دوسری آیات میں بھی ضمیر "متكلم مع الغیو" (جمع متکلم) کے ساتھ اپنا ذکر کرتا ہے۔ فرماتا ہے: "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔"

یہ تعبیر اور اس قسم کی تعبیریں عظمت و قدرت کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ بزرگ اور بڑی ہستیاں جب اپنے بارے میں بات کرتی ہیں، تو وہ صرف اپنے بارے میں ہی نہیں، بلکہ اپنے ناموریں کارندوں کے بارے میں بھی خبر دیتی ہیں اور یہ قدرت و عظمت اور ان کے ادا کر کے مقابلہ میں فرمانبرداری کرنے والوں سے کہتا ہے۔

زیر بحث آیت میں لفظ "ان" بھی اس معنی پر ایک دوسری تاکید ہے۔ اور "اتیناک" کے بجائے "اعطیناک" کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے پیغمبر کو کوثر بخش دیا ہے اور عطا کر دیا ہے۔ اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑی بشارت ہے تاکہ دشمنوں کی بیہودہ باتوں سے آپ کا قلب مبارک آزرہ نہ ہو۔ اور آپ کے کہنی عزم میں سستی اور کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ اور دشمن یہ جان لیں کہ آپ کی نگلیہ گاہ وہ خدا ہے، جو تمام خیرات کا منبع ہے اور اس نے خیر کثیر آپ کو بخش دی ہے۔

خداوند! ہمیں اس خیر کثیر کی برکات سے جو تو نے اپنے پیغمبر کو مرحمت فرمائی ہے، بے نصیب نہ کرنا۔ پروردگارا! تو جانتا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی فریبت طاہرہ کو خلوص دل کے ساتھ دوست رکھتے ہیں، لہذا ہمیں انہیں کے ساتھ مشورہ کرنا۔

بارِ الہا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین داین کی بہت بڑی عظمت ہے، اس عظمت و عزت و شوکت میں روز بروز اضافہ فرما۔

آمین یا رب العالمین
اختتام سورۃ کوثر

سُورَةُ الْكُفْرُونِ

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
❖ اس میں ۶ آیات ہیں

یہ سورہ
جس کی طرف
بے نظریہ نظر آتا ہے
سورہ
اکثریت میں
لینے سے پیغمبر نے
یہ بات
بھی صحاح
معنی پر خصوصیت
کرنے کے۔
نہیں کرو گے
اور تمہارا شرک
اس
ترجمان میں۔
ایک

سُورَةُ "كَافِرُونَ" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔ اس کا لب و لہجہ اور اس کے مطالب اس بات کے واضح گواہ ہیں۔ اسی طرح وہ شانِ نزول جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، اس مدعا پر دوسری دلیل ہے۔ یہ جو بعض نے اس کے مدنی ہونے کا احتمال دیا ہے بہت بعید نظر آتا ہے۔

سُورہ کا لب و لہجہ بتاتا ہے کہ یہ سُورہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جب مسلمان اقلیت میں تھے اور کفار کثرت میں ہیں۔ پیغمبر پر ان کی طرف سے سخت دباؤ تھا اور انہیں اصرار تھا کہ کسی طرح سازش کر کے آپ کو شرک کی طرف کھینچ لیں۔ پیغمبر نے ان کی اس پیشکش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور انہیں کئی طور پر مایوس کر دیا اور ان کے ساتھ اُلجھے بھی نہیں۔ یہ بات تمام مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے کہ وہ اسلام اور دین کی اساس کے بارے میں دشمن کے ساتھ کسی حالت میں بھی مصالحت نہ کریں اور جب بھی ان کی طرف سے اس قسم کی خواہش کی جائے تو انہیں کامل طور سے مایوس کر دیں۔ اس سُورہ میں اس معنی پر خصوصیت کے ساتھ دو مرتبہ تاکید ہوئی ہے کہ "میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا" اور یہ تاکید انہیں مایوس کرنے کے لیے ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی دوبارہ تاکید ہوئی ہے کہ "تم بھی ہرگز میرے معبود خدائے یگانہ کی عبادت نہیں کرو گے"۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی کی ایک دلیل ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ "میں ہوں اور یہ (دین) توحید اور تم ہو اور تمہارا شرک آلود دین"۔

اس سُورہ کی فضیلت کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں جو اس کے مطالب کی حد سے زیادہ اہمیت کی ترجمان ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :

"من قرأ قل یا ایہا الکافرون فکانما قرأ بربع القرآن وتباعدت عنہ
مردة الشیاطین، وبرا من الشریک، ویغافی من الفیج الاکبر،
" جو شخص سورہ "قل یا ایہا الکافرون" کو پڑھے گا تو ایسا ہے جیسے اس
نے پچھائی قرآن پڑھا ہو، سرکش شیاطین اس سے دور رہیں گے، وہ شرک سے
پناہ ہو جائے گا اور "روز قیامت" کی گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔"

"ربع القرآن" (پچھائی قرآن) کی تعبیر شاید اس بنا پر ہے کہ قرآن کا تقریباً چوتھا حصہ شرک و بت پرستی سے مبارزہ میں ہے
اور اس کا پچھڑا اور خلاصہ اس سورہ میں آیا ہے۔ اور سرکش شیاطین کا دور ہونا اس بنا پر ہے کہ اس سورہ میں مشرکین کی پیش قدمی کو
ٹھکرا دیا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ شرک شیطان کا اہم ترین آلہ ہے۔
قیامت میں نجات بھی پہلے درجہ میں توحید اور نفی شرک کی مزہوں منت ہے، وہی مطلب جس کے محور پر یہ سورہ
گردش کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
میں آیا اور اس نے عرض کیا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی چیز کا تعلیم
دیجئے جسے میں سوتے وقت پڑھا کروں، آپ نے فرمایا:

"اذا اخذت مضجعک فاقرأ قل یا ایہا الکافرون ثم عد علی خاتمہا
فانھا بركة من الشریک"

"جب تو اپنے بستر پر جائے تو سورہ قل یا ایہا الکافرون کو پڑھ۔ اس کے بعد سو جا
کیونکہ یہ شرک سے بیزاری ہے۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے "عبید بن مسلم" سے فرمایا:
"کیا تو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ جب تو سفر پر جائے تو زادراہ اور توشکے
لحاظ سے اپنے ساتھیوں میں سب سے بہتر ہو؟" اس نے عرض کی:

ہاں! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ان پانچ سورتوں کو پڑھا کرو: "قل یا ایہا الکافرون" و "اذ جاء نصر اللہ والفتح" و "قل هو اللہ احد"

و "قل اعوذ برب الفلق" و "قل اعوذ برب الناس" اور اپنی قرأت کی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کیا کرو۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے والد کہا کرتے تھے کہ "قل یا ایہا الکافرون"

"ربع قرآن ہے اور جب آپ اس کی قرأت سے فارغ ہوتے تو فرماتے: "عبد اللہ وحده، عبد اللہ وحده" "میں صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں۔"

"میں صرف خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ۝
- ۲- لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝
- ۳- وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا اَعْبُدُ ۝
- ۴- وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عَبَدْتُمْ ۝
- ۵- وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا اَعْبُدُ ۝
- ۶- لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِي دِیْنِ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱- کہہ دو! اے کافرو!
- ۲- جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔
- ۳- اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔
- ۴- اور نہ ہی میں ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
- ۵- اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

۶۔ (اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے

شان نزول

روایات میں آیا ہے کہ یہ سورہ مشرکین کے سرغزوں کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً "ولید بن مغیرہ" "عاص بن وائل" "حارث بن قیس" اور "امیہ بن خلف" وغیرہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے محمد! تو تم ہمارے دین کی پیروی کر لو، ہم بھی تمہارے دین کی پیروی کر لیتے ہیں اور ہم تمہیں اپنے تمام امتیازات میں شریک کر لیں گے۔ ایک سال تو تم ہمارے خداؤں کی عبادت کیا کرو اور دوسرے سال ہم تمہارے خدا کی عبادت کیا کریں گے۔ اگر تمہارا دین بہتر ہے تو ہم اس میں شریک ہو گئے ہیں اور اپنا حصہ اس میں سے لے لیا ہے۔ اور اگر ہمارا دین بہتر ہوا تو تم ہمارے دین میں شریک ہو گئے اور تم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار دوں؟"

انہوں نے کہا: کم از کم ہمارے خداؤں کو چھو ہی لو اور ان سے تیز کر حاصل کر لو تو ہم تمہاری بات مان لیں گے اور تمہارے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر ہوں۔ تو اس موقع پر سورہ "قل یا ایہا الکافرون"

نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں آئے جب کہ قریش کے سرداروں کی ایک جماعت وہاں جمع تھی۔ تو آپ نے ان کے سرداروں کے اوپر کھڑے یہ سورہ آخر تک ان کے سامنے پڑھا۔ جب انہوں نے اس سورہ کے پیام کو سنا تو مکمل طور پر مایوس ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو آزار پہنچانے لگے۔"

تفسیر

بُت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اس سورہ کی آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں: "کہہ دو اے کافرو!

اس شان نزول کو عبادتوں میں مختصر سے اختلاف کے ساتھ بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے، مجملد "طبرسی" نے "مجمع البیان" میں "قرطبی" اپنی تفسیر میں "ابوالفتح رازی" نے اپنی تفسیر میں "اور" سیوطی نے "در المنثور" میں۔

تفسیر نمونہ

(قل یا ایہا الکافرون)
اور تم بھی اپنے
خداؤں کی عبادت
کیا کرو اور دوسرے
سال ہم تمہارے
خدا کی عبادت کیا
کریں گے۔ اگر تمہارا
دین بہتر ہے تو ہم
اس میں شریک ہو
گئے اور تم نے اس
میں سے اپنا حصہ
لے لیا۔ اور اگر
ہمارا دین بہتر
ہوا تو تم ہمارے
دین میں شریک ہو
گئے اور تم نے اس
میں سے اپنا حصہ
لے لیا۔

(قل یا ایہا الکافرون)۔

"تم جن کی پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔ (لا اعبد ما تعبدون)۔

"اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں" (ولا انتہو عابدون ما اعبد)

اس طرح اپنی پہلی جگہ علیہ السلام کو "شخص کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے۔ " میں ہرگز بھی بسا پرستی نہیں کروں گا

اور تم بھی اپنی اس بہت دھرمی اور اسپینہ بٹاس کی "صحیح تفسیر کے باعث، جن پر نہیں اصرار ہے، اور بت سبوں کی طرف سے جو بکثرت ناجائز منافع نہیں حاصل ہوتے ہیں اس وجہ سے ہرگز شرک سے خالص رہتا ہوں اور بتوں کی پرستش سے

بت پرستوں کو توحید و بت پرستی میں کوئی قسم کی مصالحت سے مکمل طور پر مایوس کرنے کے لیے وہ "مذہب فرما ہے،

اور نہ ہی میں ہرگز ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو" (ولا انا عابد ما عبد)

"اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں" (ولا انتہو عابدون ما اعبد)

اس بنا پر بت پرستی کے ستر پر بے جا مصالحت کے لیے اصرار نہ کرو، کیونکہ یہ بات جو تم کو

"اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو تمہارا دین تمہارے لیے" "یہاں میرے پیغمبر کے پیغمبروں

"بہت سے مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ یہاں "کافرون" سے مراد کفار کے ساتھ ساتھ کفار کی

خاص گرد ہے، اس بنا پر "الکافرون" پر "الف و لام" اصطلاح کے مطابق "عمدہ کا چھ" "کافرون" سے مراد

مکمل ہے کہ اس مطلب پر ان کی دلیل۔ اس میں کے علاوہ جو شان نزول، بیان کی جا چکی ہے۔

میں سے بہت سے آخر کار ایمان لے آئے۔ اس بنا پر اگر وہ کہتا ہے کہ "تم میرے مجبور کی عبادت کرو گے اور

نہ ہی میں تمہارے مجبوروں کی، تو یقینی طور پر یہ شرک و منکر کے سرخون کے بارے میں ہے جو انہی کی

ہرگز ایمان نہیں لایا، ورنہ فتح مکہ کے موقع پر بہت سے مشرکین فرج و فرج اسلام میں داخل ہو گئے ہوتے

یہاں چند سوالات سامنے آئے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

۱۔ یہ سورہ "قل" (کہہ دے) کے ساتھ شروع کیوں نہ کر

کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ "قل" اس کے آغاز میں نام کے بغیر "یا ایہا الکافرون" سے شروع ہوتی

میں پیغمبر کو خدا کے حکم کا اجرا کرنا چاہیے تھا اور انہیں "یا ایہا الکافرون" کہنا چاہیے تھا۔

اس سوال کا جواب "سورہ کے مضمون کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کیونکہ

مسلک میں مصالحت کرنے کی دعوت دی تھی، لہذا آپ کے لیے اپنی طرف سے اس طرح کی بات

کہنا چاہیے تھا کہ میں ہرگز تمہاری بات نہیں مانوں گا اور اپنی عبادت کو شرک سے آزاد کروں گا اور

اپنی لفظ "قل" نہ ہوتا تو یہ بات خدا کی بات ہو جاتی اور اس "کہتے ہیں" کے ساتھ

ان کی عبادت نہیں کروں گا، کا جملہ اور اسی قسم کے دوسرے جملوں کا کوئی مجموعہ نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ چونکہ جبریل کے پیام میں لفظ "قل" خدا کی طرف سے تھا، لہذا پیغمبر کی طرف سے یہ

الوجہ
سلسلہ میں سوال

کی حفاظت کے لیے اسے بعینہ بیان کریں اور خود ہی چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الہی کے نقل کرنے میں معمولی سی بھی تیزی نہیں کی اور انہوں نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ تو ایسے تلواریں جو فقط فرمان الہی پر ہی کان دھرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۰ میں آیا ہے: **قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اُبَدِّلَ مِنْ خَلْقِي** نفسی ان اتبع الا ما يوحى الیّ کہ دیکھئے مجھے اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ میں قرآن کو اپنی طرف سے بدل دوں میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

۲۔ کیا بت پرست خدا کے منکر تھے؟

جب اب

ہم جانتے ہیں کہ بت پرستوں کو ہرگز خدا کا انکار نہیں تھا۔ اور قرآن کی صریح آیات کے مطابق جب ان کے آسمان و زمین کے خالق کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ یہ جواب دیتے تھے: **مَنْ ذُوْنُ سَمٰوٰتِ وَرِیْضِ وَرَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** (بقمان ۲۵)

یہ اس
بعض دور

تو پھر وہ اس سورہ میں یہ کیسے کہتا ہے: **مَنْ ذُوْنِ السَّمٰوٰتِ وَرِیْضِ وَرَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرِیْضِ** اس سوال کا جواب بھی اس چیز کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ بحث مسئلہ خالق کے بارے میں ہے بلکہ عبادت کے بارے میں ہے۔ بت پرست، خالق جہاں خدا ہی کہتے تھے لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عبادت و تعظیم ہی کی کرنا چاہیے تاکہ وہ بارگاہِ خدا میں واسطہ بنیں۔ یہاں تک کہ ہم اصلاً اس لائق نہیں ہیں کہ خدا کی پرستش کریں لہذا ہمیں چھوٹی بتوں کی عبادت کرنا چاہیے۔ اس موقع پر قرآن ان کے ادہام اور خیالات پر ضربیں ٹیکر کھینچتے ہوئے رد کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ عبادت تو صرف خدا ہی کی ہونا چاہیے نہ بتوں کی ہونا چاہیے اور نہ ہی دونوں کی۔

بیان کے لیے
کدوں گا۔

لیکن ظاہر
ایک تیسرے

اختلاف کو بیان کر
ہے کیونکہ میری

علاوہ ازیر
طور پر

۳۔ یہ تکرار کس لیے ہے؟

اس بارے میں کہ پیغمبر کی طرف سے بتوں کی عبادت کی نفی کی تکرار اور مشرکین کی طرف سے خدا کی عبادت کی تکرار کس بنا پر ہے، بہت زیادہ اختلاف ہے۔

لیکن ظاہر
حدیث میں جن ا

بیان ایک
لہ "تفسیر عام

لہ "تفسیر عام
اس وجہ کہ

کے ذیل

ایک جماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید اور مشرکین کو مکمل طور پر یابوس کرنے، ان کے راستے کو الٹا کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہے کہ توحید و شریک کے درمیان مصالحت کا امکان نہیں ہے۔ لفظوں میں چونکہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریک کی طرف دعوت دیتے ہیں اصرار کے ساتھ تکرار کرتے تھے قرآن بھی ان کے رد کرنے میں تکرار کرتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ (امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے ایک زنیق) ابو شاکر دیلمی نے اپنے اصحاب علیہ السلام کے ایک صحابی "ابو جعفر اجول" (محمد بن علی نعمانی کوئی معروف بہ مؤمن طاق) سے ان آیات کے تکرار کی بارے میں سوال کیا اور یہ کہا کہ کیا کسی عقل مند آدمی سے یہ بات ممکن ہے کہ اس کے کلام میں اس قسم کی تکرار ہو؟

ابوجعفر اہول کے پاس چونکہ ۳۱ کا کوئی جواب نہیں تھا لہذا وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور اس سلسلہ میں سوال کیا تو امام نے فرمایا:

" ان آیات کے نزول اور ان میں تکرار کا سبب یہ تھا کہ قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی پیش کریں اور دوسرے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اور اسی طرح بعد والے سال میں آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور اس کے اگلے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے، تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور ان تمام تجاویز کی نفی کی۔"

جب ابوجعفر "اہول" نے "ابو شاکر" کو یہ جواب دیا تو اس نے کہا:

" هَذَا مَا حَمَلَهُ الْاِبِلُ مِنَ الْحِجَازِ "

" یہ وہ بار ہے جسے اونٹ حجاز سے اٹھا کر لائے ہیں۔"

(یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تیسرا جواب نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے)۔ بعض دوسروں نے یہ کہا ہے کہ یہ تکرار اس بنا پر ہے کہ ایک جملہ تو حال کے بیان کے لیے ہے اور دوسرا مستقبل کے بیان کے لیے، یعنی میں ہرگز بھی نہ تو حال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ ہی کبھی آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔

لیکن ظاہر اس تفسیر پر کوئی شاہد موجود نہیں ہے۔

ایک تیسری تفسیر بھی اس تکرار کے لیے بیان کی گئی ہے کہ پہلا جملہ تو معبودوں کے اختلاف کو اور دوسرا عبادت کے اختلاف کو بیان کرتا ہے۔ یعنی نہ تو میں ہرگز تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ ہی تیسری عبادت تمہاری عبادت کی طرح ہے، کیونکہ میری عبادت مخلصانہ اور ہر قسم کے شرک سے خالی ہے۔

علاوہ ازیں تمہارا بتوں کی عبادت کرنا بڑوں کی اندھی تقلید کی بنا پر ہے۔ لیکن میرا اللہ کی عبادت کرنا تحقیق و تنکرانے کے

ظاہر پر ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر وضاحت کی ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی

حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

یہاں ایک پریشانی تفسیر بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ: "دوسری آیت میں تو یہ فرماتا ہے کہ جن کی تم سب

ل۔ "تفسیر علی بن ابیہیم" جلد ۲ ص ۲۴۵

لکھ۔ اس تفسیر کی بنا پر "ما" دوسری اور تیسری آیت میں "ما موصولہ" ہے، اور چوتھی اور پانچویں آیت میں مصدر ہے۔ اس وجہ سے ابوالفتح رازی نے ایک تفسیر کے عنوان سے جلد ۱۲ ص ۱۶۲ میں فرمایا ہے: "ہر دو طریقوں نے یہ تفسیر آیت کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔"

عبادت کر رہے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا۔ اور جو جتنی آیت میں فرماتا ہے کہ "میں نے گزشتہ زمانہ میں بھی کبھی تمہارے حضور کی عبادت نہیں کی ہے۔ یہ جانیکہ اب کروں"۔
یہ فرق اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ دوسری آیت میں "تسبّدون" فعل مضارع کی صورت میں ہے، اور چوتھی آیت میں "عبدتو" فعل ماضی کی صورت میں ہے، بعید نظر نہیں آتا۔
اگرچہ یہ تفسیر صرف دوسری اور چوتھی آیت کے تکرار کو تو حل کرتی ہے، لیکن تیسری اور پانچویں آیت اسی طرح اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

۴۔ کیا "لکم دینکم" کی آیت کا مفہوم بت پرستی کا جواز ہے؟

کبھی یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت جو یہ کہتی ہے کہ: "تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے" تو اس کا مفہوم وہی "صلح کل" ہی ہے اور یہ انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے دین پر برقرار رہیں کیونکہ یہ دین اسلام کو قبول کرنے پر اصرار نہیں کرتی۔

لیکن یہ خیال انتہائی کمزور اور بے بنیاد ہے کیونکہ آیات کالب دلہجہ اچھی طرح سے اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ تعبیر ایک قسم کی تحقیر و تمہید ہے، یعنی تمہارا دین خود تمہیں ہی مبارک ہو اور تم جلدی ہی اس کے بڑے انجام کو دیکھ لو گے جیسا کہ سورہ قصص کی آیہ ۵۵ میں آیا ہے: "وإذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه و قالوا لانا اعمالنا و لکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاہلین"۔ "مومنین جب کوئی لغو اور بیوقوفہ بات سنتے ہیں تو اس سے ڈوگردانی کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم پر سلام (دوای اور جہاد کا سلام) ہم جاہلوں کے طلب گار نہیں ہیں!"

قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں اس مفہوم کی گواہ ہیں جو بشرک کی ہر صورت میں سرکوبی کرتی ہیں، آیتیں ہر کام سے زیادہ قابلِ لہت سمجھتی ہیں اور اُسے نہ بخشا جانے والا گناہ خیال کرتی ہیں۔

علمائے اس وال کہ دوسرے جزائے بھی دیے ہیں مثلاً یہ کہ آیت میں کچھ محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح لکم جزا دینکم ولی جزاء دینی"۔ "یعنی تمہارے دین کی جزا تمہارے لیے اور میرے دین کی جزا میرے لیے دوسرے یہ کہ یہاں "دین" جزا کے معنی میں ہے۔ اور آیت میں کوئی بھی چیز محذوف نہیں ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے تم اپنی جزا لو گے اور میں اپنی جزا لوں گا۔

اس بنا پر "عابد" کو بھی جو اسم فاعل ہے اس آیت میں ماضی کا معنی دینا چاہیے۔

ضمنی طور پر اس بات پر بھی توجہ کرنا چاہیے کہ مامور لہ اگرچہ عام طور پر غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے لیکن بہت سے مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ یہ ذوی العقول بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کی آیات بھی اس مطلب کی شاہد ہیں۔

ضمناً توجہ رکھنا چاہیے کہ ولی دین کے جملہ میں دین مفسور ہے اور اس کا کسر یا محذوف پر دلالت کرتا ہے، اور اصل میں یہ ولی دینی تھا۔

لیکن پہلی تفسیر اور پہلا جواب زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

۵۔ آپ نے ایک لمحہ کے لیے بھی شرک سے مصالحت نہیں کی۔

اس سورہ میں جو کچھ آیا ہے وہ حقیقت میں اس واقعیت کو بیان کرتا ہے کہ توحید و شرک دو متضاد پروگرام اور مکمل طور پر دو الگ الگ راستے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ توحید انسان کو خدا سے مربوط کرتی ہے۔ جب کہ شرک اس کو خدا سے بیگانہ کر دیتا ہے۔

توحید تمام مرحلوں اور میدانوں میں وحدت و یگانگی کی رمز ہے جب کہ شرک زندگی کے تمام شعبوں میں تفرقہ اور پراگندگی کا سبب ہے۔ توحید انسان کو عالم مادہ اور جہان طبیعت سے بلندی کی طرف لے جاتی ہے اور مادہ، طبیعت میں خدا کے لامتناہی وجود کے ساتھ اس کا رشتہ جوڑ دیتی ہے، جبکہ شرک انسان کو طبیعت کے کنویں میں سرنگوں کر دیتا ہے اور اس کا رشتہ محدود، کمزور اور فانی موجودات کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اسی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء عظام نے نہ صرف شرک کے ساتھ مصالحت نہیں کی، بلکہ ان کا پہلا اور اہم ترین پروگرام شرک کے ساتھ مبارزہ کرنا تھا۔

اج بھی راہ حق کے تمام پیشینہ والوں اور اس دن کے علماء و مبلغین کو ہی راستہ اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور ہر مقام پر ہر قسم کے شرک اور مشرکین سے ساز باز اور مصالحت سے اپنی برائت اور بیڑائی کا اعلان کرنا چاہیئے۔ یہی اسلام کی اصل راہ ہے۔

خداوند! ہمیں شرک اور شرک آلودہ افکار و اعمال سے دور رکھ۔

پروہدگار! ہمارے زمانہ کے مشرکین کے دوسرے بھی خطرناک ہے، ہمیں ان کے دام فریب میں گرفتار نہ کرنے سے محفوظ رکھ۔

بار الہا! ہمیں ایسی شجاعت اور صراحت و قاطعیت مرحمت فرما کہ ہم بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہر قسم کے کفر و شرک کی مصالحت کی پیش کش کو رد کریں۔

آئیں یا مکتب العالمین

سورہ کافرون کا اختتام

اختتام ترجمہ

بزد ہفتہ تقریباً آٹھ بجے صبح

۵ شوال ۱۴۰۸ھ

برمکان خود قم مقدس ایران

سُورَةُ النَّاصِرِ

❖ یہ سُورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۳ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
کہ اس کے بعد
اکرم صلی اللہ علیہ
اگرچہ اس
اور کوئی فتح نہیں
خصوصاً
وہ اس پر مسلط ہو
دے گا، جیسا کہ
اسلام میں داخل
بعض نے
لیکن یہ با
نازل ہوا، بہت
حادثہ کی خبر دیتا
اس سُورہ
ایک حدیث

سورة "نصر" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور اس میں ایک بہت بڑی کامیابی اور فتح عظیم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد لوگ گروہ درگروہ خدا کے دین میں داخل ہوں گے، لہذا اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسبیح، حمد الہی اور استغفار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اگرچہ اسلام میں بہت سی فتوحات ہوئی ہیں لیکن اُدپر والی بات کے پورا ہونے کے طور پر "فتح مکہ" کے سوا اور کوئی فتح نہیں تھی۔

خصوصاً جب کہ بعض روایات کے مطابق عربوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا اور وہ اس پر مسلط ہو گئے، تو یہ ان کے حقانیت کی دلیل ہوگی، کیونکہ اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو خدا انہیں اس قسم کی اجازت نہیں دے گا، جیسا کہ اس نے "ابڑھ کے عظیم لشکر کو اس قسم کی اجازت نہیں دی تھی۔ اسی بنا پر مشرکین عرب فتح مکہ کے بعد گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ سورہ "صلح حدیبیہ" کے بعد اور فتح مکہ سے دو سال پہلے ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوا۔ لیکن یہ بات، جس کے بارے میں بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں نازل ہوا، بہت ہی بعید ہے کیونکہ اس سورہ کی تعبیریں اس معنی کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، کیونکہ یہ مستقبل سے مرلوب ایک حادثہ کی خبر دیتا ہے نہ کہ گزشتہ کی۔

اس سورہ کا ایک نام سورہ "تودیح" ہے۔ (تودیح یعنی خدا حافظ)۔ کیونکہ اس میں ضمنی طور پر پیغمبر کی رحلت کی خبر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اپنے اصحاب کے

سامنے تلاوت کی تو سب کے سب بہت خوش اور مسرور ہوئے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباسؓ اس کو ملنے روئے گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے چچا! آپ کیوں رو رہے ہیں؟

عرض کیا، میرا گمان یہ ہے کہ اس سورہ میں آپؐ کی رحلت کی خبر دی گئی ہے۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یہی بات ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔"

اس بارے میں کہ یہ مطلب اس سورہ کے کس جملہ سے معلوم ہوتا ہے، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آیات کے ظاہر میں تو فتح اور کامیابی کی بشارت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ظاہر اس مفہوم کا اس بات سے استفادہ کیا گیا ہے کہ یہ سورہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت آخرت کو پہنچ رہی ہے۔ آپ کا دین مکمل طور پر ثابت اور مستقر ہو چکا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں سرائے فانی سے جہان باقی کی طرف رحلت کی توقع پورے طور پر قابل پیش بینی ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

"من قرأها فکانما شہد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ"

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہے جو فتح مکہ میں پیغمبر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔"

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"جو شخص سورہ" اذا جاء نصر اللہ والفتح" کو نافلہ یا واجب نماز میں پڑھے گا

خدا اس کو اس کے تمام دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور وہ قیامت میں اس حالت میں

وارد مشرف ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں ایک عہد نامہ ہوگا، جو بات کرے گا، خدا نے

اسے اس کی قبر کے اندر سے باہر بھیجا ہے، اور وہ جہنم کی آگ سے امان نامہ ہے۔"

کے بغیر واضح ہے کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سورہ کو پڑھنے سے

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور ان کے راستے اور طریقہ پر چلے اور آپ کے دین و آئین اور سنت پر عمل کرے۔ نہ کہ صرف تعلقہ لسانی پر قناعت کرے۔

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۴۔ یہ مضمون متعدد روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ (المیزان جلد ۲۰ ص ۵۳۲)۔

۲ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۳

۳ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝
- ۲۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝
- ۳۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

ترجمہ

- ۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
- ۱۔ جب خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے
- ۲۔ اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں
- ۳۔ پس تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالاؤ اور اس سے استغفار کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

اس سورہ کی پہلی آیت جس میں فرماتا ہے : " جس وقت خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے " (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں " (وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا)۔

تو اس عظیم نعمت اور اس کامیابی اور نصرت الہی کے شکر لانے کے طور پر اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالاؤ اور اس سے

بگوشش طلب کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (فستیح بحمد ربک واستغفرہ اتہ کان توابا)۔
ان تین مختصر اور پُر معنی آیات میں بہت سے ایسے نکات ہیں جن میں غور کرنے سے اس سورہ کے اصلی ہدف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۱۔ پہلی آیت میں "نصرت" کی اضافت "خدا" کی طرف ہوتی ہے (نصر اللہ) صرف یہی ایک جگہ نہیں ہے جہاں یہ اضافت نظر آ رہی ہے، بلکہ قرآن کی بہت سی آیات میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

میں آیا ہے (الان نصر اللہ قریب) "جان لو کہ خدا کی مدد قریب ہے" اور (و ما النصر الا من عند اللہ) "نصرت

تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے توانائیوں کو جمع کرنا اور قدرت و طاقت مہیا کرنا ضروری ہے، لیکن ایک توحید آدمی نصرت کو خدا ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسی بنا پر کامیابی کی صورت میں مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

۲۔ اس سورہ میں پہلے نصرت الہی، پھر فتح و کامرانی اور اس کے بعد اسلام کے نفوذ و وسعت اور لوگوں کے خدا کے دین میں گروہ درگروہ داخل ہونے کی بات کی گئی ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔ جب تک خدا کی نصرت اور مدد نہ ہو، فتح و کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور جب تک فتح و کامیابی حاصل نہ ہو اور راستہ کی رکاوٹیں دور نہ ہوں، لوگ گروہ درگروہ مسلمان نہیں ہوتے۔

۳۔ اور دوسری طرف سے خدائی نصرت اور کامیابی اس لیے ہے کہ اصل ہدف یعنی لوگوں کا خدا کے دین میں داخل ہونا اور عمومی ہدایت صورت پذیر ہو۔

۴۔ یہاں مطلق صورت میں بیان ہوا ہے اور ان قرآن کی بنا پر جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے اس سے مراد فتح مکہ ہے، جس کا ایسا ہی رد عمل ہوا تھا۔ اور واقعہ فتح مکہ نے تاریخ اسلام میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا، کیونکہ اس سے شرک کا اصلی مرکز تباہ و برباد ہو گیا، بت توڑ دیے گئے اور بت پرستوں کی امید بالہی اور نا اُمیدی میں تبدیل ہو گئی اور لوگوں کے لیے اسلام پر ایمان کے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں وہ ہٹ گئیں اسی بنا پر فتح مکہ کو جزیرۃ العرب میں اور

اس کے بعد ساری دنیا میں اسلام کے مثبت و استقرار کا مرحلہ سمجھنا چاہیے اور اسی سببے مشرکین کی جانب سے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی کی جلدی ہی شرک کی ہونے لگی کسی قسم کا مقابلہ نظر نہیں آیا اور لوگ تمام خلافوں سے

اسلام قبول کرنے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے۔

اس عظیم کامیابی
تبیح
تعریف کرنا ہے
یہ عظیم
اور راستہ سے
یہ فتح
پاکیزگی اور وہ
بھی اس کی عظمت
اس کے
بڑے سمجھنے میں
اُسے اس بات
کو اس کی طرف
۵۔ مسلم طور

بہت
جاتی تھی
جنگ
گلے بگلے

لہذا انہی
حمد و ثنا
طرف
رہنا چاہا۔

اس عظیم کامیابی کا شکر ادا اور اس نصرت الہی کے مقابلہ میں ایک مناسب عکس العمل ہے۔ اور وہ تسبیح، حمد اور استغفار کا حکم ہے۔ "تسبیح" کا معنی خدا کو ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ سمجھنا ہے۔ "حمد" صفات کمالیہ کے ساتھ اس کی توصیف و تعریف کرنا ہے، اور "استغفار" بندوں کی کوتاہیوں اور تقصیروں کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ عظیم کامیابی اس بات کا سبب بنی ہے کہ شرک آورہ افکار میں کمی ہو، خدا کا کمال و جمال زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو اور راستہ سے بھٹکے ہوئے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

یہ فتح عظیم سبب بنی ہے کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ خدا اپنے اولیاء اور دوستوں کو تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ (اس نقص سے پاکیزگی) اور وہ یہ بھی جان لیں کہ خدا اپنے وعدوں کے انجام دینے پر توانا ہے۔ (اس کمال سے موصوف ہونا) اور بندے بھی اس کی عظمت کے مقابلہ میں اپنے نقص کا اعتراف کریں۔

اس کے علاوہ ممکن ہے کہ انسان میں کامیابی کے وقت غیر مطلوب رد عمل پیدا ہو جائے اور وہ "غور و تکبر اور خود کو بڑھانے" میں مبتلا ہو جائے۔ یا دشمن سے "انتقام لینے اور ذاتی حساب چکانے" کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ یہ تینوں احکام اسے اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ کامیابی کے حتمی لمحات میں خدا کی صفات جلال و جمال کی یاد میں رہے، سب چیزوں کو اس کی طرف سے سمجھے اور استغفار میں مشغول ہو جائے تاکہ غور و عظمت بھی اس سے نائل ہو اور وہ جذبہ انتقام سے بھی دور رہے۔

۵۔ مسلمہ طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء کی طرح "معصوم" تھے، پس یہ استغفار کا حکم کس لیے ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تو ساری امت کے لیے ایک نمونہ و اسوہ اور دستور العمل ہے۔ اطلاق: اس طولانی مبارزہ کے طویل زمانہ میں، جو بہت زیادہ سالوں تک جاری رہا (تقریباً بیس سال) اور مسلمانوں بہت سخت اور دردناک دن گزارے، بعض اوقات تو حادثات ایسے پیچیدہ ہو جاتے تھے کہ جائیں لبوں تک پہنچ جاتی تھیں اور بعض لوگوں کے افکار میں خدائی وعدوں کے بارے میں بڑے گمان پیدا ہو جاتے تھے، جیسا کہ قرآن جنگ "احزاب" کے بارے میں فرماتا ہے: **وَبَلَّتِ الْقُلُوبَ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظَّنُونَا**: "اور دل گلے تک آگئے اور تم اللہ کے بارے میں (نامناسب) گمان کرنے لگے۔ (احزاب - ۱۰)

اب جب کہ کامیابی حاصل ہو گئی ہے تو وہ اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ وہ سب بگمائیاں اور بے تابیاں غلط تھیں لہذا انہیں استغفار کرنا چاہیے۔

ثانیاً: انسان چاہے جتنی بھی خدا کی حمد و ثنا کرے، پھر بھی وہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، لہذا اسے حمد و ثنا کے آخر میں اپنی تقصیر و کوتاہی کی بنا پر "خدا کی بارگاہ میں" استغفار کرنا چاہیے۔

ثالثاً: عام طور پر کامیابیوں کے بعد شیطانی وسوسے شروع ہو جاتے ہیں اور ایک طرف "غور" اور دوسری طرف "تندرونی" اور انتقام جوی "کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اس موقع پر خدا کو یاد رکھنا چاہیے اور مسلسل استغفار کرتے رہنا چاہیے، تاکہ ان میں سے کوئی سی حالت بھی پیدا نہ ہو۔ یا اگر پیدا ہو بھی تو ہر طرف ہو جائے۔

رابعاً: جیسا کہ ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کیا ہے اس کامیابی کا اعلان تقریباً پیغمبر کی ماموریت کے انتقام

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے پورا ہونے اور لقائے محبوب کے لیے جانے کے اعلان کے معنی میں ہے۔ اور یہ حالت "تسبیح و حمد" و "استغفار" سے مناسبت رکھتی ہے۔ اسی لیے روایات میں آیا ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملہ کا بہت زیادہ تکرار فرماتے تھے:

"سبحانک اللہم و بحمدک اللہم اغضرب لی انک انت التواب الرحیم"

"خداوند! تو پاک و منزہ ہے، اور میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں۔ خداوند! مجھے بخش دے کہ تو بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔"

۶۔ "انہ کان تواباً" کا جملہ مسئلہ استغفار کی علت کا بیان ہے۔ یعنی استغفار و توبہ کر کیونکہ خدا بہت ہی توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

ضمنی طور پر شاید اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ جب خدا تمہاری توبہ کو قبول کر لیتا ہے تو تم بھی کامیابی کے بعد جہاں تک ہو سکے کوتاہی کرنے والوں کی توبہ کو قبول کر لو۔ اور جب تک ان سے مخالفت کا ارادہ یا سازش کے آثار ظاہر نہ ہوں انہیں اپنے سے ڈور نہ کرو۔ لہذا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتح مکہ کے ماجرے میں شکست خوردہ کینہ و دشمنوں کے مقابلہ میں اسلامی رافت و رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا ہے۔

یہ صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سیرت نہیں ہے کہ آپ دشمن پر آخری اور اصلی فتح حاصل کرنے کے موقع پر تسبیح و حمد و استغفار میں مصروف ہو گئے، بلکہ سارے ہی انبیاء کی تاریخ میں یہ مطلب اچھی طرح نمایاں ہے۔

مثلاً حضرت "یوسف" علیہ السلام جب مصر کے تختِ حکومت پر بیٹھے اور ایک طویل جدائی کے بعد ان کے ماں باپ اور بھائی ان سے آگے تو عرض کی: رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْآحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقَنِي بِالصَّالِحِينَ: پروردگارا! تو نے حکومت کا ایک بہت بڑا حصہ مجھے دیا ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا ہے، تو ہی آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ مجھے مسلمان کی حیثیت سے موت دینا اور صالحین کے ساتھ ملحق کرنا" (یوسف - ۱۰)

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سبا کے تخت کو اپنے سامنے حاضر دیکھا تو کہا:

"هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ"

"یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں اس کا

شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں؟ (نمل - ۲۰)

ایک نکتہ

فتح مکہ اسلام کی عظیم ترین فتح، فتح مکہ نے۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک

فصل کا اضافہ
جزیرۃ العرب
اس واؤ
کے بعض حلیفوں
حلیفوں کی مدد
اور دوسرے

اور یہ ایک ایسا
آبادہ ہو گئے۔

فتح مکہ
پہلا مرحلہ
روحانی قوت و
دوسرا
اور آؤ
۱۔ یہ مرحلہ
کی شاہ
کسی قبہ
حلقے ا

"مزینہ"
صلی اللہ
پہنچے
خود ا۔

کی دس

آپ کی
ل "تفسیر"

صل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقادمتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ حقیقت میں فتح مکہ سے یربۃ العرب سے بشرک و بُت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئی اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کھلیے آمادہ ہوا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے عہد و پیمان اور صلح کے بعد کفار نے عہد شکنی کی اور اس صلح نامہ کو نظر انداز کر دیا۔ اور پیغمبر کے بعض حلیفوں کے ساتھ زیادتی کی، آپ کے حلیفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اللہ نے اپنے پیغوں کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور دوسری طرف مکہ میں بُت پرستی، بشرک اور نفاق کا جو مرکز قائم تھا اس کے ختم ہونے کے تمام حالات فراہم ہو گئے تھے۔ یہ ایک ایسا کام تھا جسے ہر حالت میں انجام دینا ضروری تھا۔ اس لیے پیغمبر خدا کے حکم سے مکہ کی طرف جانے کے لیے ادا ہو گئے۔

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی :-

پہلا مرحلہ مقدمانی تھا، یعنی ضروری قولہ اور توانائیوں کو فراہم کرنا، زمانہ کے موافق حالات کا انتخاب اور دشمن کی جسمانی و جانی قوت و توانائی کی مقدار و کیفیت کی حیثیت کے بارے میں کافی اطلاعات حاصل کرنا تھا۔ دوسرا مرحلہ، فتح کے مرحلہ کو بہت ہی ماہرانہ اور ضائعات و تلفات یعنی نقصان کے بغیر انجام دینا تھا۔ اور آخری مرحلہ، جو اصلی مرحلہ تھا وہ اس کے آثار و نتائج کا مرحلہ تھا۔

۱۔ یہ مرحلہ انتہائی دقت، باہیک بینی اور لطافت کے ساتھ انجام پایا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی شاہراہ کو اس طرح سے قرق کر لیا تھا کہ اس عظیم آماجگی کی خبر کسی طرح سے بھی اہل مکہ کو نہ پہنچ سکی۔ اس لیے انہوں نے کسی قسم کی تیاری نہ کی، وہ مکمل طور پر غفلت میں پڑے رہے اور اسی وجہ سے اس مقدس سرزمین میں اس عظیم حملے اور بہت بڑی فتح میں تقریباً کوئی ٹخن نہیں ہوا۔

یہاں تک کہ وہ خط بھی، جو ایک ضعیف الایمان مسلمان "حاطب بن ابی بلتعہ" نے قریش کو لکھا تھا اور قبیلہ "مزینہ" کی ایک عورت "کفود" یا "سارہ" نامی کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا، اعجاز آمیز طریقہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آشکار ہو گیا۔ علی علیہ السلام کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے، انہوں نے اس عورت کو مکہ و مدینہ کی ایک درمیانی منزل میں جا لیا اور اس سے وہ خط لے کر خود اُسے بھی مدینہ واپس لے آئے جس کی داستان سورہ ممتحنہ کی پہلی آیت کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ بہر حال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام مقرر کر کے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کی دس تاریخ کو مکہ کی طرف چل پڑے، اور دس دن کے بعد مکہ پہنچ گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کے وسط میں اپنے چچا عباسؓ کو دیکھا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے آپ کی طرف آرہے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ بھیج دیجئے اور خود ہمارے

ساتھ چلیں، اور آپ آخری نماز میں۔

۴۔ آخر کار سلطان مکہ کے قریب پہنچ گئے اور شہر کے باہر اطراف کے بیابانوں میں اس مقام پر جسے حضرت اظہر ان کہا جاتا تھا اور جو مکہ سے چند کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پر تھا، پڑاؤ ڈال دیا۔ اور رات کے وقت کھانا پکانے لگے (یا شاید اپنی وسیع بیابان پر سوہنگی کو ثابت کرنے کے لیے) وہاں آگ روشن کر دی۔ اہل مکہ کا ایک گروہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔

ابھی تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کے اس طرف آنے کی خبریں قریش سے پہنچان تھیں۔ اس رات اہل مکہ کا لرغہ اوسفیان اور مشرکین کے بعض دوسرے سرخنے خبریں معلوم کرنے کے لیے مکہ سے باہر نکلے۔ اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نے سوجا کہ اگر رسول اللہ قرآنود طریقہ پر مکہ میں وارد ہوئے تو قریش میں سے کوئی بل جائے تو اس سے کہوں کہ اہل مکہ کو اس ماجرے سے آگاہ کر دے تاکہ وہ اگر امان حاصل کر لیں۔

عباس وہاں روانہ ہو کر بہت قریب پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس موقع پر انہوں نے "ابوسفیان" کی آواز سنی جو اپنے ایک دوست "بدیل" سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے کبھی بھی اس سے زیادہ آگ نہیں دیکھی۔ "بدیل" نے کہا، میرا خیال ہے کہ یہ آگ قبیلہ "فراعہ" نے جلائی ہوئی ہے۔ اوسفیان نے کہا قبیلہ فراعہ اس سے کہیں زیادہ ذلیل و خوار ہیں کہ وہ اتنی آگ روشن کریں۔ اس موقع پر "عباس" نے "ابوسفیان" کو پکارا۔ اوسفیان نے بھی عباس کو پہچان لیا اور کہا سچ بولا کیا بات ہے؟ عباس نے جواب دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دس ہزار مجاہدین احلام کے ساتھ ہتھیاروں کی طرف آ رہے ہیں۔ اوسفیان سخت پریشان ہوا اور کہا، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔

عباس نے کہا، میرے ساتھ آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان لے لو۔ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس طرح سے عباس نے "ابوسفیان" کو اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر ہی سوار کر لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پلٹ آئے۔ وہ جس گروہ اور جس آگ کے قریب سے گزرتے وہ یہی کہتے کہ یہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آنحضرت کی سواری پر سوار ہیں، کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آئے جہاں عمر ابن خطاب تھے۔ جب عمر بن خطاب کی نگاہ اوسفیان پر پڑی تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ (ابوسفیان) پر مسلط کیا ہے، اب تیرے لیے کوئی امان نہیں ہے۔ اور فوراً ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ سے اوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی۔

لیکن اتنے میں عباس بھی پہنچ گئے اور کہا، کہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے پناہ دے دی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں بھی سروسنت اُسے امان دیتا ہوں۔ کل آپ اسے میرے پاس لے آئے دن جب عباس اُسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ نے اس سے فرمایا: "اے اوسفیان! دل سے ہوجھ پر، کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تو خدا سے میکانہ پر

لیکن آخر کو
چین
عبا
سہر
عباس کی طرف
سلطنت نہ
اس
کرنے
ابوسف
اس
نے اس کی
ابوسف

ایمان لے آئے۔ اس نے عرض کیا: ہاں! اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجے گا، آپ پر قربان ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا بیکار ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اگر بتوں سے کچھ بچ سکتا تو میں یہ دن نہ دیکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کیا وہ موقع نہیں آیا کہ تو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ اس نے عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک و شبہ موجود ہے۔ لیکن آخر کار اہل بیت اور اس کے ساتھیوں میں سے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔“

پیشتر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباسؓ کو فرمایا: ”ابو سفیان کو اس دروازے میں گھرنے کی اجازت ہے تا کہ خدا کا شکر ادا کرے اور یہ دیکھ لے۔“

عباسؓ نے عرض کیا: ”ابو سفیان ایک جاہ طلب آدمی ہے، اس کو کوئی امتیازی حیثیت دے دیکھنے پر تیار نہیں ہوں۔“ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ امان میں ہے، اور دروازہ بند کر لے وہ بھی امان میں ہے۔

بہر حال جب ابو سفیان نے اس لشکرِ عظیم کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ مقابلہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی اور اس نے عباسؓ کی طرف رخ کر کے کہا: ”آپ کے پیچھے کی سلطنت بہت بڑی ہو گئی ہے۔ عباسؓ نے کہا: ”دائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں نبوت ہے۔“

اس کے بعد عباسؓ نے اس سے کہا کہ اب تو تیزی کے ساتھ مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرنے سے ڈرا۔

ابو سفیان نے مسجد الحرام میں جا کر پکار کر کہا: ”اے جمعیت قریش! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آیا ہے، تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا: ”جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص اپنے گھر میں پناہ لے لے گھر کا دروازہ بند کرے وہ بھی امان میں ہے۔“

اس کے بعد اس نے پیچ کر کہا: ”اے جمعیت قریش! اسلام قبول کر لو تا کہ سالم رہو اور کچھ جانو، اس کی کوئی سزا نہیں ہے اس کی داڑھی پکڑ لی اور پیچ کر کہا: ”اس بڑھے احمق کو قتل کر دو۔“ ابو سفیان نے کہا: ”میری داڑھی چھوڑ دے۔ خدا کی قسم اگر تو اسلام نہ لائی تو تو بھی قتل ہو جائے گی۔“ جا کر گھر میں بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور "ذوی طوی" کے مقام تک پہنچ گئے، وہی بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ دن یاد آ گیا۔ جب آپ مجرماً ہو کر محض طور پر مکہ سے باہر نکلے تھے، لیکن آج دیکھ رہے ہیں کہ اس عظمت کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، تو آپ نے اپنی پیشانی مبارک اُونٹ کے کجاوے کے اوپر رکھ دی اور سجدہ شکر بجلائے۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حجون" میں (مکہ کے بلند مقامات میں سے وہ جگہ جہاں خدیجہ کی قبر ہے) اُترے، غسل کر کے اسلحہ اور لباس جنگ پہن کر اپنی سواری پر سوار ہوئے، سورۃ فتح کی قرأت کرتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور آوازِ تجئیر بلند کی۔ لشکر اسلام نے بھی نعرہٴ تجئیر بلند کیا تو اس سے سارے دشت و کوہ گرج اُٹھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اُونٹ سے نیچے اُترے اور بتوں کو توڑنے کے لیے خانہ کعبہ کے قریب آئے۔ آپ یکے بعد دیگرے بتوں کو سرنگوں کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

"جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا"
 "حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹنے والا"

کچھ بڑے بڑے بت کعبہ کے اوپر نصب تھے، جن تک پیغمبر کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ کے دوش مبارک پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائیں اور بتوں کو زمین پر گرا کر توڑ ڈالیں۔ علی نے آپ کے حکم کی اطاعت کی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کلید لے کر دروازہ کھولا اور انبیاء کی ان تصویروں کو جو خانہ کعبہ کے اندر درو دیوار پر بنی ہوئی تھیں محو کر دیا۔

۳۔ اس سرسبز اور شاندار کامیابی کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور وہاں پر موجود اہل مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"اب بتلاؤ تم کیا کہتے ہو؟ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا حکم دوں گا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے! آپ ہمارے بزرگوار بھائی اور ہمارے بزرگوار بھائی کے فرزند ہیں آج آپ برسرِ اقتدار آگئے ہیں، ہمیں بخش دیجئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڑبانے لگے اور مکہ کے لوگ بھی بلند آواز کے ساتھ رونے لگے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی کہ آج تمہارے اوپر کسی قسم کی کوئی سرزنش اور ملامت نہیں ہے، خدا تمہیں بخش دے گا، وہ ارحم الراحمین ہے۔"

اور ۲۱

ضمنی ط

ہمایا جائے۔

یہاں پر

کہہ رہا ہے

فرمایا

اور ۳۱

نہیں تھی، دلوں

اسلام کی شہرت

بعض تا

تو آپ صلی اللہ

یہ ایک

تاریک اور بڑ

لے شور

لے "کا"

اور اس طرح سے آپ نے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا :

” تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔“

ضمنی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ آپ کے لشکر میں کسی سے نہ اُلجھیں اور بالکل کوئی خون نہ اُسے۔ ایک روایت کے مطابق صرف چھ افراد کو مستثنیٰ کیا گیا تھا جو بہت ہی بد زبان اور خطرناک لوگ تھے یہاں تک کہ جب آپ نے یہ سنا کہ لشکر اسلام کے علمدار ” سعد بن عبادہ نے انتقام کا نعرہ بلند کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ : ”الیوم یوم الملحمة“ آج انتقام کا دن ہے“ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے جلدی سے جا کر اس سے علم لے لیا اور اُس سے علم لے کر یہ نعرہ لگاؤ کہ :

”الیوم یوم المرحمة“ آج عفو و بخشش اور رحمت کا دن ہے۔“

اور اس طرح مکہ کسی غوریزی کے بغیر فتح ہو گیا، عفو و رحمتِ اسلامی کی اس کشش نے، جس کی انہیں بالکل توقع نہ تھی، دلوں پر ایسا اثر کیا کہ لوگ گروہ درگروہ آکر مسلمان ہو گئے، اس عظیم فتح کی صدا تمام جزائر عربستان میں جا پہنچی، شہرت ہر جگہ پھیل گئی اور مسلمانوں اور اسلام کی ہر جہت سے دھاک بیٹھ گئی۔ بعض تاریخوں میں آیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

” لا الہ الا اللہ وحده وحده، انجز وعده، و نصر عبده، و هزم

الاحزاب وحده، الا ان کل مال او ماثرة او دم تدعی فھو تحت قدمی

ھاتین !

” خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے، یگانہ، اس نے آخر کا

اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اس نے خود اکیلے ہی تمام گروہوں

کو شکست دے دی۔ جان لو کہ ہر مال، ہر امتیاز، اور ہر وہ خون جس کا تعلق ماضی

اور زمانہ جاہلیت سے ہے، سب کے سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔

(یعنی اب اس خون کے بارے میں، جو زمانہ جاہلیت میں بہایا گیا تھا، یا وہ اموال

جو لوٹ گئے تھے، کوئی بات نہ کرنا) اور زمانہ جاہلیت کے تمام اعزازات اور

امتیازات بھی باطل ہو گئے ہیں اور اس طرح تمام گزشتہ فائلیں بند ہو گئی ہیں۔

یہ ایک بہت ہی اہم اور عجیب قسم کی پیش نہاد تھی جس میں عمومی معافی کے فرمان سے حجاز کے لوگوں کو ان کے

اور پُر ماجرا ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں اسلام کے سائے میں ایک نئی زندگی بخشی جو ماضی سے مربوط

سورۃ یوسف آیہ ۹۲

”کامل ابن اثیر“ جلد ۲ ”تفسیر مجمع البیان“ زیر بحث آیات کے ذیل میں اور دوسری کتابوں کا خلاصہ۔

کشمکشوں اور جنگوں سے مکمل طور پر خالی تھی۔

اس کام نے اسلام کی پیش رفت کے سلسلے میں ہزاروں زیادہ مژدگی اور یہ ہمارے آج اور آنے والے کل کچلے ایک و بڑا نفع ہے۔ اس کے بعد اس کی طرف سے ہزاروں مہمیں چلائی گئیں۔

بار الہا! ہمیں ایسی توفیق مرحمت فرما کہ ہم دنیا میں عدل اسلامی کی حکومت کو اس طرح پیدا کریں کہ ساری دنیا کے لوگ فوج در فوج اسے دل و جان سے قبول کریں۔

۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

ترجمہ کا اختتام

صبح بارہ بج کر چوبیس منٹ
برمکان حیرت منہ
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار
۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

۱۱ شوال ۱۴۰۸ھ بروز اتوار

ابن
اپنے قریبی
پر آئے اور
میں حملہ ہوا
آواز دیتا تھا
کیے جا۔
کہ
کہا
پکارا۔ آپ

سورۃ لہب (تبت) کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو مکہ میں اور تقریباً پیغمبر اسلام کی آشکارا دعوت کے آغاز میں نازل ہوا تھا، وہ واحد سورہ ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمنوں میں سے اس زمانہ کے ایک دشمن (یعنی ابولہب) پر نام لے کر سخت حملہ کیا گیا ہے اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اُسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی عداوت تھی اور وہ اور اس کی بیوی کام بگاڑنے اور بدزبانی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ دونوں جہنمی ہیں اور ان کے لیے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یہ معنی صحیح ثابت ہوا اور وہ دونوں کے دونوں انجام کار دنیا سے بے ایمان گئے۔ یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی پیش گوئی ہے ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”من قرأھا رجوت ان لا یجمع اللہ بینہ و بین ابی لہب فی دار واحدۃ“
”جو شخص اس کی تلاوت کرے گا مجھے امید ہے کہ خدا اُسے اور ابولہب کو ایک گھر میں اکٹھا نہیں کرے گا۔ (یعنی وہ اہل بہشت سے ہوگا، جب کہ ابولہب اہل دوزخ ہے۔)“

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ یہ فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو اس سورہ کو پڑھ کر اپنا راستہ ابولہب کے راستے سے جدا کرے، نہ کہ وہ لوگ جو زبان سے تو پڑھیں لیکن ابولہب جیسا عمل کریں۔

انہوں
آپ
آپ
اس نے کہا
جمع کیا ہے
اس
ٹوٹیں، تو
بعض
سورہ اس
صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم
ہوں! اس

شان نزول

”ابن عباس“ سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ ”وانذر عشیرتک الاقربین“ نازل ہوئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرنے اور اسلام کی دعوت دینے (اور اپنی دعوت کا اعلان کرنے) پر مامور ہوئے، تو پیغمبر کو وہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا ”یا صباحا“ (یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہو جاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کر دیں اور وہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں، لہذا کوئی شخص ”یا صباحا“ کہہ کر آواز دیتا تھا! ”صباح“ کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے)۔

کتے کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کر رہا ہے۔
 کہا گیا کہ یہ ”مخمر“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:
 ”مجھے بتلاؤ! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنے والے ہیں، تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے۔“
 انہوں نے جواب دیا: ”ہم نے آپ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا۔“
 آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید“

”میں تمہیں خدا کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں“

(میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں!) جب ابولہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا: ”تبت لک! أما جمععتنا الا لهذا!؟“ ”تو ہلاک ہو جائے! کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے؟“

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا: تبت ید ابی لہب وتب! اے ابولہب! تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے اس موقع پر اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ”ام جمیل“ نے یہ خبر سنی کہ یہ سورہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں نازل ہوا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں نے سنا ہے ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بھوکی ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے مل گیا تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی، میں خود بھی شاہ ہوں!“ اس کے بعد اصطلاح کے مطابق اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی مذمت میں شعر کہے۔
 (عاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کے لیے ارباب اور اس کی بیوی کا خطرہ اور ان کی عداوت اسی تک منحصر نہیں تھی اور اگر ان کو دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان پر سخت شدید حملہ کیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی مذمت کر رہا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن کی طرف ایشاؓ بعد میں اشارہ ہوگا۔

۱۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

۲۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

۳۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

۴۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

۵۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

۶۔ ایشاؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے ایک خاص مکان بنا دیا اور وہاں پر رہنے لگی۔ یہ ایک بڑا بڑا مکان تھا جس میں وہ اپنے گھرانے کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔

گوشہ صفحہ کا حاشیہ
 ۱۔ "تفسیر قرطبی" جلد ۱ ص ۲۲۴ (تھوڑی سی تلخیص کے ساتھ) اسی مضمون کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ "طبری" اور "معجم البیان" میں "ابن اشیر" نے "الکامل جلد ۲ ص ۶" میں اور "در النور" و "الافتوح رازی" اور "فرازی" اور "فی ظلال القرآن" میں اس سورہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱- تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝
- ۲- مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝
- ۳- سَيَصِلَ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝
- ۴- وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝
- ۵- فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان رحیم ہے

- ۱- ابولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں (اور وہ ہلاک ہو جائے)۔
- ۲- اس کے مال و دولت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اُسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دیا۔
- ۳- وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہو جائے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔
- ۴- اور اسی طرح سے اس ی وہ بیوی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔
- ۵- اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی ہے۔

تفسیر

الولہب کا ہاتھ کٹ جائے۔

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے شان نزول میں بیان کیا ہے یہ سورہ حقیقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، عبدالمطلب کے بیٹے "الولہب کی بُری باتوں کا جواب ہے جو اسلام کے سخت دشمنوں میں سے تھا اور جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آشکار اور عمومی دعوت اور عذاب الہی کے بارے میں آپ کے انذار کو سن کر یہ کہا تھا کہ: "تُو ہلاک ہو جائے، کیا تو نے ہمیں انہی باتوں کے لیے پکارا تھا؟"

قرآن مجید اس بد زبان شخص کے جواب میں فرماتا ہے:

"الولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں، یا وہ ہلاک ہو جائے اور خسارہ اٹھائے۔"

(تبت یدانہ لہب و تبت۔)

"تبت" و "تباب" (بروزن خراب) "مفوات" میں "راغب" کے قول کے مطابق دائمی خسارے کے معنی میں ہے لیکن "طبری" نے "مجمع البیان" میں یہ کہا ہے کہ یہ اس نقصان کے معنی میں ہے جو ہلاکت پر منتهی ہو۔ بعض ارباب لغت نے اس کی "قطع کرنے" کے معنی میں بھی تفسیر کی ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلاکت پر منتهی ہونے والا دائمی نقصان طبعاً قطع ہونے اور کٹ جانے کا سبب بنتا ہے۔ ان معانی کے مجموعہ سے وہی بات معلوم ہوتی ہے جو ہم نے آج کے معنی میں بیان کی ہے۔

البتہ یہ ہلاکت اور نقصان ممکن ہے دنیوی پہلو رکھتا ہو یا معنوی و اخروی یا دونوں۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنی روش اور سیرت کے برخلاف ایک شخص کا نام کیسے لے لیا اور اس شدت کے ساتھ اس پر حملہ کیوں کیا ہے؟

لیکن الولہب کی حیثیت معلوم ہونے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔

اس کا نام "عبدالعزیٰ" (عربی بت کا بندہ) اور اس کی کنیت "الولہب" تھی۔ اس کے لیے اس کنیت کا انتخاب شاید اس وجہ سے تھا کہ اس کا چہرہ سُرخ اور بھڑکتا ہوا تھا، چونکہ لغت میں لہب آگ کے شعلہ کے معنی میں ہے۔ وہ اور اس کی بیوی "ام جمیل" جو البوسفیان کی بہن تھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت بد زبان اور سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ "طارق حارثی" نامی ایک شخص کہتا ہے: میں "ذی الجواز" کے بازار میں تھا۔ (ذی الجواز عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے) اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا

جو اس کے پادرا
"اے لوگو!
میں۔

کہ وہ پیغمبر
ایک
رسول اللہ صلی
کا بھیجا ہوا
جب

یہ شخص یہ چاہتا
کرنے لگا
میں۔

ایک
علیہ وآلہ وسلم
صلی اللہ علیہ و
ملاقات کیسے
الولہب نے

ان
سے فروگراشا
اور شاید اسی

اس پلوراس کی
وہی
نہیں کیسے
طرف توجہ کر

اس
ل "سجی
ل "فی
ل "تو

جو اس کے بائبل کے پچھلے حصہ پر پھر مارتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سے خون جاری تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا "اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ ماننا!"

میں نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: "یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا گمان یہ ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور یہ بوڑھا اس کا چچا البرہب ہے جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے۔"

ایک اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ "ربیع بن عباد" کہتا ہے: میں اپنے باپ کے ساتھ تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبائل عرب کے پاس جاتے اور ہر ایک کو پکار کر کہتے: "میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم خدا کے یگانہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔" جب وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا تو ایک خوب رو بھینکا آدمی جو ان کے پیچھے پیچھے تھا، پکار کر کہتا: "اے فلاں قبیلے! یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزی بت اور اپنے ہم پیمان جنوں کو چھوڑ دو۔ اور اس کی بدعت و ضلالت کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس کی بات نہ سنا، اور اس کی پیروی نہ کرنا!"

میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ "اس کا چچا البرہب ہے۔" ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئی گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رشتہ داری اور سن و سال کے لحاظ سے بڑا ہونے کی بنا پر البرہب کے پاس جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرتا تھا۔ وہ جواب دیتا: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جادوگر ہے۔ وہ بھی پیغمبر سے ملاقات کیے بغیر ہی لوٹ جاتے۔ اسی اثنا میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے البرہب نے کہا: "ہم مسلسل اس کے جنوں کا علاج کر رہے ہیں! وہ ہلاک ہو جائے!"

ان روایات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور کسی خرابی سے فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چھیننے والی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر زیر بحث آیات اس پر لوہاس کی بیوی اُم جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کر رہی ہیں۔

وہی ایک اکیلا ایسا شخص تھا جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی ہاشم کی حمایت کے عہد و پیمان پر دستخط نہیں کیے تھے اور اس نے آپ کے دشمنوں کی صف میں رہتے ہوئے دشمنوں کے عہد و پیمان میں شرکت کی تھی۔ ان حقائق کی طرف توجہ کرنے سے اس سورہ کی استثنائی کیفیت کی دلیل واضح ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: اس کے مال و ثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے اسے ہرگز کوئی فائدہ

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۵۹

۲ "فی ظلال القرآن" جلد ۸ ص ۶۹۷

۳ "تفسیر القرآن" جلد ۲۰ ص ۵۰۳

نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الہی سے نہیں بچائے گا۔ (ما اغنی عنہ مالہ وما کسب)۔
اس تبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند معروف شخص تھا جو اپنی اسلام دشمنی کو ششوں کے لیے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد والی آیت میں مزید لکھا ہے: "وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں"۔ (سید صلی نائراً ذات لہب)۔

اگر اس کا نام "الولہب" تھا تو اس کے عذاب کی آگ بھی "الولہب" ہے اور وہ بہت ہی عظیم شعلے رکھتی ہے۔
(اس بات پر توجہ رہے کہ "لہب" یہاں بکھرے کی صورت میں آیا ہے اور یہ اس شعلہ کی عظمت کی دلیل ہے)۔

نہ صرف الولہب کو بلکہ کسی بھی کافر اور بدکار کو اس کا مال و ثروت اور اس کی اجتماعی و معاشرتی حیثیت جہنم کی آگ اور خدا کے عذاب سے رہائی نہیں بخشیں گے۔ جیسا کہ سورہ شعرا کی آیہ ۸۸ و ۸۹ میں آیا ہے: یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ قیامت ایک ایسا دن ہے جس میں انسان کو نہ تو اس کا مال ہی کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی اس کی اولاد، سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم (یعنی ایمان و تقویٰ کی روح کے ساتھ) پروردگار کے دربار میں حاضر ہو۔
مسئلہ طور پر آیت "سید صلی نائراً ذات لہب" سے مراد جہنم کی آگ ہے، لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ اس میں دنیا کی آگ بھی شامل ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ جنگ "بدر" اور سخت شکست کے بعد جو مشرکین قریش کو اُٹھانی پڑی تھی، الولہب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ البرسفیان کے واپس آنے پر اس سے ماجرے کے بارے میں سوال کیا:
البرسفیان نے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکوبی کی کیفیت اس سے بیان کی۔ اس کے بعد اس نے مزید کہا: خدا کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان وزمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے آئے تھے۔ اس موقع پر "عباس" کے ایک غلام "البراق" نے کہا: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی فرشتے تھے۔

اس سے الولہب بھڑک اُٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا، مجھے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مجھے پیٹے چلے جا رہا تھا۔ وہاں عباس کی بیوی "أم الفضل" بھی موجود تھی اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور الولہب کے سر پر دے ماری اور کہا: "کیا تو نے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے؟"
الولہب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ سات دن کے بعد اس کے بدن میں بدبو پیدا ہو گئی، اس کی ہڈی میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے داخل جہنم ہو گیا۔

اس کے بدن سے اتنی بدبو آرہی تھی کہ لوگ اس کے نزدیک جانے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ وہ اسے مکہ سے باہر لے کر "ماکسب" میں "ما" ممکن ہے "موصولہ" یا "مصدریہ" ہو، بعض اس کے لیے ایک وسیع معنی کے قائل ہیں جو نہ صرف اس کے مال بلکہ اس کی اولاد کو بھی شامل ہے اور "ما اغنی عنہ" میں "ما" مسئلہ طور پر "مانافیہ" ہے۔

لے گئے اور زور۔
چھپ گیا۔

بعد والی آیت

آگ میں داخل ہوگی

اور اس کی گرد

کوئی خشک و

اپنے شوہر کی عداوتوں

اٹھانے والی عورت)

بعض نے تو یہ

کرتی تھی تاکہ وہ آپ

اور بعض نے،

بعض اسے اس

کی مدد کے لیے تیار

بعض یہ بھی کہنے

ان معانی میں سے

"جید" (بروز)

ہے کہ "جید"

پر والے حصہ کو کہا جا

بعض اوقات ایک انہ

لے "بجاء لاناوار" جلد

لے "امراتہ" سیصہ

اسے "ذم" کے عنو

لے "التحقیق فی ک

لے گئے اور دُور سے اس پر پانی ڈالا اور اس کے بعد اس کے اوپر پتھر پھینکے۔ یہاں تک کہ اس کا بدن پتھروں اور مٹی کے نیچے چُھپ گیا۔

بعد والی آیت میں اس کی بیوی "اُم جمیل" کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس کی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی، جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے" (وامرأتہ حمالۃ الحطب)۔
اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رستی یا گردن بند ہے۔ (فی جیدہا حبل من مسد)۔

کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہب کی بیوی۔ جو "ابوسفیان" کی بہن اور معاویہ کی پھوپھی تھی۔ اسلام کے برخلاف اپنے شوہر کی عداوتوں اور غزائیوں میں برابر کی شریک تھی لیکن اس بارے میں کہ قرآن نے اس کی حمالۃ الحطب (دوش پر ایندھن اٹھانے والی عورت) کے ساتھ توصیف کیوں کی ہے، مفسرین نے متعدد تفسیریں بیان کی ہیں:

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں کندھے پر اٹھا کر لاتی تھی اور پیڑوں کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں چُھب جائیں۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ تعبیر اس کی سخن چینی اور چغل خوری کے بارے میں آئی ہے، جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

میان دو کس جنگ چوں آتش است

سُخن چین بد بخت ہمیزم کش است

دو آدمیوں کے درمیان جنگ آگ کے مانند ہے اور

بد بخت چُغل خور ایندھن اٹھانے والا ہے۔

بعض اسے اس کے شدتِ بخل سے کنایہ سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ اتنی دولت مند ہونے کے باوجود کسی ضرورت مند کی مدد کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے اسے "ہمیزم کش" ایندھن اٹھانے والے فقیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔
بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قیامت میں بہت سے گروہوں کے گناہوں کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے ہوگی۔

ان معانی میں سے پہلا معنی سب سے زیادہ مناسب ہے، اگرچہ ان کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

"جید" (بروزن دید) "گردن" کے معنی میں ہے اور اس کی جمع "اجیاد" ہے۔ بعض ارباب لغت کا نظریہ یہ ہے کہ "جید" و "عنق" اور "رقبہ" تینوں کے ایک ہی معنی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ "جید" سینے سے اوپر والے حصہ کو کہا جاتا ہے، "عنق" گردن کی پشت یا ساری گردن کو اور "رقبہ" مطلقاً گردن کو کہا جاتا ہے۔
اور بعض اوقات ایک انسان کو بھی "رقبہ" کہتے ہیں، مثلاً: "فک رقبۃ" یعنی انسان کو آزاد کرنا۔

۱۔ "بحار الانوار" جلد ۱۹ ص ۲۲۷

۲۔ "امراتہ" سیصلی میں پوشیدہ ضمیر پر عطف ہے اور حمالۃ الحطب، حال ہے اور منصوب ہے، اور بعض نے مثل "منشری" کے "کشاف میں اسے "ذم" کے عنوان سے منصوب جانا ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے اذا حمالۃ الحطب لیکن سلمہ طور پر پہلا معنی بہتر ہے۔

۳۔ "التحقیق فی کلمات القرآن الکریم" جلد ۲ ص ۱۵۸

”مسد“ (بروزن حسد) اس رستی کے معنی میں ہے جو کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ”مسد“ وہ رستی ہے جو جہنم میں اس کی گردن میں ڈالیں گے جس میں کھجور کے پتوں جیسی سختی ہوگی اور اس میں آگ کی حرارت اور لہیے کی سنگینی ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ بڑے لوگوں کی عزتیں اپنی شخصیت کو آلات و زیورات خصوصاً گردن کے قیمتی زیورات سے زینت دینے میں خاص بات سمجھتی ہیں، لہذا خدا قیامت میں اس مغرور و خود پسند عورت کی تحقیر کے لیے لیف خرما کا ایک گردن بند اس کی گردن میں ڈال دے گا۔ یا یہ اصلاً اس کی تحقیر سے کنایہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ”اُم جمیل“ کے پاس جواہرات کا ایک بہت ہی قیمتی گردن بند تھا اور اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرے گی، لہذا اس کے اس کام کے بدلے میں خدا نے بھی اس کے لیے ایسا عذاب مقرر کر دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ قرآن کے اعجاز کی ایک اور نشانی

ہم جانتے ہیں کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور قرآن کریم نے دو ٹوک طریقہ سے یہ خبر دی تھی کہ ابولہب اور اس کی بیوی جہنم کی آگ میں ہوں گے، یعنی وہ ہرگز بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انجام کار ایسا ہی ہوا، بہت سے مشرکین مکہ تو واقعی طور پر ایمان لے آئے اور بعض ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، لیکن وہ افراد جو نہ تو واقع میں ایمان لائے اور نہ ہی ظاہر بظاہر، وہ یہ دونوں تھے۔ یہ قرآن مجید کے غیبی اخبار میں سے ایک ہے اور قرآن نے دوسری آیات میں بھی اس قسم کی خبریں دی ہیں جن میں قرآن کی غیبی خبروں کے عنوان کے تحت اعجاز قرآن کی ایک فصل کو مخصوص کیا گیا ہے اور ہم نے ان آیات میں سے ہر ایک کے ذیل میں مناسب بحث کی ہے۔

۲۔ ایک اور سوال کا جواب

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا کہ ابولہب اور اس کی بیوی ایمان لے آتے، ورنہ یہ خبر جھوٹی اور دروغ ہو جاتی۔

یہ سوال اسی معروف سوال کے مانند ہے جو ”علم خدا“ کے مسئلہ کے بارے میں جبر کی بحث میں پیش ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ خدا جو ازل سے ہر چیز کا عالم تھا، وہ گنہگاروں کے گناہ اور اطاعت گزاروں کی اطاعت کو جانتا تھا۔ اس بنا پر اگر گنہگار گناہ نہ کرتے تو خدا کا علم ہمالت میں بدل جائے۔

علماء اور فلاسفہ اسلام قدیم سے اس سوال کا جواب دے چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا جانتا ہے کہ ہر شخص اپنے

اختیار و آزاد

ابولہب اور ا

دوسر

اپنے ارادہ -

مسئلہ

کوئی دلیل نہی

۳۔

یہ سوا

کوئی حیثیت

رکھتے تھے

بادجو

جب اُس-

اور سرزنش کی

بلکہ آپ کے

کہ مشہور حدیث

یہ تھی

واضح ہے کہ

حامل ہوگا

خداو

پرورد

امرنا حقیقاً

بارا

صرف تیرا

لہ ہم

اختیار و آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کون کون سے کام انجام دے گا، مثلاً زیر بحث آیات میں خدا ابتدا سے جانتا تھا کہ ابولہب اور اس کی بیوی اپنی خواہش و رغبت اور ارادہ و اختیار سے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، جبری اور لازمی طور پر نہیں دوسرے الفاظ میں ارادہ و اختیار کی آزادی کا عنصر بھی خدا کو معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بندے صفت اختیار کے ساتھ اور اپنے ارادہ سے کون سے عمل انجام دیں گے۔

مسئلہ طور پر ایسا علم اور مستقبل کے بارے میں اس قسم کی خبر دینا، مسئلہ اختیار کی تاکید ہے، جبر اور مجبوری کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (غور کیجئے)

۳۔ بے بصیرت رشتہ دار ہمیشہ دُور ہوتے ہیں۔

یہ سُوْرہ ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کی تاکید کر رہا ہے کہ ایسی رشتہ داری جس میں ایمان اور عقیدہ کا رشتہ نہ ہو اس کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور مردانِ خدا منحرف، جبار اور سرکش لوگوں کے مقابلہ میں کسی قسم کا میلان نہیں رکھتے تھے چاہے وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔

باوجود اس کے کہ ابولہب پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور آپ کے قریب ترین رشتہ داروں میں شمار ہوتا تھا، جب اُس نے اپنا اعتقادی اور عملی راستہ آپ سے جدا کر لیا۔ تو اس کی بھی دوسرے منحرف اور گمراہ لوگوں کی طرح سخت ملامت اور سرزنش کی گئی۔ اس کے برعکس ایسے دُور دراز کے لوگ بھی تھے جو نہ صرف پیغمبر کے رشتہ داروں میں شمار نہ ہوتے تھے، بلکہ آپ کے خاندان اور اہل زبان سے بھی نہیں تھے، لیکن وہ فکری، اعتقادی اور عملی رشتہ کی بنا پر اس قدر نزدیک ہو گئے کہ مشہور حدیث مسلمان منا اہل البیت (مسلمان ہم اہل بیت ہیں سے ہیں) کے مطابق گویا خاندان رسالت کا جز ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس سُوْرہ کی آیات صرف ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ صرف ان کے صفات کی وجہ سے اُن کی ایسی مذمت کی گئی ہے۔ اس بنا پر جو شخص یا جو گروہ انہیں اوصاف کا حامل ہوگا اس کی سرزنش بھی انہیں جیسی ہوگی۔

خداوندا! ہمارے دل کو ہر قسم کی ہٹ دھرمی اور عناد سے پاک کر دے۔

پروردگارا! ہم سب اپنے انجام اور عاقبت کار سے ڈرتے ہیں، ہمیں امن و سکون اور آرام بخش دے واجعل عاقبتہ امرنا خیرًا، (ہماری عاقبت بخیر کر)

بار الہا! ہم جانتے ہیں کہ اس عظیم عدالت میں نہ تو مال و دولت کام آتے ہیں اور نہ ہی کوئی رشتہ داری فائدہ دیتی ہے، صرف نیرا لطف و کرم ہی کام آتا ہے، لہذا ہم پر اپنا لطف و کرم کر۔

آمین یا سرِّ العالمین
سُوْرہ لب کا اختتام

۱۔ ہم نے اس سلسلہ میں جلد ۱۵ پر سُوْرہ ہود کی آیہ ۶۶ کے ذیل میں نور کے بیٹے کے حال کی مناسبت سے، زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سُورَةُ اخْلَاصٍ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۴ آیات ہیں۔

یہ سُورہ
یکمائی کے بارے
میں اضافہ کی ضرورت
اس سبب

بعض روایات
اور دوسری روایات
اور اس کے بعد
دوسری
بعض روایات
ان روایات
اس سُورہ کی صحیح
لے المیہ

سُورَةُ "اخلاص" کے مطالب اور اس کی فضیلت

یہ سُورہ — جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے (سُورَةُ اخلاص اور سُورَةُ توحید) پروردگار کی توحید اور اس کی یگانگت اور یکتائی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور چار مختصر سی آیات میں خدا کی وحدانیت کی اس طرح سے توصیف و تعریف کی ہے جس میں اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سُورہ کی شان نزول کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے :

"یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تقاضا کیا کہ آپ ان کے لیے خدا کی توصیف بیان کریں۔ پیغمبرؐ تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ سُورہ نازل ہوا اور ان کو جواب دیا۔"

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ سوال کرنے والا "عبد اللہ بن صوریہ" تھا۔ جو یہودیوں کے مشہور سرداروں میں سے ایک تھا۔ اور دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال "عبد اللہ بن سلام" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ میں کیا تھا اور اس کے بعد وہ ایمان لے آیا تھا۔ لیکن اپنے ایمان کو اسی طرح سے چھپائے ہوئے تھا۔

دوسری روایات میں یہ آیا ہے کہ اس قسم کا سوال مشرکین مکہ نے کیا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سوال کرنے والا نجران کے عیسائیوں کا ایک گروہ تھا۔

ان روایات کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ سوال ان سب کی طرف سے ہوا ہو۔ اور یہی بات

اس سُورہ کی حد سے زیادہ عظمت و بزرگی کی ایک دلیل ہے جو مختلف افراد و اقوام کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں مشہور اسلامی منابع میں بہت سی روایات آئی ہیں، جو اس سورہ کی حد سے زیادہ عظمت کی ترجمان ہیں۔ منجملہ۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”العجز احدكم ان يقرأ ثلث القرآن في ليلة“

”کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ایک ہی رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔“

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا، اے رسولِ خدا، ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

”اقرأ و اقل هو الله احد“

”سورہ قل هو اللہ پڑھا کرو“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”سعد بن معاذ“ کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا :

”ستر ہزار فرشتوں نے، جن میں جبریلؑ بھی تھے، اس کے جنازے پر نماز پڑھی ہے۔“

میں نے جبریل سے پوچھا ہے کہ وہ کس عمل کی بنا پر تمہارے نماز پڑھنے کا مستحق ہوا ہے؟

جبریل نے کہا: ”اُٹھتے بیٹھتے، پیدل چلتے اور سوار ہوتے اور چلتے پھرتے“ قل هو اللہ احد“

پڑھنے کی وجہ سے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”جس شخص پر ایک رات اور دن گزر جائے، اور وہ پیچگانہ نمازیں پڑھے اور ان

میں قل هو اللہ احد کی قرأت نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا: یا عبد اللہ!

لست من المصلین!“

”اے بندہ خدا تو نماز گزاروں میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”جو شخص خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر نماز کے بعد قل هو اللہ

احد کے پڑھنے کو ترک نہ کرے کیونکہ جو شخص اسے پڑھے گا خدا اس کے لیے

۱ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۶۱

۲ ”مجمع البیان“ جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر و حدیث کی دوسری کتابیں۔

فقروہ خاقانہ
اس
کیا ہے و
اس
یہ اس بنا
ساتھ بیان
بعض
کے درمیا
یہ بار
ہم
امام

۱ ”مجمع
۲ ”مجمع
۳ ”اصو

خیر دنیا و آخرت جمع کر دے گا۔ اور خود اُسے اور اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کو بخش دے گا؛ لہٰذا

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اس سُورہ کا پڑھنا، رزق کو بڑھاتا ہے اور فقر و فاقہ کو دور کر دیتا ہے۔

اس سُورہ کی فضیلت میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ وہ اس مختصر بیان میں نہیں سما سکتیں اور ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ صرف ان کا ایک حصہ ہے۔

اس بارے میں کہ سُورہ "قل هو اللہ" قرآن کی ایک تہائی کے برابر کیسے ہو گیا؟ تو بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن "احکام" و "عقائد" اور "تاریخ" پر مشتمل ہے اور یہ سُورہ عقائد کے حصہ کو اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قرآن کے تین حصے ہیں "مبادیٰ" و "معاذ" اور "جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے" اور یہ سُورہ پہلے حصہ کی تشریح کرتا ہے۔
یہ بات قابل قبول ہے کہ قرآن کی تقریباً ایک تہائی توحید کے بارے میں بحث کرتی ہے، اور اس کا خلاصہ سُورہ توحید میں آیا ہے۔

ہم اس گفتگو کو اس سُورہ کی عظمت کے بارے میں ایک دوسری حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔
امام علی بن الحسین علیہ السلام سے لوگوں نے سُورہ توحید کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:
"ان اللہ عزوجل علم انہ یکون فی آخر الزمان اقوام متعمقون ، فانزل اللہ تعالیٰ قل هو اللہ احد ، والایات من سورة الحديد الی قوله: "وهو علیٰ بذات الصدور" فمن رام وراء ذلك فقد هدک"
"خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں آئیں گی جو مسائل میں تہمت اور غور و خوض کرنے والی ہوں گی، لہٰذا اس نے (مباحث توحید اور خدا شناسی کے سلسلہ میں) سُورہ قل هو اللہ احد اور سُورہ حدید کی ابتدائی آیات، علیہم بذات الصدور تک نازل فرمائیں۔ جو شخص اس سے زیادہ کا طلب گار ہو گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔"

۱ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۲ "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۱ اور تفسیر حدیث کی دوسری کتابیں۔

۳ "اصول کافی" جلد ۱ باب السیئة حدیث ۳

جلد کا "ہو" کی ضمیر کے ساتھ آغاز، جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے، حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کے آثار نے جہان کو اس طرح سے پُر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ لحم سجدہ کی آیت ۵۳ میں آیا ہے:

سُنْرِيهِمْ اَيَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي الْاَنْفُسِ وَحَتَّىٰ يَتَّبِعِنَا لَهْمُ اِنَّهُ الْحَقُّ

"ہم جلدی ہی اطراف جہان اور ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ

واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے"

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کہتا ہے: "وہ کیسا دیکھنا خدا ہے"

ضمنی طور پر یہاں "قل" (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے اس بات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کفار و بت پرست

اسم اشارہ کے ساتھ اپنے بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہمارے خدا ہیں، تو بھی اپنے خدا کی تعریف

توصیف کرتا کہ ہم اُسے دیکھیں اور اس کا ادراک کریں۔ تو خدا نے یہ آیات

نازل کیں: قل هو الله احد... "ہا" "ہو" میں، مطلب کو ثابت

کرنے اور توجہ دینے کے لیے ہے اور "واو" ضمیر غائب ہے، جو

اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو آنکھوں کے دیکھنے سے غائب اور حواس کے

لس سے دُور ہے، لہٰذا

ایک اور حدیث میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جنگ بدر کی رات میں نے "نخضر" علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا

کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کی مدد سے میں دشمنوں پر کامیاب ہوں تو انہوں

نے کہا: کیئے:

"يا هو، يا من لا هو الا هو"

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: بعض نے ہو کر یہاں "ضمیر نشان" لیا ہے، اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ شان و مطلب یہ ہے کہ خدا ایک اکیلا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ "ہو" اس

کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہو جو سوال کرنے والوں کے لیے غیر معلوم اور مبہم تھی۔ اس بنا پر "ہو" مبتدا ہے اور "اللہ" اس کی خبر اور "انہوں

خبر کے بعد کی خبر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵) "بجاء الاوار" جلد ۳ ص ۲۲۱ حدیث ۱۲ (تفہیم کے ساتھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝
- ۲۔ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝
- ۳۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝
- ۴۔ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے خدا یکتا و یگانہ ہے۔
- ۲۔ خدا ہی ہے کہ جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں
- ۳۔ نہ تو اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔
- ۴۔ اور ہرگز اس کا کوئی ہم پلہ اور مانند نہیں ہے۔

تفسیر

وہ یکتا اور بے مثال ہے

اس سورہ کی پہلی آیت بار بار کے ان سوالات کے جواب میں ہے جو مختلف اقوام یا افراد کی طرف سے پڑھنے والوں کے اوصاف کے سلسلہ میں ہوئے تھے، فرماتا ہے: "کہہ دیجئے وہ یکتا و یگانہ ہے؛ (قل هو اللہ احد) بل (۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا :
 ”یا علی ! علمت الاسماء الاعظم“

”اے علی آپ کو اسمِ اعظم کی تعلیم دی گئی ہے۔“

اس کے بعد جنگِ بدر میں یہی جملہ میرا وردِ زبان رہا۔۔۔

”عمار یاسر“ نے جب یہ سنا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام صفین کے دن جنگ کے وقت یہی ذکر پڑھ رہے تھے تو عرض کیا : یہ کیا کنایات ہیں؟ تو آپ نے فرمایا : یہ خدا کا اسمِ اعظم اور توحید کا ستون ہے۔

”اللہ“ خدا کا اسمِ خاص ہے اور امام کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسی ایک لفظ کے ذریعے اس کے تمام صفاتِ جلال و جمال کی طرف اشارہ ہوا ہے ، اور اسی بنا پر اس کو اسمِ اعظم الہی کا نام دیا گیا ہے۔

اس نام کا خدا کے سوا اور کسی پر اطلاق نہیں ہوتا جب کہ خدا کے دوسرے نام عام طور پر اس کی کسی صفتِ جمال و جلال کی طرف اشارہ ہوتے ہیں ، مثلاً : عالم و خالق و رازق ، اور عام طور پر اس کے غیر پر بھی اطلاق ہوتے ہیں۔ (مثلاً رحیم ، کریم ، عالم ، قادر وغیرہ)۔

اس حال میں اس کی اصل اور ریشہ وصفی معنی رکھتا ہے اور اصل میں یہ ”ولہ“ سے مشتق ہے ، جو ”تخیر“ کے معنی میں ہے کیونکہ اس کی ذاتِ پاک میں عقلیں حیران ہیں ، جیسا کہ ایک حدیث میں امیر المؤمنین علیؑ سے آیا ہے :

”اللہ معناه المعبود الذی یأله فیہ الخلق ویؤله الیہ ، واللہ هو

الستور عن درک الابصار ، المحجوب عن الاوهام والخطرات“

”اللہ کا معنی ایک ایسا معبود ہے جس میں مخلوق حیران ہے اور اس سے عشق رکھتی ہے“

اللہ وہی ذات ہے جو آنکھوں کے ادراک سے مستور اور مخلوق کے افکار و عقل

سے محجوب ہے۔

بعض اوقات اسے ”الاہة“ (بروزن و بمعنی عبادت) کی اصل اور ریشہ سے بھی سمجھا گیا ہے اور اصل میں

”الالہ“ ہے ، جو ”تہما معبود حقیقی“ کے معنی میں ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کا ریشہ اور اصل چاہے جو بھی ہو ، بعد میں اس نے اسمِ خاص کی صورت اختیار

کر لی ہے اور یہ اسی جامع جمیع صفاتِ کمالیہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے خالی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس مقدس نام کا قرآن مجید میں تقریباً "ایک ہزار" مرتبہ تکرار ہوا ہے۔ اور خدا کے اسماء مقدسہ میں سے کوئی سا نام بھی اتنی مرتبہ قرآن میں نہیں آیا۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو دل کو روشن کرتا ہے اور انسان کو قوت و توانائی اور سکون و آرام بخشتا ہے اور اُسے نور و صفا کے ایک عالم میں غرق کر دیتا ہے۔

لیکن "احد" کا لفظ "وحدت" کے مادہ سے ہی ہے اور اسی لیے بعض نے "احد" اور "واحد" کی ایک ہی معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی اس ذات کی طرف اشارہ ہیں جو ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ علم میں یگانہ ہے، قدرت میں بے مثل ہے، رحمانیت و رحیمیت میں یکتا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔

لیکن بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "احد" اور "واحد" میں فرق ہے۔ "احد" اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کثرت کو قبول نہیں کرتا، نہ تو خارج میں اور نہ ہی ذہن میں۔ لہذا وہ شمار کرنے کے قابل نہیں ہے اور ہرگز عدد میں داخل نہیں ہوتا، "واحد" کے برخلاف کہ اُس کے لیے دوسرے اور تیسرے کا تصور ہوتا ہے، چاہے وہ خارج میں ہو یا ذہن میں۔ اسی لیے بعض اوقات ہم یہ کہتے ہیں کہ: احدی ازاں جمعیت نیامد، یعنی اُن میں سے کوئی شخص بھی نہیں آیا۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ: واحدی نیامد (ایک نہیں آیا) تو ممکن ہے کہ دو یا چند افراد آئے ہوں۔ لیکن یہ فرق قرآن مجید اور احادیث کے موارد استعمال کے ساتھ چنداں سازگار نہیں ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ: احد (جنس و فصل اور ماہیت و وجود) کے اجزائے ترکیبہ خارجیہ یا عقلیہ کے مقابلہ میں خدا کی بساطت ذات کی طرف اشارہ ہے جب کہ واحد خارجی کثرتوں کے مقابلہ میں اس کی یگانگت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ "احد" فرد یگانہ کو کہتے ہیں، اور "احد" اور "واحد" کا ایک ہی مفہوم ہے، اور وہ ایک ایسی منفرد ذات ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اور "توحید" اس کی یگانگت و وحدت اور انفرادیت کا اقرار ہے۔

اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے:

"واحد عدد نہیں ہے، بلکہ واحد اعداد کی بنیاد ہے۔ عدد دو سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر اللہ احد" یعنی وہ مجہود جس کی ذات کے ادراک سے انسان عاجز ہیں اور جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے ناتواں ہیں" کا معنی یہ ہے کہ وہ الہیت میں فرد ہے اور مخلوقات کی صفات سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں "واحد" و "احد" دونوں کا خدا کی ذات پاک پر اطلاق ہوا ہے۔

۱۔ "المیزان" جلد ۲۰، ص ۵۴۳۔

۲۔ "بجاء الافراد" جلد ۳، ص ۲۲۲۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ توحید حدود میں آیا ہے کہ جنگ جمل میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیر المؤمنین! کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ خدا واحد ہے؟ تو واحد کا کیا معنی ہے؟ اچانک لوگوں نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا اور کہنے لگے: "اے اعرابی یہ کیا سوال ہے؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام مسئلہ جنگ کی فکر میں کتنے مشغول ہیں؟ ہر سخن جائے و ہر حرکت مقامی دارد! ہر بات کا ایک موقع اور ہر حرکت کا ایک مقام ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی چیز ہم اس شخص گروہ سے چاہتے ہیں۔ (وہ توحید کے بارے میں پوچھ رہا ہے، ہم بھی مخالفین کو کلہ توحید ہی کی دعوت دے رہے ہیں)۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اے اعرابی یہ جو ہم کہتے ہیں کہ خدا "واحد" ہے تو اس کے چار معانی ہو سکتے ہیں جن میں سے دو معانی خدا کے لیے صحیح نہیں ہیں اور اس کے دو معانی صحیح ہیں۔"

"اب وہ دو جو صحیح نہیں ہیں، ان میں سے ایک وحدت عددی ہے۔ یہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے (یعنی ہم یہ کہیں کہ وہ ایک ہے دو نہیں ہیں) کیونکہ اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے لیے دوسرے کا تصور ہو سکتا ہے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔ حالانکہ مسئلہ طور پر حق تعالیٰ کی غیر متناہی ذات کے لیے دوسرے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس چیز کا کوئی ثنائی ہی نہیں ہے وہ باب اعداد میں داخل نہیں ہوتی۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کی جنہوں نے یہ کہا تھا کہ: "ان اللہ ثلاث ثلاثہ" (خدا تین ہیں کا تیسرا ہے)، تکفیر کی ہے۔

"واحد کا دوسرا معنی جو خدا کے لیے صحیح نہیں ہے یہ ہے کہ وہ واحد نوعی کے معنی میں ہو، مثلاً: ہم یہ کہیں کہ فلاں آدمی لوگوں میں سے ایک ہے، یہ بھی خدا کے لیے صحیح نہیں ہے۔ (کیونکہ خدا کی کوئی جنس اور نوع نہیں ہے) اس کا مفہوم تشبیہ ہے، اور خدا ہر قسم کی تشبیہ اور نظیر سے برتر و بالاتر ہے۔"

"اب رہے وہ دو مفہوم جو خدا کے بارے میں صحیح اور صادق ہیں، ان میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ خدا واحد ہے یعنی اشیا عالم میں کوئی اس کی شبیہ نہیں ہے، ہاں! ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کہا جائے کہ ہمارا پروردگار احدی المعنی ہے، یعنی اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے، نہ تو خالی نہ عقل میں اور نہ ہی وہم میں، ہاں! خدائے بزرگ ایسا ہی ہے۔"

"خلاصہ یہ ہے کہ خدا واحد و احد ہے اور یگانہ و یکتا ہے۔ واحد عددی یا نوعی و جنسی کے معنی میں نہیں بلکہ

ذاتی کے مع

اس

پر ہر جہت

کے کمالات

بعد

طرف رخ اک

"صہ"

"راغ"

کے لیے جا

"مہ"

استحکام کے

ادادہ کرتے؛

اور

ایسی بزرگ

جس سے بڑا

اسی

ہستی کو کہتے

"صہ"

"صہ"

"صہ"

"صہ"

اور دو

"صہ"

"صہ"

"صہ"

بعض

لئے "بما

ذاتی کے معنی میں، زیادہ واضح عبارت میں اس کی وحدانیت کا معنی یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل و نظیر اور مانند و شبیہ نہیں ہے۔ اس بات کی دلیل بھی واضح و روشن ہے: وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر جہت سے غیر متناہی ہے اور سکر طور پر ہر جہت سے دو غیر متناہی ذاتیں ناقابل تصور ہیں، کیونکہ اگر دو ذاتیں ہوں گی تو وہ دونوں محدود ہو جائیں گی، اس میں اس کے کمالات نہ ہوں گے اور نہ اس میں اس کے کمالات (غور کیجئے)۔

بعد والی آیت میں اس یکتا ذات مقدس کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ ایسا خدا ہے کہ تمام حاجت مند اس کی طرف رُخ کرتے ہیں۔" (اللہ الصمد)۔

"صمد" کے لیے روایات اور مفسرین و ارباب لغت کے کلمات میں بہت زیادہ معانی بیان ہوئے ہیں۔ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: صمد اس آقا اور بزرگ کے معنی میں ہے جس کی طرف کاموں کی انجام دہی کے لیے جاتے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ "صمد" اس چیز کے معنی میں ہے جو اندر سے خالی نہ ہو بلکہ پُر ہو۔ "مقایس اللغۃ" میں آیا ہے کہ دو اصلی جڑ بنیادیں ہیں: ایک قصد کے معنی میں ہے اور دوسرا صمد ہے۔ استحکام کے معنی میں، اور یہ جو خدا کو "صمد" کہا جاتا ہے تو یہ اس بنا پر ہے کہ بندے اس کی بارگاہ کا قصد ارادہ کرتے ہیں۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ ذیل کے متعدد معانی بھی لغت کی کتابوں میں "صمد" کے لیے ذکر ہوئے ہیں: ایسی بزرگ ہستی جو انتہائی عظمت میں ہو، اور ایسی ذات جس کی طرف لوگ اپنی حاجات لے کر جاتے ہیں، ایسی ذات جس سے برتر کوئی چیز نہیں ہے، ایسی ہستی جو مخلوق کے فنا و نابود ہونے کے بعد بھی دائم اور باقی رہنے والی ہے۔ اسی لیے امام حسین بن علی علیہما السلام نے ایک حدیث میں "صمد" کے لیے پانچ معانی بیان کیے ہیں۔ "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جو انتہائی سیادت و آقائی میں ہو۔

"صمد" وہ ذات ہے جو دائم اور ازلی و ابدی ہو۔

"صمد" وہ موجود ہے جو ف (اندر سے خلا) نہ رکھتا ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو نہ کھاتی ہو نہ پیتی ہو۔

"صمد" وہ ہستی جو کبھی نہ سوتی ہو۔

اور دوسری عبارتوں میں یہ آیا ہے کہ: "صمد اس ہستی کو کہتے ہیں جو قائم بہ نفس ہو اور غیر سے بے نیاز ہو۔" "صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس میں تغیرات اور کون و فساد نہیں ہے۔

امام علی بن الحسین علیہما السلام سے نقل ہوا ہے کہ آیت نے فرمایا:

"صمد" اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک نہ ہو کسی چیز کی حفاظت کرنا اس کے لیے مشکل نہ ہو اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہتی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "صمد" اس ذات کو کہتے ہیں کہ وہ جب بھی کسی چیز کا ارادہ کرے تو اُسے کہتا ہے

ہو جا، تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اہل بصر" نے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور "صمد" کے معنی دریافت کیے۔ امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، اما بعد قرآن میں آگاہی کے بغیر بحث و گفتگو نہ کرو، کیونکہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: جو شخص علم کے بغیر بات کرے گا اسے آگ میں اس مقام پر رہنا پڑے گا جو اُس کے لیے معین ہے۔ خدا نے خود "صمد" کی تفسیر بیان فرمائی ہے

"لویلد و لویولد و لویکن لہ کفو احد"

نہ کسی نے جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ ہی کوئی اس کی مانند اور مثل و نظیر ہے۔ ہاں! خداوند "صمد" وہ ہے جو کسی چیز سے وجود میں نہیں آیا، اور نہ ہی وہ کسی چیز کے اندر موجود ہے۔ نہ کسی چیز کے اوپر قرار پایا ہے، وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور ان کا خالق ہے، تمام چیزوں کو وہی اپنی قدرت سے وجود میں لایا ہے۔ جن چیزوں کو اس نے فنا کے لیے پیدا کیا ہے وہ اس کے ارادہ سے مٹا دیا ہو جائے گی، اور جسے بقا کے لیے پیدا کیا ہے، وہ اس کے علم سے باقی رہے گی۔ یہ ہے خداوند صمد "۔

اور بالآخر ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "محمد بن حنفیہ" نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے "صمد" کے بارے میں

سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"صمد" کی تائید یہ ہے کہ وہ نہ اسم ہے اور نہ جسم ہے نہ اس کا کوئی مثل ہے نہ نظیر ہے، نہ صورت ہے، نہ مثال ہے، نہ حد ہے نہ حدود ہے، نہ محل ہے، نہ مکان ہے، نہ حال ہے، نہ یہ ہے، نہ یہاں ہے، نہ وہاں ہے، نہ پڑ ہے، نہ خالی ہے، نہ کھڑا ہے، نہ بیٹھا ہے، نہ ساکن ہے نہ متحرک ہے، نہ ظالمی ہے، نہ نورانی ہے، نہ نفسانی۔ اس کے باوجود کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کسی مکان میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ وہ رنگ رکھتا ہے، نہ انسان کے دل میں سماتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی بو ہے۔ یہ سب چیزیں اس کی ذات پاک سے منتفی ہیں۔

۱۔ "مبج السببان" جلد ۱۰، ص ۵۶۵

۲۔ "بحار الانوار" جلد ۳، ص ۲۳۰، حدیث ۲۱

یہ
قدس سے
سکون و حرک
زیادہ تر عالم
آخر
جنہیں "ایٹا
گردش کر،
ایٹم کے جو
وہ ہمارے
مثلاً
وہ ایک ذر
کے بدن۔
بعض
مضی ایسا و
ہر قسم کی ج
اس طرح یہ
لیکر

تمام حاجت
گئی ہیں ا
اس
بیٹے یا باپ
(لویلد
اس
اور روح القا
نصا
اللہ و قالد
قاتلہم

یہ حدیث اچھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ "صمد" کا ایک بہت ہی جامع اور وسیع مفہوم ہے۔ جو اس کی خستہ قدس سے مخلوقات کی ہر قسم کی صفات کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشخص اور محدود اسما، اور اسی طرح جسم و رنگ و بُود مکان و سکون و حرکت و کیفیت و حدود حدود اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، یہ سب ممکنات و مخلوقات کی صفات ہیں، بلکہ زیادہ تر عالم مادہ کے اوصاف ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ خدا ان سب سے برتر و بالاتر ہے۔

آخری اکتشافات سے معلوم ہوا ہے کہ جہاں مادہ کی تمام چیزیں بہت ہی پھوٹے پھوٹے ذرات سے مل کر بنی ہیں جنہیں "ایٹم" کہا جاتا ہے۔ اور "ایٹم" خود بھی دو عمدہ حصوں کا مرکب ہے۔ مرکزی ذرہ اور وہ الیکٹرون جو اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ذرہ اور الیکٹرون کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ (البتہ یہ زیادہ ایٹم کے حجم کے اندازہ سے ہے) اس طرح سے کہ اگر یہ فاصلہ اٹھا دیا جائے تو اجسام اس قدر پھوٹے ہو جائیں گے کہ وہ ہمارے لیے حیرت میں ڈالنے والے ہوں گے۔

مثلاً اگر ایک انسان کے وجود کے ایٹمی ذرات کے فاصلے ختم کر دیں اور اُسے مکمل طور پر دبا دیں تو ممکن ہے کہ وہ ایک ذرہ کی صورت اختیار کر لے، جس کا اٹکھ کے ساتھ دیکھنا مشکل ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک انسان کے بدن کے سارے وزن کے برابر ہوگا، (مثلاً: یہی معمولی ذرہ ۶۰ کلو ذنی ہوگا)۔

بعض نے اس علمی اکتشاف سے استفادہ کرتے ہوئے اور اس بات کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہ "صمد" کا ایک معنی ایسا وجود ہے جو اندر سے خالی نہیں ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن اس تعبیر سے یہ چاہتا ہے کہ خدا سے ہر قسم کی جہانیت کی نفی کر دے، کیونکہ تمام اجسام ایٹم سے بنے ہوئے ہیں اور ایٹم اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ اور اس طرح یہ آیت قرآن کے علمی معجزات میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اہل نعت میں "صمد" ایک ایسی عظیم ہستی کے معنی میں ہے جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہیں اور وہ ہر لحاظ سے کامل ہو، اور ظاہر باقی تمام معانی اور تفاسیر جو اس کے لیے بیان کی گئی ہیں اسی اصل کی طرف لوٹتی ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین عرب کے عقائد کی رد پیش کرتے ہوئے جو خدا کے لیے بیٹے یا باپ کے قائل تھے فرماتا ہے: "اس نے نہ تو کسی کو جناس سے اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے" (لم یولد ولم یولد)۔

اس بیان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نظریہ ہے جو تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ رکھتے تھے، باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس۔

نصاری "مسیح" کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہود "عزیر" کو اس کا بیٹا سمجھتے تھے، و قالت الیہود عزیر ابن اللہ و قالت النصاری المسیح ابن اللہ ذالک قولہم بافواہم ایضا ہٹون قول الذین کفروا من قبل قاتلہم اللہ انی یؤفکون:

آغاز میں
۱
کا مثل د
۲

”یہود نے تو یہ کہا کہ عویر خدا کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے یہ کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں اور ان کی یہ بات گزشتہ کافروں کے قول کے مانند ہے۔ ان پر خدا کی لعنت ہو، وہ حق سے کیسے منحرف ہو جاتے ہیں“ (توبہ - ۳۰)

مشرکین عرب کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں، وخرقوالہ بنین و بنات بغیر علو: ”انہوں نے جھوٹ اور جہالت کی بنا پر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی تھیں“۔ (انعام - ۱۰۰)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ”لویلد و لویولد“ میں قولہ ایک وسیع معنی رکھتا ہے اور اُس سے ہر قسم کی مادی و لطیف چیزوں کے خروج اس ذاتِ مقدر کے دوسری مادی و لطیف چیزوں سے خروج کی نفی کرتا ہے۔

جیسا کہ اسی خط میں جو امام حسینؑ نے اہل بصرہ کے جواب میں صمد کی تفسیر میں لکھا تھا ”لویلد و لویولد کے جملہ کی اس طرح تفسیر کی گئی تھی: (لویلد) یعنی کوئی چیز اس سے خارج نہیں ہوئی، نہ تو بیٹے جیسی کوئی مادی چیز اور نہ ہی وہ تمام چیزیں جو مخلوق سے خارج ہوئی ہیں (جیسے ماں کی چھاتیوں سے دودھ) اور نہ ہی نفس جیسی کوئی لطیف چیز اور نہ ہی قسم قسم کے حالات جیسے خواب و خیال، حزن و اندوہ، خوشحال ہونا، ہنسنا اور روزنا، خوف و رجا، شوق و ملالت، بھوک اور سیری وغیرہ۔ خدا اس سے برتر و بالاتر ہے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہو۔

اور وہ اس بات سے بھی برتر و بالاتر ہے کہ وہ کسی مادی چیز سے متولد ہو۔۔۔ جیسا کہ کسی زندہ موجود کا کسی دوسرے زندہ موجود سے خارج ہونا اور گھاس کا زمین سے، پانی کا چشمہ سے، پھل کا درختوں سے اور اشیائے لطیف کا اپنے منالغ سے جیسے نگاہ کا آنکھ سے، سماعت کا کان سے، سونگھنے کا ناک سے، چکھنے کا منہ سے، گفتگو کا زبان سے، معرفت و شناخت کا دل سے اور آگ کی چمکاری کا پتھر سے نکلنا۔

اس حدیث کے مطابق قولہ ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو ہر قسم کے خروج اور ایک چیز کے کسی دوسری چیز کا نتیجہ ہونے کو شامل ہے، اور یہ حقیقت میں آیت کا دوسرا معنی ہے اور اس کا پہلا اور ظاہری معنی وہی تھا جو ابتدا میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا معنی پہلے معنی کی تحلیل کرنے سے پورے طور پر قابل ادراک ہے کیونکہ اگر خدا کے بیٹا نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مادی عوارض سے پاک و منزہ ہے۔ یہی معنی تمام مادی عوارض میں بھی صادق آتا ہے۔ (غور کیجئے)

اور آخر میں اس سورہ کی آخری آیت میں خدا کے اوصاف کے بارے میں مطلب کو مرحلہ کمال تک پہنچاتے ہوئے فرماتا ہے: اور ہرگز اس کا کوئی شبہ اور ہمسر نہیں ہے۔ (ولویکن لہ کفو احد)۔
”کفو“ اصل میں مقام و منزلت اور قدر میں ہم پلہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد اس کا ہر قسم کے شبہ اور مانند پر اطلاق ہوا ہے۔
اس آیت کے مطابق مخلوقات کے تمام عوارض اور موجودات کی صفات اور ہر قسم کا نقص و محدودیت اس کی ذات پاک سے منتفی ہے۔ یہ وہی توحید ذاتی و صفاتی ہے جو اُس توحیدِ صوری و نوعی کے مقابلہ میں ہے جس کی طرف اس سورہ کے

۱۔ بحارالانوار جلد ۳ ص ۲۲۴

۲۔ ”احد“ ”کان“ کا اسم ہے اور ”کفو“ اس کی خبر ہے۔

اد
۲
۳
۴
۱۔
تو
کے علاوہ
۱۔
شرط اور
سے آلودہ
اور وہ خار
دو
یقیناً ان میں
بنا پر وہ
(غور کیجئے)
۲
کی صورت
۱۔

آغاز میں اشارہ ہوا ہے۔

اس بنا پر نہ تو ذات میں اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کے مانند ہے، اور نہ ہی افعال میں کوئی اس کا مثل و نظیر ہے، وہ ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

”لویلد“ فیکون مولوداً“ و”لویلد“ فیصیر محدوداً... ..

ولا ”کف“ له فیکافئہ“ ولا نظیر له فیساویہ

”اس نے کسی کو نہیں بنا کر وہ خود بھی مولود ہو۔ اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ

وہ محدود ہو جاتا... .. اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے،

اور اس کے لیے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے۔“

اور یہ ایک ایسی عمدہ تفسیر ہے جو توحید کے عالیترین دقائق کو بیان کرتی ہے۔ (سلام اللہ علیک یا امیر المؤمنین)

چند نکات

۱۔ توحید کے دلائل

توحید، یعنی ذات خدا کا یکتا و یگانہ ہونا اور اس کا کوئی شریک و شبیہ نہ ہونا، دلائل نقلی اور قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بہت سے عقلی دلائل سے بھی ثابت ہے جن میں سے ایک حصہ کو ہم مختصر طور پر یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ برہان صرف الوجود۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا وجود مطلق ہے اور اس کے لیے کوئی قید و شرط اور حد نہیں ہے۔ اس قسم کا وجود یقینی طور پر غیر محدود ہوگا، کیونکہ اگر اس میں محدودیت ہوگی تو وہ ضروری طور پر عدم سے آلودہ ہوگا، لیکن وہ ذات مقدس جس کی ہستی و وجود خود بخود موجود ہے وہ ہرگز عدم و نیستی کا متقاضی نہیں ہوگا، اور وہ خارج ہیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عدم کو اس پر ڈال دے اس بنا پر وہ کسی حد کے ساتھ محدود نہیں ہوگا۔

دوسری طرف سے عالم میں دو غیر محدود ہستیاں تصور میں ہی نہیں آسکتیں، کیونکہ اگر دو موجود پیدا ہو جائیں تو یقیناً ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کمالات کا فاقد ہوگا۔ یعنی اس میں دوسرے کے کمالات نہیں ہوں گے۔ اس بنا پر وہ دونوں ہی محدود ہو جائیں گے، اور یہ خود ذات واجب والوجود کی یگانگت اور یکتائی پر ایک واضح دلیل ہے۔

(غور کیجئے)

۲۔ برہان علمی۔ جب ہم اس وسیع و عریض جہان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ابتدا میں ہم عالم کو پرگندہ موجودات کی صورت میں دیکھتے ہیں، زمین و آسمان، سورج، چاند، ستارے، انواع و اقسام کی نباتات و حیوانات، لیکن ہم جتنا

زیادہ غور کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے اجزاء و ذرات اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوستہ ہیں کہ مجموعی طور پر وہ ایک منظم چیز بناتے ہیں اور اس جہان پر معین قوانین کا ایک سلسلہ حکومت کرتا ہے۔ انسانی علم و دانش کی پیش رفت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس جہان کے اجزاء کا انسجام و وحدت زیادہ آشکار اور ظاہر ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایک چھوٹے سے نمونہ (مثلاً ایک سیب کے درخت سے گئے) کی آزمائش اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ ایک بہت بڑا قانون جو سارے عالم ہستی پر حکم فرما ہے، منکشف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ "نیوٹن" اور "قانون جاذبہ" کے بارے میں ہے)۔

نظام ہستی کی یہ وحدت، اس پر حاکم قوانین اور اس کے اجزاء کے درمیان انسجام و یکتائی، اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس کا خالق یکتا و یگانہ ہے۔

۲۔ برہان تمناع۔ (فلسفی علمی دلیل) دوسری دلیل جو علمائے خدا کی ذات کی یکتائی اور وحدت کے لیے بیان کی ہے اور قرآن نے سورہ انبیاء کی آیہ ۲۲ میں جس کے بارے میں ہدایت کی ہے، وہ برہان تمناع ہے فرماتا ہے: **لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما يصفون** "اگر زمین و آسمان میں خدائے واحد و یکتا کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو آسمان و زمین میں فساد ہو جاتا، اور نظام جہاں درہم و برہم ہو جاتا، پس وہ خدا جو عرش کا پروردگار ہے ان کی توصیف سے پاک و منزہ ہے۔"

ہم اس دلیل کی جلد ۱۳ ص ۲۸۶ میں "برہان تمناع" کے عنوان کے ماتحت تفصیل کے ساتھ وضاحت کر چکے ہیں۔
۳۔ خداوند یگانہ کی طرف انبیاء کی عمومی دعوت: اثبات توحید کے لیے یہ ایک اور دلیل ہے کیونکہ اگر عالم میں دو واجب الوجود ہوتے تو دونوں کو ہی منبع فیض ہونا چاہیے تھا، کیونکہ ایک بے نہایت کامل وجود کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی نور افشانی میں ٹھنجل کرے، کیونکہ وجود کامل کے لیے عدم فیض نقص ہے، اور اس کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کو اپنا فیض پہنچائے۔

اس فیض کی دو شاخیں ہیں۔ (عالم خلقت میں) فیض تکوینی، اور (عالم ہدایت میں) فیض تشریحی۔ اس بنا پر اگر متعدد خدا ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کی طرف سے بھی پیغمبر اور رسول آتے، اور ان کے فیض تشریحی سب کو پہنچاتے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند گرامی امام مجتہبی علیہ السلام کے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں: **"واعلموا يا بني انه لو كان لربك شريك لانتك رهله ولرايت آثار ملكه وسلطانه، ولعرفت افعاله وصفاته، ولكنه الله واحد كما وصف نفسه"**

"اے بیٹا! جان لو کہ اگر تیرے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے پیچھے ہوئے نمائندے تیرے پاس آتے، اور تو اس کے ملک و سلطنت کے آثار کا بھی مشاہدہ کرتا، اور تو اس کی صفات و افعال سے بھی آشنا ہوتا، لیکن وہ

ایک اکیلا مجرود ہے، جیسا کہ خود اس نے اپنی توصیف فرمائی ہے۔
یہ سب اس کی ذات کی یتنائی کے دلائل ہیں۔ باقی رہا اس کی ذات پاک میں ہر قسم کی ترکیب و اجزاء کے نہ ہونے کی دلیل تو وہ روشن و واضح ہے کیونکہ اگر اس کے لیے اجزائے خارجیہ ہوں تو بطور مادہ ان کا محتاج ہوگا، اور واجب الوجود کے لیے محتاج ہونا مستعمل نہیں اور اگر "اجزائے عقلیہ" (ماہیت و وجود یا جنس و فصل کی ترکیب) مراد ہو، تو وہ بھی محال ہے، کیونکہ ماہیت و وجود سے ترکیب اس کے مجرود ہونے کی فرع ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا وجود غیر مجرود ہے، اور جنس و فصل کی ترکیب ماہیت رکھنے کی فرع ہے، لیکن وہ ذات جس کی کوئی ماہیت نہیں ہے، اس کی جنس و فصل بھی نہیں ہے۔

۲۔ توحید کی اقسام

عام طور پر توحید کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں :

۱۔ توحید ذات : (جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے)۔

۲۔ توحید صفات : یعنی اس کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے بھی جدا نہیں ہیں، مثلاً ہمارا "علم" و "قدرت" دو الگ الگ صفات ہیں جو ہماری ذات پر عارض ہیں، ہماری ذات ایک الگ چیز ہے اور ہمارا علم و قدرت دوسری چیزیں ہیں جیسا کہ "علم" و "قدرت" بھی ہم میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ہمارے علم کا مرکز ہماری روح ہے، جب کہ ہماری قدرت جسمانی کا مرکز ہمارے بازو اور عضلات ہیں۔ لیکن خدا میں نہ اس کی صفات اس کی ذات پر زائد ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں، بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو سارا کا سارا علم ہے، سارا کا سارا قدرت ہے اور سب کا سب ازلیت و ابدیت ہے۔ اگر اس کے علاوہ صورت ہو تو اس کا لازمہ ترکیب ہے اور اگر وہ مرکب ہوگا تو اجزاء کا محتاج ہوگا، اور محتاج چیز مرکز واجب الوجود نہیں ہوتی۔

۳۔ توحید افعالی : یعنی ہر وجود، ہر حرکت اور ہر حرکت جو دنیا میں ہو رہی ہے اس کی بازگشت خدا کی پاک ذات کی طرف ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی پاک ذات ہی علت العلل ہے، یہاں تک کہ وہ افعال بھی جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں ایک معنی میں اسی کے افعال ہیں، چونکہ اسی نے ہمیں قدرت و اختیار اور ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس بنا پر ہم اپنے افعال کے فاعل اور ان کے مقابلہ میں مسئول و جواب دہ ہونے کے باوجود ایک لحاظ سے فاعل خدا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے۔ (لا مؤثر فی الوجود الا اللہ) (عالم وجود میں خدا کے سوا اور کوئی مؤثر نہیں ہے)۔

۴۔ توحید در عبادت : یعنی صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیے اور اس کا غیر لائق عبادت نہیں ہے، کیونکہ عبادت ایسی ذات کی ہونا چاہیے جو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے، جو سب سے بے نیاز اور تمام نعمتوں کا بخشنے والا

۱ "نجم البلاغہ" وصیت امام مجتبیٰ (حصہ خطوط خط ۳۱)۔

اور تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، اور یہ صفات اس کی پاک ذات کے سوا کسی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ عبادت کا اصلی مقصد اس کمال مطلق اور بے پایاں ہستی کا قرب حاصل کرنا اور اس کی صفات جمال و کمال کو اپنی رُوح کے اندر منعکس کرنا ہے، جس کا نتیجہ ہوا و ہوس سے دُوری اور تہذیب نفس اور خود سازی کی طرف رُخ کرنا ہے۔ یہ ہدف اور مقصد "اللہ" کی عبادت کے بغیر، جو وہی کمال مطلق ہے، امکان پذیر نہیں ہے۔

۳۔ توحید افعالی کی اقسام

"پھر توحید افعالی کی بھی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ہم یہاں چھ اہم ترین اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ توحید خالقیت : جیسا کہ قرآن کتاب ہے : قل اللہ خالق کل شیء : " کہہ دیجئے خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے " (رعد - ۱۶)

اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب گزشتہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ایک ہی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز ممکن الوجود ہے تو اس بنا پر تمام موجودات کا خالق بھی ایک ہی ہو گا۔

۲۔ توحید ربوبیت : یعنی عالم ہستی کا مدبر و مدیر، مربی اور اس کا نظام بخش صرف خدا ہے، جیسا کہ قرآن کتاب ہے : قل اغیر اللہ البنی ربنا وھو رب کل شیء کہہ دیجئے کیا ہیں خدا کے سوا کسی اور کو اپنا پروردگار مان لوں حالانکہ ہر چیز کا پروردگار وہی ہے؟ (انعام - ۱۶۴)۔

اس کی دلیل بھی واجب الوجود کی وحدت اور عالم ہستی میں خالق کی توحید ہے۔

۳۔ توحید تشریح و قانون گزاری : جیسا کہ قرآن کتاب ہے : ومن لویحکو بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون : " جو شخص اس کے مطابق حکم نہیں کرتا، جو خدا نے نازل کیا ہے، وہ کافر ہے " (آئہ - ۴۴)

کیونکہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مدبر و مدیر وہی ہے، تو سہ طور پر اس کے غیر میں قانون گزاری کی صلاحیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے غیر کا تدبیر عالم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہذا وہ نظام حکومین سے ہم آہنگ قوانین وضع نہیں کر سکتا۔

۴۔ توحید در مالکیت : چاہے "حقیقی مالکیت" ہو یعنی کسی چیز پر تکوینی تسلط، یا "حقوقی مالکیت" ہو، یعنی کسی چیز پر قانونی تسلط، یہ سب اسی کے لیے ہیں جیسا کہ قرآن کتاب ہے : "وللہ ملک السماوات والارض" " آسمانوں اور زمین کی مالکیت حاکمیت خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (آل عمران - ۱۸۹)

اور یہ بھی فرماتا ہے : "والفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" "خدا نے جن اموال میں تمہیں اپنا نمائندہ قرار دیا ہے، ان میں سے (راہ خدا) میں خرچ کرو" (حدید - ۷)

اس کی دلیل بھی وہی توحید در خالقیت ہے۔ جب تمام اشیاء کا خالق وہی ہے، تو طبعاً تمام چیزوں کی مالک بھی اسی کی ذات مقدس ہے، اس بنا پر ہر ملکیت کا سرچشمہ اسی کی مالکیت کو ہونا چاہیے۔

۵۔ تو

یقیناً
پروردگاروں کی

ایک

حاکم حقیقی اور

اور یہی وجہ

اور ان کے

البتہ

کے تمام ا

البتہ

کا تعلق عالم

قرآن

۶۔ آ

یعنی

مقام کی اطا

اس

اسی لیے ہ

شمار کرتے

" اے ا

البتہ

ہم نے ا

خدا

پرورد

لہ اس

مش

۵۔ توحیدِ حاکمیت

یقیناً انسانی معاشرہ حکومت کا محتاج ہے، کیونکہ اجتماعی زندگی حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم، پروگراموں کی تنظیم، مدیریٹوں کا اجراء اور تجاویزات کو روکنا، صرف حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ایک طرف تو انسانوں کی اصل آزادی یہ کہتی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص پر حق حکومت نہیں رکھتا مگر جسے اصل مالک اور حاکم حقیقی اجازت دے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس حکومت کو جو حکومت الہی پر منتهی نہیں ہوتی مردود سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم حکومت کی مشروعیت کو صرف پیغمبر کے لیے سمجھتے ہیں، اور پیغمبر کے بعد آئمہ معصومین کے لیے اور ان کے بعد فقہیہ جامع الشرائط کے لیے جانتے ہیں۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ لوگ کسی کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ ان پر حکومت کرے، لیکن چونکہ پورے معاشرے کے تمام افراد کا اتفاق عادتاً ممکن نہیں ہے، لہذا عملی طور پر اس قسم کی حکومت ممکن نہیں ہے۔ البتہ اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ توحیدِ ربوبیت عالم تکوین کے ساتھ مربوط ہے اور توحیدِ قانون گزاری حکومت کا تعلق عالم تشریح کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے: "ان الحکم الا للہ"؛ "حکم اور حکومت کرنا صرف خدا کے لیے ہے۔" (انعام ۷۰)

۶۔ توحیدِ اطاعت

یعنی جہان میں واجبُ اللطاعت ہونے کا مقام صرف خدا کی ذاتِ پاک کے لیے ہے اور ہر دوسرے مقام کی اطاعت کی مشروعیت کا سرچشمہ یہیں سے ہونا چاہیے، یعنی اس کی اطاعت بھی خدا ہی کی اطاعت شمار ہوگی۔ اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب حاکمیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے، تو مطاع ہونا بھی اسی کے ساتھ مخصوص اسی لیے ہم انبیاء کی اطاعت، آئمہ معصومین کی اطاعت اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کو بھی خدا ہی کی اطاعت کا پرتو شمار کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: "یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"؛

"اے ایمان لانے والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور صاحبانِ امر (آئمہ معصومین) کی اطاعت کرو۔" (نساء ۵۹) البتہ اوپر والے مباحث میں سے ہر ایک کے لیے بہت ہی زیادہ شرح و بسط کی ضرورت ہے اور ہم نے اس بنا پر کہ ہم بحثِ تفسیری سے خارج نہ ہو جائیں، انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خداوند! ہمیں ساری عمر توحید کے راستے پر ثابت قدم رکھ۔

پروردگارا! بشرک کی شاخیں بھی توحید کی شاخوں کی طرح بہت زیادہ ہیں، اور تیرے لطف کے بغیر بشرک سے

لے اس بنا پر اگر کوئی حکومت عوام اور اکثریت کی رائے سے معین ہو تو ضروری ہے کہ وہ فقہیہ جامع الشرائط کے ذریعے نافذ ہو، تاکہ وہ

مشروعیت الہیہ پیدا کر سکے۔

نجات ممکن نہیں ہے تو ہمیں اپنے لطف کا مشمول قرار دے۔
 بارِ الہا! ہمیں توحید کے ساتھ زندہ رکھنا اور توحید کے ساتھ ہی ہمیں موت دینا، اور حقیقت توحید کے
 ساتھ ہمیں مشور کرنا۔

اٰمیں یا ربّ العالمین

سورة اخلاص کا اختتام

سُورَةُ الْفَلَقِ

❖ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۵ آیات ہیں۔

کے جادو۔
سوہ
لوگوں کے ذ
افکار جادوگر
میں متزلزل کر
اس۔

الظالمون ا
اور

بیان کی ہیں

دونوں صورتوں

بہر حال

ان پر تنکیہ کیا

اس

ایک

ایک

اس۔

کی نماز صبح میں
ان لوگوں کے

سُورَةُ "فَلَق" کے مطالب اور اس کی فضیلت

ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا اگرچہ مفسرین کی ایک دوسری جماعت اسے "مدنی" سمجھتی ہے۔ اس سُورہ کے مطالب ایسی تعلیمات ہیں جو خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالخصوص، اور سب مسلمانوں کو بالعموم، تمام اشرار کے شر سے، اس کی ذات پاک سے پناہ مانگنے کے سلسلہ میں دی ہیں، تاکہ خود کو اس کے پُرو کر دیں اور اس کی پناہ میں ہر صاحب شر موجود کے شر سے امان میں رہیں۔

اس سُورہ کے شان نزول کے بارے میں اکثر کتب تفسیر میں کچھ روایات نقل ہوئی ہیں جن کے مطابق بعض یہودیوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا تھا، جس سے آپ بیمار ہو گئے تھے۔ جبرئیل نازل ہوئے اور جس کنوئیں میں جادو کے آلات چھپائے ہوئے تھے اس جگہ کی نشان دہی کی، اسے باہر نکالا گیا، پھر اس سُورہ کی تلاوت کی تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حالت بہتر ہو گئی۔

لیکن مرحوم طبرسی اور بعض دوسرے محققین نے اس قسم کی روایات کو، جن کی سند صرف "ابن عباس" اور عائشہ تک منتهی ہوتی ہے، قابل اعتراض سمجھا ہے اور درست قرار نہیں دیا، کیونکہ :

اولاً : یہ سُورہ مشہور قول کے مطابق کئی ہے اور اس کا لب دلچہ بھی کئی سُورتوں والا ہے، جب کہ پیغمبر کا یہودیوں سے واسطہ مدینہ میں پڑا اور خود یہی بات اس قسم کی روایات کی عدم اصالت کی ایک دلیل ہے۔

دوسری طرف اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادوگر اتنی آسانی کے ساتھ جادو کر لیا کریں کہ وہ بیمار پڑ جائیں اور بستر علالت پر دراز ہو جائیں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ کو آپ کے عظیم ہدف اور مقصد سے آسانی سے روک دیں۔ مسلمہ طور پر وہ خدا جس نے آپ کو اس قسم کی ماموریت اور عظیم رسالت کے لیے بھیجا ہے، وہ آپ کو جادوگر

کے جادو کے نفوذ سے بھی محفوظ رکھے گا تاکہ نبوت کا بلند مقام ان کے ہاتھ میں بازیجہ اطفال نہ بنے۔
سوم اگر یہ مان لیا جائے کہ جادو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں اثر انداز ہو سکتا ہے، تو پھر ممکن ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ دہم پیدا ہو جائے کہ جادو آپ کی روح میں بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ آپ کے انکار جادوگروں کے جادو کا شکار ہو جائیں۔ یہ معنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتماد کی اصل کو عام لوگوں کے افکار میں متزلزل کر دیں گے۔

اس لیے قرآن مجید اس معنی کی نفی کرتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا گیا ہو، فرماتا ہے: وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً انظر كيف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا يستطيعون سبيلاً " اور ظالموں نے کہا تم تو ایک سحرزدہ شخص کی پیروی کرتے ہو، دیکھو تو سہی! تیرے لیے انہوں نے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں اور ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ راستہ پا ہی نہیں سکتے۔ (فرقان - ۹۰۸)
"مسحور" چاہے یہاں اس شخص کے معنی میں ہو جس پر عقلی لحاظ سے جادو کیا گیا ہو یا اس کے جسم پر، دونوں صورتوں میں ہمارے مقصود پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال ایسی مشکوک روایات کے ساتھ مقام نبوت کی قدرت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی فہم آیات کچھ لیے ان پر تکمیل کیا جا سکتا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے، آپ نے فرمایا:
" انزلت علی آیات لیسئلن منہن : المعوذتان ؛

" مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل اور مانند اور نازل نہیں ہوئیں اور وہ دو سورتیں " فلق " اور " ناس " ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

" جو شخص نماز " وتر " میں سورہ " فلق " و " ناس " اور قل هو اللہ احد " کو پڑھے گا، تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ اے بندہ خدا تجھے بشارت ہو، خدا نے تیری نماز وتر قبول کر لی ہے۔ "

ایک روایت میں پیغمبر اکرم سے بھی آیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

" کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے ایسی دو سورتوں کی تعلیم دوں جو قرآن کی سورتوں میں سب سے

زیادہ افضل و برتر ہیں ؟

اس نے عرض کیا: ہاں! اے رسول اللہ! تو حضرت نے اُسے معوذتین (سورہ فلق و ناس) کی تعلیم دی۔ اس کے بعد ان دونوں کی نماز صبح میں قرأت کی اور اس سے فرمایا، جب تو بیدار ہو یا سونے لگے تو ان کو پڑھا کر۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی روح و جان اور عقیدہ و عمل کو اس کے مطالب کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

(حاشیہ جات اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہوں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝
- ۲۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
- ۳۔ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝
- ۴۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثِ فِي الْعُقَدِ ۝
- ۵۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

- ۱۔ کہہ دیجئے میں سفید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
- ۲۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں۔
- ۳۔ اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہو۔
- ۴۔ اور اُن کے شر سے جو گمراہوں میں دم کرتے ہیں۔ (اور ہر طرح کے ارادہ کو کمزور کر دیتے ہیں)۔

(عائزہ گوشتی صفحہ)

۱۔ "نورالفتلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۲۔ "نورالفتلین" جلد ۵ ص ۷۱۶ و "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۵۶۷

۵۔
تفسیر
میں
قرآن
دیجئے، میں
ان تمام
تمام
اور نفس آمارہ۔
"فلق"
اور ایک کو
پردہ چاک ہو
صبح پر اطلاق
بعض
کیونکہ ان موجود
مراحل میں سے
دوسرے عالم
سورہ
العیت من ال
بعض
پر اطلاق کیا
ہو جاتا ہے۔
ان تین
غریب وجود
ساتھ خدا کی

۵۔ اور ہر حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر

میں سفید صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن اس سورہ کی پہلی آیت میں خود پیغمبر کو ایک نمونہ اور پیشوا کے عنوان سے اس طرح حکم دیتا ہے: کہ دیجئے، میں سفید صبح کے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں جو رات کی سیاہی کو چیر دیتا ہے۔ (قل اعوذ برب الفلق)۔ ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔ (من شر ما خلق)۔

تمام شریر موجودات کے شر سے، شریر انسانوں سے، جنوں، حیوانات، شر کے پیش آنے والے واقعات اور نفسِ آمارہ کے شر سے۔

”فلق“ (بروزن شفق) ”فلق“ (بروزن خلق) کے مادہ سے اصل میں کسی چیز میں شکاف کرنے اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کے معنی میں ہے، اور چونکہ سفید صبح کے پھوٹنے کے وقت رات کا سیاہ پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ لفظ طلوع صبح کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ ”فجر“ کا بھی اسی مناسبت سے طلوع صبح پر اطلاق ہوتا ہے۔

بعض اسے تمام سوالات اور تمام زندہ موجودات کے معنی میں سمجھتے ہیں، چاہے وہ انسان ہو یا حیوان و نباتات کیونکہ ان موجودات کا پیدا ہونا، جو دانہ یا گٹھلی وغیرہ کے شکاف سے ہونے سے صورت پذیر ہوتا ہے، وجود کے عجیب ترین مراحل میں سے ہے اور حقیقت میں تولد کے وقت اس موجود میں ایک عظیم محرک رونا ہوتا ہے اور وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں قدم رکھتا ہے۔

سورۃ انعام کی آیت ۹۵ میں آیا ہے: ان الله فالح الحب والتلوی يخرج الحي من الميت ومنخرج الميت من الحي “خدا دانہ اور گٹھلی کا شکاف کرنے والا ہے، جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ بعض نے ”فلق“ کے مفہوم کو اس سے بھی زیادہ وسیع معنی میں لیا ہے اور اس کا ہر قسم کی آفرینش و خلقت پر اطلاق کیا ہے، کیونکہ ہر موجود کی آفرینش و خلقت سے عدم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور وجود کا نور ظاہر و آشکار ہو جاتا ہے۔

ان تینوں معانی (طلوع صبح، زندہ موجودات کا تولد، اور ہر موجود کی خلقت و آفرینش) میں سے ہر ایک عجیب و ریب وجود میں آنے والی چیز ہے جو پروردگار اور اس کے خالق و مدبر کی عظمت کی دلیل ہے، اور اس وصف کے مانعہ خدا کی توصیف ایک عمیق مفہوم و مطلب رکھتی ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ " فلق " دوزخ میں ایک کنواں یا زندان ہے ، اور وہ جہنم کے وسط میں ایک شگاف کی مانند دکھائی دیتا ہے ۔

یہ روایت ممکن ہے اس کے مصداق میں سے ایک مصداق کی طرف اشارہ ہو ، لیکن یہ " فلق " کے وسیع مفہوم کو محدود نہیں کرتی ۔

" من شر ما خلق " کی تعبیر کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ آفرینش و خلقت الہی اپنی ذات میں کوئی شر رکھتی ہے ، کیونکہ آفرینش خلقت تو ایک ایجاد ہی ہے ، اور ایجاد وجود خیر محض ہیں ، قرآن کتاب ہے : الذی احسن کل شیء خلقہ " وہی خدا جس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا بہتر اور زیادہ سے زیادہ اچھا کر کے پیدا کیا " (الم سجدہ - ۷) ، بلکہ شر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مخلوقات قوانین آفرینش سے منحرف ہو جائیں اور معینہ راستے سے الگ جائیں مثلاً ڈنک اور جانوروں کے کاٹنے والے دانت ایک دفاعی حربہ ہیں ، جنہیں وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں ، اب اگر یہ ہتھیار اپنے موقع و محل پر استعمال ہوں تو خیر ہی خیر ہیں ، لیکن اگر یہ بے موقع اور دوست ہی کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگیں تو پھر شر اور برائی ہیں ۔

بہت سے ایسے امور ہیں ، جنہیں ہم ظاہر میں شر سمجھتے ہیں ، لیکن وہ باطن میں خیر ہیں ، مثلاً بیدار کرنے والے اور ہوشیار و خبردار کرنے والے حوادث بلائیں اور مصائب ، جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کر کے خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں ، یہ شکر طور پر شر نہیں ہیں ۔

اس کے بعد اس مطلب کی توضیح و تفسیر میں مزید کتاب ہے : " اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہوتا ہے " (و من شر غاسق اذا وقب) ۔

" غاسق " " غسق " (بروزن شفق) کے مادہ سے " مفردات " میں " راغب " کے قول کے مطابق ، رات کی ظلمت کی اس شدت کے معنی میں ہے جو آدھی رات کے وقت ہوتی ہے ، اسی لیے قرآن مجید نماز مغرب کے اختتام کے وقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے : الی غسق اللیل ، اور یہ جو لغت کی بعض کتابوں میں " غسق " کی آغاز شب کی تاریکی کے معنی میں تفسیر ہوئی ہے ، بعید نظر آتا ہے ، خصوصاً جب کہ اس کا اصلی ریشہ اور جڑ ، امتلا (پُر ہونے) اور بہنے کے معنی میں ہے ، اور سلسلہ طور پر رات کی تاریکی اس وقت زیادہ یعنی پُر اور لبریز ہوتی ہے جب آدھی رات ہو جائے ۔ اس کے مفہیم میں سے ایک ، جو اس معنی کا لازمہ ہے ، ہجوم کرنا اور حملہ آور ہونا ہے ، اس لیے یہ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے ۔

اس بنا پر زیر بحث آیت میں " غاسق " کا معنی یا تو حملہ کرنے والا شخص ہے ، یا ہر وہ شریر موجود ہے جو حملہ کرنے کے لیے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتا ہے ، کیونکہ نہ صرف درندے اور ڈنک مارنے والے جانور ہی رات کے وقت اپنے بلوں اور ٹھکانوں سے باہر نکل آتے ہیں ، بلکہ شریر و ناپاک اور پلید افراد بھی اپنے بُرے مقاصد کے لیے عام طور پر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔

" وق " کے بعد اس رات کی تاریکی کے لیے اذہ اس -

فی العقد - " نفا " اور چونکہ یہ کا

معنی میں بھی " لیکن

اور اس کا مفہوم

کرتی تھیں " اور جو مسلسل مردود

آہنی عزم کو کچھ

آگ بھڑکانی ، " فخر راز " یہ معنی

کا ایک اہم تر

کے صدوقوں کے حوالے

بعض - اپنے مسلسل ؛

بعید ہونا والوں اور چغل

البتہ ؛ خصوصیت -

لہ " تفسیر

”وقب“ (بروزن شفق) ”وقب“ (بروزن نقب) کے مادہ سے گڑھے اور خندق کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد اس کا فعل گڑھے میں داخل ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ گویا شریہ اور نقصان پہنچانے والے موجودات رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نقصان پہنچانے والے گڑھے کھود کر اپنے پلید اور گندے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اقدام کرتے ہیں۔ یا یہ ہے کہ یہ تعبیر ”نفوذ کرنے“ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ”اور ان کے شر سے جو گروہوں میں دم کرتے ہیں۔“ (ومن شر النفاثات فی العقد)۔

”نفاثات“ ”نفث“ (بروزن صبح) کے مادہ سے اصل میں تھوڑی سی مقدار میں تھوکنے کے معنی میں ہے۔ اور چونکہ یہ کام پھونک مارنے کے ساتھ انجام پاتا ہے، لہذا ”نفث“ ”نفخ“ (پھونکنے اور دم کرنے) کے معنی میں بھی آیا ہے۔

لیکن بہت سے مفسرین نے ”نفاثات“ کی ”جادوگر عورتوں“ کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ (نفاثات جمع مونث ہے) اور اس کا مفرد ”نفاثۃ“ ”نفث“ کے مادہ سے صیغہ مبالغہ ہے) وہ عورتیں کچھ ادراد پڑھتی تھیں اور گروہوں پر دم کیا کرتی تھیں۔ اور اس طرح وہ جادو کرتی تھیں، لیکن کچھ لوگ اسے دوسو سے پیدا کرنے والی عورتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو مسلسل مردوں کے، خصوصاً اپنے شوہروں کے کان بھرتی رہتی تھیں، تاکہ مثبت کاموں کے انجام دینے میں ان کے آہنی عزم کو کمزور کر دیں اور اس قسم کی عورتوں کے دوسووں نے طول تاریخ میں کیسے کیسے حادثہ پیدا کیے۔ کیسی کیسی آگ بھڑکائی، اور کیسے کیسے استوار و مضبوط ارادوں کو کمزور کر کے رکھ دیا۔

”فخر رازی“ کہتا ہے: عورتیں مردوں کے دلوں میں اپنی محبت کے نفوذ کی بنا پر تصرف کر لیتی ہیں۔ یہ معنی ہمارے زمانہ میں ہر وقت سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا کے سیاست دانوں میں جاسوسوں کے نفوذ کھننے کا ایک اہم ترین ذریعہ جاسوس عورتوں سے فائدہ اٹھانا ہے، کیونکہ ان ”نفاثات فی العقد“ کے ذریعے پوشیدہ بھیدوں کے صندوقوں کے تالے کھل جاتے ہیں اور وہ انتہائی مرموز اور پوشیدہ مسائل سے باخبر ہو جاتی ہیں، اور انہیں دشمن کے حوالے کر دیتی ہیں۔

بعض نے نفاثات کی ”نفوس شریرہ“ یا ”دوسو سے پیدا کرنے والی جماعتوں“ کے ساتھ بھی تفسیر کی ہے جو اپنے مسلسل پروپیگنڈوں کے ذریعے پختہ ارادوں کی گروہوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔

بعید نہیں ہے کہ یہ آیت ایک عام اور جامع مفہوم رکھتی ہو جو ان تمام معانی کو شامل ہو یہاں تک کہ سخن چینی کھننے والوں اور چغل خوروں کی باتوں کو بھی، جو محبت کے مراکز کو کسٹ، کمزور اور دیران کر دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ سابقہ شان نزول سے قطع نظر، آیت میں کوئی ایسی نشانی موجود نہیں ہے کہ اس سے خصوصیت کے ساتھ جادوگروں کا جادو مراد ہو اور بالفرض اگر ہم آیت کی اس طرح تفسیر بھی کریں، تو بھی یہ اس شان نزول کی صحت

پر دلیل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جادوگروں کے شر سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سے جیسے صحیح و سالم افراد سرطان کی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں، چاہے وہ ہرگز بھی اس میں مبتلا نہ ہوتے ہوں۔

اس سورہ کی آفری آیت میں فرماتا ہے: اور ہر حد کرنے والے کے شر سے جب وہ حد کرنے (و من شر جاسد اذا حسد)۔

یہ آیت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ خد بدترین اور قبیح ترین صفاتِ رذیلہ میں سے ہے، کیونکہ قرآن نے اسے درندہ جانوروں، ڈسنے والے سانپوں اور دوسرے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں کے ساتھ قرار دیا ہے۔

چند نکات

۱۔ شر و فساد کے اہم ترین سرچشمے

اس سورہ کے آغاز میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام شریر مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں، اس کے بعد اس کی وضاحت میں تین قسم کے شرور کی طرف اشارہ کرتا ہے:

- ۱۔ اُن تاریک دل حملہ کرنے والوں کے شر سے جو تارکیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ آور ہوتے ہیں۔
- ۲۔ ان دوسرے پیدا کرنے والوں کے شر سے جو اپنی باتوں اور بُرے پردہ پیگنڈوں سے، ارادوں، ایمانوں اور محبتوں اور رشتوں کو حسد اور کمزور کر دیتے ہیں۔
- ۳۔ اور حد کرنے والوں کے شر سے۔

اس اجمال و تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شرور و آفات کا سرچشمہ یہی ہیں، اور شر و فساد کے اہم ترین منابع یہی تینوں ہیں۔ اور یہ بات بہت ہی پُر معنی اور قابلِ غور ہے۔

۲۔ آیات کا تناسب

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ شرور اور موجودات کے شر سے "فلق" کے پروردگار سے پناہ مانگ۔ "ہر فلق" کا انتخاب شاید اس بنا پر ہے کہ شرور اور سلامتی و ہدایت کے نور اور روشنی کو منقطع کر دیتے ہیں، لیکن فلق کا پروردگار ظلمتوں اور تاریکیوں کو شکافِ نئے کرنے والا ہے۔

۳۔ جادو کی تاثیر

ہم نے پہلی جلد میں، سورہ بقرہ کی آیہ ۱۰۲ و ۱۰۳ کے ذیل میں، گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں جادو کی

کے بارے اور ان مباحث والے، اور یہ

لیکن وہ

یہ حکم دے،

پیغمبر پر انہوں

سے بھی خدا کی

کا کُلف نہ ہ

دوسری

سے مراد جادو

۴۔ حا

”حس

سے انسان میں

حسد بہ

حسد، ج

آگ لکڑی کو کھ

جیسا کہ

ایک اور

”حسد

اس کی و

نعمت سے کیو

میں آیا ہے:

”بھارا

”بھارا

بے بارے میں، اور اسلام کی نظر میں جادو کے حکم، اور اس کے اثر کرنے کی کیفیت کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مباحث میں ہم نے جادو کی تاثیر کو اجمالی طور پر قبول کیا ہے، لیکن اس صورت میں نہیں، جیسا کہ خیالی پلاؤ پکانے لے، اور ہیودہ لوگ اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ زیادہ وضاحت کے لیے اسی بحث کی طرف رجوع کریں۔ لیکن وہ نکتہ جس کا ذکر کرنا یہاں ضروری ہے یہ ہے کہ اگر وہ زیر بحث آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ جادوگروں کے جادو یا اس کے مانند چیزوں سے خدا کی پناہ مانگو تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ میرے انہوں نے جادو کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی غلطی اور خطا و گناہ سے بھی خدا کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی خدا کے لطف سے استفادہ کرتے ہوئے ان خطرات سے بچنے رہیں۔ اور اگر خدا لطف نہ ہوتا تو آپ پر جادو کے اثر کرنے کا امکان تھا۔ یہ بات تو ایک طرف رہی۔ دوسری طرف ہم پہلے ہی یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کہ "النفاثات فی العقد" مراد جادوگر ہوں۔

۲۔ حاسدوں کا شر

"حسد" ایک بڑی شیطانی عادت ہے جو مختلف عوامل جیسے ایمان کی کمزوری، تنگ نظری اور بخل کی وجہ سے انسان میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا مطلب دوسرے شخص کی نعمت کے زوال کی درخواست اور آرزو کرنا ہے۔ حسد بہت سے گناہان کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔

حسد، جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، انسان کے ایمان کو کھا جاتا ہے اور اُسے ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ان الحسد لیاکل الایمان کما تأکل النار الحطب" ۱

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

"افۃ الدین الحسد والعجب والفخر"

"حسد" خود کو بڑا سمجھنا اور ایک دوسرے پر "فخر" کرنا، دین کے لیے آفت ہے۔ ۲

اس کی وجہ یہ ہے کہ حسد کرنے والا حقیقت میں خدا کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے کہ اس نے کچھ افراد کو ت سے کیوں نوازا ہے؟ اور انہیں اپنی عنایت کا مشمول کیوں قرار دیا ہے؟ جیسا کہ سورۃ نسا کی آیہ ۵۴ آیا ہے: ام یحسدون الناس علی ما آتاهم اللہ من فضله۔

۱ "بخاری النوار" جلد ۲، ص ۲۳۷

۲ "بخاری النوار" جلد ۲، ص ۲۴۸

حسد کا معاملہ ممکن ہے کہ اس حد تک پہنچ جائے کہ محسوس سے نعمت کے زوال کے لیے حاسد خود کو پانی اور آگ تک میں ڈال کر نابود کر لے، جیسا کہ اس کے نمونے داستانوں اور تواریخ میں مشہور ہیں۔
حسد کی مذمت میں بس یہی کافی ہے کہ دنیا میں جو سب سے پہلا قتل ہوا وہ "قابیل" کی طرف سے "ہابیل" پر "حسد" کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

"حسد کرنے والے" ہمیشہ ہی انبیاء و اولیاء کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ حاسدوں کے شر سے خدا اور ربیتِ خلیق سے پناہ مانگیں۔
اگرچہ اس سورہ میں اور بعد والے سورہ میں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے، لیکن مسئلہ طور پر اس سے نمونہ اور اسوہ مراد ہے، اور سب لوگوں کو حاسدوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

خداوندا! ہم بھی حاسدوں کے شر سے تیری مقدس ذات سے پناہ مانگتے ہیں۔
پروردگارا! ہم تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ تو ہمیں بھی دوسروں پر حسد کرنے سے محفوظ رکھ۔
بار الہا! ہمیں نقاتات فی العقد اور راہِ حق میں دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے بھی محفوظ رکھ۔

اے میں یا سرِّ العالمین
اختتام سورۃ فلق

سورہ القاس

❖ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

❖ اس میں ۶ آیات ہیں۔

حدیث میں آیا۔
میکائیل آپ صلی
اور میکائیل پادوں
ذریعے خدا کی پناہ
ایک روایہ
آیا ہے کہ :

سُورَةُ النَّاسِ کے مطالب اور اس کی فضیلت

انسان ہمیشہ انسانی دوسوں کی زد میں ہے اور شیاطین جن و انس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اس کے قلب و رُوح میں نفوذ کریں۔ انسان کا مقام علم میں جتنا بالا ہوتا جاتا ہے اور اس کی حیثیت اجتماع اور معاشرے میں جتنی بڑھتی جاتی ہے، شیاطین کے دوسے اتنے ہی زیادہ شدید ہوتے چلے جاتے ہیں، تاکہ اس کو راہ حق سے منحرف کر دیں اور ایک دانش ور عالم کے فساد و خرابی سے سارے جہان کو تباہ و برباد کر ڈالیں۔

یہ سُورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نمونہ و اُسوہ کے طور پر اور پیشوا و رہبر کی حیثیت سے یہ حکم دے رہی ہے کہ تمام دوسوں سے ڈالنے والوں کے شر سے خدا کی پناہ طلب فرمائیں۔

اس سُورہ کے مطالب ایک لحاظ سے سُورہ " فلق " سے مشابہ ہیں، اور دونوں میں ہی شرور و آفات سے خداوند بزرگ کی پناہ مانگنے کو بیان کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ سُورہ فلق میں شرور کے مختلف انواع و اقسام بیان کیے گئے ہیں، لیکن اس سُورہ میں صرف نظر نہ آنے والے دوسو گروں (وسواس الخناس) پر تکیہ ہوا ہے۔

اس بارے میں بھی کہ یہ سُورہ مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ اسے "مکی" سمجھتا ہے جب کہ دوسری جماعت اسے "مدنی" شمار کرتی ہے۔ لیکن اس کی آیات کالب و لجمہ کی سُورتوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ روایات کے مطابق یہ سُورہ اور سُورہ فلق اکٹھے نازل ہوئے ہیں، اور سُورہ فلق ایک کثیر جماعت کے نظریہ کے مطابق کئی ہے چنانچہ بہت ممکن ہے کہ یہ سُورہ کئی ہی ہو۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار پڑ گئے تو (خدا کے دو عظیم فرشتے) جبرئیل و میکائیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ جبرئیل تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل پاؤں کی طرف۔ جبرئیل نے سورہ "فلق" کی تلاوت کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے ذریعے خدا کی پناہ میں دے دیا اور میکائیل نے سورہ "قل اعوذ برب الناس" کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں جو امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی اور ہم اس کی طرف پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، یہ آیا ہے کہ :

" جو شخص نماز وتر میں " معوذتین " (سورہ فلق و ناس) اور
 " قل هو اللہ احد " کی تلاوت کرے گا تو اس سے کہا جائے گا،
 اے بندہ خدا ! تجھے بشارت ہو کہ خدا نے تیری نماز وتر کو قبول کر لیا ہے ! "

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝

۲۔ مَلِكِ النَّاسِ ۝

۳۔ اِلٰهِ النَّاسِ ۝

۴۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

۵۔ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝

۶۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ

۱۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے کہہ دیجئے ہیں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

۲۔ لوگوں کے مالک و حاکم کی۔

۳۔ لوگوں کے خدا اور معبود کی۔

۴۔ خناس کے دوسوں کے شر سے

۵۔ جو انسانوں کے سینوں میں دوسے ڈالتا ہے۔

۶۔ چلے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

تلف

لوگو

اس

صلی اللہ علیہ
ہوں۔ (رق)

قابل

ہوا ہے جو

ارتباط رکھتی

البتہ

عقیدہ و عمل۔

تبلینات،

وہ انسان جو

کہنے سے کہ

وہ "

قرار دیتا ہے

"ملا

اور اا

سے پرہیز کرنے

کے ساتھ ہم

درحقیقہ

شر سے بچا

اسی۔

لوسواس اا

تفسیر

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

اس سورہ میں، جو قرآن مجید کا آخری سورہ ہے، لوگوں کے لیے نمونہ اور پیشوا ہونے کے لحاظ سے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رُوتے سُخن کرتے ہوئے فرماتا ہے، ”کہہ دیجئے، میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (قل اعوذ برب الناس)۔

”لوگوں کے مالک و حاکم کی“۔ (ملك الناس)۔

”لوگوں کے خدا و معبود کی“۔ (الله الناس)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں خدا کے عظیم اوصاف میں سے تین اوصاف (ربوبیت، ملکیت اور الوہیت) کا ذکر ہوا ہے جو سب کی سب براہِ راست انسان کی تربیت اور دوسو سے ڈالنے والوں کے چنگل سے نجات کے ساتھ ارتباط رکھتی ہیں۔

البتہ خدا سے پناہ مانگنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے یہ جملہ کہے، بلکہ فکر و نظر اور عقیدہ و عمل کے ساتھ بھی انسان خود کو خدا کی پناہ میں قرار دے۔ شیطانی راستوں، شیطانی پروگراموں، شیطانی افکار و تبلیغات، شیطانی مجالس و محافل سے خود کو دور رکھے، اور رحمانی افکار و تبلیغات کے راستے کو اختیار کرے۔ وہ انسان جو عملی طور پر ان دوسووں کے طوفان میں ٹہرا رہے گا وہ صرف اس سورہ کے پڑھنے اور ان الفاظ کے کہنے سے کہیں نہیں پہنچے گا۔

وہ ”رب الناس“ کہنے کے ساتھ پروردگار کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے اور خود کو اس کی تربیت میں قرار دیتا ہے۔

”ملك الناس“ کہنے سے خود کو اس کی ملکیت سمجھتا ہے اور اس کے فرمان کا بندہ ہو جاتا ہے۔ اور ”الله الناس“ کے کہنے سے اس کی عبودیت کے راستے میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کے غیر کی عبادت سے پرہیز کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص ان تینوں صفات پر ایمان رکھتا ہو اور خود کو ان تینوں کے ساتھ ہم آہنگ کر لے، وہ دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے امان میں رہے گا۔

درحقیقت یہ تینوں اوصاف تین اہم تربیتی درس، پیش رفت کے تین پروگرام اور دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے نجات کے تین ذریعے ہیں اور یہ سورہ انسان کا ان کے مقابلہ میں بیمہ کر دیتا ہے۔

اسی لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے، ”دوسو سے ڈالنے والے خناس کے شر سے“ (من مشر لوسواس الخناس)۔

” وہی جو انسانوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتے ہیں“ (الذی یوسوس فی صدور الناس)۔

” جنوں اور انسانوں میں سے دوسرے ڈالنے والے“ (من الجنة والناس)۔

” وسواس“ کا لفظ ”مفروات“ میں ”راغب“ کے قول کے مطابق اصل میں ایسی آہستہ آواز ہے جو آلات زینت کے آپس میں ٹکرائے سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد ہر آہستہ آواز پر بولا جانے لگا اور اس کے بعد ایسے نامطلوب اور بُرے افکار و خیالات پر جو انسان کے دل و جان میں پیدا ہوتے ہیں، اور ایسی آہستہ آواز کے مشابہ جو کان میں کہی جاتی ہے، اطلاق ہوا ہے ”وسواس“ مصدری معنی رکھتا ہے، لیکن بعض اوقات ”فاعل“ (دوسرے ڈالنے والا) کے معنی میں بھی آتا ہے اور زیر بحث آیت میں یہی معنی ہے۔

”ختاس“ ”خنوس“ (بروزن خوف) کے مادہ سے، صیغہ مبالغہ ہے، جو جمع ہونے اور پیچھے جانے کے معنی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو شیاطین پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور چونکہ یہ کام پنہاں ہونے کے ساتھ توأم ہے، لہذا یہ لفظ ”اختفاء“ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہوگا: ”کہہ دیجئے میں شیطان صفت دوسرے ڈالنے والے کے شر سے جو خدا کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں؟“

اصولاً ”شیاطین“ اپنے پروگراموں کو چھپ کر کرتے ہیں اور بعض اوقات انسان کے دل کے کان میں اس طرح سے پھونک مارتے ہیں کہ انسان یہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ فکر خود اسی کی فکر ہے اور خود اسی کے دل میں خود بخود پیدا ہوئی ہے، اور یہی بات اس کے بہکنے اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

شیاطین کا کام زینت دینا، باطل کو حق کے لعاب میں چھپانا، جھوٹ کو سچ کے پھلکے میں لپیٹ کر گناہ کو عبادت کے لباس میں اور گمراہی کو ہدایت کے سرپوش میں پیش کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود بھی مخفی ہوتے ہیں اور ان کے پروگرام بھی پنہاں ہوتے ہیں، اور یہ راہ حق کے ان تمام رہ روؤں کے لیے ایک تہنید ہے جو یہ توقع نہیں رکھتے کہ شیاطین کو ان کے اصلی چہرے اور قیافہ میں دیکھیں یا ان کے پروگراموں کو انحرافی شکل میں مشاہدہ کریں۔ سوچنے کی بات ہے، دوسرے ڈالنے والے ختاس ہوتے ہیں اور ان کا کام چھپانا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، ریا کاری کرنا، ظاہر سازی اور حق کو پوشیدہ کرنا ہے۔

اگر وہ اصلی چہرے میں ظاہر ہو جائیں، اگر وہ باطل کو حق کے ساتھ نہ ملائیں، اگر وہ صریح اور صاف بات کریں تو علی علیہ السلام کے قول کے مطابق لم یخف علی المرتدین: خدا کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہ رہتا۔

وہ ہمیشہ کچھ حصہ تو ”اس“ سے لیتے ہیں، اور کچھ حصہ ”اُس“ سے، اور انہیں آپس میں ملا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں پر مستط ہو سکیں، جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فھنالک

لیستولی الشیطان علی اولیائہ“

”بجای اولیائہ“ خطبہ ۵۰

تفسیر نمونہ

۱
بھی اسی
میں ڈال
ہوتے،
نظر رکھنی
ظاہر فرم
”وسواس“
چہ
ا
انسا
کہ ”دوس
ہونے کے
باد
کرنے کی
ختاس کے
لیکن
راہ حق کے
اور ان کی
لیکن
چاہیے۔ بلکہ
۳۱ ۲
یہ ہے کہ ا
لیکن

”الذی یوسوس فی صدور الناس“ کی تعبیر، اور لفظ ”وسوسہ“ کا انتخاب، اور لفظ ”صدور“ (سینے) بھی اسی معنی کی تاکید ہیں۔

یہ سب کچھ تو ایک طرف، دوسری طرف سے ”من الجنة والناس“ کا جملہ خبریہ کرنا ہے کہ ”وسوسہ“ میں ڈالنے والے خناس، صرف ایک ہی گروہ، ایک ہی جماعت، ایک ہی طبقہ، اور ایک ہی لباس میں نہیں ہوتے، بلکہ یہ جن و انس میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر لباس اور ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا ان سب پر نظر رکھنی چاہیے اور ان سب کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

نا مناسب دوست، منحرف ہم نشین، گمراہ اور ظالم پیشوا، جبار اور طاغوتی کارندے، فاسد مقررین اور لکھنے والے، ظاہر فریب العادی والتقابل مکاتب اور اجتماعی طور پر وسوسے ڈالنے والوں کے وسائل ارتباط وغیرہ سب کے سب ”وسواس خناس“ کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں کہ جن کے شر سے انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

چند نکات

۱۔ ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں؟

انسان کے لیے ہر لمحہ انحراف کا امکان موجود ہے اور اصولی طور پر جب خدا اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے رہا ہے کہ ”وسواس خناس“ کے شر سے خدا کی پناہ مانگیں، تو یہ خناسوں اور وسوسہ ڈالنے والوں کے دائم فریب ہیں گرفتار ہونے کے امکان کی دلیل ہے۔

بادجود اس کے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لطف الہی، غیبی امدادوں اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کی بنا پر ہر قسم کے انحراف سے محفوظ تھے، لیکن پھر بھی وہ ان آیات کو پڑھتے تھے اور ان کے ذریعے وسواس خناس کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔ ان حالات میں دوسروں کا معاملہ واضح و روشن ہے۔

لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان مخرّب وسوسہ ڈالنے والوں کے مقابلہ میں مومنین بندوں اور راہ حق کے رہروں کی مدد کے لیے آسمانی فرشتے آتے ہیں۔ ہاں! مومن تنہا نہیں ہیں، فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں: ”ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ“ (خم سجدہ: ۲۰) لیکن بہر حال مغرور ہرگز نہیں ہونا چاہیے، اور خود کو موعظ و پند و نصائح اور خدائی امدادوں سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ اس سے پناہ مانگنی چاہیے اور ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

۲۔ اس بارے میں کہ تین آیات میں ”ناس“ کا تکرار کیوں ہوا ہے؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ہر مقام پر الگ الگ معنی ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ خدا کی ان تین صفات کی عمومیت کی تاکید کے لیے ہے اور تینوں مقام پر ایک ہی

معنی رکھتا ہے۔

۳۔ ایک روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے :

”ما من مؤمن الا ولقلبه فصدہ اذنان : اذن ینفت فیہا الملک
واذن ینفت فیہا الوسواس الختاس فیؤید اللہ المؤمن بالملک فهو
قوله سبحانه : وایدہو بروح منہ :

” ہر مومن کے دل میں دو کان ہوتے ہیں ، ایک کان میں تو فرشتہ پھونک
مارتا ہے اور دوسرے کان میں وسواس ختاس پھونک مارتا ہے ۔ پس خدا مومن
کی فرشتہ کے ذریعے تائید فرماتا ہے ۔ اور آیت ” وایدہ بروح منہ “ کا
مطلب یہی ہے : ۱

ایک لرزہ خیز اور پُر معنی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ :

” جب آیت والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکر اللہ
فاستغفروا لذنوبہم : ” زورہ لوگ جو کبھی کوئی بُرا کام انجام دیتے ہیں ، یا
خود اپنے اُپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں ، اور اپنے گناہوں کے لیے
استغفار کرتے ہیں (نازل ہوئی ، تو ابلیس مکہ میں ایک پہاڑ کے اُپر گیا اور اُدبھی
آواز کے ساتھ فریاد بلند کی اور اپنے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا ۔

انہوں نے کہا : اے آقا ! کیا ماجرا ہے ، آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے ؟

اس نے کہا : یہ آیت نازل ہوئی ہے (اس آیت نے میری کمر میں لرزہ پیدا کر دیا ہے اور یہ آیت

نجات بشر کا باعث) تم میں سے کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے ؟

بزرگ شیطانوں میں سے ایک نے کہا : میں ایسا کر سکتا ہوں ، میرا منصوبہ یہ ہے ۔

ابلیس نے اس کے اس منصوبہ کو ناپسند کر دیا ! تو دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے اپنا منصوبہ پیش کیا ، لیکن یہ بھی

قبول نہ کیا گیا ۔

اس موقع پر ” وسواس ختاس کھڑا ہوا اور اس نے کہا : میں اس کام کو انجام دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : وہ کیسے ؟

اس نے کہا : میں انہیں وعدوں اور آرزوؤں میں سرگرم کر دوں گا ، یہاں تک کہ وہ گناہ میں آلودہ ہو جائیں گے ،

جب وہ گناہ کر لیں گے تو میں انہیں توبہ کرنا بھلا دوں گا ۔

ابلیس نے کہا : تو اس کام سے عمدہ برآ ہو سکتا ہے ۔ (تیرا منصوبہ بہت ماہرانہ اور عالی ہے) اور یہ کام قیامت

۱ ” مجمع البیان “ جلد ۱۰ ص ۵۷۱

تک اس

خدا

پر

کے بغیر

بارا

احسان کیا۔

تفسیر کو مکمل

خدا

وجود میں موج

بارگاہ میں ہاؤ

آفر

ہم امید رکھ

اور آ

ا

ہماری معاد

خداون

ترجمہ جو رقم

۱۹۸۸ء اختتام

فرما اور میری اد

کی توفیق عنایت

۱ (المیہ

سبک اس کو سپرد کر دیا۔

خداوند! ہمیں ان سب وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے اور خناس کے تمام وسوسوں سے محفوظ فرما۔
پروردگارا! دام فریب سخت ہے، اور دشمن بیدار اور اس کے منصوبے مخفی اور پہنچا نہیں اور تیرے لطف کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔

بار الہا! ہم نہیں جانتے کہ اس عظیم نعمت کا شکر تیری بارگاہ میں کس طرح پیش کریں کہ تو نے ہم پر یہ احسان کیا ہے اور ہمیں یہ عظیم افتخار اور توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم نے اس وقت تقریباً پندرہ سال کے بعد اس تفسیر کو مکمل کر دیا ہے۔

خدایا! تو جانتا ہے کہ اس لمحہ ایک ایسی ناقابل توصیف خوشی اور شکر کے ساتھ ملی ہوئی شادمانی ہمارے بارے میں وجود میں موجزن ہے، ایسا احساس جس کی کسی بیان کے ساتھ تشریح اور اس کے شکر کی ہم میں توانائی نہیں ہے، ہم تیری بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔

آفرید گارا! ممکن ہے ہم سے ان آیات کی تفسیر میں کچھ لغزشیں ہو گئی ہوں، تو وہ سب ہمیں بخش دے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ تیرے بندے بھی ہمیں بخش دیں گے۔

اور آخری جملہ میں ہم یہ عرض کرتے ہیں:

اے خدائے رحیم و مہربان! اپنے کرم سے یہ ناپجز خدمت ہم سب سے قبول فرمائے اور اسے ہماری معاد اور روز جزا کا ذخیہ قرار دے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

سورۃ الناس اور جلد ۲ کا اختتام

در تاریخ ۱۴/۴/۱۳۶۶

مطابق آٹھ ذیقعد ۱۴۰۶ قمری

تفسیر نمونہ ختم شد

خداوند! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے اس حقیر پر تفسیر کرم علم و عقل کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ تقریباً چھ سال کے عرصہ میں اس تفسیر کا ترجمہ جو تم مقدس میں شروع ہوا تھا، اور تم ہی میں اپنے مکان پر بروز بدھ بوقت صبح دس بجکر نومنت پر بتاریخ ۹ شوال ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۸ء اختتام پذیر ہوا۔ خداوند! ممکن ہے مجھ سے کچھ فروگزاشتیں ہو گئی ہوں تو انہیں معاف فرمائے اور اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرما اور میری اور میرے والدین کی آخرت کے لیے اسے ذخیہ قرار دے اور مومنین اور اہل اسلام کو اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرما، والحمد لله اولاً و آخراً و صلی اللہ علی محمد و آلہ

احقر صفحہ حسین
۲۵-۵-۸۸

لہ (المیزان، جلد ۲۰، ص ۵۵۷)



تمام جلدوں کی اجمالی فہرست

اس سے مقصد یہ ہے کہ تفسیر نمونہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے کام کی سہولت کے لیے ایک ایسی فہرست پیش کی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ تفسیر نمونہ کی ہر جلد میں کس سورہ اور کن آیات کی تفسیر ہوئی ہے اور انشاء اللہ ایک تفصیلی اور وسیع فہرست (موضوعات کی صورت میں) ایک الگ جلد میں "راہنمائے تفسیر نمونہ" کے نام سے بعد میں شائع کی جائے گی۔

- جلد اول : سورہ حمد و سورہ بقرہ تا آیہ ۱۸۴۔
جلد دوم : سورہ آل عمران اور سورہ نساء
جلد ۳ : سورہ مائدہ اور سورہ انعام
جلد ۴ : سورہ اعراف سورہ انفال و سورہ توبہ
جلد ۵ : سورہ یونس۔ سورہ ہود سورہ یوسف اور سورہ زمر
جلد ۶ : سورہ ابراہیم سورہ حجر سورہ نحل اور سورہ "اسراء"
جلد ۷ : سورہ کہف۔ سورہ "مریم" سورہ "طہ" سورہ "انبیاء"
اور سورہ سورہ حج
جلد ۸ : سورہ مؤمنون سورہ نور۔ سورہ فرقان، سورہ شعراء اور سورہ نمل۔
جلد ۹ : سورہ قصص، سورہ عنکبوت سورہ روم سورہ لقمان، سورہ المؤمنین اور سورہ احزاب۔
جلد ۱۰ : سورہ سبأ، سورہ فاطر سورہ یسین سورہ صافات، سورہ ص
جلد ۱۱ : سورہ زمر سورہ مؤمن، سورہ لحم سجدہ سورہ شوری سورہ زخرف
جلد ۱۲ : دُخان، جاثیہ، احقاف، محمد سورہ فتح، حجرات، ق، ذاریات
جلد ۱۳ : طور، نجم۔ سورہ قمر، رحمن، واقعہ، حدید، مجادلہ، حشر
سورہ ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون،



جلد ۱۴: تفتاب، طلاق، تحریم، ملک، قلم و حاً سورۃ معارج، نوح، جن، زمزل، مدثر، قیامت، دھر، مرسلات سورۃ نبأ، نازعات، عبس،
 جلد ۱۵: تکویر، انفطار، مطفین، انشقاق، بروج، طارق، اعلیٰ، غاشیہ، فجر، سورۃ بلد، والشمس، واللیل، والضحیٰ، المونشرح، تین، علق، قدر، بیسہ، زلزال، عادیات، قارعه، تکاثر، عصر، همزہ، فیل، لایلاف قریش، ماعون، کوثر، کافرون، نصر، لہب، اخلاص، فلق اور ناس۔



خجہ
 کس طرح
 ہم آہنگ
 مدد کر سکے
 اصل
 اگر آگے
 اور زیادہ عمیق
 اور اجتماعی
 جب کہ وہ
 سے بہت
 بہرہ
 کیونکہ اس
 تفسیر کے
 طرف مائل
 معاشرے
 اس
 ۱۔ تقہ
 حصہ
 ہوئی
 ۲۔ الف
 ذمہ
 وہ

تفسیر نمونہ میں اجتماعی کام کا طریقہ

مختلف طبقات کے تفسیر نمونہ کے بہت سے قارئین یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس تفسیر میں کام کا طریقہ کس طرح تھا اور دس افراد کا گروہ (اور کبھی اس سے کم) تقریباً ۱۵ سال تک استاد کے زیر نظر کیسے آپس میں ہم آہنگ اور مسلسل گوشش کرتے رہے۔ شاید اس پروگرام کی تفصیل دوسرے علمی اجتماعی کاموں کی پیش رفت میں مدد کر سکے۔

اصولی طور پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ وسیع اور جامع کام انفرادی قوت سے بہت کم آگے بڑھتے ہیں اور اگر آگے بڑھیں بھی تو اس کے لیے بہت طولانی وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن گروہی اور اجتماعی کام زیادہ تیز بھی ہوتے ہیں اور زیادہ عمیق اور گہرے، اور خطا و غلطی سے دور بھی۔ اگرچہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ماحول میں گروہی اور اجتماعی کام بہت ہی کم انجام پاتا ہے اور اگر انجام پائے بھی تو عام طور پر بہت کم تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں میں تقریباً تمام کاموں کی بنیاد گروہی اور اجتماعی کام پر قائم ہوتی ہے اور انہوں نے اس سے بہت سے نتائج اخذ کیے ہیں۔

بہر حال ہدف و مقصد یہ نہیں ہے کہ تفسیر نمونہ کے کام کے شروع کرنے کے اسباب کی تشریح کی جائے، کیونکہ اس تفسیر کی مختلف جلدوں کے مقدموں میں اس سلسلہ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے، بلکہ ہدف و مقصد یہ ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے کا طریقہ اور طرز عمل بیان کیا جائے۔ شاید برادران اہل علم اور محققین اسلامی، جو گروہی کام انجام دینے کی طرف مائل ہوں، وہ اس تجربے سے اپنے کاموں میں فائدہ اٹھا سکیں اور مسائل اسلامی کو زیادہ جامع صورت میں ہمارے معاشرے کے سامنے، جو اس کے لیے بہت زیادہ تشنگی رکھتا ہے، پیش کر سکیں۔

اس تفسیر میں طریقہ کار اور طرز عمل کا کسی مراحل میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تقسیم آیات : اس مرحلہ میں استاد گرامی قدر اور محقق توانا آیات کو برادران میں تقسیم کر دیتے اور ہر ایک کا حصہ قرآن مجید کے ایک سے دو صفحات تک جا پہنچتا اور ہر جلد کے لیے یہ تقسیم آیات کئی مرتبہ صورت پذیر ہوتی ہے، اور اس طرح سے ہر شخص کی ذمہ داری معین ہو جاتی ہے۔

۲۔ انفرادی کام کا مرحلہ : تقسیم آیات کے بعد ہر شخص (اور ابتدا میں دو دو افراد بل کر کام کرتے) کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اسلام کے بزرگ علما کی ان مختلف تفاسیر کو جو وہ یادگار کے طور پر چھوڑ گئے ہیں۔ چاہے وہ شیعہ ہوں یا اہل سنت۔ تحقیق و مطالعہ کرے اور کافی مطالعہ کے بعد اپنے حاصل مطالعہ اور ان سے اخذ کردہ

نتائج کو خاص قسم کے کاغذوں پر۔ جن پر "حلیہ تفسیر" کا عنوان چھپا ہوا ہوتا تھا۔ لکھ کر حاکم کے حوالے کرے۔ وہ تفسیر جن کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ عام طور پر وہ دہی ہوتی تھیں جن کے نام ہر جلد کے آغاز میں لکھے گئے ہیں، اور بعض اوقات دوسری تفسیر بھی ہوتی تھیں۔

۳۔ مشترک جلسہ میں مطالعہ، روزانہ حضرت استاد اور دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ ایک جلسہ منعقد ہوتا تھا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان جلسوں میں کسی قسم کی کوئی تعطیل نہیں ہوتی تھی اور یہ سارے سال میں بغیر استثناء کے منعقد ہوتے تھے، یہاں تک کہ مخصوص سوگاری اور تعطیلی دنوں میں بھی (سوائے اس صورت کے کہ کوئی مسافرت پیش آجائے)۔ یہاں تک کہ ان دنوں میں بھی جب استاد "ہاباد" اور "انارک ناہین" میں انہیں طاعنوت کے زمانہ میں جلا وطن تھے، تفسیر کا کام معطل نہیں ہوا اور ساتھی باری باری (ہر دس دن میں دو افراد) کام کو جاری رکھنے کے لیے جلا وطنی کے مقام کی طرف سفر کرتے تھے اور صبح اور عصر کے وقت بحث تفسیر کو جاری رکھتے تھے۔

بہر حال مشترک جلسہ میں شرکاء جلسہ اپنی باری کے مطابق اپنی تحریر کی قرائت کرتے تھے۔

۴۔ آیات کی تفسیر میں اجتماعی غور و خوض؛ مذکورہ تحریروں کی قرائت کے بعد حضرت استاد آیات کے حساس نکات کی طرف۔ جن پر غور کرنا ضروری ہوتا۔ توجہ فرماتے اور تمام ساتھیوں کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ زیر بحث آیات کے خاص حساس نکات یا مبہم اور پیچیدہ مطالب کو مختلف اسلامی تفسیر میں۔ جو اس مجلس میں ان کے پاس ہوتی تھیں۔ ملاحظہ کر کے بیان کریں۔ اور اگر انہیں کوئی اور نیا اور عمدہ نکتہ ملے تو اسے پڑھیں یا اس کا خلا بیان کریں اور اس طرح سے ہر آیت اور ہر نکتہ پر کافی غور و بحث ہوتی تھی۔ لیکن جن باتوں میں اختلاف ہوتا تھا ان میں استاد کے نکتہ نظر کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

۵۔ مطالب کا املاء اور ان کی تحریر؛ اس مرحلہ کے بعد مطالب کو لکھنے کی نوبت آتی تھی۔ اس موقع پر حضرت استاد زیر بحث مطالب کو اپنے نظریات اور ان یادداشتوں کے ساتھ، جو انہوں نے پہلے سے تیار کر کے رکھی ہوئی ہوتی تھیں، ملا کر انہیں جلسہ تفسیر کے مخصوص کاغذوں پر ایک تیز نویس برادر کے ذریعے لکھواتے۔ (حقیقت میں انشاء اور قلم انہیں کا ہوتا تھا۔)

ادسٹا روزانہ تقریباً چار صفحے لکھے جاتے تھے (ابتداء گرمیوں اور تعطیل کے دنوں میں جب ایک سے زیادہ جلسے ہوتے تھے، یہ مقدار دس صفحات یا اس سے کچھ زیادہ تک پہنچ جاتی تھی)۔

۶۔ تصحیح اور تحقیق و مطالعہ؛ یہ بات واضح ہے کہ جلسہ میں املاء چاہے جتنے غور اور مہارت سے ہو اس کی مکمل طور پر تحریر نہیں ہو سکتی۔ لہذا حضرت استاد ان تحریروں کو دوبارہ خود پڑھتے تھے اور اس میں ہر قسم کی ضروری اصلاح اور کمی بیشی عمل میں لاتے تھے۔

۷۔ آیات کا ترجمہ؛ جیسا کہ آپ تفسیر میں ملاحظہ فرماتے ہیں آیات کے بعد ترجمہ حروف ریز کے ساتھ آیا ہے

اور پھر آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

آیات کا ترجمہ حضرت اُستاد خود تحریروں کو دوبارہ پڑھنے اور تصحیح کرنے کے بعد لکھتے تھے، تاکہ ترجمہ مکمل طور پر تفسیر آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور مطالعہ کرنے والے ترجمہ کے مطالعہ سے آیات کی اس تفسیر کو جو جمع بندی کے بعد انتخاب ہوئی ہے، سمجھ سکیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ صرف قرآن کے ترجمہ سے استفادہ کریں تو خالص ترجمہ بغیر کسی زحمت کے ان کے اختیار میں ہو۔

۸۔ چھپائی کے لیے صرف چینی کا مرحلہ : اب تفسیر کے مطالب چھاپنے کے لیے تیار ہیں، مطالب کی فوٹو کاپی لینے کے بعد چھاپنے اور نشر کرنے کے مسئلے کے حوالے کر دی جاتی، (فوٹو کاپی اس لیے لی جاتی ہے کہ اگر کوئی چیز گم ہو جائے، تو دوبارہ اسے فراہم کرنے کے لیے درد سر ہی نہ ہو۔ علاوہ ازیں فوٹو کاپی کے تمام جلدات ایک خطی جلد کے طور پر خوبصورت قسم کی جلد کر کے مدرسہ امیر المومنین کے کتاب خانہ میں خاص طور پر تفسیر کی اصلی سند کے عنوان سے محفوظ کر لی جاتی ہے)۔

مسئول چاپ و نشر بھی اُسے وقت و باریک بینی کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ اگر کوئی سوال یا ابہام اس نسخہ میں اس کی نظر میں آئے تو حضرت اُستاد کے سامنے پیش کر دے۔

۹۔ آخری تصحیح : حروف چینی اور مقدباتی چھاپ کے بعد ایک نسخہ تصحیح اور مدارک کے ساتھ مقابلہ کے لیے طلبہ تفسیر میں بھیجا جاتا ہے اور نئے برس سے کنٹرول کے لیے جلسہ کے شرکاء میں تقسیم ہو جاتا ہے، تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کو اچھی طرح سے دیکھ لے اور اگر مطلب یا کوئی مدرک غلط ہو تو اس کی اصلاح کریں اور اگر کسی بات میں ان کو شک ہو تو اس پر نشان لگا دیں اور فرست کو بھی تیار کر کے سب کچھ اُستاد کے حوالے کر دیں۔

۱۰۔ مسکمر غور و مطالعہ : اُستاد ایک مرتبہ پھر غلطیوں کی اصلاح کے بعد اسے اور فرست کو کنٹرول کرتے اور اگر بعض مطالب میں کچھ ابہام ہوتا تو اصلاح کرتے اور ضروری اصلاح کے بعد چھاپنے کی اجازت دے دیتے اور مسئلے چاپ اسے چھاپ کر ملک کے نشر و اشاعت کے مراکز میں بھیج دیتے۔

اس کے باوجود چونکہ یہ ایک وسیع کام ہے اور انسان بہر حال جائز الخطا ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ چھپائی میں غلطیاں ہو گئی ہوں یا اتفاقیہ بعض آیات یا مطالب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو عام طور پر فاضل قارئین اس کی طرف توجہ دلا دیتے اور دفتر کو لکھتے، ایسے تمام خطوط اور اصلاحی نظریات ایک فائل میں جمع کیے جاتے تاکہ دوسری مرتبہ چھپائی کے موقع پر اس پر توجہ دی جائے اور اگر خطوں میں کوئی ایسا اعتراض ہو جو وارد نہ ہوتا ہو تو خط کے جواب میں غلط فہمی کو رفع کر دیا جاتا ہے۔

اور اسی وجہ سے یہاں پھر ایک مرتبہ تمام قارئین محترم اور صاحبان نظر سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر مطالعہ کے بعد کسی حصہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو مضائقہ نہ کریں اور ہمیں لکھیں اور مطمئن رہیں اگر وہ اعتراض صحیح ہو تو نہ صرف بلا تعصب اس کی اصلاح کر دی جائیگی بلکہ اس عظیم کام کی تکمیل میں ہمارا بھی ہونے کی بنا پر ہم ممنون و متشکر بھی ہوں گے۔

ہیت همکاران تفسیر نمونہ

تا
نہ
ز
وہ
چرا
خود
با
علم
علم
وز
ہر
باد
تفہ

کلام حق تفسیر نمونہ کے ذریعے جلوے دکھاتا ہے

شہرستان فسا کے برادر آقای " احمد شریعتی " کے اشعار بدلیج -
ان کے اشعار کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی چونکہ وہ بہت زیادہ تعریف اور اظہارِ محبت پر مشتمل تھے لہذا انہیں
مصلحتاً مختصر کر کے نقل کیا جاتا ہے، ان کے شکر یہ کے ساتھ :-

آن زمان کز تزکش جہل و ضلال و بُت پرستی
نسل آدم را بدل بنشته ، صد تیسر نمونہ
سُرنگوں در چاہ عصیاں و اسیر جاہلیت
در تلاشِ حضورِ خود بہ تفسیر نمونہ
ماندہ تنها از کتاب انبیا برگی محرف
صدق و عدل و مردی پامال تزویر نمونہ
راستی در کاستی ، کذب و رذائل در فنڈنی
قلب ہا را دست شیطان کردہ تفسیر نمونہ
باسراگشت جہالت ، پارہ منشور عدالت
رُوحِ انسانیت از ہر در بہ تحقیق نمونہ
بر نجاتِ آدمی از تنگنایِ این مصیبت
عاملی بایست پر قدرت بہ تاثر نمونہ
خوش بیاباں آمد از الطافِ حق دورانِ فترت
فطرتِ انسان شگوفاشد بہ تفسیر نمونہ
فجر صادق بردمید و شد ہمہ آفاق روشن
صفحہ گیتی متور شد بہ تنویر نمونہ
آدمی را خود بکف منشور آزادی کہ آمد
خوش بر او نازل ہمی فرمان تحریر نمونہ

تا کلام الله اعظم بر رسول الله اکرم
 از مقام وحی نازل شد به تفسیر نمونه
 نغمه جان بخش جبهه اسحق رسید از حتی بجان
 مرده ها بخشید عالم را به تبشیر نمونه
 نور و قرآن و کتاب آورد و برهان بر خلائق
 آدمی را مکرمت بخشید و توقیر نمونه
 ده که الباء حیات آدمی در برگرفته
 چون کتاب امر و تدوین از کتاب خلق تکوین
 خود بقرآن مبین مطرح بود با استقامت
 حرف از چهره تکوین و تدوین پرده گیر
 حرف عالم خلقت به تجمیع نمونه
 آدمی دانای کار آمد به تشمیر نمونه

علم در موضوع تکوین خارج از گفتار حاضر
 باید از تدوین سخن گفتن به تبشیر نمونه
 علم تفسیر است کز چهره عروس علمی ما
 پرده برگیرد پیالی خود به تکریر نمونه
 دز همان روز نخستین نزول وحی آمد
 واجب و لازم بر آل تفسیر و تبصیر نمونه
 هر کسی چند که در تاب و توان ذاتی او
 بوده و باشد، قلم در کف به تطبیح نمونه
 با وجود این تنوع در تفاسیری که دائم
 با زبان مختلف در حال تکثیر نمونه
 مقتضای عصر حاضر در مقام ارزیابی
 بود تفسیری ثمین با عرض تسعیر نمونه

تا نمونه آید از هر بعد و باب و درک دیدی
 در هزار و سیصد و پنجاه و دو تفسیر قرآن
 با چنین وضع و شرایط دید تصبیر نمونه
 این مهم را خوش تکفل کرده باعزمی توانا
 جمعی از فرزانهگان عصر و تحریر نمونه
 جمله از قرآن شناسان جامع فضل و مکرم
 "ناصر دین" با چنین مجمع به تنصیر نمونه
 پانزده سال از شروع کار بگذشت و برآمد
 ماه "تفسیر نمونه" با چه تحریر نمونه
 راستی کاین گل زهر باغی نمونه زانکه داد
 خوبی خوابا همه در حد تصبیر نمونه
 هست انموذج ز هر تفسیر و خود بالنقض قائم
 آفرین بر این "اثر" وین طرز تاثیر نمونه
 بازبان روز و علم روز و بحث روز دارد
 مردم امروز را تبشیر و تنذیر نمونه
 با بیابان روشن و امثال روشن فکر روشن
 هر روان را راه آسان شد به تبصیر نمونه
 در نکات مجملش بنهفته صد باب مفصل
 کز نمودار زمان بنموده تصویر نمونه
 از دل ناپاک مفرض، هر تعارض هر نشانه
 برگرفته سخت و محکم، کرده تطهیر نمونه
 نیک باین و یزگیها خود بر این تفسیر شاید
 نام (تفسیر نمونه) ده چه تعبیه نمونه
 بشنو از (بیدار) سال ختم این تفسیر اعظم
 "جلوه ما دارد کلام حق به تفسیر نمونه" له

له قابل توجهات یہ ہے کہ آخری مصرع تکمیل تفسیر کا مادہ تاریخ ہے جو (سال ۱۳۶۶) کو لطیف و زیبا تبصیر میں بیان کرتا ہے۔

بج
 س
 بج
 شفا
 ہدا
 ہی
 بی
 گنگو
 بخوا
 خدا

خدا کے نام سے

مکتب

قرآن
مکتب دارالافتاء دارالحدیث

بخوان آیات بس زیبای شُرآن
 کلام نغمہ و رُوح افزای شُرآن
 سحر گاہاں تِلادَت کن باخِلاص
 پس اندیشہ در معنای شُرآن
 بخوان این معجزہ و آنگہ بیندیش
 ہمیں بس شاید گویای شُرآن
 شفا ی آنچه درد است و مصائب
 بجوی از مکتب والای شُرآن
 ہدایت آفرین است و سعادت
 اطاعت گر کنی فتوای شُرآن
 ہی بر اہل عصیان و منافق
 زیان آرد شکفتی ہائی شُرآن
 بی ، آثار ذات کبریائی
 نمودار است در ہر جای شُرآن
 نگنجد فہم اسرارش بہ افکار
 کہ بی پایاں بود دریای شُرآن
 بخوان تا مینوانی علم تفسیر
 ولی کوشش نما اجرای شُرآن
 خدایا رحمتی فرما بہ ذوقی
 شود جو بندہ و دانای شُرآن

تہران عبد النفور ذوق طالقانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ادارہ امامیہ قرأت کالج

سرٹفکیٹیں تصحیح

میں نے قرآن پاک (تفسیر نمونہ جلد ۱۵) کے اس نسخہ کو
حرف بحرف بنور پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ متن میں کوئی
اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل (سلطان الاناضل)

مدرس / میٹر

امامیہ قرأت کالج

انڈرن ہوچی دروازہ - لاہور

اشاریہ

تفسیر نمونہ _____ جلد ۱۵

ترتیب و ترتین ----- سید شکیل حسین موسوی
----- سید محمد حسین زیدی الباہروی

	مضامین:
۶۰۲	اصول و عقائد
۶۰۶	احکام
۶۰۷	اخلاقیات
۶۰۹	اقوام گذشتہ
//	شخصیات
۶۲۹	علماء و دانشور
۶۳۰	کتب سماوی
۶۳۸	کتب تاریخ و تفسیر و سیر
۶۴۱	لغات قرآن
۶۴۹	متفرق موضوعات
۶۶۱	مقامات

اصول و عقائد

اسمائے باری تعالیٰ

اللہ	۱۳۷، ۱۲۴، ۸۵، ۷۸، ۶۱، ۳۴
	۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۳، ۲۱۵، ۱۸۶، ۱۶۹
	۳۵۸، ۳۴۷، ۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷
	۴۳۵، ۴۲۱، ۴۰۹، ۳۹۸، ۳۹۲، ۳۸۰
	۵۰۳، ۴۹۷، ۴۸۴، ۴۶۸، ۴۵۸، ۴۴۵
	۵۷۷، ۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳
	- ۵۸۴
حمید	۱۳۷
رب	۱۵۸، ۱۳۲، ۱۲۴، ۹۸، ۸۵، ۶۷
	۳۱۶، ۳۰۴، ۲۹۶، ۲۸۲، ۲۳۰، ۱۸۶
	۳۸۰، ۳۶۶، ۳۵۸، ۳۳۵، ۳۲۱
	۵۱۳، ۴۹۷، ۴۸۴، ۴۶۸، ۳۹۸
	- ۵۸۴، ۵۷۷، ۵۴۶
رحمن	۱۶۹، ۱۳۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴
	۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۳، ۱۸۶
	۴۰۹، ۳۹۲، ۳۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷، ۳۳۵
	۴۸۴، ۴۶۸، ۴۵۸، ۴۴۵، ۴۳۵، ۴۲۱
	۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳، ۴۹۷
	- ۵۸۴، ۵۷۷، ۵۴۶

ریم

۱۸۶، ۱۶۹، ۱۳۷، ۱۲۴، ۸۵، ۶۱، ۳۴
 ۳۳۵، ۳۱۶، ۲۹۷، ۲۷۷، ۲۵۲، ۲۲۳
 ۴۲۱، ۴۰۹، ۳۹۲، ۳۸۰، ۳۵۸، ۳۴۷
 ۴۹۷، ۴۸۴، ۴۶۸، ۴۵۸، ۴۴۵، ۴۳۵
 ۵۵۷، ۵۴۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۳، ۵۰۳
 - ۵۸۴، ۵۷۷

شہید

۱۳۷

عزیز

۱۳۷

غفور

۱۵۸

مجید

۱۵۸

ودود

۱۵۸

توحید

قسم ہے ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں چلتے
 ہیں اور چھپ جاتے ہیں؛ قسم ہے رات کی
 جو نپشت پھیرے اور صبح کی جب وہ تنفس کرے ۵۳، ۴۶
 وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا، منظم کیا، حسب
 پسند شکل بنائی، تم پر نگہبان مقرر ہیں جو جانتے
 ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۷۷، ۶۷
 اونٹ کی بلندی پر غور کرو، آسمان بلندی پر
 قائم ہے، پہاڑ زمین میں نصب ہیں اور زمین
 مسطح کر دی گئی ہے۔ ۳۱۹ تا ۳۱۵
 ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا۔ ۲۵۲

تفسیر نمونہ

قوم نمود کو
 دینے سے
 قسم ہے ا
 ہم اس کی
 ہدایت کرنا
 لیے ہے۔
 ہم نے انسان
 پڑھ پروردگار
 کیا! تیرا پروردگار
 ہے۔

کیا وہ نہیں
 دیکھتا ہے
 ہم نے قرآن
 اس کے سوا
 کریں اور شرک
 تیرے پروردگار
 اس دن ان
 باخبر ہے۔

تیرے پروردگار
 اس گھر کے
 بھوک اور خوا
 ہم نے تجھے
 میں ان کی عبادت

- ۲۸۶ تمہود کو از کتاب گناہ پر تباہ کر دیا۔ اللہ منزا بنے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔
- ۲۹۸ م ہے اس کی جس نے مذکر و مؤنث پیدا کیے، اس کی راہوں کو آسان بنا دیں گے۔
- ۳۰۴ بت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ دنیا و آخرت ہمارے ہے۔
- ۳۳۸، ۳۴۷ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا
- پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت
- ۳۵۸ ہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو
- ۳۶۷ م ہے؟
- ۳۸۰ قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا
- اور شرک سے توحید کی طرف لوٹ آئیں۔ ۳۹۳
- ۴۱۰ پروردگار نے اسے وحی کی ہے۔
- ان کا پروردگار ان سے مکمل طور پر ہے۔
- ۴۲۲ پروردگار نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا! ۴۸۴
- ۴۹۷ اسکے پروردگار کی عبادت کریں جس نے اور خوف سے نجات بخشی۔
- ۵۱۳ تا ۵۱۸ تجھے کوثر عطا فرمائی۔
- ۵۲۵ کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو
- ۵۴۴ میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔
- ۵۵۵ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر نماز کے بعد سورۃ اخلاص پڑھے۔
- ۵۵۶ سورۃ اخلاص عقائد کے ایک حصہ کو بیان کرتی ہے۔
- ۵۵۸ کہہ دیجیے اللہ یکتا و یگانہ ہے، سب حاجتمند اسی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ نہ اُس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ ہرگز ہرگز کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔
- ۵۵۶ تا ۵۶۹ توحید کے دلائل اور چار اقسام!
- ۵۶۹ تا ۵۷۱ توحیدِ افعالی کی چھ اہم اقسام ہیں۔
- عدل**
- ۴۳۹ تولنے کی ترازو وہی عدل ہے۔
- نبوت**
- تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے اس (جبریل) کو روشن افق میں دیکھا۔ وہ اس کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا، بخیل نہیں ہے۔
- ۵۲ تا ۵۴ رسول کی شائستگی کی شرائط: کرامت، قدرت، بارگاہِ الہی میں مقام و منزلت، اطاعت گزارو

معاذین کا مطاع ہونا اور امانت ہیں۔ ۵۵، ۵۴

پس نصیحت کر کہ تو نصیحت کرنے والا ہے ان پر

مسلط نہیں ہے کہ ایمان لانے پر مجبور کرے۔ ۲۱۵، ۲۱۹

رسول نے ان سے کہا کہ اللہ کے نافرمان کو پانی

پینے کے لیے چھوڑ دو، مزاحمت نہ کرو۔ ۲۸۶

اللہ نے آپ کو ہرگز تجھے نہیں چھوڑا۔ آپ کو اس قدر

دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ یتیموں پر

مہربانی کریں۔ ۳۱۴

اللہ نے ہرگز تجھے نہیں چھوڑا، نہ تجھ پر غصہ ہوا،

تجھے یتیم پایا، پناہ دی، گمشدہ تھا، رہنمائی کی،

فقیر پایا تو بے نیاز کر دیا۔ ۳۲۱

سینہ کو کشادہ کیا، بھاری کمر توڑ بوجھ برطرف

کیا، ذکر کو بلند فرمایا۔ ۳۳۵، ۳۳۶

پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے، پڑھ کہ تیرا

پروردگار مکرم و باعزت ہے۔ ۳۵۸

اللہ کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحف

کی تلاوت کرے۔ ۳۹۲

ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت)

عطا فرمائی۔ ۵۱۳

قیامت

جس وقت سورج لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بے نور ہو

جائیں گے، پہاڑ چلنے لگیں گے، قیمتی مال بھلا دیا جائے گا

دخوش جمع کیے جائیں گے، دریا جوش ماریں گے،

ہر شخص کا ساتھی اسی جیسے کو بنایا جائے گا۔

پوچھا جائے گا، زندہ لڑکیوں کو قتل

کیوں کیا۔ ۳۲۷ تا ۳۹

نامہ اعمال کھولے جائیں گے، آسمان کا پردہ

ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دکھ اٹھے گا، جنت

سامنے ہوگی۔ انسان کو اپنے عمل سے آگاہی

ہوگی۔ ۴۱ تا ۴۳

آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے پراگندہ ہو کر

گر پڑیں گے، سمندر آپس میں مل جائیں گے،

قبریں زیر و زبر ہوں گی، انسان جان لے گا کہ

آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔ ۶۱ تا ۶۳

نیک افراد نعمات میں ہیں، بدکار جزا کے دن

دوزخ میں داخل ہوں گے اور جلیں گے بھی۔

کبھی اس سے دور اور غائب نہ ہوں گے۔

اس دن کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا، اس دن

سب امور اللہ کے اختیار میں ہوں گے۔ ۷۸ تا ۸۲

جب آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت

پیدا ہوگی، ہر شے کو اگل کر خالی ہو جائے گی،

انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی

طرف جائے گا، لیکن جس کا نامہ عمل دائیں

ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان

اور واپسی خوش حالی سے ہوگی۔ ۱۲۳ تا ۱۳۰

قدرت ہے اور صاحبِ عرش اللہ کے یہاں
بلند مقام کا حامل، فرمانروا اور امین ہے۔ ۴۷
جس دن تیرے رب کا فرمان پہنچے گا اور فرشتے
صف بے صف نازل ہوں گے۔ ۲۴۲

جنت

نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے۔ وہ
ایک لکھی ہوئی تحریر اور قطعی سرنوشت ہے۔
مقربین شاہد ہیں کہ نیک بندے نعمات سے
لطف اٹھائیں گے۔ خوبصورت تختوں پر تکیہ
لگائے ہوئے چہرے روشن، شرابِ زلال سے
سیراب، رغبت رکھنے والوں والوں کو سبقت
کرنی چاہیے۔ ۱۱۲ تا ۱۰۶
ابراہیم، متقیین علی وفاطمہ و حسن و حسین
۱۱۳، ۱۱۲
جنت کی شرابیں حقیق و مختوم
وہ بہشت عالی میں ہوں گے جہاں لغو و بیہودہ
گفتگو نہ ہوگی۔ اونچے تخت، شراب کے چستے،
پیالے رکھے ہوئے تکیے لگائے ہوئے، فانرہ
فرش۔ ۲۱۰ تا ۲۱۴
بے شک جنت سختیوں کے درمیان گھری ہوئی
ہے۔ (جناب امیر)
۲۶۹
جہنم کی آگ سے دوری اتنی (زیادہ متقی افراد)
سے مخصوص ہے۔ ۳۰۷

قسم ہے رات کی، کھٹکھٹانے والے کی، نہیں
جانتا وہ کیا ہے، درخشاں ستارہ ہے، ہر شخص
کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز
سے پیدا کیا گیا، پانی سے! وہ واپس پھیرنے پر
بھی قادر ہے، جس دن اسرار کھلیں گے، کوئی
مددگار نہ ہوگا۔ ۱۶۹ تا ۱۷۷

کیا غاشیہ (قیامت) کی خبر تھوڑی تک پہنچی؟ اس
دن چہرے خوفزدہ ہوں گے، جو مہمل عمل کرتے
کرتے تھک گئے وہ داخل جہنم ہوں گے۔ ۲۰۶ تا ۲۰۹
اس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے، اپنی
سعی پر خوش ہوں گے۔ ۲۱۰، ۲۱۱
یقیناً سب کی بازگشت ہماری طرف ہے اور
سب کا حساب بھی ہمارے پاس ہے۔ ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱
جس دن زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے
گی، تیرے رب کا فرمان پہنچے گا۔ ملائکہ صف
بے صف نازل ہوں گے، جہنم کو حاضر کریں گے،
انسان متذکر ہوگا، تذکرہ فائدہ نہ دے گا۔ کاش
اس زندگی کے لیے کچھ بھیجا ہوتا۔ کوئی بھی
اس جیسا عذاب نازل کرے گا نہ قید میں
جکڑے گا۔ ۲۲۲ تا ۲۲۵

فرشتے

یہ قرآن بھیجے ہوئے (جبریل امین) کا کلام ہے جو صاحب

اہل ایمان، اعمالِ صالح انجام دینے والوں کے لیے بہشت کے جاودانی باغات ہیں، ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ اُس دن جن کا میزانِ عمل وزنی ہوگا وہ پسندیدہ زندگی میں ہوں گے۔

۴۳۶

جہنم

سجین جہنم کی پست ترین وادی، مجرموں کا قید خانہ ۹۳، ۱۱۷ وہ داخل جہنم ہوں گے، تیز گرم پانی پلایا جائے گا، ضریح کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہوگا۔ ۱۱۵ تا ۱۱۸ جس کا نامہ عمل پس پشت سے دیا جائے گا وہ چیخے گا وائے ہو تجھ پر، میں ہلاک ہو گیا، جہنم کے شعلوں میں جلے گا، گھر والوں میں خوش تھا، پلٹنے کا گمان نہ تھا۔ اس کا رب واقف حال تھا۔ ۱۳۲، ۱۳۵

۲۶۷

۲۶۹

۲۹۸

۳۰۷

۳۷۱

اہل کتاب اور مشرک کفار جہنم میں جائیں گے

۳۹۸

۴۳۶

۴۵۰

۴۵۲

۴۶۹

۵۷۷

معجزہ

ایک بے نظیر معجزہ (اس گھر کا ایک مالک ہے) ۴۹۰
ابراہیم کے شکر سے مقابلہ کے لیے ابابیل کی

۴۹۲، ۴۹۱

۴۹۲

۴۹۲

۴۹۳

۴۹۳، ۴۹۴

۵۵۱

احکام

نماز

۱۸۷، ۱۸۸

اپنے بلند مرتبہ پروردگار کی تسبیح کر

اپنے

سجدہ

سور کو

سوائے

عبادت

ان نماز

بجول

اپنے پر

”فسیح“

رب کی

ا

نماز کا

ج

جہاد

قرآن

انفا

جو اپنا ما

مقصود

اور ایسا

انفاق فی

اللہ کے

دل خوش کرنا ہے، اسے سیر کرنا یا قرض ادا کرنا ہے۔ (رسول پاک)

۳۱۱

اخلاقیات

اخلاقِ حسنہ

اور تم نہیں چاہتے مگر جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

۵۸ تا ۵۶

انسان کے چھوڑے ہوئے آثار یہ ہیں: نیک بیٹا، قرآن پاک، کنواں، درخت، پانی مہیا کرنا اور باقی رہ جانے والی سنتِ حسنہ۔

۶۵

صہیب، عارض، بلال قریشی مگر کے استہزاء پر صبر کرتے تھے۔

۱۱۶

وہ لوگ صاحبِ ایمان و عملِ صالح کرنے والے ہیں۔ ان کے لیے ثواب ثابت شدہ، قطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔

یتیم و مسکین کو کھانا کھلانا، غلام آزاد کرنا

۲۶۷

جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا

۲۷۷

الوالا اصلاح کا ایک بخیل سے چالیس درختوں کے عوض ایک درخت خرما خرید کر رسول پاک

کی خدمت میں پیش کرنا اور آپ کا اسے نادار

۳۰۱، ۲۹۹

مومن کو بخشنا۔

۱۹۹، ۱۹۸

اپنے پروردگار کا ذکر اور نماز پڑھ

۳۷۲

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر

سور کعت نماز پڑھو، رات بھر بیدار رہو

۳۸۷

(امام جعفر صادق)

سوائے اس کے اور کوئی حکم نہیں دیا گیا،

۳۹۵

عبادت کریں، نماز پڑھیں۔

ان نماز گزاروں پر ورنے ہو جو اپنی نمازوں کو

بھول جاتے ہیں۔

۵۰۵، ۵۰۳

اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر

۵۱۳

”فسیح بحمد ربك واستغفر“ اپنے

۵۲۲

رب کی حمد تسبیح کر اور استغفار کر۔

زکوٰۃ

۳۹۵

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

جہاد

جہاد کی عظمت:

جہاد اور راہِ خدا کے مجاہدین کے بارے میں

۴۳۲

قرآن نے بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔

انفاقِ اموال

جو اپنا مال راہِ خدا میں انفاق کرتا ہے اس کا

۳۰۷

مقصد حصولِ رضائے خدا ہے۔

۳۰۸

اور ایسا آدمی عنقریب خوشنود ہو جائے گا۔

۳۱۰

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ضرورت مند مومن کا

مجاہدین جن کے گھوڑوں کے دوڑنے، حملہ کرنے اور دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرنے کی الشد قسمیں کھاتا ہے۔

۴۳۰

اخلاقِ رذیلیہ

مغرور و غافل: افراد قیامت کے منکر ہیں۔ روزِ جزا پر ایمان نہ لانا اس کا سبب ہے۔

۷۲

کم تولنے والوں پر واٹے ہو! یہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، قابلِ نفرین ہیں۔

۹۰ تا ۸۶

کم تولنا فساد فی الارض ہے۔ اللہ اس سے اس

۹۲، ۹۱

کی زراعت چھین لے گا۔ (رسولِ پاک) بدکار دنیا میں مومنین پر ہنستے اور انہیں گمراہ کہتے تھے۔ وہ ان پر منکفل و نگران نہ تھے۔

۱۱۵

ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور ان کے ساتھی مومنین پر آوازے کتے، تمسخر اڑاتے اور طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔

۱۱۶

حق کے مقابلہ میں استہزا، تمسخر، طنز اور ہنسنا گناہ کبیرہ اور غرور و جہالت کی علامت ہے۔

۱۲۱

دوزخ کی آگ میں داخل ہونے والا شقی نہ مرے گا نہ جیے گا۔

۱۹۷

وہ کہتا ہے میں نے بہت سا مال اچھے کاموں میں تلف کر دیا۔

۲۵۳

جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ بدبخت ہیں

۲۶۷

وہ نوم و بدبخت لوگ ہیں، ان کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۲۶۷

جس نے نفس کو الودہ معصیت کیا وہ نامراد ہوا۔

۲۷۷

شقی ترین انسان (قدار بن سالف) اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۸۶

بنخیل کا درخت سے گرے ہوئے خرے بچوں سے چھین لینا، منہ تک سے نکال لینا۔ اس

۲۹۸

۲۹۹

درخت کو جنت میں درخت کے بدلہ رسولِ پاک کو فروخت کرنے سے انکار (واللیل کی شانِ نزول)

۳۰۵

بدبخت ترین لوگوں کے سوا اس (جہنم) میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ وہ بنخیل جو خود کھاتا اور نعمات کو دوسروں سے روکتا ہے۔

۳۳۰

کبر و غرور و صفاتِ رذیلیہ کی وجہ سے ہی دوسروں کی تحقیر و تذلیل کی جاتی ہے۔

۴۷۶

مال جمع کرنے کی حرص۔ ایک عرب شاعر کے اشعار روزِ جزا کا انکار، یتیم و مسکین سے حقارت،

۴۷۷

بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا، نماز سے غفلت، ریاکاری، لوگوں سے عدم تعاون، تحقیر چیز بھی نہ دینا صفاتِ

۵۰۷

رذیلیہ ہیں۔

۵۰۷

تظاہر و ریاکاری بہت بڑی اجتماعی مصیبت ہے

۵۰۸

سد و صفتِ رذیلیہ جسے قرآن نے ڈسنے والے سانپوں، دوسو سے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں کے ساتھ قرار دیا ہے۔

۵۷۹

شرفیاد کے اہم ترین چہنٹے

۵۷۹

قوم فرعون

اللہ نے فرعونؑ لشکر کو نیل میں غرق کر دیا ۱۶۳ تا ۱۶۶
وہ فرعون جو صاحب قوت اور سزا دینے
والا تھا۔ ۲۳۰ تا ۲۳۵

شخصیاتحضرت آسیہ

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائیں اور جان کی
قربانی دی۔ ۱۵۷
موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں تو فرعون نے ہاتھوں
پاؤں میں میخیں گڑوا دیں، یہاں تک کہ جہاں
سختی ہو گئیں۔ ۲۳۴

ابراہیم بن ادہم

مشہور زاہد و پاکباز ۲۷۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام

یہ احکام پہلی آسمانی کتابوں صحیفِ ابراہیمؑ و
موسیٰؑ میں آچکے ہیں۔ ۱۹۸، ۲۰۰
قسم ہے باپ کی، میں باپ سے حضرت ابراہیمؑ
مرا دیں۔ ۲۵۲

اقوام سابقہثمود

ثمود کے طاقتور لشکروں کو تیز ہواؤں نے فضا میں
بلند کیا، پھر زمین پر دے مارا، تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۶۶ تا ۱۶۳
قوم ثمود جو دروں میں پتھر کاٹ کر محل بناتی تھی ۲۳۰ تا ۲۳۲
ثمود قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ ثمود آسمانی حیخ سے
ہلاک ہوئے۔ ۲۳۵
قوم ثمود نے مکرشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر) کی
تکذیب کی۔ اُوٹھنی کی کوچیں کاٹ کر ہلاک کر
دیا۔ اللہ نے اس جرم میں انہیں برباد کر دیا۔ ۲۸۶
قوم ثمود کی مکرشی کا خلاصہ ۲۹۱
اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر واضح دلیل
پہنچ جانے کے بعد۔ ۳۹۳

عاد

تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا! ۲۳۰ تا ۲۳۲
ادم عادِ اولیٰ ہے، عاد بن عوض بن ادم بن
سام بن نوح۔ ادم سرزمین کا نام ہے یا شہر کا۔
نواد عاد کا بیٹا تھا۔ قوم عاد ٹھنڈی اور تیز ہوا
سے ہلاک ہوئی۔ ۲۳۱

ابوہریرہ

اریاط کے خلاف بغاوت کر کے مین کا بادشاہ بن گیا۔
ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو برباد کرنے آیا اور
خود برباد ہو گیا۔

۴۸۲

ابن ابی الحدید

جناب امیر کے خطبہ ۲۲۱ کے متعلق طویل بیان۔
یہ خطبہ فصحاء عرب کے سامنے پڑھا جائے تو
سب سجدہ کریں۔

۴۲۸

ابن ابی کبشہ

معاویہ نے اس لقب سے آنحضرت کی طرف
اشاریہ کیا۔

۳۳۳

ابن مردویہ

جناب امیر کے بارے میں روایت: اے علی تم
اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں۔ میری اور تمہاری
وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔ تمہیں غرالمجلین (سفید
پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے۔ (حدیث رسول)

۴۰۳

ابن مقلہ

معروف خطاط عرب کے ایک شاعر نے اپنے
اشعار میں ذکر کیا۔

۴۷۷

ابوالدرداء

ایک بخیل سے کھجور کا ایک درخت چالیں
درختوں کے بدلہ خریدنا۔

۲۹۹

راہ اللہ میں بہت مال خرچ کیا

۳۰۱

ابو بردہ سلمی

اے علی تیری اور میری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔

۴۰۲

تو اور تیرے شیعہ خیر البریہ ہیں۔

ابو جعفر احوں

محمد بن علی لقمانی عرف نمون طاق، امام جعفر صادق
کے ایک صحابی۔

۵۲۵

ابو جہل

ابو جہل اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو اپنے تمسخر
اور مظالم کا نشانہ بناتے تھے۔

۱۱۶

آنحضرت کی دعوت و تبلیغ کے آغاز ہی سے آمادہ
سرکشی ہوا۔

۳۶۸

ابو جہنہ

مدینہ کا تاجر جو چھوٹے بڑے پیمانے رکھتا تھا۔

خرید و فروخت میں بددیانتی سے نفع کماتا تھا۔

۸۶

سورہ مطففین کے نزول پر اسے خبردار کیا گیا۔

حضرت
کے
بہت

پیغمبرؐ

رسول

پر سوال

جنگل

آنحضرت

شکوہ اجوا

آنحضرت

عمل

کرم شا

دو بڑے

کو کھلاتا

فتح مکہ پر

ایمان لا

الوراق

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا غلام، جنگ بدر کے حالات بیان کرنے پر ابولہب نے اسے بہت مارا۔

۵۴۹

ابوسعید خدری

پیغمبر اسلام سے شفیع و وتر کی حدیث بیان کی رسول پاک سے 'فمن يعمل مثقال ذرۃ' پر سوال کیا۔

۴۰۷

جنگل بیابان میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جن وانس اور پتھر کا ہر ٹکڑا جو اسے سُنے گا، قیامت میں گواہی دے گا۔

۴۱۲

آنحضرت سے اعمال پر مکالمہ (کوئی شخص اپنے عمل سے مستحق جنت نہ ہوگا جب تک اللہ کا کرم شامل حال نہ ہو)۔

۴۱۷

ابوسفیان

دو بڑے اونٹ سحر کر کے کھاتا اور اپنے دوستوں کو کھلاتا تھا۔ ایک یتیم کے مانگنے پر اسے مارا۔ فتح مکہ پر ابوسفیان کا پناہ حاصل کرنا اور بہ اکراہ ایمان لانا۔

۵۰۲

۵۳۷

ابوشاکر دیسانی

ایک زندیق، ابوجعفر احوال سے سورۃ کافرون کی تکرار پر معترض ہوا۔

۵۲۵

حضرت ابوطالب

چھ سال کی عمر میں والدہ، آٹھ سال کی عمر میں آنحضرت کے دادا انتقال کر گئے تو ہم نے ان کو ان کے چچا ابوطالب کی کفالت میں دے دیا، تنہا کبھی نہیں چھوڑا۔

۳۲۲

ابولہب

دولت مند، مغرور، دشمن خدا و رسول، حضور کی دعوت پر زبان طعن دراز کی (نام عبدالعزیٰ) کنیت ابولہب،

۵۴۴

انفس بن شریق

کینہ و مخالفت رسول اکرم

۴۶۹

اریاط

نجاشی کا ایک سپہ سالار جو ذونواس کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا لشکر لے کر آیا۔

۴۸۶

حضرت اسماعیل علیہ السلام

قسم ہے بیٹے کی! یہاں بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل ہیں۔

۲۵۲

اصْبَغُ بْنُ نَبَاتَةَ

بیان کیا کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے: "اے گروہ تجارا! پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو پھر تجارت کرو۔"

۹۱

افلاطون

مشہور طبیب و فلسفی

۳۵۰

اُمُّ الْفَضْلِ

حضرت عباسؓ کی زوجہ جس نے ابولہب کے سر پر چھڑی سے وار کیا۔ ابولہب کا سر پھٹ گیا۔ زخم بڑھتے بڑھتے اس کی ہلاکت کا موجب بنا۔

۵۴۹

اُمُّ جَمِيلٍ

ابولہب کی بیوی، ابوسفیان کی بہن، آنحضرتؐ

کو مارنے کے لیے ہاتھ میں پتھر اٹھائے پھرتی تھی۔

۵۴۴

اُمِّيَّةُ بْنُ خَلْفٍ

کینہ و مخالفِ رسولِ اکرمؐ

بدیل

ابوسفیان کا ایک دوست، لشکرِ اسلام کو دیکھنے کے لیے نکلا تھا۔

۵۳۷

بِلاٌ

مشرکین مکہ ان کا اور دیگر مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔

۱۱۶

جَابِرُ بْنُ سَمْرَةَ

حدیثِ رسول کا بیان کہ اشقیٰ اولین و اشقیٰ آخرین کون تھا۔

۲۹۲

اس کعبہ کی قسم! یہ (علیؑ) اور اس کے شیعہ قیامت کے دن رشتہ گار اور کامیاب ہوں گے۔

۴۰۲ (حدیثِ رسولؐ)

جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ النَّصَارِيُّ

آنحضرتؐ سے لیال عشر (دس راتوں) کی حدیث نقل کی۔

۲۲۶

جَالِينُوسُ

مشہور طبیب

۳۵۰

جَبْرَيْئِيلٌ

آنحضرتؐ سے عرض کیا، یہ شیخہ نہیں ہے۔

نماز میں تکبیر کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔

۵۱۵

جو شہ

جو شہ

جو شہ

کر

گاتو

حائل

موز

مضی

اس

انسا

کے ا

حدی

جب

کرتے

ہیں

پوشیہ

فریض

اللہ

ویل

مگر

سور

حضرت امام جعفر صادقؑ (امام ششم)

- ۱۲۳ لطف الہی پر نظر رکھے گا اور اللہ اس پر نظر کریم رکھتے ہوئے لوگوں کے حساب سے فارغ ہوگا۔
- ۱۵۰ شاہد عید قربان اور مشہود عرفہ کا دن ہے فرض نمازوں میں سورۃ طارق تلاوت کرنے والے کو قیامت میں مقام عظیم ملے گا، پیغمبر اس کے اصحاب رفقاء ہوں گے۔
- ۱۶۸ ساتویں آسمان کے ستارے زحل کی روشنی آسمانوں کو چیرتی ہوئی نچلے آسمان تک پہنچتی ہے، اس لیے اللہ نے اسے نجم الثاقب فرمایا ہے۔
- ۱۷۱ سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والا جس دروازہ سے چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا۔
- ۱۸۴ تمہاری آگ جہنم کی آگ کے شراہ جزاء میں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے نشتر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی بھڑک اٹھی۔
- ۱۹۷ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔
- ۲۰۰ (حدیث رسول)
- سورۃ غاشیہ کو مستحب و واجب نمازوں میں تلاوت کرنے والے کو دنیا و آخرت میں اللہ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔
- ۲۰۵ فخر کا مصداق نور پاک محمدی ہے
- ۲۲۵ فرعون سزا دینے کے لیے آدمی کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا تھا، حتیٰ کہ وہ مرجاتا تھا۔
- ۲۳۴

- جو شخص سورۃ عبس و سورۃ تکوین تلاوت کرے گا وہ جنت جاوہاں میں اللہ کے سایہ رحمت میں ہوگا۔
- ۳۳ جو شخص سورہ ہائے انفطار و انشقاق کی تلاوت کرے گا اور انہیں فریضہ و نافلہ نمازوں میں پڑھے گا تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔
- ۶۰ موت کے بعد کتاب اعمال ہو، البتہ آثار میں عمارتیں مفید چیزیں، ہدایت کرنے والی سنت، صالح بیٹا جو اس کے لیے استغفار کرے۔
- ۶۵ انسان کے نیک و بد اعمال تحریر کرنے، فرشتوں کے تقرر کے اسباب پر آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث۔
- ۷۲، ۷۳ جب مومنین کسی مخصوص مجلس میں آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو محافلین اعمال ملک ان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مبادا کوئی ایسی راز کی بات ہو جسے اللہ نے پوشیدہ رکھا ہو۔
- ۷۷ فریضہ نمازوں میں سورۃ مطففین پڑھنے والے کو اللہ قیامت میں عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔
- ۸۴ دلیل، قرآن میں کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا، مگر یہ کہ اسے کافر کہا۔
- ۸۸ سورہ ہائے انفطار و انشقاق کی تلاوت کرنے والا ہمیشہ

- ۳۲۸ بھڑکے بکریوں کی چوپانی کا کام نہ لیا تاکہ وہ انسانوں کی نگہبانی کر سکے۔
- ۳۲۵ جب تو فارغ ہو جائے تو علیؑ کو ولایت کے لیے نصب کر دے۔
- ۳۲۲ جبرئیلؑ ملائکہ سے ہے، روح ملائکہ سے عظیم تر ہے۔ کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ روح اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔
- ۳۸۳ شب قدر ماہ رمضان کی اکیسویں اور تیسویں رات ہے۔
- ۳۸۶ تقدیر مقدرات اٹیس کو، اُن کا حکم اکیس کو اور تصدیق و منظور تیس کی رات کو ہوتی ہے۔
- ۳۸۶ شب قدر کی فضیلت اکیسویں اور تیسویں شب میں تلاش کرو۔ سور کعبت نماز پڑھو۔
- ۳۸۷ (علی بن حمزہ ثمالی)
- ۳۸۷ سورہ زلزال کو تلاوت کرنے، نافلہ نمازوں میں پڑھنے والا ہرگز زلزلہ یا کسی آفت میں گرفتار نہ ہوگا۔
- ۳۸۷ درود پاک میزانِ عمل کے وزنی ہونے کا سبب ہے۔
- ۳۸۷ کوئی شخص تکبر و فخر نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جو وہ اپنے نفس میں پاتا ہے۔
- ۳۸۷ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی نہ کرنا یقین کی صحیح نشانی ہے۔
- ۳۸۷ نعیم سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔ اللہ نے ہمارے وجود کے ذریعہ بندوں کو نعمت عطا فرمائی۔
- ۳۲۵ مرصا و جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس شخص پر کسی مظلوم کا حق ہے، وہ اس پر سے نہیں گزر سکے گا۔
- ۲۳۵ جو شخص یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آتے ہیں، اللہ ان کے برابر قیامت میں اسے نوزائشے گا۔
- ۲۳۹ مومن کی قبض روح کے لیے ملک الموت کا انا، اس کا ناراض و خوفزدہ ہونا، نفس کا مطمئن ہونا، رضا و رغبت سے جان جانِ آفریں کے سپرد کرنا۔
- (طویل حدیث) ۲۳۸، ۲۳۷
- واجب نمازوں میں سورہ بلذ پڑھنے والا صالحین میں شمار ہوگا۔ انبیاء، شہداء و صلحاء اس کے دوست ہوں گے۔
- ۲۵۱ جس نے اطاعت کی وہ نجات پا گیا، جس نے نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہو گیا۔
- ۲۸۳ میرے نزدیک کوئی چیز مومنین کے دیدار و زیارت کے برابر نہیں سوائے اس کے کھانا کھلانے کے، پھر اللہ پر واجب ہے کہ اسے جنت کا کھانا کھلائے۔
- ۳۱۱ آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا، دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کے لیے برداشت کرو۔
- ۳۲۰ اللہ نے جو کچھ بخشا، برتری عطا فرمائی، احسان کیا، ہدایت کی، سب کو بیان کرو۔
- ۳۲۶ اللہ نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں فرمایا جب تک اس سے

و
کا
جو
وا
فقہ
رو
سو
کو
اگر
پیر
سوا
کی
اور
اس
لوگو
اجرا
کو
کو
عط
نماز
کہ
اہلبیت
کو

والعصر، عصر سے مراد حضرت مہدیؑ کے قیام کا زمانہ ہے۔

۴۵۹

جو تیرے غیر کے پاس جائے گا وہ مایوس ہوگا
واجب نمازوں میں سورہ حمزہ پڑھنے والے کا
فقروفاقر دور ہوگا، بُری موت دور ہوگی اور
روزی کشادہ ہوگی۔

۴۶۷

سونے اور چاندی سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دین کو ختم کر دیں اور کفر و بے ایمانی کا موجب ہوں۔

۴۷۷
۴۷۸

اگر حسنات حق ہیں اور ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر مال کا جمع کرنا کس لیے؟

۴۷۸

سورہ نبیل کو واجب نمازوں میں پڑھنے والے کی نمازگزاری کی قیامت میں پہاڑ، ہموار زمین اور ڈھیلے گواہی دیں گے۔

۴۸۲، ۴۸۳

اے زرارہ! ہر دریا، شرک ہے، جو شخص لوگوں کے لیے عمل کرے گا اس کا ثواب و اجر لوگوں پر ہی ہوگا۔

۵۰۹

کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے آنحضرتؐ کو فرزند (عبداللہؑ) کے فوت ہونے کے بدلے میں عطا فرمائی۔

۵۱۴

نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرو کہ ان کی پھیلیاں رو قبیلہ ہوں۔

۵۱۶

ابلیس مکہ کی پہاڑیوں پر گیا، گروہ شیاطین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔

۵۹۰، ۵۸۹

حارث بن قیس

۵۲۳

مشرکین مکہ کا ایک سرغنہ

حسان بن ثابت (شاعر)

رسول پاکؐ کی مدح میں قصیدہ کے اشعار ۳۳۹، ۳۴۰

حضرت امام حسنؑ (امام دوم)

جہاں کہیں قرآن میں "ان الابرار" آیا ہے اس سے مراد حضرت علیؑ و فاطمہؑ، زین اور حسینؑ ہیں۔ ۱۱۲
اہل بصرہ کے خط کے جواب میں 'صمد' کے معنی بیان فرمائے۔

۵۶۳

حضرت امام حسینؑ (امام سوم)

شاہد سے مراد رسول پاکؐ اور مشہود قیامت کا دن ہے۔

۱۵۰

سورہ اخلاص کی تفسیر میں 'صمد' کے پانچ معنی بیان فرمائے۔

۵۶۲

حضرت خدیجہ الکبریٰؑ (ام المؤمنین)

بحالتِ مفلسی و ناداری تیری طرف دولت مند خدیجہ کو متوجہ فرمایا۔

۳۲۴

حضرت دانیال علیہ السلام

بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر

دوس

نجران کا ایک شہری جو جان بچا کر ذونواس کے مظالم بیان کرنے قیصر روم کے پاس چلا گیا۔

۴۸۶

ذونواس

ایک زمانہ میں یمن کا بادشاہ، قبیلہ حمر سے تھا۔
ابربہ سے قبل یمن کا بادشاہ۔

۱۵۲

۴۸۵

ربیع بن عباد

اس نے آنحضرتؐ کو تبلیغ اور ابولہب کو طعن کرتے دیکھا۔

۵۴۸

زبیر بن بکار

نہ شیعہ تھا نہ معاویہ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے مغیرہ کے بیٹے سے ایک روایت معاویہ کی تنقیص میں بیان کی۔

۳۳۳، ۳۳۴

زرارہ

امام جعفر صادقؑ کا ایک صحابی۔ اس سے آپؐ نے فرمایا کہ
"رپا، شرک ہے۔"

۵۰۹

زر بن جلیشن

ہم عذابِ قبر کے بارے میں شک کرتے تھے۔
ہم نے جناب امیرؑ سے سنا کہ "الفلک والکواثر"
عذابِ قبر پر دلیل ہے۔

۴۴۹

زینجا

عزیز مصر کی بیوی۔ حضرت یوسفؑ سے گفتگو

۲۹۳

سحبان

عرب کا ایک معروف فصیح

۴۷۷

سعد بن عبادہ

علمدار لشکرِ اسلام جس نے فتح مکہ کے دن انتقام کا نعرہ لگایا۔

۵۳۹

سلمان فارسی

آپؐ کی ایک شخص کے جواب میں گفتگو۔ آغاز
گندے نطفے سے انجام مراد، لیکن قیامت میں
جس کا میزان عمل بھاری وہ بزرگوار، جس کا
ہلکا وہ پست و ذلیل۔

۴۴۲، ۴۴۱

حضرت سلیمان علیہ السلام

یہ میرا
میں شکرا

یہ قرآن

در ہم ود

آپ قوم

اپنی قوم

آزاد چھو

مشرکین

کا مذاق

اس نے

تبلیغ کی

فخر رازی

کو ایک

پڑھتے

یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ آزمائے کہ
میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری۔ (نمل - ۲۰) ۵۳۵

عاص بن وائل

عاص اور اس کے ساتھی مشرکین قریش میں
کو تمسخر کا نشانہ بناتے تھے۔ ۱۱۶

کینہ دردِ دشمنِ رسولؐ ۲۶۹

آنحضرتؐ مسجد الحرام سے نکلے۔ عاص بن وائل نے
ملاقات کی، قریش کے دریافت کرنے پر کہا کہ اس
(نعوذ باللہ) ابتر سے ملاقات کی۔ ۵۱۱

عباس بن عبدالمطلبؑ

مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ آنحضرتؐ
فتح مکہ کے لیے آ رہے تھے، راستہ میں ملاقات ہوئی۔ ۵۳۶، ۵۳۷

حضرت عبدالمطلبؑ

آنحضرتؐ کی پرورش سردارِ مکہ آپ کے دادا حضرت
عبدالمطلبؑ نے کی۔ ۳۲۲

سردارِ مکہ نے اصحابِ فیل کے خلاف اللہ سے
مدد چاہی۔ ۲۸۶، ۲۸۷

عبداللہ ابنِ سلامؑ

بعض کے نزدیک اللہ کی صفات بیان کرنے کا
سوال عبداللہ ابنِ سلام نے کیا تھا۔ ۵۵۲

ۛ

شیطان

یہ قرآنِ شیطاں الرحیم کا قول نہیں ہے۔ ۵۲، ۵۳، ۴۷
درہم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا ۴۷۹

حضرت صالح علیہ السلام

آپ قومِ ثمود کے پیغمبر تھے۔ ۲۳۲
اپنی قوم سے کہا کہ اونٹنی کو پانی پینے کے لیے
آزاد چھوڑ دو۔ ۲۸۶

صہیب رضی (صحابی)

مشرکین قریش ان کا اور ان کے مسلمان ساتھیوں
کا مذاق اڑاتے تھے۔ ۱۱۶

طارق محاربی

اس نے ذی المجاز کے بازار میں آنحضرتؐ کی
تبلیغ کی آواز سنی۔ ۵۴۷

طاؤس

فخر رازی نے نقل کیا کہ یہ 'الضحیٰ' اور 'الم نشرح'
کو ایک سورہ جانتے اور نماز میں دونوں کو ملا کر
پڑھتے تھے۔ ۳۳۳

عبداللہ بن صوریہ

مشہور یہودی سردار جس نے رسول پاک سے اللہ کی صفات بیان کرنے کا تقاضا کیا۔ ۵۵۴

عبداللہ ابن عباسؓ

ایک اعرابی اپنی لڑکی سے کہہ رہا تھا؛ "حوری" یعنی واپس آجا، بسلسلہ معنی یہ حور۔ ۱۳۲

آیت 'سید کر من یغشی' عبداللہ ابن مکتوم پاک دل، حق طلب، نابینا صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ ۱۹۶

مفسرین نے ابن عباسؓ سے 'اللیل' کی شان نزول لکھی ہے جسے علامہ طبری سے نقل کیا ہے۔ ۳۲۷

رسول پاک کی نماز، ابوہبل کا اگر منع کرنا، آنحضرتؐ کا جھڑکنا۔ ابوہبل نے کہا تجھے نہیں معلوم کہ میری قوم قبیلہ سب سے زیادہ ہے۔ ۳۷۴

اے علیؓ! یہ آیت تمہارے اور شیعوں کے بارے میں ہے۔ تم محشر میں ایسے آؤ گے کہ اللہ تم سے اور تم اللہ سے خوش ہو گے۔ ۴۰۱

ایک شخص نے 'والعادیات' کے معنی مجھ سے اور جناب امیرؓ سے پوچھے۔ تفصیل۔ ۴۲۴

یہ وہ لوگ ہیں جو چنل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔ ۴۷۰

درہم و دینار کو شیطان کا پسند کرنا اور انسان کا اس کی محبت میں مبتلا ہونا۔ ۴۷۹

قریش ایک بہت بڑے سمندری جانور کا نام ہے جو ہر ڈیلے موٹے جانور کو کھا جاتا ہے۔ ۴۹۸

عبداللہ ابن عبدالمطلب

آپ رسول پاکؐ کی ولادت سے قبل وفات پا گئے۔ ۳۲۲

عبداللہ ابن عمرؓ

شاہد جمعہ کا اور مشہور عید قربان کا دن ہے ۱۵۰

عبداللہ ابن مسعود

نماز میں ایک معقول پیمانہ ہے، جو شخص اس کا کیل مکمل ادا کرے تو اللہ بھی مکمل اجر دے گا، جو کمی کرے وہ مطففین کی صف میں شمار ہوگا۔ ۸۹، ۸۸

قریش مکہ کے بالمقابل سورہ 'رحمن' کی تلاوت کے لیے تیار ہوئے۔ ۳۷۲

بدر میں ابوہبل کا سر قلم کر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس لائے۔ ۳۷۳

سب سے زیادہ محکم آیت 'من یعمل مثقال ذرہ..... ہے۔ ۴۱۷، ۴۱۷

۴

عبداللہ ابن مکتوم

آیت "سید کرمین یحشی" اسی پاک دل،
حق طلب نابینا صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔
(ابن عباسؓ) ۱۹۶

عتبہ ابن ربیعہ

"یتجنبها الاشقی" کا مصداق ۱۹۶

عثمان بن صہیب

حدیث رسولؐ اشقی الاولین و اشقی الآخین کون
تھا بیان کی۔ ۲۹۲

حضرت علیؓ ابن ابیطالبؓ (امام اول)

"جوارا لکنس" کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ پانچ تیارے

زحل، مشتری، مریخ، عطارد اور زہرہ ہیں۔ ۳۹

تمہارا محشر میں کیا حال ہوگا جب ہر شخص اپنے
اعمال کو آزمائے گا!

بزرگ و عظیم ہے وہ اللہ جو عظیم قدرت کے
باوجود کریم ہے، لیکن اے انسان تو ضعف و

حقارت کے باوجود معصیت (نافرمانی) پر کس قدر
جری ہے۔ ۴۰

پسے حساب کرنے والے تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں۔
(طویل حدیث) ۴۴

۸۹ کیا انہیں قبروں سے اٹھنے کا یقین نہیں؟

میں تیرے دردناک عذاب پر صبر کر بھی لوں لیکن

۱۰۴ تیرے فراق پر کیسے صبر کروں گا؟

یہ ستارے جنہیں تم دیکھتے ہو قیامت کے دن

کہکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور سب نظام

۱۳۰ درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ دل ظروف ہیں۔ بہترین دل وہی ہے جس کی

۱۴۲ حفاظت و ظرفیت زیادہ ہو۔

اصحابِ اخذ و فارس کے اہل کتاب مجوسی تھے۔

۱۵۶ بادشاہ نے اپنی بہن سے مباشرت کی وغیرہ۔

جذشہ کے ایک پیغمبر کے ساتھیوں کو آگ میں

جلایا گیا۔ ایک پتھر گویا ہوا اور اپنی ماں کو جرات

۲۵۴ دلائی۔ ماں بیٹا دونوں آگ میں جل گئے۔

جو شخص سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے گا گویا اس

نے صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی تلاوت کی۔ یہ سورہ

۱۸۴ آنحضرتؐ کو بہت محبوب تھی۔

۱۹۴ دُنیا اور جہنم کی آگ کا موازنہ (دُعائے کیل)

قسم ہے پیغمبرِ برحقؐ کی تم موردِ آزمائش قرار پاؤ

۲۳۴ گے، پھلنی کی مانند اُبلتی ہوئی دیگ کی مانند۔

تیرا رب قدرت و توانائی رکھتا ہے کہ گنہگاروں

۲۳۵ کو کفرِ کردار تک پہنچائے۔

اگر اللہ ظالم کو مہلت دے دے تو اس کی سزا

۲۳۶ ہرگز ختم نہ ہوگی، جب چاہے گا سزا دے گا۔

تعجب ہے انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے
(اٹکھ) سے دیکھتا، گوشت کے ٹکڑے سے بولتا،
۲۶۳ ۲۶۳ بڑی سے سنتا اور سورخ سے سانس لیتا ہے۔
بے شک جنتِ سختیوں کے درمیان اور دوزخ
۲۶۹ شہوات کے درمیان گھری ہوئی ہے۔
۲۸۲ مال خرچ کرنے سے کم اور علم زیادہ ہوتا ہے
"عاقراً نافر" جس نے اولاد کو ہلاک کیا، شقی ترین
۲۸۴ شخص تھا۔
ناقرہ صالح کو ایک شخص نے ہلاک کیا مگر مغرب
۲۸۹ سب ہوئے اس لیے کہ سب اس پر ارضی تھے۔
سب سے زیادہ امید بخش آیت 'ولسوف
۳۲۰ یعطیک ربک فترضی' ہے۔
اللہ جمیل ہے، جمال و زیبائی کو دوست رکھتا ہے
اور پسند کرتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت
۳۲۴ کے آثار دیکھے۔
اللہ کو یاد رکھو! یتیم کو کبھی سیر کبھی بھوکا نہ رکھو۔
۳۲۹ تمہارے سامنے وہ ضائع نہ ہوں۔
ایک عورت نے اپنے شوہر کی جو مفلس تھا، خرچ
نہ دینے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "ان مع
۳۳۱ العسر لیسراً"
وہ گھر جس میں سرکہ اور زیتون سالن کے طور پر
استعمال ہوتا ہے، کبھی کھانے سے خالی نہ
۳۵۱ ہوگا، یہ پیغمبروں کی غذا ہے۔
مساجد کے مختلف حصوں میں نماز پڑھا کرو

کیونکہ زمین کا ہر ٹکڑا جس پر نماز پڑھی گئی، گواہی
دے گا۔ ۴۱۳
قیامت کے دن گواہی دینا کہ میں نے حق کے
ساتھ تمہیں پُر کیا تھا اور حق کے ساتھ خالی کیا ہے۔ ۴۱۳
امیر المؤمنینؑ اور ائمہؑ جو آپ کی ذریت ہیں
۴۳۹ وہی تولنے والے ترازو ہیں۔
میزان سے شہادتین کو اٹھایا تو ہلکا اور میزان
۴۴۱ میں رکھ دیا تو بھاری ہو جائے گا۔
مقصد سے دور کیسے زیارت کرنے والے ہیں،
۴۴۸، ۴۴۴ رسوا کرنے والا افتخار۔ طویل خطبہ
حرص، بخل، دنیا پرستی، فخر و مباہات اور اظہار
برتری مفسد کے عوامل ہیں۔ ۴۵۱
نعیم سے مراد تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے ۴۵۴
انسان کا ہر سانس موت کی طرف اس کا ایک
۴۶۱ قدم ہے۔
تمہارے وجود کی قیمت جنت کے سوا اور
کچھ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم اسے کمتر شے کے
بدلہ بیچ ڈالو۔ ۴۶۳
مستی کی چار اقسام ہیں، مستی اموال، مستی اقتدار،
۴۶۸ مستی شراب اور مستی خواب۔
جو شخص دوسرے کے اموال کو اپنی میزان میں
دیکھے اللہ اسے دوزخ میں اور اس کے وارث
کو جنت میں داخل کرے گا۔ ۴۷۴
خواب میں حضورؐ سے گفتگو، رسولِ پاکؐ سے اس کا

بیان۔ آ
کی تعلیم
'واحد کی تڑ
اصد کے
اس نے کر
کسی سے
اس کا مثیل
اے بیٹا
ہوتا تو اس
اللہ کی راہ
ح
—
دنیا کی مجتہد
اللہ اور ر
سے بہتر کو
سورہ فیل
طویل حدیث
اصد اس
نہ ہو۔
ح
کیا وہ اس
پاس فرشتے
قرآن کا جتنا

ہے، اتنا ہی تروتازہ کیوں ہوتا ہے۔

۲۷۱

کھانا کھلانا اور انتظامات

انجیر منہ کی بدبو دور کرتی ہے، مسوڑھوں اور

ہڈیوں کو مضبوط کرتی ہے، بالوں کو آگاتی

ہے، درد و تکلیف کو برطرف کرتی ہے،

جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ ۳۵۱، ۳۵۲

روحِ زیتون اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار و بلغم

کو دور کرتا ہے، چہرہ کی رنگت نکھارتا ہے مقوی

اعصاب ہے۔ بیماری، درد اور ضعف کو دور

۳۵۲

کرتا اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔

پانچ خصلتوں کے بغیر مال جمع نہیں ہو سکتا،

بخل شدید، طولِ امل، حرصِ غالب، قطع

رحمی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔ ۵۶۱، ۵۶۲

عمر ابن یاسرؓ

مشرکین مکہ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا مذاق

اڑاتے تھے۔

۱۱۶

حدیثِ رسولؐ، اشقی الاولین اور اشقی الآخیرین،

کون تھا۔

۲۹۲

عمر ابن خطابؓ

فتحِ مکہ میں ابوسفیان کو قتل کرنے پر آمادہ ہوئے

۵۳۷

عمر ابن عبدالعزیزؓ

والضحیٰ، اور الم نشرح، کو ایک سورہ جانتے

بیان۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تمہیں اسمِ اعظم

۵۵۹

کی تعلیم دی گئی ہے۔

۵۶۱

واحد کی تشریح فرمائی۔

۵۶۲

اصدا کے معنی بیان فرمائے۔

اس نے کسی کو نہیں جانا کہ خود بھی موجود ہو۔ وہ

کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ محدود ہو جاتا۔ کوئی

۵۶۶

اس کا مثیل و نظیر نہیں۔ (نہج البلاغہ)

اے بیٹا! جان لو کہ تمہارے رب کا کوئی شریک

۵۶۷

ہوتا تو اس کے نمائندے بھی تمہارے پاس آتے۔

۵۸۷

اللہ کی راہ پر چلنے والوں پر مطلب مخفی نہیں رہتا۔

حضرت امام علی بن الحسینؑ (امام چہارم)

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے۔ (حدیثِ رسولؐ) ۲۰۰

اللہ اور رسولؐ کی معرفت کے بعد بغضِ دنیا

سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

۲۰۲

سورہٴ فیل کی شانِ نزول کے بارے میں ایک

۲۸۵

طویل حدیث بیان فرمائی۔

اصدا اس ہستی کو کہتے ہیں جس کا کوئی شریک

۵۶۲

نہ ہو۔

حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ (امام ہشتم)

کیا وہ اس کے علاوہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے

۲۳۳

پاس فرشتے یا پروردگار کا فرمان آن پہنچے؟

قرآن کا جتنا مطالعہ اور نشر و اشاعت ہوتی

اور نمازیں دونوں کو ملا کر پڑھتے تھے۔ (رازی) ۳۳۳

عمر بن عبدود

جناب امیر نے اسلام پیش کیا تو کہا جو مال میں نے تمہاری مخالفت میں خرچ کیا اس کا کیا بنے گا۔ ۲۵۷

فرعون

اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو نیل میں

غرق کر دیا۔ ۱۶۳ تا ۱۶۶

قدار بن سالف

قوم ثمود کا شقی ترین شخص جس نے ناقص صالحؑ

کو ہلاک کیا۔ ۲۸۷

کفود یا سارہ

حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی

حضرت علیؑ اسے پکڑ کر مدینہ لے آئے۔ ۵۳۶

لقمان

ایک مشہور حکیم و دانای

۴۷۷

محمدؐ ابن حنفیہ

اصد کے معنی جناب امیر سے دریافت کیے ۵۶۳

حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورہ تکویر کی تلاوت کرنے والے کو اللہ اس دن رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھلیں گے۔ جو قیامت میں میری زیارت

کرنا چاہے وہ یہ سورہ پڑھے۔ مجھے سورہ ہود واقعہ عثم تیسار لون، مرسلات اور تکویر نے بوڑھا کر دیا۔ ۲۳

(جبرئیل سے) اللہ نے تیری کیسی عمدہ تعریف کی ہے۔ صاحب قدرت ہے، صاحب عرش

اللہ کا قرب رکھتا، فرمان روا اور امین ہے۔ ۵۱

تیرا بھیجا ہوا تیری عقل کو نمایاں کرتا ہے اور تیرا خط تیری بات کا پُرگو ناطق ہے۔ ۵۵

اچھی یا بُری سنت جاری کرنے پر اجر و ثواب یا عذاب و عتاب، بغیر اس کے کہ حاملین سنت کے اجر و ثواب میں کمی ہو، اُسے بھی ملے گا۔ ۶۶

انسان کی جہالت و نادانی نے اسے مغرور بنا دیا اعمال نیتوں سے وابستہ ہیں، فرشتے خود انسان سے لیتے اور اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ہماری زبان

ان کا قلم اور لعاب دہن ان کی سیاہی ہے۔ ۷۶

بد عملی لکھنے میں تساہل اور نیک عمل کا فوراً لکھا جانا۔ نیکیاں بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ ۷۶

جو شخص سورہ مطففین پڑھے، اللہ اسے قیامت میں خالص شراب پلائے گا۔ ۸۴

اللہ کم تولنے والے کی زراعت چھین لے گا اور قحط سالی میں مبتلا کرے گا۔ ۹۲۰۹۱

فرشتہ بندہ کا عمل بخوشی اوپر لے جائے گا، مگر اللہ فرمائے گا اسے سجین میں لے جاؤ، اس کا

مقصد میرا گناہوں کا دیتی ہے جب بت ایک سیا سیاہی بڑ علیتین۔ زیریں حہ یا علی تجر جان کی کرے گا زلال۔ اس روز کھلے گا۔ طرف دور کئی مرتبہ سورہ انشا ماشا اعمال سورہ برو میں جمع حسات بروج۔ شاہد عید

- مقصد میری رضا نہیں تھا۔ ۹۶
- گناہوں کی فراوانی انسان کے دل کو تباہ کر دیتی ہے۔ ۱۰۳
- جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر ہر گناہ پر سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتی ہے۔ ۱۰۳
- علیتین سے مراد ساتواں آسمان اور عرشِ خدا کا زیریں حصہ ہے۔ ۱۰۴
- یا علیؑ جو شخص اللہ کی خوشنودی کی خاطر یا اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہی شراب کو ترک کرے گا اللہ اسے حقیق و مجتوم اور شرابِ زلال سے سیراب فرمائے گا۔ ۱۱۳
- اس روز جنت کا ایک دروازہ جہنم کی طرف کھلے گا۔ دوزخی اپنی نجات سمجھ کر اس کی طرف دوڑیں گے مگر وہ بند ہو جائے گا، ایسا کئی مرتبہ ہوگا۔ جتنی ان پر نہیں گے۔ ۱۱۹
- سورۃ الشقاق، پڑھنے والا پس پشت سے نامہ اعمال دیکھ جانے سے محفوظ رہے گا۔ ۱۲۳
- سورۃ بروج کی تلاوت کرنے والے کو جمعہ و عرفات میں جمع ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنات ملیں گے۔ ۱۴۵، ۱۴۶
- بروج سے مراد ستارے ہیں ۱۴۹
- شاہد عید قربان کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا ۱۵۰
- سورہ طارق کی تلاوت کرنے والے کو ستارگانِ عرش کی تعداد سے دس گنا ثواب ملے گا۔ ۱۶۸
- تمہارے سرانم تمہارے اعمال ہی ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ ۱۷۷
- قرآن ایسا کلام ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ (جناب امیرؑ) ۱۸۰
- سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ ان حروف کے بدلہ جو اس نے ابراہیمؑ و موسیٰؑ و آنحضرتؐ پر نازل فرمائے، دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ ۱۸۲
- سورۃ غاشیہ کی تلاوت کرنے والے کا حساب قیامت کے دن اللہ آسان کر دے گا۔ ۲۰۵
- ضریح دوزخ کی آگ میں ایک چیز جو کانٹے کی طرح ہے۔ ۲۰۹
- 'لیال عشر' ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ (راوی جابر بن عبد اللہ) ۲۲۶
- 'شفع' سے مخلوقات اور وتر سے اللہ کی ذات مراد ہے۔ (ابو سعید خدری) ۲۲۷
- تیوک جاتے ہوئے وادیِ ثمود پر پہنچے تو فرمایا: "جلدی کرو! تم اس وقت معذب و ملعون سرزمین پر ہو۔" ۲۳۳
- جبرئیل امینؑ نے خبر دی ہے کہ قیامت میں اللہ جہنم کو لے آئے گا جس پر پل صراط اور

یتیم
فرش
قیام
تو اس
میں
جنت
یتیم
سر
سورہ
کا ثواب
آپ
تیرا
کیا،
ہے
رت
اپنے
طرح
جب
لیا جاتا
جان
کامیابی
روغن
مبارک
ہاں!

- اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل؛ بھوکے کو کھانا
۳۱۱ کھلانا، قرض ادا کرنا، مومن کا دل خوش کرنا۔
- جو شخص کسی مسلمان گھرانے کی ایک دن رات
۳۱۲ پذیرائی کرے، اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔
- ”والضحیٰ“ کی تلاوت کرنے والے سے اللہ راضی
۳۱۴ اور آنحضرتؐ اس کے شفیع ہوں گے۔
- قسم ہے دن اور روشنی کی، رات اور سکون کی!
اللہ نے تجھے نہیں چھوڑا، تیری آخرت دنیا سے
بہتر ہے۔ اس قدر عطا کیا جائے گا کہ تو خوش ہو
جائے گا۔ ۳۱۸، ۳۱۷
- میں قیامت میں اس تعداد میں سفارش کروں گا
کہ اللہ فرمائے گا: ”اے محمدؐ! کیا تم راضی ہو گئے؟“
(امام محمد باقر اپنے آباء سے) ۳۱۹، ۳۲۰
- یتیم پایا تو پناہ دی، گمشدہ تھا تو رہنمائی کی، مفلس
تھا تو بے نیاز کر دیا۔ یتیم کو حقیر نہ جان، سائل کو
نہ جھڑک، اپنے رب کی نعمت کو یاد کر۔ ۳۲۱
- یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ۔ ہاتھ کے نیچے
جتنے ہاں ہیں ان کے برابر قیامت میں ایک نور
حاصل ہوگا۔ ۳۲۵
- جب اللہ بندہ کو نعمت دیتا ہے تو پسند فرماتا
ہے کہ اس پر عطاء نے نعمت کے آثار دیکھے۔ ۳۲۶
- جب نعمت دی جائے اور اس پر اس کے آثار
نمایاں نہ ہوں تو وہ دشمن خدا اور نعمت کا مخالف
شمار ہوگا۔ ۳۲۷

- اس پر تین اور پل ہیں۔ (طویل حدیث) ۲۳۶
- ستتر ہزار فرشتے ستتر ہزار مہاروں کے ذریعہ
جہنم کو کھینچ کر لائیں گے، جبکہ وہ سرکشی کی
حالت میں ہوگی۔ ۲۳۷
- سورہ بقرہ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت
میں اپنے غضب سے امان دے گا۔ ۲۵۱
- انسان کی آنکھ کو پلوں سے اور زبان کو ہونٹوں
سے ضبط میں رکھا گیا ہے۔ ۲۶۱
- لوگو! تمہارے لیے دو (خیر اور شر کی) زمینیں
موجود ہیں۔ ۲۶۸، ۲۶۴
- دشوار گھائی سے بھاری بوجھ والے نہیں گزر
سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں اس بوجھ کو
ہلکا کر دوں۔ ۲۶۸
- غلاموں کو آزاد اور گردنوں کو (طوقِ غلامی سے)
رہائی دے۔ جن رشتہ داروں نے تجھ سے قطع
رحمی کی ان سے بھی اچھا سلوک کر، بھوکوں کو کھلا،
امرو نہی کر، زبان بند رکھ۔ ۲۷۰
- خدا یا میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما۔ تو
ولی و مولا ہے، تزکیہ فرما! ۲۸۳، ۲۸۴
- جس کے نفس کا اللہ نے تزکیہ کیا وہ نجات پا گیا۔
- جسے خیر سے محروم کر دیا وہ ناامید ہو گیا۔ ۲۸۴
- ”من اشقی الاخرین، جناب امیر نے فرمایا:
”نہیں معلوم فرمایا، جو شخص تیرے سر پر ضرب
لگائے گا۔“ ۲۸۸

- ۳۶۲ حمد کے لائق وہی ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی۔
- ۳۷۰ اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو نہیں تو یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔
- ۳۷۲ میرے زمانہ کافر عیون، فرعون موسیٰ سے بدتر، اُس نے آخری وقت ایمان کا اقرار کر لیا تھا۔
- ۳۷۵ بندہ بحالتِ سجدہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔
- ۳۷۸ سورہ قدر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے ماہِ صیام کے روزے رکھے اور شبِ قدر کا ایفاء کیا۔
- ۳۸۲ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ہزار ماہ لباسِ جنگ پہنے رکھا، جہاد میں مشغول رہا۔ اصحاب نے تعجب کیا، بنی اسرائیل کے چار افراد کی اسی سال معصیت کے بغیر اللہ کی عبادت۔
- ۳۸۷ میری اُمت کو شبِ قدر عطا ہوئی۔ یہ نعمت پہلے کسی کو نہیں ملی۔
- ۳۹۱ سورہ بئینہ کو ازل سے فرشتے تلاوت کر رہے ہیں۔ جو شخص تلاوت کرے گا فرشتے اُس کے دین و دنیا کی حفاظت کریں گے اور اس کے لیے رحمت و بخشش طلب کریں گے۔
- ۴۰۷ سورہ زلزله کی تلاوت کرنے والا سورہ بقرہ کی تلاوت کا ثواب پائے گا۔
- ۳۲۹ یتیم کے رونے سے عرشِ الہی کانپ جاتا ہے۔ فرشتو! جو اس کو چُپ کرانے کا میں اُسے قیامت میں خوش کر دوں گا۔ یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو اللہ کے ہاتھ پر پڑتے ہیں۔ میں اور یتیم کا سر پرست دونوں پہلو بہ پہلو جنت میں ہوں گے۔
- ۳۳۰ یتیم کو اکیس دانہ خرما عطا فرمائے اور اس کی سر پرستی پر توجہ دلائی۔
- ۳۳۲ سورہ الم نشرح کی تلاوت کرنے والے کو اس شخص کا ثواب ملے گا جس نے رسولِ پاک کو غمزہ پاک اُپک کا غم دور کیا ہو۔
- ۳۳۵ تیرے سینہ کو کشادہ کیا، مگر توڑ بھاری بوجھ کو کم کیا، ذکر کو بلند کیا، پس سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔
- ۳۳۶ اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، یونس کی طرح نہ ہو جا۔
- ۳۳۹ جب میرا نام لیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ تیرا نام بھی لیا جاتا ہے، اور تیرے مقامِ عظمت کیلئے کافی ہے۔ (قولِ علی) جان کو سختیوں کے ساتھ آسانی ہے، صبر کے ساتھ کامیابی ہے، غم و اندوہ کے ساتھ خوشحالی ہے۔
- ۳۵۲ روغنِ زیتون کھاؤ، بدن پر مالش کرو، یہ ایک مبارک درخت ہے۔
- ۳۵۴ ہاں! اللہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس کا گواہ ہوں

قیامت میں زمین زلزلہ و مرد کے اعمال کی گواہی دے گی۔ وضو اور نماز کی حفاظت کرو۔ زمین پر جو اچھا یا بُرا کام کرو گے وہ اس کی گواہی دے گی۔ بیابان میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو۔ جن وانس اور پتھر کے ٹکڑے اسے سن کر گواہی دیں گے۔

۴۱۲

ایک شخص کا سوالِ تعلیم حضورؐ کا اسے صحابی کے سپرد کرنا۔ صحابی کا سورہ زلزله، تعلیم کرتا۔ وہ واپس ہوا تو فقیہہ تھا۔ (ابوسعید سے مکالمہ برائے اعمال)

۴۱۴

کنود وہ ہے جو خود اکیلا کھاتا ہے، دوسروں سے روکتا ہے، غلاموں کو مارتا ہے۔

۴۲۸، ۴۲۷

کوئی عمل 'لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ' کے بغیر قبول نہ ہوگا۔ یہ کلمہ ہی میزانِ عمل کو بھاری کرے گا۔

۴۲۱

غیر شرعی طریقہ سے مال جمع کرنا، تکاثر ہے تیرا مال صرف وہ ہے جو تو کھاتا ہے، لباس جو پہنتا ہے اور صدقات جو ادا کرتا ہے۔

۴۵۲

اگر اس کا یقین اور سچیتہ ہوتا تو پانی تو کیا ہوا پر چلتا۔

۴۵۳

سورہ صفحہ، کی تلاوت کرنے والے کو ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا حسنات ملیں گے

۴۶۷

جنہوں نے رسولؐ و اصحابِ رسولؐ کا مذاق اڑایا۔ بہت زیادہ چغلی کرتے، دوستوں کے درمیان

جدائی ڈالتے، پاکیزہ افراد کے عیب تلاش کرتے ہیں۔ ۴۷۱
لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔

۴۷۱

آنحضرتؐ کا شبِ معراج جبریل سے سوال! دو زنیوں کا گوشت کاٹ کر انہیں کھلانا۔

۴۷۶

ہر شخص کا عمل میں حصہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ جو شخص اللہ کے لیے جہاد کرے اس کا اجر اللہ پر ہے۔

۵۰۸

ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کے باطن قبیح، گندے اور آلودہ ہوں گے جبکہ ظاہر زیبا و خوبصورت۔

۵۰۹

ریا کار کو قیامت میں پانچ ناموں سے پکارا جائے گا: کافر، فاجر، حیلہ گیر، خاسر، زیاں کار۔

۵۰۹

سورہ کوثر تلاوت کرنے والے کو اللہ جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے گا۔

۵۱۹، ۵۱۱

سورہ کافرون، تلاوت کرنے والے نے گویا چوتھائی قرآن پڑھا۔ وہ قیامت کی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۔

۵۲۱، ۵۲۰

بستر پر چائے تو چاروں قُل، اور سورہ نصر کی تلاوت کر۔

۵۲۱

سورہ نصر کی تلاوت کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ فتحِ مکہ کے دن رسولؐ خدا کے ساتھ تھا۔

۵۲۱

سورہ بقرہ، کی تلاوت کرنے والے کو اللہ

تر
ابو
فرما
سو
تہا
سہ
نما
بشوا
ہر
پچھو
اللہ
موا
میر
آر
تیا
حکم
ایہ
فرما
طلا
کر
۱
۶

۱۰۳ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔
 اللہ قیامت میں بندوں کی عقل و فراست کے
 ۱۲۹ مطابق سخت گیری فرمائے گا۔
 ۱۵۰ شاہد عید قربان اور مشہود عرفہ کا دن ہے
 جس نے اطاعت کی وہ نجات پا گیا، جس نے
 ۲۸۲ نافرمانی کی وہ ناامید و محروم ہو گیا۔
 جو سورۃ قدر کو بلند آواز میں پڑھے اس نے
 راہ خدا میں تلوار کھینچی، جس نے آہستہ پڑھی
 ۳۷۸ وہ گویا اپنے خون میں غلطاں ہوا۔
 ہم شب قدر کو کیسے نہ جانیں! فرشتے اس
 ۲۸۲ رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں۔
 سورۃ قارعہ پڑھنے والے کو اللہ دجال کے
 ۴۳۴ فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا۔
 میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی محمدؐ و
 آلِ محمدؐ پر درود کی تلاوت ہے۔ جس کا ظاہر
 باطن سے بہتر ہے، قیامت میں اس کا میزان
 ۲۴۱ عمل بھکا ہوگا۔
 ستاروں کے ذریعہ بارش کی طلب، نسب
 پر فخر، خاندانی شرافت پر طعن کرنا جاہلیت
 ۲۵۱ کے اعمال ہیں۔
 اسلام سے ایک درجہ بالاتر ایمان، پھر تقویٰ،
 پھر یقین بالاتر ہے۔ یقین کی حقیقت اللہ پر
 ۴۵۲ توکل کرنا ہے۔

ابو لب کے ساتھ ایک گھر میں اکٹھا نہیں
 فرمائے گا۔
 ۵۴۳ سورۃ اخلاص تلاوت کرنے والے نے گویا ایک
 تہائی قرآن پڑھا۔ کثرت تلاوت کے باعث
 سعد بن معاذ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتوں نے
 نماز پڑھی۔ اللہ اسے اور اس کے والدین کو
 بخش دے گا۔
 ۵۵۵ ہر مومن کے دل میں دو کان ہیں، ایک میں فرشتہ
 پھونک مارتا ہے اور دوسرے میں دوسرا سنتا ہے۔
 ۵۸۹ اللہ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔
 حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (امام پنجم)
 مودۃ شدت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت
 ۳۹ میں قتل کر دیے گئے۔
 آج بھی تمام کام اللہ کے اختیار میں ہیں، لیکن
 قیامت کے دن تو تمام حاکم برباد ہو جائیں گے،
 ۸۱ حکومت صرف اور صرف اللہ کی ہوگی۔
 امیر المؤمنینؑ ہر صبح بازارِ کوفہ میں کھڑے ہو کر
 فرماتے: "اے گروہِ شجر اللہ سے ڈرو اور خیر
 طلب کرو۔ لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے
 ۹۱ برکت حاصل کرو۔
 سچین ساتویں زمین اور علیتین ساتواں آسمان
 ہے۔
 ۹۶، ۹۵ حدیث دلوں کی چملا کا سبب ہے، گناہ سے

سے کا ندھے پر اٹھا کر لانا، یہ پیش خمیہ تھا کہ انسانوں
سے بڑاؤ کے لیے پیغمبر منتخب فرمایا۔ ۳۲۸
فرعون کی طرف بھیجا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔
آپ کی دعا؛ "رب اشرح لی صدری" ۳۳۶
حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (امام ہفتم)

ماورین ثبوت اعمال اور ان کے طریق کار پر آپ
کی ایک طویل حدیث انسان کی نیت کے بارے میں۔ ۴۵

سجاشی

روم کی ذیلی ریاست حبشہ کا حکمران ۳۸۶

نضر بن حارث بن کلدر

آنحضرتؐ کا خالہ زاد جو کفر و ضلالت کا سرغنہ تھا ۱۰۰

نفسِ ذکیہ

حضرت امام حسنؑ کے فرزند محمد بن عبداللہ کا
لقب جو منصور دوانیقی کے ہاتھوں ۱۳۵ھ
میں شہید ہوئے۔ ۵۱۷

ورقہ بن نوفل

آنحضرتؐ پر وحی کا نزول، جناب خدیجہؓ کا
دلجوئی فرمانا۔ ورقہ بن نوفل کا مشورہ اور
پیش گوئی۔ ۳۵۹ تا ۳۶۲

اللہ تعالیٰ سورہٴ اٰمّون، کو فریضہ یا نافلہ نمازوں
میں پڑھنے والے کے نماز و روزہ کو قبول فرمائے گا۔ ۵۰۲
اے محمدؐ! یہ ہمارے خدا ہیں۔ تو بھی اپنے خدا
کی تعریف کر، ہم اسے دکھیں اور ادراک کریں۔ ۵۵۸
نماز و قرآن سورہٴ موعودین اور اخلاص تلاوت کرنے
والے کی نماز و قرآن قبول ہوگی۔ ۵۸۴، ۵۷۴

محمود

ابراہیم کے ہاتھی کا نام جس پر سوار ہو کر وہ کعبہ
پر حملہ آور ہوا۔ ۳۸۸

معاذ بن جبل

رسولِ پاکؐ سے سرائر کے معنی دریافت کیے۔ ۱۷۷
ایک یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھنا،
و عادینا۔ ۳۳۰

معاویہ بن ابوسفیان

خدا کی قسم قریش کے لیے علیؑ کے سوا کسی نے
فصاحت و بلاغت کی بنیاد نہیں رکھی۔ ۳۳۸

مغیرہ ابن شعبہ

اس نے اپنے بیٹے سے معاویہ کی تنقیص کی ۳۳۳، ۳۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام

یہ احکام پہلی آسمانی کتابوں صحیفہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ
میں آچکے ہیں۔ ۱۹۸ تا ۲۰۰

ایک میمنہ کا گلہ سے نکل جانا، تلاش کرنا، شفقت

۲۹۲	ابن مردویہ
۴۲	ابن منظور (لسان العرب)
۱۵۶، ۱۵۰، ۸۶	ابوالفتوح رازی (مفسر روح البیان)
- ۵۲۶، ۵۲۳، ۴۳۹، ۴۲۴، ۳۵۹، ۲۲۶	
۴۰۴	ابونعیم اصفہانی
۳۹۲	احمد ابن حنبل
۲۹۲، ۱۵۶	ثعلبی
۴۵	جارج کاموس (ماہرِ فلکیات)
۵۲۳، ۴۰۳	جلال الدین سیوطی
۳۲۲، ۳۱۰	حاکم جسکانی
۲۹۶	سُرّ عاملی
۲۹۲	خطیب بغدادی
۴۰۴	خطیب خوارزمی
۱۳۷، ۱۳۴، ۱۰۹، ۹۰، ۴۲	راعب (مفردات)
۲۸۲، ۲۶۹، ۲۵۵، ۲۱۲، ۱۷۹، ۱۵۲	
۲۸۲، ۳۶۰، ۳۳۶، ۳۲۴، ۲۸۹، ۲۸۳	
۵۰۴، ۴۷۴، ۴۶۴، ۴۶۰، ۴۴۷، ۳۹۶	
- ۵۸۷، ۵۴۷	
۲۳۹، ۲۳۲	زنجشیری
۴۰۴	سلیمان شیخ قندوزی (نیایح المؤدّۃ)
۴۵۵، ۲۲۹	طباطبائی علامہ (المیزان)
۱۵۶، ۱۵۰، ۱۴۲، ۱۱۰، ۸۶	طبری (مفسر مجمع البیان)
۵۴۵، ۵۲۶، ۵۲۳، ۳۵۹، ۲۹۸، ۲۵۵	
- ۵۴۷	

ولید بن مغیرہ

ولید اور اس کے ساتھی مؤمنین سے استہزاء کرتے تھے۔

۱۱۶

”یتجنبها لاشقی“ کا مصداق

۱۹۶

پس پشت رسولِ پاک کی غیبت اور سامنے طعن و تشنیع کرتا تھا۔

۴۶۹

حضرت ہمود علیہ السلام

آپ قوم عاد کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے

۲۳۱

حضرت یوسف علیہ السلام

زلیخا سے گفتگو اور فرمانا: ”انہ من یتق و

۲۹۳

یصرہ یضیع اجر المحسنین“

حکومت حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

۵۳۵

دُعا اور شکر کیہ۔ (یوسف / ۱۰۱)

علماء و دانشور

۴۰۴، ۳۱۰

آلوسی (مفسر روح المعانی)

۳۲۳

ابن ابی الحدید (شرح نہج البلاغہ)

۵۴۵

ابن اثیر (کامل)

۴۰۳

ابن عساکر

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر سوائی سے محفوظ

فرمائے گا۔ میری زیارت کا شرف پائے گا۔ ۳۲

مجھے سورہ ہود، واقعہ، بناء، مسلمات اور تکویر

نے بوڑھا کر دیا۔ (رسول پاک) ۳۳

تلاوت کرنے والا جنت جاوے گا اور اللہ کے

سایہ رحمت میں ہوگا۔ (امام جعفر صادق)۔ ۳۳

عظمت قرآن:

یہ باعظمت قرآن رسول (جبرئیل امین) کا

لیا ہوا کلام ہے۔ ۳۶

قرآن عالمین کے لیے نصیحت ہے۔ ان کے

لیے نصیحت ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔ ۵۸، ۵۶

سورہ انفطار

مضامین:

آثار قیامت، نعمات الہی، اعمال لکھنے والے فرشتے،

نیک و بد کی سرنوشت، قیامت کی سختیاں۔ ۶۰

ثواب تلاوت:

فریضہ و نافلہ نمازوں میں سورہ ہائے انفطار و

انشقاق کی تلاوت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ

کے قرب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔

(امام جعفر صادق)۔ ۶۰

❖

۲۰۴، ۳۳۳، ۲۹۲

طبری موصلی

۹۴

طریحی (مجمع البحرين)

فخر الدین رازی (تفسیر کبیر) ۳۰۸، ۳۳۳، ۳۹۴، ۴۳۹

۴۶۰

(مفتاح الغیب) ۱۵۶، ۲۱۸، ۲۲۶، ۲۴۳

۵۲۳

قرطبی

۱۹۰

کرسی مورسین (راز آفرینش انسان)

۸۷

مراغی (مفسر)

۵۶۷

نیوٹن (مشہور سائنسدان)

۲۹۲

واحدی

کتب آسمانی

تورات

۱۵۶

کتاب دانیال، ذکر اصحاب اخدود

قرآن حکیم

سورہ تکویر

مضامین:

مکی سورہ، قیامت کی نشانیوں، دنیا کے آخر میں

عظیم تبدیلیوں، قرآن لانے والے کی عظمت اور

۳۲

انسانی نفوس پر قرآن کے اثرات کا بیان۔

کرم
تفہیم
کف
تلا
شرا
فرد
میر
اہل
چیز
آیہ
ال
بقہ
اور
مراد
کے
بن

سورہ مطففین

مضامین:

کم تولنا بڑے گناہوں کا سرچشمہ ہے، قیامت پر یقین نہ ہونا، فجار کی سرنوشت، نعماتِ اہل جنت، کفار کا مومنین سے جاہلانہ استہزاء۔

۸۴

ثواب تلاوت

تلاوت کرنے والے کو اللہ قیامت میں خالص

۸۴

شرابِ طہور پلاٹے گا۔ (رسولِ پاک)

فریضہ نمازوں میں پڑھنے والے کو اللہ قیامت

میں عذابِ جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ (امام جعفر صادق)

۸۴

شانِ نزول:

اہلِ مدینہ کا کم تولنا، رسولِ پاک کی تہدید، پانچ

چیزوں کے مقابلہ میں پانچ چیزیں۔

۸۶، ۸۷

آیت "ان الذین اجرموا" کی شانِ نزول:

۱) کفار نے علیؑ اور ان کے رفقاء کا مذاق اڑایا۔

بقولِ حسانی، الذین اجرموا، سے کفار قریش

اور الذین امنوا، سے علیؑ اور ان کے رفقاء

مراد ہیں۔ (۲) بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ اور دیگر لوگوں

کے بارے میں جو ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور عاص

۱۱۶

بن وائل کے تمسخر کا نشانہ بنے۔

سورہ الشقاق

مضامین:

معاذ و قیامت، نیکوں اور بدوں کے اعمال کا

حساب و سرنوشت، موجب عذابِ اعمال و

عقائد، انسان کی دنیوی و آخروی زندگی کے

۱۲۳

مراحل۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا پس پشت سے نامہ اعمال

دیے جانے سے محفوظ رہے گا۔ (رسولِ پاک)

۱۲۳

قاری ہمیشہ لطفِ الہی پر نظر رکھے گا، لوگوں کے

حساب سے فارغ ہوگا۔ (امام جعفر صادق)

۱۲۳

سورہ بروج

مضامین:

دباؤ کی وجہ سے کچھ افراد کا ایمان سے پلٹنا،

مومنین کے قلب و روح میں تقویت پیدا کرنا،

اصحابِ اخذ و دکا واقعہ، فرعون، عاد و ثمود اور

دیگر ظالم اقوام کی داستان، عظمتِ قرآن، وحی

۱۴۵

الہی کی اہمیت کی طرف اشارہ۔

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والوں کو جمعہ و عرفات میں جمع

ہونے والوں کی تعداد سے دس گنا حسنات

۱۴۶، ۱۴۵

ملیں گے۔ (رسولِ پاک)

سورہ طارق

مضامین:

- ۱۶۸ معاد و قیامت، قرآن مجید کی قدر و قیمت و اہمیت
 ثواب تلاوت:
 تلاوت کرنے والے کو ستارگانِ عرش کی تعداد
 سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (رسولِ پاک)
 ۱۶۸ روزِ قیامت مقامِ عظیم اور پیغمبروں کے رفقاء و
 اصحاب میں قرار پائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)
 ۱۶۸

سورہ اعلیٰ

مضامین:

- آنحضرتؐ کو اوائلی رسالت اور حمد و تسبیح پر توجہ
 دلائی، مومنین و مشرکین کی سعادت و شقاوت
 کا بیان۔
 ۱۸۴
 ثواب تلاوت:
 تلاوت کرنے والے کو اللہ ہر اس حرف کے بدلہ
 جو ابراہیمؑ، موسیٰؑ و محمدؐ پر نازل ہوئے دس نیکیاں
 عطا فرمائے گا۔ (رسولِ پاک)
 ۱۸۴
 فرض و نافلہ نمازوں میں پڑھنے والا جس دروازہ
 سے چاہے جنت میں داخل ہوگا (امام جعفر صادقؑ)
 ۱۸۴
 یہ سورہ پڑھنے والے کے لیے گویا صحیفہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ
 کی تلاوت کی۔ (حضرت علیؑ)
 ۱۸۴

سورہ غاشیہ

مضامین:

- ۲۰۵ معاد و قیامت، مجرموں کا انجام، مومنوں کا ثواب
 توحید و نبوت کی بحث۔
 ثواب تلاوت:
 پڑھنے والے کا حساب بروز قیامت اللہ تعالیٰ
 آسان فرمادے گا۔ (رسولِ پاک)
 ۲۰۵
 واجب و مستحب نمازوں میں پڑھنے والے کو
 اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سایہ رحمت عطا
 فرمائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)
 ۲۰۵

سورہ فجر

مضامین:

- بہت سی نئی قسمیں۔ اقوام سابقہ اور ان کا انجام ۲۲۳
 ثواب تلاوت:
 ذی الحجہ کی اول دس راتوں میں پڑھنے والے
 کے گناہ بخشے جائیں گے۔ باقی ایام میں پڑھے
 تو اس کے لیے نور و روشنی ہوگی۔ (رسولِ پاک)
 ۲۲۳
 یہ سورہ واجب و مستحب نمازوں میں پڑھو۔
 یہ امام حسینؑ کا سورہ ہے۔ پڑھنے والا حضرت
 امام حسینؑ کے ہمراہ بہشت میں داخل ہوگا۔
 ۲۲۳ (امام جعفر صادقؑ)

سورۃ بلد

مضامین:

پرمعنی قسمیں، انسانی زندگی کے شدائد، انسان پر
اللہ کی نعمات، ناشکری، اصحابِ میمنہ و مشئمہ ۲۵۱، ۲۵۰
ثوابِ تلاوت:

تلاوت کرنے والا قیامت میں اللہ کے غضب
سے مامون ہوگا۔ ۲۵۱

سورۃ شمس

مضامین:

تہذیبِ نفس، دلوں کو پاک کرنے والی آیات، خدا
کی قسم کھائی گئی، سرکش اقوام کا ذکر۔ ۲۴۵
ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے نے گویا ان چیزوں کے برابر صدقہ
دیا جن پر چاند سورج طلوع کرتے ہیں۔ (رسولِ پاک) ۲۴۵

سورۃ اللیل

مضامین:

قیامت، جزا و سزا اور ان کے عوامل ۲۹۶
ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس قدر عطا فرمائے گا کہ
وہ راضی ہو جائے گا، سختیوں سے نجات ملے گی،
دین و دنیا کی راہیں آسان ہوں گی۔ ۲۹۶

شانِ نزول:

ابوالاحداح (مؤمن) کا ایک بخیل سے درخت
خرما خرید کر رسولِ پاک کو ہدیہ کرنا۔ ۲۹۹

جناب امیر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر بحث ۳۰۸، ۳۰۹

سورۃ الضحیٰ

مضامین:

اے رسول! اللہ نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔
اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں
گے۔ بطور شکر یہ یتیموں اور حاجت مندوں
پر مہربانی کریں۔ ۳۱۴

ثوابِ تلاوت:

تلاوت سے اللہ راضی ہوگا، آنحضرتؐ شفاعت
فرمائیں گے۔ ہر یتیم اور سائل کے برابر نیکیاں
ملیں گی۔ (رسولِ پاک) ۳۱۴

والضحیٰ کو الم نشرح اور فیل کو لالیف میں
جمع کر کے پڑھنا چاہیے۔ ۳۱۵

شانِ نزول:

بقول ابن عباسؓ یہود نے ذوالقرنین اور کھف
کے بارے میں سوال کیا۔ وحی کا موقوف رہنا۔

مشرکین کا اشتہار کرنا، وحی کی آمد اور جواب۔ ۳۱۴

سورۃ الم نشرح

۳۶۲ تا ۳۵۹ فرمانا، درقرین نازل کا مشورہ۔

آغازِ وحی حرکتِ علمی کے ساتھ ہوا۔ خلقتِ انسان کے فوراً بعد قلم کی عظمت کا بیان، حمد کے لائق ہے اللہ جس نے موت کے بعد حیات بخشی۔ (رسولِ پاک)

۳۶۲ تا ۳۶۵ آپ کی چند دعائیں

سورۃ قدر

مضامین:

شبِ قدر میں نزولِ قرآن۔ آنحضرتؐ کا خواب و تسلی۔

۳۶۸

ثوابِ تلاوت:

قاری نے گویا پورے ماہ روزے رکھے۔

شبِ قدر کا احیاء کیا۔ (رسولِ پاک)

۳۶۸

سورۃ بلیغہ

مضامین:

اہل کتاب سے گفتگو، نماز و زکوٰۃ کی تاکید۔

آنحضرتؐ کی ہمہ گیر رسالت کے مضامین۔

۳۹۰

ثوابِ تلاوت:

خدا کی قسم! مقرب فرشتے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ فرشتے

تلاوت کرنے والے کے دین اور دنیا کی حفاظت کریں گے۔

۳۹۱

(رسولِ پاک)

مضامین:

نعمتِ الہی کا شمار تین نعمتوں کا ذکر، اللہ کی طرف توجہ، عبادت کی تحریریں۔

۳۳۳

ثوابِ تلاوت:

تلاوت کرنے والے نے گویا آنحضرتؐ کو غمگین دیکھا

۳۳۴

اور آپ کا غم دور کیا۔

سورۃ التین

مضامین:

انسان کی خلقتِ زیبا، تکامل و ارتقاء، انحطاط و پستی کی بحث۔

۳۴۶

ثوابِ تلاوت:

دونہیں سلامتی و یقین عطا ہوں گی

۳۴۶

سورۃ علق

مضامین:

نزولِ وحی کا آغاز، ناشکرے انسانوں کے بارے میں گفتگو۔

۳۵۴، ۳۵۶

ثوابِ تلاوت:

پڑھنے والوں کو یاد دہانی میں دورانِ تلاوت مر جائے

۳۵۴، ۳۵۶

تو شہیدِ مبعوث ہوگا۔

شانِ نزول:

غارِ حرا میں جبرئیلؑ کی آمد، وحی کا آغاز، جنابِ خداؐ کا دلجوئی

سورہ زلزلال

مضامین:

معاذ کی گفتگو۔ انسان کے اعمال کی زمین گواہ ہے۔

نیک و بد لوگوں کے گروہ اپنے اعمال کا نتیجہ پائینگے۔ ۴۰۷

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے نے گویا سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔

ثواب چوتھائی قرآن تلاوت کرنے کے برابر ہے۔

(رسول پاک) ۴۰۷، ۴۰۸

سورہ العادیات

مضامین:

قبیلوں پر تکبر، معاذ کی گفتگو، جہاد کے مسائل، کفر و نیکلی کا ذکر۔ ۴۱۹

ثواب تلاوت:

مزدلفہ میں قیام کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا

نیکیاں ملیں گی۔ ۴۲۰

پڑھنے والا جناب امیر کے ساتھ مبعوث ہوگا۔

(امام جعفر صادق) ۴۲۰

شان نزول:

سورہ جنگ ذات السلاسل کے بعد نازل ہوئی۔

مساعی صلح ناکام ہو کر جنگ ہوئی۔ جناب امیر

کے شدید حملہ نے دشمن کو درہم برہم کر دیا۔ ۴۲۲، ۴۲۳

آنحضرت نے رات گزارنے کے بعد نماز صبح میں

اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ ۴۲۲، ۴۲۳

سورہ قارعہ

مضامین:

معاذ کی گفتگو، اعمال کا تولا جانا، جزا و سزا ۴۳۳

ثواب تلاوت:

پڑھنے والا فتنہ و حال اور اس پر ایمان لانے

سے محفوظ رہے گا۔ (امام محمد باقر) ۴۳۳

سورہ تکوین

مضامین:

مہموم مطالب کی بنیاد پر فخر کرنے والوں کی سرزنش و

ملامت، قیامت و معاد و نارحیم پر تنبیہ، نعمت

کے بارے میں سوال۔ ۴۴۴

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے سے اللہ نعمت کا حساب نہ

لے گا۔ (رسول پاک) ۴۴۴

واجب و مستحب نمازوں میں اس کی تلاوت شہداء

کا درجہ عطا کرے گی۔ (امام جعفر صادق) ۴۴۴

شان نزول:

ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرنے والے قبائل

کے بارے میں نازل ہوا۔ ۴۴۷

سورہ فیل

مضامین:

مشہور تاریخی داستان کا بیان جو آنحضرتؐ کی ولادت کے سال واقع ہوئی۔ اللہ نے لشکرِ ابرہہ کو برباد کر دیا۔

۴۸۲

ثواب تلاوت

قیامت میں ہر بہاڑ، سہوار زمین، پتھر واجب نمازوں میں اس سورہ کو پڑھنے والے کی نمازگزاری کی گواہی دے گا۔ (امام جعفر صادقؑ) ۴۸۲، ۴۸۳

شان نزول:

ابرہہ کا لشکر لے کر کعبہ پر چڑھائی کرنا، مددِ الہی کی آمد اور لشکرِ ابرہہ کی تباہی و نابودی۔

۴۸۵

سورہ قریش

مضامین:

سورہ فیل کی تکمیل، قریش پر نعمت و الطاف و محبتِ الہی کا بیان۔

۴۹۶

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والے کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائیں گی۔ (رسولِ پاکؐ)

۴۹۶

قریش مکہ یا انصار کے دو گروہوں یا دیگر فخر و مباہات کی نفی واضح ہے۔

۴۴۷

سورہ والعصر

مضامین:

قرآن کے تمام علوم و مقاصد کا خلاصہ، ایمان و عمل صالح اور ایک دوسرے کو حق و صبر کی وصیت۔

۴۵۷

ثواب تلاوت:

نافلہ نمازوں میں پڑھنے والے کی قیامت میں چہرہ نورانی، لب خنداں، آنکھوں میں ٹھنڈک ہوگی۔ (امام جعفر صادقؑ)

۴۵۷

سورہ مہمزه

مضامین:

مال جمع کرنا، مفلسوں کو حقارت سے دیکھنا، ان کے لیے دوزخ کی آگ۔

۴۶۷

ثواب تلاوت:

رسولِ پاکؐ اور امام جعفر صادقؑ کی احادیث

۴۶۷

شان نزول:

دلید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوا جو آنحضرتؐ پر طعن و تشنیع کرتا تھا اور پس پشت آپؐ کی غیبت کرتا تھا۔ احنس بن شریق، امیہ بن خلف اور عاص بن زہرہ وائل اور دیگر لوگوں کے بارے میں بھی ہے۔

۴۶۰

۹

۸

قیامت
پانچ مہرہ
ثو

اللہ تعالیٰ

روزوں کو

جہ

روز جزا کا

کھلانا، نما

عدم تعاون

سہ

مفہ

عاص بن

کا خوش ہونے

ثو

پڑھنے والے

فرمائے گا

سہ

مفہ

مکی سورہ

سورہ ماعون

مضامین

قیامت و منکرین قیامت کی صفات و ایمان کو
پانچ مراحل میں بیان کیا گیا ہے۔

۵۰۲

ثواب تلاوت:

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے قاری کی نمازوں اور

۵۰۲

جمع بندی مباحث:

روزِ جزا کا انکار، یتیموں کو حقیر جاننا، بھوکوں کو کھانا

کھلانا، نماز سے غفلت، ریاکاری، لوگوں سے

عدم تعاون، حقیر سی شے بھی نہ دینا۔ ۵۰۸، ۵۰۷

سورہ کوثر

مضامین

عاص بن وائل کا آنحضرت کو ابرکنا، قریش
کا خوش ہونا، اللہ کی بشارت۔

۵۱۲

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے کو اللہ جنت کی نہروں سے سیراب

۵۱۲

فرمائے گا۔ (رسولِ پاک)

سورہ کافرون

مضامین:

مکی سورہ، مشرکین کی ہٹ دھرمی اور آنحضرت کی ثابت قدمی

۵۲۰

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے نے گویا چوتھائی قرآن پڑھا۔

روز قیامت گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔

۵۲۱ (رسولِ پاک)

سونے سے پہلے کافروں، پڑھو۔ یہ چوتھائی

قرآن ہے۔ (امام جعفر صادق)

۵۲۱

سورہ میں تکرار:

ایک مضمون کی تکرار پر مفسرین کی رائے ۵۲۵ تا ۵۲۸

سورہ نصر

مضامین

اللہ کی مدد سے ایک عظیم کامیابی، لوگوں کے

جوق در جوق اسلام میں داخلہ کی بشارت۔

۵۲۰

ثواب تلاوت:

تلاوت کرنے والا گویا فتح مکہ میں آنحضرت کے

ساتھ تھا۔ (رسولِ پاک)

۵۳۱، ۵۳۰

نافلہ یا واجب نمازوں میں تلاوت کرنے والے

کو اللہ تمام دشمنوں پر فتحیاب فرمائے گا۔

(امام جعفر صادق)

۵۳۱، ۵۳۰

سورہ تبت

مضامین:

ابولہب اور اس کی بیوی کی سرزنش

۵۴۲

ثواب تلاوت:

پڑھنے والے اور ابولہب کو اللہ تعالیٰ ایک جگہ جمع نہیں کرے گا۔

۵۴۳

شان نزول:

آنحضرتؐ نے انذار کے لیے قریش کو آواز دی۔

سب جمع ہوئے تو فرمایا کہ ایک خدا کی عبادت

کرو۔ ابولہب نے طعن و تشنیع کی تو یہ سورہ نازل ہوئی۔ ۵۴۴

سورہ اخلاص

مضمون:

توحید پر گفتگو

۵۵۲

ثواب تلاوت:

سعد بن معاذ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتوں نے نماز پڑھی۔ وہ سورہ اخلاص کا ذکر کرتے تھے۔

(حدیث رسولؐ بذریعہ امام جعفر صادقؑ) ۵۵۶، ۵۵۵

جو پانچ وقت کی نماز میں ایک بار بھی سورہ اخلاص

پڑھے وہ نمازی نہیں۔ جو اللہ اور قیامت پر ایمان

رکھتا ہے وہ سورہ اخلاص کو ترک نہ کرے۔ ۵۵۶، ۵۵۵

سورہ فلق

مضامین:

مسلمانوں کو اشرار سے پناہ مانگنے کی تعلیم
فرمان رسولؐ: مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ

۵۴۳

ان کی مثل و مانند اور نہیں۔ وہ دو سورتیں

'فلق' و 'ناس' ہیں۔ (رسول پاکؐ) ۵۴۴

نماز و ترمیں سورہ فلق و ناس و اخلاص پڑھنے

والے کی نماز و ترم قبول ہوگی۔ (امام محمد باقرؑ) ۵۴۴

سورہ ناس

مضامین:

تمام دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے اللہ کی

۵۸۳

پناہ طلب کریں۔

ثواب تلاوت:

نماز و ترمیں سورہ توحید و فلق و ناس کی تلاوت

کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تجھے بشارت ہو

تیری نماز و ترم قبول ہوئی۔ (امام محمد باقرؑ) ۵۸۳، ۵۸۴

کتاب تاریخ و تفسیر و سیر

اصول کافی ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲،

لغات قرآن

(۱)

- ۳۰۲ استغنیٰ؛ بے نیازی چاہنا
اشنات؛ شت (بروزنِ شط) کی جمع،
۴۱۴ پراگندہ، متفرق
۳۰۱ اعطیٰ؛ راہِ خدا میں خرچ کرنا
افتحم؛ مادہ، افتحام، سخت و خوفناک کام
۲۶۹ میں داخل ہونا۔
۲۱۳ اکواب؛ کوب کی جمع، دستہ والے پیالے، جام
الہاکم؛ مادہ، لٹو، چھوٹے چھوٹے کاموں
میں مشغول ہونا۔
۴۴۷ الہمہا؛ مادہ، الہام، کسی چیز کا نکلنا، پینا،
اللہ کی طرف سے کسی روح میں کسی
مطلب کو القا کرنا۔
۲۸۱ انفطرت؛ مادہ، انفطار، شگافتہ ہونا
۶۲ انقض؛ مادہ، نقض، رستی کی گرہ کھولنا
'انتقاض'، آواز جو عمارت کے ٹکڑوں
کو جدا کرتے وقت پیدا ہوتی ہے، عہد و
پیمان توڑنا۔
۳۳۸ انکدرت؛ مادہ، انکدار، گرنا، پراگندہ ہونا،
تیرگی، تاریکی۔
۳۶ انیہ؛ مادہ، انی، (بروزنِ حلی) تاخیر میں
ڈالنا، انتہا کو پہنچنا۔
۲۰۸ اوتاد؛ وتد (بروزنِ صمد) کی جمع، میخ
۲۳۲

- ۵۱۱ ابتر؛ بے اولاد، بلا عقب، مقطوع النسل
ابرار؛ بار اور بُر (بروزنِ حق) کی جمع
نیکو کار شخص۔
۷۸ اشرن؛ مادہ، اثارہ، غبار یا دھوئیں کو پراگندہ کرنا
۴۲۶ اثقال؛ جمع ثقل (بروزنِ فکر) کی۔ بوجھ، بار
۴۱۱ احد؛ مادہ، وحدت، واحد
۵۶۰ احوئی؛ مادہ، حوۃ، (بروزنِ قوۃ) کبھی سبز اور
کبھی سیاہ رنگ کے معنی میں۔
۱۸۹ اُخدود؛ زمین، عین، کھلے ہوئے شکاف،
رخسار۔
۱۵۲ اذنت؛ مادہ، اذن، (بروزنِ اذن) کان،
کان لگا کر سننا۔
۱۲۵ اراثیک؛ اریکہ کی جمع، خوبصورت تخت یا بچلہ
عروسی میں سجایا ہوا پلنگ۔
۱۰۸ ازلفت؛ مادہ، زلف، (بروزنِ حرف)
مادہ زلفی (بروزنِ کبریٰ)
۴۳ زمان و مکان کے اعتبار سے قریب ہونا
اساطیر؛ مادہ، اسطر، اسطورہ کی جمع، مہوم
قصے، جھوٹی باتیں۔
۱۰۰

تکاشر: مادہ کثرت، تفاخر، مباہات

- ۴۴۷ بڑائی جملانا۔
 ۲۷۸ تلاھا: پیچھے آنا
 تلاطی: مادہ لظی، (بروزن قضا) خالص شعلہ،
 ۳۰۶ جہنم۔
 تنافس: دو انسانوں کا ایک چیز کے لیے کوشش
 کرنا، عظمت و عزت کے ساتھ ایک
 دوسرے پر سبقت لے جانا۔ ۱۱۰
 تنہو: مادہ نہز۔ سختی سے دھتکارنا، نہرہو
 پانی کو تیزی سے دھکیلتی ہے۔ ۳۲۵
 توأصوا: مادہ توأصی، بعض افراد کا بعض
 دوسرے افراد کو نصیحت کرنا۔ ۴۶۴

(ث)

- ثاقب: مادہ ثقب، سوراخ کرنا، پنجم ثاقب
 ۱۷۱ سیارہ زحل۔
 ثبور: ہلاکت
 ۱۳۳ ثوب: مادہ ثوب، (بروزن خون) سابقہ
 حالت پر پلٹنا۔ ثواب اعمال کا اجر ہے۔ ۱۲۰

(ج)

- جایبوا: مادہ جوبو، (بروزن توبہ) پست زمین،
 زمین کی قطع و برید پہاڑوں کو کاٹ کر گھر
 بنانا۔ ۲۳۳

(ب)

- ۳۰۲ بخل، اعطی کی ضد کنجوسی
 بروج: بروج کی جمع، قصر، محل، زمینت،
 ۱۲۸ بارہ بروج آسمانی
 بطش: ایسی گرفت جس میں قہر و قدرت کا
 دخل ہو۔ ۱۶۰
 بعثرت: مادہ بعثرہ، (بروزن منقبہ) زیروزبر
 کرنا، باہر نکالنا۔ ۴۲۹، ۴۳
 بیتنہ: روشن دلیل، رسول پاک
 ۳۹۴

(ت)

- ۵۴۷ تب: تباب (بروزن خراب)، دائمی خسارہ
 ۱۷۶ تبلی: مادہ بلوی، آزمائش و امتحان
 ۲۴۰ تعاضون: مادہ حضی، تحریریں و ترغیب
 ترایب: تربیہ کی جمع۔ سینہ کے اوپر کی ہڈیاں ۱۷۳
 تردی: مادہ ردایت، ردی، ہلاکت، بلندی
 سے کرنا۔ ۳۰۳
 تصلی: مادہ وصلی، (بروزن نفی) آگ میں گر جملنا ۲۰۸
 ۴۹۰ تضلیل، مگر اسی، مگر اہ کرنا
 تقویٰ: مادہ وقایہ، نگہداری، اپنے وجود کو
 ۲۸۲ گناہوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھنا
 تقہر: مادہ قہر، غلبہ جس میں تحقیر بھی ہو ۳۲۴، ۳۲۵

خسرو (بروزنِ عسرا) سرمایہ کم ہوتے جاتا۔
 (مخزازی نے ایک برف فروش سے
 خسراں کے معنی سیکھے جو کہے جا رہا تھا
 کہ اس پر رحم کرو جس کا مال گھٹلا جا رہا ہے) ۲۶۰
 ختناس، مادہ 'خنوس'، (بروزنِ خسوف) صیغہ
 مبالغہ جمع ہونا، پیچھے جانا۔ ۵۸۷
 خنس، مادہ 'خنس'، (بروزنِ شمس) خانس کی
 جمع، انقباض، بازگشت، پناہ ہونا۔ ۴۷

(۵)

دشہا، مادہ 'دس'، کسی چیز کو کراہت، ناپسندیدگی
 سے داخل کرنا، وسیعہ نقصان دہ،
 مخفی کام۔ (تذکیر کی ضد) ۲۸۳
 دك : نرم و صاف زمین، اونچی جگہ، عمارتوں
 کے لیے کوٹنے اور ریزہ کرنے کا اطلاق ہوا۔
 دكہ : صاف اونچی جگہ (چبوترہ) ۲۴۳
 دمدہ : مادہ 'دمدہ' ہلاک کرنا، عذاب،
 پوری سزا۔ ۲۸۹

(س)

ران، مادہ 'رین'، (بروزنِ عین) رنگ،
 کثافت۔ ۱۰۱
 رجج : مادہ 'رجوع'، بازگشت، (عرب بادش
 کو رجج کہتے ہیں) ۱۷۹

ججید، مادہ 'ججم'، (بروزنِ فہم) آگ بھڑکانا۔

۷۹

بھڑکتی ہوئی آگ۔

جلاھا، مادہ 'تجلیہ'۔ اظہار و انبساط، روشنی

۲۷۸

کا پھیل جانا۔

۴۹، ۴۸

جوار، جاریہ کی جمع۔ تیز رفتار

۵۵۰

ججید، (بروزنِ دید) گردن

(ح)

حامیہ، مادہ 'حمی' (بروزنِ نفی) حرارت کی شدت

۴۴۰

جہنم کی آگ۔

۲۲۹

حجر، (بروزنِ فکر) دامن، انوش، حجر، عقل، منع

۳۰۱

حسنی، حسن کی مؤنث، بہت زیادہ اچھی

حُصَل، مادہ 'حصیل'، منفر کو چھلکے سے باہر

۴۳۰

نکلانا، حاصل کرنا، صاف کرنا۔

۴۷۴

حطمہ، مادہ 'حطم'، صیغہ مبالغہ، درہم برہم

۱۲۶

کرنا، جہنم۔

۱۵۴

حقت، مادہ 'حق'، شائستہ، لائق، سزاوار

۱۵۴

حمید، ہر قسم کی تعریف و توصیف کے لائق

۳۹۶

حنفاء، مادہ 'حنف'، حنیف کی جمع، مگر اسی سے

۳۹۶

راہِ مستقیم پر مائل ہونا۔

(خ)

خاب، مادہ 'خبیہ'، مطلوب تک نہ پہنچنا، محروم

۲۸۳

ہونا، نقصان اٹھانا۔

جس میں کفار و فاسقین کے اعمال کو
تدوین کیا گیا ہے۔ سبب کی تشریح ۹۶ تا ۹۷
سورۃ سورہ کی جمع ہے۔ اندرونی و مخفی حالت
صفات، نیت۔ ۱۷۶

سورۃ: مادہ 'سور' سریر کی جمع، سجائے ہوئے
پتنگ، خوبصورت تخت۔ ۲۱۲

سواہا: مادہ 'تسویہ' انسان کی روحی قوی، صحیحہ
عظیم، صاعقہ و زلزلہ سے صفایا کرنا۔ ۲۹۰

سوط: تازیانہ
سوی: مادہ 'تسویہ' مرتب کرنا، نظام بخشنا ۱۸۷

سینین: سینہ کی جمع۔ درخت ۲۲۸

(ش)

شانی: مادہ شنان (بروزن ضربان) عداوت
دشمنی، کینہ داری، بدخلقی ۵۱۸

شٹی: مادہ 'شت' شدت کی جمع، جماعت کو
منتشر کرنا۔ ۳۰۱

شفق: دن کی روشنی کارات کی تاریکی سے
آمیختہ ہونا، نازک وقت۔ ۱۳۷

(ص)

صحف: صحیفہ کی جمع۔ اوراق جن پر لکھا جاتا ہے ۳۹۱ تا ۳۹۵
صدع: سخت اجسام میں شگاف پڑنا ۱۷۹

رجبیم: مادہ 'رجم'۔ رجام (بروزن لحم)

پتھر، پتھر مارنا، دُور کرنا ۵۴

رجیق: خالص و پاکیزہ شراب ۱۰۹

روید: مادہ 'رود' (بروزن عود) آمدورفت

رکھنا، کسی کام کو نرمی سے انجام دینا۔ ۱۸۱

(ر)

زبانید: زمینہ کی جمع زبن (بروزن متن)

دفع کرنا، ضرب لگانا، فرشتگان عذاب،

دوزخ کے مامورین۔ ۳۷۴

زرابی: زربہ کی جمع، قیمتی، راحت بخش، نرم فرش ۲۱۳

زرتقر: زیارت، مادہ 'زور' (بروزن قول) سینہ

کے اوپر کا حصہ، زیارت و ملاقات کرنا ۴۴۷

زکھا: مادہ 'ترکیہ'۔ رشد و نمو۔ ۲۸۲

(س)

ساہون: مادہ 'سہو' خطا جو غفلت کی بنا پر ہو ۵۰۵

سجرت: مادہ 'تسیر'۔ جلانا، بھڑکنا، آگ کا

بیجان میں آنا۔ ۳۸، ۳۷

سجیل: (فارسی سنگ، رگل) ایسی چیز جو

پتھر جیسی سخت اور مٹی جیسی نرم نہ ہو ۴۹۰

سجین: مادہ 'سجن' زندان، قید خانہ، قعر جہنم

کی خوفناک وادی، براٹیوں کے دیوان کی جامع

۱۶۳	صلب: پشت
۵۶۲	صمد: دائم و ازلی وابدی ذات
	(ض)
۴۲۳	ضیح: (بروزن مدح)۔ تیزی سے دوڑنا
۲۷۸	ضحیٰ: سورج کی روشنی پھیلنا
۵۲	ضنین: ضنہ (بروزن مٹہ) نفیس و قیمتی اشیاء کے بارے میں بھل کرنا۔
	(ط)
۱۴۰	طارق: مادہ 'طرق' (بروزن برق) لوٹنا (طرق۔ راستہ) رات کا مسافر جو آکر دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔
۱۳۹	طابق: مادہ 'مطابق' ایک چیز کو دوسری کے اوپر قرار دینا یا رکھنا۔
۲۸۰	طحاها: مادہ 'طحو' (بروزن سو) پھانا، پھیلانا وھکیانا، دور کرنا۔
۲۸۷	طغویٰ: حد سے زیادہ تجاوز کرنا، حدود الہی سے تجاوز کرنا۔
	(ع)
۳۲۲	عائل: عیالدار شخص۔ فقیہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے
۴۲۳	عادیات: مادہ 'عدو' (بروزن صبر) گزنا، جدا ہونا، دوڑنا۔
	(غ)
۲۷۲	علا: مادہ 'علا' شمار کرنا، گننا
۱۵۲	عده: مادہ 'عده' (بروزن غده) اموال کو برے وقت کیلئے ذخیرہ کرنا۔
۲۹	عریض: طاقتور، شکست ناپذیر
۳۶	عسعس: مادہ 'عسعس' دقیق و ملکی تاریکی
۲۹۰	عشار: عشار کی جمع، حاملہ اونٹنی جب وہ بچہ جننے والی ہو۔
۲۹۱	عصف: (بروزن حذف) زراعت کے پتے جو خشک ہو کر بکھر جاتے ہیں، مراد گھاس
۲۸۸	عطلت: مادہ 'تعطیل'۔ مال یا کلمہ کو سرپرست اور چرواہے کے بغیر چھوڑ دینا۔
۲۸۸	عقبی: اختتام، انتہا، انجام کار
۲۸۸	عقروها: مادہ 'عقر' (بروزن ظلم) اصل، جز، بنیاد۔
۹۶	علیین: علی (بروزن ملی) کی جمع، بلند جگہ اور اس پر بیٹھنے والے اجنت کی بہترین جگہ۔
۲۴۵	عمد: عمود، لکڑی یا لہے کے قطعات
۲۳۸	عهن: دھنی ہوئی رنگین روٹی
۲۳۰	عیشہ: راضیہ، خوش و خرم زندگی
	(غ)
۵۷۷	غاسق: مادہ 'غسق' (بروزن شفق) نصف شب، گھنگھور تاریکی، هجوم کرنا، حملہ آور ہونا

- مترتبہ: مادہ 'ترب' (بروزن طراب) تراب
یا خاک۔ ۲۴۱
- مجید: مادہ 'مجد' شرافت و جلالت کی وسعت ۱۶۵
- مختوم: مگر لگی ہوئی۔ ۱۱۰
- موصاد: مادہ 'رصد' کسی چیز کی نگہبانی پر
آباد ہونا، مکین گاہ۔ ۲۳۵
- مرقوم: مادہ 'رقم' (بروزن زخم) واضح تحریر
مسخیہ: مادہ 'سغب' (بروزن غضب)
بھوک۔ ۲۴۰
- مشحہ: مادہ 'شوم' میمنہ کی ضد، بد بخت،
بائیں طرف یا بائیں ہاتھ والے۔ ۲۴۲
- مشفرہ: مادہ 'اشفار' آشکار ہونا، چکنا، سورج
کابے نور ہو جانا مراد ہے۔ ۳۵
- مطفین: مادہ 'تطفیف'۔ اطف، کسی چیز
کے کنارے، کم چیز، کم مقدار، پیمانہ جو
بہرینہ ہو۔ ۸۴
- مطہرہ: ہر قسم کے کذب، شرک، بد روغ، باطل
اور شیطانی جن و انس کے دخل دینے
سے پاک۔ ۳۹۵
- مغبرات: مادہ 'اغارہ' مغبرہ کی جمع، ہجوم کرنا،
دشمن پر حملہ کرنا۔ ۲۲۵
- مقابر: مقبرہ کی جمع، قبر، کنایت موت
مقربہ: قربت داری ۲۴۰

- کواکب: ستارے، بطور خاص زہرہ ستارہ ۶۲
- کورت: مادہ 'تکویر' کسی چیز کو لپیٹنا، جمع کرنا
کسید: ایک قسم کی چارہ جوٹی (دو قسمیں ہیں، پسندیدہ،
نرم) ۱۸۱

(ل)

- لاغیہ: جو لغویت لیے ہوئے ہو۔ ۲۱۱
- لبد: (بروزن لغت) تہہ تہہ، انہوہ کثیر مراد بہت
زیادہ مال۔ ۲۵۷
- لمزہ: مادہ 'لمز' (بروزن رمز) غیبت یا عیب
جوٹی کرنا۔ ۲۳۱
- لن یحوب: کبھی واپس نہیں آئے گا
لنسفاً: مادہ 'سفع' (بروزن عفو) پکڑنا، سختی
سے کھینچنا، نشان زدہ کرنا، ذلیل کرنا۔ ۲۴۲
- لوح: لکھنے کے لیے لمبا چوڑا صفحہ
لوح - پیاس، ہوائے فضا ۱۶۵
- لہب: آگ کا شعلہ، نارِ جہنم ۵۴۹
- لینبذک: مادہ 'نبذ' (بروزن سب) حقارت و
بے قدری سے دور پھینکنا۔ ۴۷۴

(م)

- ماعون: مادہ 'معن' (بروزن شان) کم قیمت و
بے قدر چیز۔ ۵۰۶

نفسات: مادہ نفس (بروزن جس) پھونکنا،

۵۷۸

دم کرنا۔

نقع: (بروزن نفع) غبار

۴۲۶

نقیع۔ ساکن پانی

نقموا: مادہ و نقم (بروزن قلم) انکار کرنا

۱۵۲

عیب لگانا۔ اسی سے انتقام ہے۔

نمارق: مرقہ (بروزن غلغلہ) کی جمع۔

۲۱۳

چھوٹے تکیے۔

(و)

واد: وادی، دریا یا سیلاب کی گزرگاہ

۲۳۳

وزیر: بوجھ۔ وزیر اسی سے مشتق ہے

۳۳۸

وسق: (بروزن غضب) ایک اونٹ کا بوجھ

۱۳۸

بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔

وسواس: آلات زینت و زیورات کے ٹکڑے

سے نکلنے والی آہستہ آواز، دل میں پیدا

ہونے والے خیالات (دوسرے ڈلنے والا)

۵۸۷

وقب: مادہ 'وقب' (بروزن شفق)

۵۷۸

(بروزن نقب) گڑھا، خندق

۱۵۲

وقود: آگ، ایندھن

۵۱۵

ونحر: اونٹ کو ذبح کرنا

ویل: شرم و اندوہ، ہلاکت، دردناک عذاب،

جہنم کی وادی۔ نفرن کرنے اور قباحت کے

۸۷

معنی میں مستعمل ہے۔

ممنون: مادہ 'من' ختم ہونا، کم ہونا ۳۴۷، ۱۴۲

۳۶۱

من علق: کسی چیز میں چپک جانا

منفوش: مادہ 'نفس' (بروزن نقش) اون کو

۴۳۸

بھیلانا، دھننا

۴۳۸

موازین: میزان کی جمع۔ ترازو

مؤدۃ: 'واد' (بروزن رود) لڑکی جو زندہ دفن

۳۹

کردی گئی ہو۔

۴۲۵

موریات: مادہ 'ایرا' موریہ کی جمع، آگ بھڑکانا

موصدہ: مادہ 'ایصاد' دروازہ بند کرنا، گھیرے

۴۷۵، ۳۷۲

میں لینا، محکم کرنا۔

۲۷۲

میمنہ: مادہ 'یمین' صاحبان برکت

(ل)

نادی: مادہ 'ندا' پکارنا مجلس عمومی (جماعت جو

۳۷۴

دارالندوہ میں جمع ہوتی تھی)

۳۷۲، ۳۷۱

ناصیہ: پیشانی، سر کے اگلے حصہ کے بال

ناعمہ: مادہ 'نعمت' یہاں نعمت کے باعث

۲۱۱

سرشار چہرے مراد ہیں۔

نشرح: مادہ 'شرح' کشادہ کرنا (اور بہت

۳۳۶

سے معنی)

۲۱۸

نصبت: مادہ 'نصب' نصب کیے ہوئے، ثابت

۱۰۹

نصرہ: تروتازگی، نشاط، بشاشت

۱۰۸، ۷۹

نعیمہ: نعمت، نعمت کی بقا، بہت زیادہ نعمت

یصدر، مادہ صدر، بروزن صبر، اونٹوں
کو پانی پلانے کی جگہ سے نکلنا، مختلف
اقوام کا قبروں سے نکل کر حساب دینے
کے لیے آنا۔ ۴۱۴

یصلون، مادہ وصلی، بروزن سعی، آگ میں
داخل ہونا، جلنا، تکلیف کو برداشت کرنا۔ ۸۰
یوعون، مادہ وعاء ظرف، برتن ۱۲۲

متفرق موضوعات

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

ہم نے انسان کو آنکھ اور زبان کی نعمت دی،
خیر و شر کی معرفت اور ہدایت کی نعمت عطا
فرمائی۔ بھلائی و برائی دونوں راستے دکھائے۔ ۲۶۱، ۲۵۹

آنکھ کی حیرت انگیزیاں

تصویر سازی میں آنکھ کے طریق کار کی مفصل بحث ۲۶۱ تا
۲۶۴

ابرار و متقین کون ہیں

سب مقرب افراد ابرار ہیں لیکن سب ابرار
مقرب نہیں۔ ۱۱۲

ابرار و متقین علیٰ وفا طمہ و حسن و حسین ہیں ۱۱۳

(۵)

ہاویہ، مادہ صوی، سقوط، گرنا، دوزخ
کا ایک نام ۴۴۰
ہمزہ، مادہ ہمز، توڑنا ۴۶۰

(۵)

یافوخ، سر کا اگلا حصہ، بچوں کا یہ حصہ بہت
نرم ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہڈی میں
تبدیل ہوتا ہے۔ (یہ لفظ حدیث سے ہے) ۲۸۸
یتغامزون، مادہ غمز، بروزن طنز، عیب جوئی
کے لیے ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنا۔ ۱۱۷
یحض، مادہ حض، کسی چیز کے لیے دوسروں
کو ترغیب دینا۔ ۵۰۴
یحور، مادہ حور، بروزن غور، تردد، آمد و رفت
عملی ہو یا فکری۔ حور، حوار، محاورہ، سواری
اسی سے مشتق ہیں۔ ۱۳۴
یلع، مادہ لع، بروزن حد، سختی سے دُور
کرنا، غصہ سے جھپٹ کرنا۔ ۵۰۴
یسر، مادہ سری، رات کا چلنا، مرادرات بصورت
زندہ و موجود چلتی ہے۔
یسوامی، مادہ یسر، گھوڑے کو نگام دینا۔ زین۔ ۲۲۸
کنا، سواری کے لیے تیار کرنا۔ ہر قسم
کی آسانی مراد ہے۔ ۳۰۲

بدکار مومنین پر سنبتے اور انہیں گمراہ کہتے، وہ ان کے مشکل تھے نہ نگرانی پر مامور تھے۔ آج مومن

۳۱۱۵

۱۲۰

ان پر سنبتے ہیں۔ کیا کفار نے اجر پالیا ہے؟

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیے

ہم نے اصحابِ فیل کو تباہ کیا تاکہ قریش اس سرزمین سے اُلفت کریں اور اس شخصرت کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔ سورۃ قریش کی تفسیر۔

۵۰۰ تا ۴۹۸

اس مقدس شہر کی قسم!

وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے انہوں نے تیرے احترام کی ہتک کی ہے۔

۲۵۸ تا ۲۵۸

اصحابِ اُخدود کون تھے

یمن کا ذر نو اس، حضرت دانیالؑ کے زمانہ کے مجوسی اور ان کے علاوہ بھی۔

۱۵۴ تا ۱۵۴

اعمال لکھنے والے فرشتے

اعمال لکھنے والے فرشتے، ان کا طریق کار اور متعلقہ احادیث۔

۷۷ تا ۷۷

الشربے مثال ہے

۵۵۷ تا ۵۷۱

سورہ اخلاص کی تفسیر

ابرمہ آنے میں جلد ہی نہ کرے

ابرمہ کا آنا، اشرفِ مکہ کے اموال لوٹ کر خوف و ہراس پیدا کرنا۔ بالاخر ابابیل کے جھنڈے سے تباہ ہونا۔ ۴۹۱ تا ۴۸۹

الولہب ہلاک ہو جائے!

الولہب کے ہاتھ کٹ جائیں، اس نے جو مال کمایا، اس نے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ جلد ہی داخلِ جہنم ہوگا، اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رستی ہے۔

۵۵۱ تا ۵۴۷

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ!

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے جہان کو خلق فرمایا، انسان کو پیدا کیا۔ اس کا ذکر کر جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔

۳۶۵ تا ۳۵۸

اس دن اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی

جب اعمال نامے کھولے جائیں گے، آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا، دوزخ دہک اُٹھے گی، جنت سامنے ہوگی۔ ہر شخص کو اپنے کیے کا تم ہو جائے گا۔ ۴۱ تا ۴۳

اس روز کفار مومنین کا مذاق اڑاتے تھے

اور آج

انجیر و زیتون کے خواص

خواص پراطباء، دانشوروں اور ائمہ کے اقوال ۳۴۹ تا ۳۵۲

انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری

جو لوگ متقی ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں، آگ سے بچے رہیں گے۔ ۳۰۵

انقطاع وحی کا فلسفہ

وحی میں تاخیر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت دین کے معاملہ میں احکام الہی کے قطعی تابع ہیں۔ اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں۔ ۳۲۰

اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ!

اے پرسکون نفس! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا جبکہ تو اس سے راضی اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ میرے بندوں کی صف میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ۲۲۶ تا ۲۲۸

اے غافلو کہاں جا رہے ہو!

راہِ راست چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو، یہ قرآنِ عالمین کے لیے نصیحت ہے اور جو چاہتے ہیں ان کیلئے نصیحت ہے۔ تم نہیں چاہتے مگر وہ جو ربِّ العالمین چاہے۔ ۲۵۶ تا ۲۵۸

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا!

اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور جس شکل میں چاہا مرتب کیا۔ تم روزِ جزا کے منکر ہو۔ تم پرنگبان مقرر کر دیے ہیں جو جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۳۶۸ تا ۳۷۵

اے انسان غور کر تو کس چیز سے پیدا ہوا!

قسم ہے رات کی، کھٹکھٹانے والے کی، تو نہیں جانتا وہ کیا ہے۔ درخشاں ستارہ ہے۔ ہر شخص کا ایک مراقب و محافظ ہے۔ انسان کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ پانی سے! وہ واپس پھیر دینے پر بھی قادر ہے۔ جس دن اسرا رکھ لیں گے، کوئی مددگار نہ ہو گا۔ ۱۶۹ تا ۳۷۷

بیت پرستوں سے ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی

اور تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں اور تم میں ہرگز اس کی پرستش کروں گا، جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے کافی ہے۔ ۵۲۳ تا ۵۲۵

بد نصیب تجھ کے ماندے!

غاشیہ (قیامت کی خبر تم تک پہنچی؟ اس دن چہرے خوفزدہ ہوں گے جب بد اعمالیوں سے

تھک کر داخل جہنم ہوں گے، پلینے کو کھولتا ہوا
پانی اذر کھانے کو بدبو دار ضریح کے سوا کچھ نہ
ملے گا۔

۲۰۶ تا ۲۰۹

بہترین و بدترین مخلوق

جو اس جدید دن سے کافر ہو گئے وہ دوزخی ہیں،
اور جو ایمان لائے ان کی جزا بہشت ہے۔ اللہ
ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ۳۹۹ تا ۴۰۱

بہشت کے رُوح پرور مناظر

چہرے شاداب اور اپنی سعی پر خوش ہوں گے،
بلند تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، چشمے
جاری ہوں گے۔ قریب لبریز پیالے رکھے ہوں
گے۔ وہاں لغو و بیودہ بات نہ ہوگی۔ ۲۱۰ تا ۲۱۴

بے بصیرت رشتہ داری

جس رشتہ داری میں ایمان و عقیدہ کا رشتہ نہ ہو،
اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۵۵۲

بیدار مجاہدین کی قسم!

دوڑتے گھوڑوں کی قسم جو اپنے سُموں سے چنگاریاں
نکالتے اور صبح سے قبل دشمن کی صفوں میں در
آتے ہیں، انسان ناشکر انال سے محبت رکھتا ہے۔

وہ نہیں جانتا قبروں سے مُردے زندہ ہوں گے،
سینہ کے راز ظاہر ہو جائیں گے۔ اُن کا رتبہ
واقف کا رہے۔ ۲۲۲ تا ۲۳۰

تشدد کرنیوالے عذابِ الہی کے سامنے

مومن ہردوں اور عورتوں پر ظلم کرنے والے دوزخ
میں جلیں گے۔ مومنین و صالحین کے لیے
جنتِ نعیم ہے۔ رب کی گرفت سخت ہے۔
پیدا کرتا ہے، پلٹاتا ہے، بخشنے والا اور مومنین
پر مہربان ہے، صاحبِ عرشِ مجید ہے، جو
چاہتا ہے کرتا ہے۔ ۱۵۸ تا ۱۶۲

تقویٰ اور امدادِ الہی

رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے، دن کی
قسم جب وہ روشن ہو۔ قسم ہے اس کی جس
نے مذکورہ نمونہ پیدا کیے۔ جو راہِ خدا میں انفاق
کرے اس کی جو احسنیٰ اور جو جھٹلائے اس کے
لیے عذاب ہے۔ ۳۰۰ تا ۳۰۳

تکاثر و تفاخر کی مصیبت

مال و اولاد کی کثرت کے تفاخر نے تمہیں مشغول
کر لیا یہاں تک کہ گور کنارے پہنچ گئے، تمہیں
عنقریب پتہ چل جائے گا۔ اگر آخرت پر یقین

تہ

ہو

صبر

شفا

نہیر

دا

جہنم

تہنا

فلان

کوثر

ہوتا تو بے جا فخر نہ کرتے، جہنم کو دیکھو گے، نعمات کا سوال ہوگا۔
۲۴۲ تا ۲۵۲

تہذیبِ نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

گیارہ یا سات قسمیں ہیں، بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ پس زمین پر سورج کی حرارت سے زندگی اور اس کی رونق قائم ہے۔
۲۸۳ تا ۲۸۷

تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے

اللہ نے قوم عاد اور ارم شہر کے ساتھ جو بے مثل تھے، قوم ثمود جو سنگ تراش کر مکان بناتے اور قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا! مفسد اقوام پر عذاب کیا۔ بے شک تیرا رب تو گھات میں ہے۔
۲۳۰ تا ۲۳۶

جادو کی تاثیر اور حاسدوں کا شر

جادو کی تاثیر کا قبولِ اجمالی، اس سے پناہ مانگنے کا مطلب کیا ہے۔ حسد ایک شیطانی عادت اور گناہانِ کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔
۵۸۰، ۵۷۹

جادو دانی دین

اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلائل اور سچے پیمبر کی دعوت کے بعد۔
۳۹۳ تا ۳۹۷

جب اللہ کی مدد اور کامیابی آن پہنچے

تو دیکھے گا کہ لوگ جو حق درجوق اللہ کے دین میں داخل

تمہاری صبح کی سپیدی کی قسم!

صبح، دس راتوں، زوج و فرد کی قسم، رات کی قسم جب وہ صبح کی طرف چلتی ہے، تیرا رب ظالموں کی گھات میں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبانِ عقل کے لیے ایک اہم قسم ہے۔
۲۲۲ تا ۲۲۹

تم ہمیشہ دگرگوں ہوتے رہتے ہو

شفق، رات اور بدرِ کامل کی قسم، تم حالتیں بدلتے رہتے ہو، کیوں ایمان نہیں لاتے، سجدہ قرآن کیوں نہیں کرتے؟ آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے۔ انہیں عذاب کی اور مومنین کو اجر کی بشارت دے دو۔
۱۲۶ تا ۱۳۳

تو کیا جانے سچین کیا ہے!

جہنم کی پست ترین وادی، زندان، قید خانہ، مختلف تشریحات!
۹۳ تا ۹۷

تہذیبِ نفس — ایک اخلاقی وظیفہ!

فلاح و دستگاری تزکیہ نفس میں ہے۔ تزکیہ کو ترک کرنا بے نفعی ہے۔
۲۹۲، ۲۹۳

ہو رہے ہیں۔ اپنے رب کی تسبیح و استغفار کرو۔

۵۳۵ تا ۵۳۲

اللہ بخشنے والا ہے۔

جس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا

زمین کا شدت سے لرزنا، اندر کے بیماری بوجھ نکالنا، انسان کے گناہوں کا اسے کیا ہوا، سب خبریں بیان کرنا۔ اللہ نے اسے وحی کی ہے۔ لوگ گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے۔ پس چھوٹی سے چھوٹی نیکی و بدی سامنے آجائے گی۔ ۲۱۵ تا ۲۰۹

جس دن جہان کا نظام زیر و زبر ہو جائیگا

جب آسمان پھٹ جائے گا، ستارے گر پڑیں گے، سمندر باہم پیوستہ ہو جائیں گے، قبروں سے مردے نکل پڑیں گے، ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا گیا پیچھے چھوڑا۔ ۶۴ تا ۶۱

جس دن دفتر کائنات لپیٹ دیا جائے گا

جب سورج کو لپیٹا جائے گا، ستارے بے نور، پہاڑ متحرک، دریا پرجوش ہو جائیں گے، قیمتی مال بھلا دیا جائے گا، جیسا خود ویسا ہی ساتھی ملے گا۔ زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کیوں قتل کیا گیا۔ ۳۹ تا ۳۴

جنت کی شراہیں

رحیق و مخموم، کوثر و تسنیم ۱۱۴

جو نامہ عمل نشت سے حاصل کریں گے

نامہ عمل پس نشت سے دیا جائے گا تو چنچے گا، واسے ہو مجھ پر میں ہلاک ہو گیا۔ جہنم میں جلے گا، وہ گھر میں خوش تھا، پلٹنے کا گمان بھی نہ تھا، مگر اللہ واقف حال تھا۔ ۱۳۵ تا ۱۳۲

حُب دُنیا راس کل خطیۃ

خواہشات کے غلبہ کا سرچشمہ بھی حُب دُنیا ہی ہے، وغیرہ۔ ۲۰۳ تا ۲۰۱

حضرت سیدہ فاطمہؑ اور کوثر

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے اہل بیت سے متم کرنے کے بدلہ اپنے رسول کو فاطمہؑ کے ذریعے خیر کثیر عطا فرمائی۔ ۵۱۶، ۵۱۷

حفظ ایمان میں استقامت

بہت سے افراد نے ایمان کی حفاظت میں جانیں قربان کیں۔ اسیہ زین فرعون کی قربانی، حبشہ کا واقعہ، یاسر اور سب سے بڑھ کر امام حسینؑ کی قربانی۔ ۱۵۷

ذو نواس کے بعد ابرہہ کا اقتدار حاصل کرنا، مکہ پر چڑھائی پھر تباہی و بربادی۔ ۲۸۵ تا ۲۸۹

دشوار گزار گھاٹی

وہ گھاٹی غلام آزاد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، یتیم و خاک نشین مسکین کو بھی۔ نیز یہ بھی گھاٹی سے گزرنا ہے کہ خود ایمان لاتے، دوسروں کو وصیت کرے، اصحابِ یمین سے ہونہ کہ اصحابِ مشئمہ سے جن کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ ۲۶۶

دنیا رنج و تکلیف کا گھر ہے

اس جہان کی زندگی کی طبیعت کسی مرحلہ میں بھی مشکلات، تکالیف اور رنج و مشقت سے خالی نہیں۔ ۱۳۱

زبان کی حیرت انگیزیاں

زبان انسانی بدن کے بہت ہی حیرت انگیز اعضاء میں سے ہے۔ ۲۶۴ تا ۲۶۵

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

ثمود کا سرکش قدار بن یوسف اسالف جس نے ناقہ صالح کو ہلاک کیا۔ پوری قوم کا معذب ہونا ۲۸۷ تا ۲۹۱

خدا تیرے اعمال کو دیکھتا ہے

انسان سرکشی کرتا ہے، خود کو بے نیاز جانتا ہے، سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔ جو نماز سے منع کرے کیا وہ مستحق عذاب نہیں ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ یہ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے؟ کیا نہیں جانتا کہ اللہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے؟ ۳۶۰ تا ۳۶۷

خدا نے فرعون و ثمود کے لشکروں کیساتھ کیا کیا!

فرعون و ثمود کے لشکروں کی داستان سنی؛ کافر ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہے۔ اللہ سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ لوح محفوظ میں یہ با عظمت قرآن سرا سر سچ ہے۔ ۱۶۳ تا ۱۶۶

خدا کے عظیم کی تسبیح کر!

بلند مرتبہ رب کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا، منظم کیا، ہدایت کی، جس نے چراگاہ کو آگایا، پھر اُسے خشک و سیاہ کر دیا۔ ۱۸۶ تا ۱۹۱

خوش نمختی کا چار نکاتی منصوبہ

ایمان، عمل صالح، تواصی برحق و تواصی برصبر ۴۶۲، ۴۶۵

داستان اصحابِ فیل

سرسختی و بے نیازی کا احساس

مرفہ الحال مشکبہ طبقوں سے سرسختی و بے نیازی وجود پاتی ہے۔ اس بے خبری و غیرہ سرسختی سے اللہ کی پناہ۔ ۳۷۵

سورج کا عالم حیات میں نقش و اثر

زندگی کے لیے روشنی و حرارت سورج سے مہیا ہوتی ہے۔ تمام نعمات کی پیداوار اسی حرارت و روشنی کے زیر اثر ہے۔ ۲۸۲، ۲۸۵

سورۃٴ عبادیات کی قسموں اور ہدف کے درمیان ربط

ایک ایسا گروہ ہے جو جہاد پر کمر بستہ ہے، دوسری بخیل جماعت مال کی محبت میں مبتلا ہے۔ ۴۲۰، ۴۳۱

شبِ قدر، کون سی رات!

شبِ قدر کے بارے میں مختلف اقوال آئی ہیں، ۳۸۵
آئیسویں، تیسویں شبِ ماہِ رمضان -
شبِ قدر کو مخفی رکھنے کے اسباب ۳۸۶
کیا گزشتہ اُمّتوں میں بھی شبِ قدر تھی؟ انہیں
یہ نعمت نہیں ملی۔ ۳۸۶، ۳۸۷

شبِ قدر ہزار ماہ سے کس طرح بہتر ہے ۳۸۷
قرآن پاک شبِ قدر میں کیوں نازل ہوا؟ کیا
مختلف علاقوں میں ایک ہی شبِ قدر ہوتی ہے؟ ۳۸۸

شبِ قدر میں مقدر ہونے والے امور!

ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے۔ ۳۸۲

شبِ قدر۔ نزولِ قرآن کی رات!

ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا۔ ملائکہ اور رُوحِ امراہی کے ساتھ نزول کرتے ہیں۔ ۳۸۱ تا ۳۸۳

طبقاتی تفاوت

دو گروہ۔ اصحابِ مہینہ (صالح مومنین) ۲۵۰
اصحابِ مشئمہ (کفار و مجرمین)
مجاہدین کی جماعت جو جان و مال کی پروا کیے بغیر جہاد کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف ناشکر، بخیل انسان جو خود کھاتا ہے اور دوسروں کو روکتا ہے۔ ۴۲۰

عبادت میں خلوص نیت لازم ہے

تمام ادا میں قصدِ قربت ہونا لازم ہے ۴۰۲

علیؑ اور ان کے شیعہ خیر البریہ میں

اے علیؑ! اس آیت سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو عرصہٴ محشر میں اس طرح حاضر ہوں گے کہ تم بھی اللہ سے راضی و خوش اور اللہ تم سے راضی و خوش ہوگا۔
(رسولِ پاک - راوی ابن عباسؓ) ۴۰۱

اور سطح زمین پر غور کرو، نصیحت کرو تو مجبور کرنے پر مامور نہیں۔ کافر پر اللہ کا غضب، سب کی بازگشت ہماری طرف، سب کا حساب ہمارے پاس ہے۔

۲۲۱، ۲۱۵

قرآنی قسموں کا تاسخ سے ربط

سعادت کی راہ طے کرنے کے لیے بیدار و جوان عطا کیے ہیں، پھر اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے؟ شیطان کے ہکا دے میں کیوں آتے ہو؟

۲۸۴

قوم ثمود کی سرگزشت کا خلاصہ

مدینہ و شام کے درمیانی علاقہ وادی القریٰ میں رہنے والی بٹ پرست آسودہ حال قوم کی سرگزشت۔

۲۹۲، ۲۹۱

کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی و کوشش

آسمان پھٹ جائے گا، زمین میں وسعت پیدا ہوگی، ہر شے کو اگل کر خالی ہو جائے گی۔ انسان رنج و تکلیف کے ساتھ اپنے رب کی طرف جائے گا۔ دائیں ہاتھ والوں کے عمل کا حساب آسان ہوگا، خوشحالی سے اپنوں میں واپسی ہوگی۔

۱۲۲ تا ۱۳۰

کم تو لنا فساد فی الارض

علیّین ابرار کے انتظار میں ہے

نیکیوں کا نامہ اعمال علیّین میں ہے، لکھی ہوئی قطعی سرنوشت ہے۔ مقررین شاہد ہیں، چہروں پر نشاط، خوبصورت تخت، جنت کی شراہیں، رغبت رکھنے والوں کو مسابقت ہونا چاہیے۔

۱۱۲ تا ۱۰۶

غور و فکر بڑے گناہوں کی بنیاد ہیں

انہی صفات ردیلہ کے باعث دوسروں کی تحقیر کی جاتی ہے۔

۲۷۶

غیبت و عیب جوئی کرنے والوں پر وائے!

عیب جو اور تمسخر کرنے والے پر وائے۔ مال جمع کرتا رہا اور گنتا رہا۔ عنقریب جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۲۶۸ تا ۲۷۵

فتح کرمہ۔ اسلام کی عظیم فتح!

فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی۔ قوت و اطلاعات کا جمع کرنا۔ فتح کو ماسرمانہ طور پر نقصانات کے بغیر مکمل کرنا۔ آثار و نتائج کا مرحلہ۔

۵۲۵ تا ۵۴۱

قدرت خدا کی نشانیاں

اُونٹ کی خلقت، آسمانوں کی بلندی، پہاڑوں کی تنصیب

دلوں پر زنگ کی مانند ہیں۔ یہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ وہی ہے جس کا تم انکار کرتے تھے! ۹۸ تا ۱۰۲

گناہ دل کا زنگ کیوں ہیں؟

گناہ اعضاء و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں مگر دل کو متاثر کرتے ہیں۔ اسے غلیظ و متعفن کیچڑ میں بدل دیتے ہیں۔ ۱۰۲ تا ۱۰۴

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں میں لڑکیوں کے پیدا ہونے کے ساتھ دفن کرنے اور موجودہ دور کے اسقاطِ حمل کا احوال ۳۹، ۴۰، لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

لوگوں کے رب، مالک اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں
دوسو سے ڈالنے والے ختناس کے شر سے جو سینوں
میں دوسو سے ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں
دوسو سے ڈالنے والوں کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ ۵۸۸ تا ۵۸۶

مال جمع کرنے کی حرص

مال کو حلال و حرام کی تمیز کے بغیر جمع کرنے کی مذمت۔ ۴۴۷، ۴۸۰

مصائب و آلام اور پیغمبری

اللہ نے آسمان کو بلند کیا، ہر چیز میں میزان و حساب رکھا کہ تم وزن و حساب میں سرکشی سے کام نہ لو۔ ۹۰ تا ۹۲

کم تولنے والے پر واٹے ہے!

اپنا حق تو پورا وصول کرتے ہیں، فروخت میں کم دیتے اور نفع بڑھاتے ہیں، انہیں قیامت کا یقین نہیں، پس وہ قابلِ نفرین ہیں۔ ۸۶ تا ۹۰

کیا انسان طبعاً ناشکر ہے؟

انسان میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ شکر گزار و مطیع، کچھ بنجیل و نافرمان۔ ۲۳۱، ۲۳۲

کیا بت پرست خدا کے منکر تھے؟

بت پرست، اللہ کو خالق مانتے تھے۔ بتوں کو بطور وسیلہ پوجتے تھے۔ ۵۲۵

کیا نظام شمسی ختم ہو جائے گا؟

ماہرینِ فلکیات کے اقوال اور تشریح آیات قرآن پاک۔ ۴۳، ۴۵

گناہ دل کا زنگ ہے

قیامت کے منظرِ سجادز کرنے والے ہیں۔ ان کے اعمال

یتیمی نے یتیموں کا احساس پیدا کیا۔ آنحضرتؐ نے ہمیشہ یتیموں پر شفقت فرمائی۔ لوگوں کو توجہ دلائی۔

۳۲۸ تا ۳۳۰

معاد کے انکار کے اثرات

اس شخص کو دیکھا جو معاد کا انکار کرتا ہے، یتیم کو دھکے دیتا ہے، مسکین و نادار کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔ ان نماز گزاروں پر وائے جو اپنی نماز کو مجھول جاتے ہیں، معمولی کم قیمت چیز کسی کو مانگنے پر بھی نہیں دیتے۔

۵۰۴ تا ۵۰۷

مؤمنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے

برجوں والے آسمان، یوم موجود اور شاہد و مشہود کی قسم، بریں اور معذب ہوں تشدد کرنے والے جو بھٹیوں کے قریب بیٹھے ہوئے مؤمنین کے انجام کو دیکھ رہے تھے۔ یہ اللہ پر ایمان کیوں لائے؟ اللہ زمین و آسمان کا حاکم و گواہ ہے۔

۱۴۷ تا ۱۵۲

مؤمنین پر استہزاء کرنے کا حربہ

اہل باطل ہمیشہ اہل حق کو استہزاء کے حملوں سے دباتے ہیں، مگر اہل حق کے دلوں میں روح مقاومت پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۰ تا ۱۲۱

میزان اعمال کی سنگینی کے اسباب

ثواب کے اعتبار سے اعمال صالح مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایمان عمل کو بہت زیادہ وزن عطا کرتے ہیں جیسے لا الہ الا اللہ کا ورد۔

۴۴۰ تا ۴۴۲

میں دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہوں

برسنے والے آسمان اور شگافہ زمین کی قسم! یہ ایک سچی بات ہے۔ وہ مکر کرتے ہیں، میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیجیے۔

۱۷۸ تا ۱۸۲

میں سپیدہ سحر کے رب کی پناہ مانگتا ہوں

صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو کچھ پیدا کیا، اس کے شر سے، جادو کے شر سے اور حسد کے شر سے اپنے خالق کی پناہ مانگتا ہوں۔

۴۸۷ تا ۴۹۰

نجات کی صرف ایک راہ!

’والعصر‘ کی مختلف تعبیریں! بعض نے وقتِ عصر مراد لیا۔ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں۔ طاقت و قدرت گھٹتی چلی جاتی ہے مگر وہ لوگ جو

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتابوں میں آیا

تزکیہ نفس کرنے والا کامیاب، خالق کے نام کا ورد کرے، نماز پڑھے۔ تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو؛ حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے۔ یہ احکام کاتبِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی اچھلے۔
۱۹۸ تا ۲۰۱

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لیے آمادہ کریں گے

ہم پڑھائیں گے جسے تم نہیں بھولو گے، مگر جو اللہ چاہے۔ وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ تمہیں ہر اچھے کام پر آمادہ کریں گے۔ سمجھانا مفید ہو تو سمجھاؤ، خاشعین کا ذکر ہوگا، بد نعت دوری اختیار کرے گا اور بڑی آگ میں ہمیشہ زندگی و موت کے درمیان رہے گا۔
۲۰۲ تا ۲۰۸

ہم خدا کی پناہ کیوں مانگتے ہیں

انسان کے ہر لمحہ انحراف کا امکان ہے۔ اللہ تو اپنے پیغمبر کو بھی دسواں خناس کے شر سے پناہ مانگنے کو کہتا ہے۔ بشر تنہا نہیں ہے۔ فرشتے بھی انسان کی مدد کرتے ہیں۔
۵۸۸

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

ایک دوسرے کو حق بات اور صبر و استقامت کی وصیت کرتے ہیں۔
۲۵۸ تا ۲۶۲

نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرو!

پناہ دی، رہنمائی کی، بے نیاز کر دیا۔ اب یتیم اور سائل کو مت جھڑکو، نعمت کا شکر ادا کرو۔
۳۲۲ تا ۳۲۷

نعمت ملنے پر مغرور اور سلبِ نعمت پر مایوس نہ ہو کرو!

نعمت ملی تو مغرور ہو کر کہا کہ اللہ نے اکرام کیا۔ سلبِ نعمت پر مایوس ہو کر کہا کہ مجھے مایوس کیا۔ ایسا نہیں ہے۔ تم یتیموں کا اکرام نہیں کرتے، فقراء و مساکین کی پرورش پر توجہ نہیں دیتے، ناجائز میراث کھا جاتے ہو، مال و دولت کو دوست رکھتے ہو۔
۲۳۷ تا ۲۴۱

نعمتوں کو بیان کرو

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنے سے انسان اپنے پاس سے کسی چیز کے کم ہونے کا احساس نہیں کرتا۔
۳۳۱ تا ۳۳۶

وہ آثار جو انسان کے بعد باقی رہ جائیں گے

عمارت یا دوسری چیز جس سے انسان استفادہ کریں، نیک بیٹا جو اعمالِ دعا و مغفرت بجالائے۔ اچھی یا بُری سنت جو قائم کر جائے۔
۶۶، ۶۵

انجیروزیوں کی قسم، طور سینا کی قسم! ہم نے انسان کو بہترین شکل اور نظام میں پیدا فرمایا۔ ۳۲۸ تا ۳۵۲

ہم نے تجھے انواع واقسام کی نعمات دیں

سینہ کشادہ کیا۔ سخت بوجھ کو کم کیا، ذکر کو بلند کیا۔

ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔ پس اپنے رب کی

جانب رغبت کر۔ ۳۲۶ تا ۳۴۰

یقین اور اس کے مراحل

یقین شک کی ضد۔ ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین

کہتے ہیں۔ ۳۵۲ تا ۳۵۴

مقامات

بالیس

جنگ ذات السلاسل کے لیے مخالفین یہاں

مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ ۳۲۲

بیت المقدس

مشہور ترین مقام (قبلہ اول)

۳۲۷

حبشہ

قیصر روم کے ماتحت عیسائی ریاست۔ نجاشی

حکمران تھا۔ قیصر کے حکم سے یمن پر حملہ کر کے

ذونواس اور یہودیوں کو تباہ کر دیا۔ ۳۲۸ تا ۳۸۶

حجاز

مدینہ و شام کے درمیان قوم ثمود کا مسکن ۲۷۰

حجون

مکہ کے قریب بلند مقام جہاں حضرت خدیجہ الکبریٰ

کی قبر ہے۔ ۵۳۹

دمشق

مشہور شہر اندیشوں (ملک شام) کی قسم! ۳۲۷

ذی طوی

بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف

نظر آتے تھے۔ ۵۳۹

ذی المجاز

عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑی دور ایک

مقام جہاں آنحضرتؐ تبلیغ فرما رہے تھے۔ ۵۳۷

روم

ایک قدیم سلطنت کا نام۔ موجودہ اٹلی کا ایک شہر۔ ۳۵۰

عیسائیوں کی ایک طاقتور سلطنت کا صدر مقام ۳۸۶

سد ما رب

یمن کا ایک عظیم بند

۳۹۲

مکہ

قسم ہے اس شہر مکہ کی جہاں آپ رہتے ہیں ۲۵۲
اس بلدا میں کی قسم! ۳۲۸

نجران

ایک عیسائی ریاست جس کے امراء ذوالواس کے
ظلم کا نشانہ بنے۔ ایک آدمی قیصر روم کے پاس
فریاد لے کر گیا۔ ۱۵۵
سلطنت میں کے قریب عیسائی ریاست ۳۸۵

نجف

کوفہ کے نزدیک ایک شہر و مشہد جناب امیر المؤمنین (۳۲۹)

وادی القرئی

قوم ثمود کا مسکن، مدینہ اور شام کے درمیان ۲۳۲

یمن

ایک قدیم سلطنت، ایک قدیم ملک ۱۵۴
اب رہہ کی حکومت کا صدر مقام ۳۸۲

یونان

ایک ملک کا نام ۳۵۰

شام

اصحابِ اخدود کے آیتناحوس نے مؤمنین کو
آگ میں جلوا دیا۔ ۱۵۶
ایک شاداب صوبہ جس کے قریب ثمود کا مسکن تھا ۲۴۰
سرزمینِ شام کی قسم! ۳۲۴

فارس

مجوسی اصحابِ اخدود کے بادشاہ نے بہن سے
نکاح کو جائز کرنا چاہا۔ مخالفت کرنے والے مؤمنین
کو آگ میں جلوا دیا۔ ۱۵۶

کوفہ

ایک بہت پرانا شہر ۳۲۹

مدینہ

مشہور شہر قبل از ہجرت آنحضرت کی دعوت کی
شہرت مدینہ پہنچ چکی تھی۔

مرالظہران

مکہ کے قریب وہ میدان جہاں فتح مکہ کے دن
لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ ۵۳۴

۳۰۰ روپے	ہدیہ	ترجمہ و حواشی مولانا ذیشان حیدر جوادی	انوار القرآن
۲۵۰ روپے	ہدیہ	ترجمہ مولانا محمد علی قاضی	میزان الحکمت (جلد اول)
۱۵۰ روپے	ہدیہ	ڈاکٹر محمود رامیار	تاریخ قرآن
۲۰ روپے	ہدیہ	جعفر الہادی ترجمہ شفا نجفی	قرآن الہدیت کی نظر میں
۱۵ روپے	ہدیہ	ترجمہ سید انوار احمد بلگرامی	قرآن فہمی
۲۵ روپے	ہدیہ	ترجمہ " " " "	استاد مطہری شہید
۲۰ روپے	ہدیہ	ترجمہ سید جاوید جعفری	معاد قرآن کی نظر میں
۱۰ روپے	ہدیہ	" " " "	آیت اللہ نظامی
۳۰ روپے	ہدیہ	ترجمہ سید محمد حسین زیدی	مدینۃ العلم (ارشادات پیغمبر اکرم)
۲۰ روپے	ہدیہ	آقا حسن رضا غدیری	خطبہ مؤلفہ (ارشادات علی ابن ابی طالب)
۱۵ روپے	ہدیہ	" " " "	اسلام میں مقام قرآن و عترت
۲۵ روپے	ہدیہ	کیپٹن فہیم رضا	صحیفہ پنجتن پاک
۱۵ روپے	ہدیہ	حافظ سید ریاض حسین نجفی	تحفۃ الابرار
۳۰ روپے	ہدیہ	ترجمہ شائق نقوی، قیصر عباس	رد دہریت
۲۵ روپے	ہدیہ	مولانا رضی جعفر نقوی	اسلامی اقتصادیات
۲۵ روپے	ہدیہ	مولانا ابن حسن نجفی	آئین تربیت
۱۵ روپے	ہدیہ	مولانا شیخ علی مدبر نجفی	خلاصہ الغدیر
۲۵ روپے	ہدیہ	مولانا ذیشان حیدر جوادی	مسئلہ خمس
۵۰ روپے	ہدیہ	مولانا محمد ہارون رنگی پوری	تعلیمات اسلام
۲۵ روپے	ہدیہ	آقائے علی میلانی	خانہ دان اور انسان
۲۰ روپے	ہدیہ	آیت اللہ جعفر سبحانی	توحید القرآن
۲۰ روپے	ہدیہ	سید مجتبیٰ حسین	شیخہ اور تحریف قرآن
۱۰۰ روپے	ہدیہ	آقائے محمد تقی فلسفی	مبانی حکومت اسلامی
			میراث انبیاء
			معاد

قرآن سنٹر ۲۴، الفضل مارکیٹ - اردو بازار لاہور

فون : ۴۳۱۴۳۱۱

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

التاس سورہ فاتحہ کے تمام مروجین

۱ [شیخ صدوق	۱۳ (سید حسین عباس فرحت	۲۵ (تیکم و اخلاق حسین
۲ [علامہ مجلسی	۱۴ (تیکم و سید جعفر علی رضوی	۲۶ (سید ممتاز حسین
۳ [علامہ سائبر حسین	۱۵ (سید نظام حسین زیدی	۲۷ (تیکم و سید اختر عباس
۴ [علامہ سید علی نقی	۱۶ (سیدہ زہرہ	۲۸ (سید محمد علی
۵ [تیکم و سید عابد علی رضوی	۱۷ (سیدہ رضویہ خاتون	۲۹ (سیدہ رضیہ سلطان
۶ (تیکم و سید احمد علی رضوی	۱۸ (سید نجم الحسن	۳۰ (سید مظفر حسین
۷ (تیکم و سید رضا امجد	۱۹ (سید مبارک رضا	۳۱ (سید باسط حسین نقوی
۸ (تیکم و سید علی حیدر رضوی	۲۰ (سید تنہیت حیدر نقوی	۳۲ (نظام محی الدین
۹ (تیکم و سید سید حسن	۲۱ (تیکم و مرزا محمد ہاشم	۳۳ (سید ناصر علی زیدی
۱۰ (تیکم و سید مردان حسین جعفری	۲۲ (سید باقر علی رضوی	۳۴ (سید وزیر حیدر زیدی
۱۱ (تیکم و سید چار حسین	۲۳ (تیکم و سید باسط حسین	۳۵ (ریاض الحق
۱۲ (تیکم و مرزا تو حید علی	۲۴ (سید عرفان حیدر رضوی	۳۶ (خورشید تیکم